

# مرآة المناجیح

اردو ترجمہ و شرح

## مشکوٰۃ المصابیح

مصنف  
جلد (اول)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات



## مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل فلا هادي له و اشهد ان لا اله الا الله  
شهادة تكون للنجاة و سيلة

ترجمہ:

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں۔ ہم اسی کی حمد کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے معافی چاہتے ہیں۔ اور اپنے نفسوں کی شرارت اور اپنے اعمال کی برائیوں سے رب کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ایسی گواہی جو نجات کا وسیلہ اور بلند درجہ

تشریح:

۱۔ یعنی ہر حامد کی محمود پر، ہر وقت، ہر نعمت پر، ہر طرح کی ہر حمد اللہ تعالیٰ ہی کی حمد ہے کیونکہ جسے جو ملا اسی کے دین سے ملا، لہذا وہ ہی ہر حامد کا محمود، ہر ساجد کا مجبوع، ہر عابد کا معبود، ہر شاہد کا مشہود، ہر قاصد کا مقصود ہر طرح موجود ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی حقیقی و کامل حمد وہ جو اس نے اپنی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "أَنْتَ كَمَا أَتَيْتَ عَلَيَّ كَفَيْتَ" لہذا وہ ہی حامد ہے، خود ہی محمود، یا اس کی مقبول حمد وہ ہے جو اس کے بندہ خاص محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، یا محمد مصطفیٰ کی کامل حمد وہ ہے جو ان کی ان کے رب نے کی، وہ اپنے رب کے احمد ہیں رب ان کا محمود، اور رب ان کا حامد وہ رب کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، غرض کہ الحمد کاللف لام یا استغراقی یا عہدی۔

۲۔ تمام دنیاوی حاجات بلکہ خود حمد کرنے میں حقیقی مدد اسی سے مانگتے ہیں، اور حمد وغیرہ میں جو کوتاہی ہم سے ہو جائے اس کی معافی کے خواستگار ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ کے مقبولوں کی مدد حقیقتاً رب ہی کی مدد ہے۔

۳۔ نفس کی شرارتوں سے اپنی خفیہ برائیاں مراد ہیں، اعمال کی برائیوں سے ظاہر خرابیاں مراد ہیں۔ ہم ظاہر و باطن عیبی ہیں ان عیبوں کو خود دفع نہیں کر سکتے، نفس و شیطان سخت دشمن، بڑے دشمن کے مقابلہ میں بڑے مددگار کی پناہ درکار، ان دشمنوں سے رب کی پناہ، شیطان کے شر سے نفس امارہ کا شرفوی تر ہے کہ یہ مارا آستین ہر وقت گھات میں ہے اس لیے خصوصیت سے نفس کا ذکر ہوا۔

۴۔ ہدایت کے دو معنی ہیں: راہ خیر دکھانا، منزل مقصود پر پہنچا دینا۔ ایسے ہی اس کے مقابل ضلالت کے دو معنی ہیں: راہ شر دکھانا، شرتک پہنچا دینا۔ پہلے معنی سے ہدایت کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مرشد کامل یا قرآن کی طرف، یونہی ضلالت کی نسبت شیطان جن و انس یا نفس امارہ کی طرف ہوتی ہے۔ مگر دوسرے معنی سے ہدایت و ضلالت کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، یعنی اے مولیٰ جسے تو منزل مقصود تک پہنچا دے اسے پھر کوئی راہ شر نہیں دکھا سکتا کہ وہ تو راستوں سے گزر گیا اور جسے تو اس کی بدکاریوں، بد اعمالیوں کی وجہ سے کفر قطعی تک پہنچا دے پھر اسے کسی کی راہبری کام نہیں دیتی۔ لہذا اس خطبہ پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ گمراہی کی نسبت رب کی طرف کیسی! نہ یہ کہ جب خدا نے بندہ کو گمراہ کر دیا تو بندے کا کیا قصور، کاسب بندہ ہے خالق مولیٰ۔

۵۔ گواہی توحید ساری مخلوق نے عقلی یا سمعی دی، مگر ہمارے حضور نے شہودی لہذا تمام مخلوق ثانوی گواہ ہے اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ یا حقیقی گواہ اسی لیے رب نے فرمایا: "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا" یعنی حضور نے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، جنت و دوزخ وغیرہ کو دیکھ کر گواہی دی، چونکہ عینی گواہ پر گواہی مکمل ہو جاتی ہے اسی لیے رب نے فرمایا: "الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ"، "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کے معنی ہیں: "لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ" یا "لَا مَقْصُودَ إِلَّا اللَّهُ" مگر ارباب شہود کہتے ہیں: "لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ"۔ غرض کہ جیسا کلمہ پڑھنے والا ویسے اس کے معنی، کلمہ ایک ہے مگر زبانیں مختلف اس لیے تاثیریں جداگانہ

ولرفع الدرجات كقيل: واشهد ان محمد اعبده ورسوله الذي بعثه وطرق الایمان قد عفت انارها وخبث انوارها وهنت اركانها  
ترجمہ:

کی ضامن ہو اور گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں ۲ جنہیں اللہ تعالیٰ نے جب بھیجا، جب کہ ایمان کے راستوں کی نشانیاں مٹ چکی تھیں ۳ اور اُن کی روشنیاں بجھ گئی تھیں ۴ اور ان کے کنارے کمزور

تشریح:

۱۔ یعنی منافقوں کی سی گواہی نہیں دیتا جو زیادتی کفر کا سبب ہو، بلکہ اخلاص و صدق سے گواہی دیتا ہوں جس سے کافر مؤمن ہو جاتا ہے اور مؤمن عارف بن کر بلند درجے پا جاتا ہے۔

۲ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول اور رسول (پیغمبر) بھی ہیں اور ساری مخلوق کے رسول بھی، یعنی اللہ کے پیغام لانے والے، مخلوق کو پیغام پہنچانے والے، رب سے لینے والے، مخلوق کو دینے والے، لہذا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کے رسول اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے رسول۔ پھر حضور کفار کو عذاب کا پیغام دیتے ہیں، مؤمنوں کو ثواب کا، عاشقوں کو وصال کا، غرض حضور کی رسالت مختلف ہے۔ نبی اور رسول کبھی ہم معنی ہوتے ہیں کبھی مختلف کہ نبی عام رسول خاص۔

۳ کیوں کہ عرب میں اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی تشریف نہ لائے تھے۔ اس چار ہزار سال کے عرصہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعلیم لوگ بھول چکے تھے۔ خیال رہے کہ عرب میں اور اولاد اسماعیل میں ہمارے حضور کے سوا کوئی نبی نہ آئے کہ جس آسمان پر سورج ہے اس پر کوئی تارا نہیں۔

۴ اس طرح کہ بنی اسرائیل جو دیگر ممالک میں جلوہ گر ہوئے ان کی ہلکی روشنیاں عرب میں پہنچیں مگر عیسیٰ علیہ السلام کے بعد وہ بھی گل ہو کر رہ گئیں کہ انجیل مسخ کر دی گئی، راہبوں پادریوں نے ان کی تعلیم بدل دی۔ اگر کچھ بچے کچھے اصلی عیسائی تھے بھی تو وہ غاروں پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ اب دنیا میں اندھیرا ہی رہ گیا، اسی دور کو جاہلیت کا دور کہا جاتا ہے۔

و جهل مکانها فشيد صلوات الله عليه و سلامه من معالها ماعفا و شفا من العليل في تائيد كلمة التوحيد من كان على شفا و اوضح سبيل الهداية لمن اراد ان يسلكها و اظهر كنوز السعادة لمن قصد ان يملكها۔

ترجمہ:

اور انکی جگہیں نامعلوم ہو چکی تھیں۔ حضور پر اللہ کی رحمتیں اور سلام ہوں ۲ کہ آپ نے اسلام کے مٹے ہوئے نشان اونچے کر دیئے، اور کلمہ توحید کو تقویت دے کر ان بیماریوں کو شفا دے دی جو کنارہ پر تھے، ۳ اور راہ ہدایت کا راستہ ان کے لیے صاف فرما دیا جو اس پر چلنا چاہے، اور خوش نصیبی کے خزانے اس کے لیے ظاہر فرما دیئے جو ان کا مالک ہونا چاہے ۴۔

### تشریح:

۱۔ اس طرح کہ اصلی عقائد کے ساتھ صحیح عبادات بھی گم ہو کر رہ گئیں تھیں پتہ نہ لگتا تھا کہ ان بیماریوں کی دوا کہاں ملتی ہے اور ان کا حکم کہاں ہے۔ غرض کہ دنیا میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا کیوں نہ ہوتا کہ ہدایت کا سورج نکلنے والا تھا۔ جس سے عالم میں نور اور ظلمت کا نور ہونے والی تھی۔

۲۔ درود شریف میں صلوٰۃ و سلام دونوں عرض کرنا چاہئیں کہ قرآن کریم نے دونوں کا حکم دیا صرف صلوٰۃ یا صرف سلام بھیجنے کی عادت ڈال لینا ممنوع ہے۔ (ازمرقات) اسی لیے درود ابراہیمی صرف نماز کے لیے ہے کیونکہ اس میں صرف صلوٰۃ ہے سلام نہیں۔ سلام التحیات میں ہو چکا نماز کے علاوہ یہ درود مکمل نہیں کہ سلام سے خالی ہے۔ اس کی پوری بحث درود شریف کی بحث میں آئے گی۔

۳۔ اس طرح کہ حضور نے دنیا کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا، بت پرستی پرستی دفع کی، کلمہ توحید کا اعلان فرما دیا اور جو دوزخ کے کنارے پہنچ چکے تھے انہیں بازو پکڑ کے ہٹالیا، ہر روحانی بیمار کو ہر طرح شفا دی، کسی سے یہ نہ فرمایا کہ تیری دوا میرے دارالشفاء میں نہیں۔ ایسا کامل اکمل ہادی نہ آیا تھا نہ آئے۔ خیال رہے کہ یہاں پہلا شفا شفاء کا ماضی ہے یعنی حضور نے تندرستی و صحت بخشی، اور دوسرا شفاء اسم جامد ہے بمعنی کنارہ یعنی جو ہلاکت یا جہنم کے کنارہ پر تھے انہیں صحت بخشی کہ کفار کو ایمان، فساق کو تقویٰ عطا کیا۔ مصنف کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور شفا بخشتے ہیں یہ کہنا شرک نہیں۔

۴۔ ظاہر یہ ہے کہ ہدایت سے مراد شریعت ہے، سعادت سے مراد طریقت۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت و طریقت دونوں بخشیں، قلب و قالب دونوں کا انتظام فرمایا۔ کسی نے انکار کر کے دائمی بدبختی حاصل کر لی، کسی نے قبول کر کے دارین کی خوش نصیبی کمائی۔ حضور نے انہیں مکہ والوں میں سے صدیق فاروق بنائے، رہزنوں کو راہبر، گراہوں کو ہادی، بے علموں کو دنیا بھر کا معلم بنا دیا۔ حضور کا فیض کعبہ کی دیواروں سے پوچھو، مکہ کے بازاروں سے پوچھو، منیٰ و مزدلفہ کے کوچوں سے پوچھو، عرفات کی بلند چوٹیوں سے معلوم کرو کہ لوگوں نے کعبہ کو بت خانہ بنا دیا تھا، حضور نے خانہ خدا بنا کر تمام عالم کا مسجود الیہ بنا دیا۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

اما بعد! فان التمسك بهديه لا يستتب الا بالافتقار لما صدر من مشكواته والاعتصام بحبل الله لا يتم الا ببيان كشفه و كان كتب المصابيح الذي صنفه الامام معي السنة قانع البدعة ابو محمد الحسين ابن مسعود الفراء البغوي رفع الله درجته اجمع كتاب صنف

ترجمہ:

حمد و صلوٰۃ کے بعد جاننا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مضبوطی سے حاصل کرنا ناممکن ہے بغیر اتباع کے ان احادیث کے جو آپ کے سینہ سے صادر ہوئیں اور اللہ کی رسی کا مضبوطی سے تھامنا مکمل نہیں بغیر اس کے واضح بیان کے ۲ اور کتاب مصابیح جو

سنت زندہ کرنے والے، بدعت اکھیرنے والے امام ابو محمد حسین ابن مسعود فراء بغوی کی تصنیف ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کا درجہ بلند کرے  
تمام ان کتب میں جامع تر تھی جو اس بارے میں لکھی گئیں ۳  
تشریح:

۱ یعنی ہر انسان پر حضور علیہ السلام کی اطاعت فرض ہے اور یہ اطاعت بغیر حدیث و سنت جانے ناممکن ہے۔ مشکوٰۃ یعنی طاق حضور انور کا سینہ  
مبارک ہے اور حضور علیہ السلام کے اقوال و احوال اس طاق کے چراغ ہیں، اگر روشنی چاہتے ہو تو اس سینے اور ان الفاظ طیبہ سے حاصل  
کرو، قرآن کتاب ہے حضور علیہ السلام چراغ اور چراغ کے بغیر کتاب پڑھی نہیں جاتی۔ حضور علیہ السلام کے بغیر قرآن سمجھا نہیں جاتا، ہر  
آیت حضور علیہ السلام کی تفسیر کی حاجت مند ہے ورنہ ہمیں کیا خبر کہ اَقِیْمُوا کے کیا معنی اور صلوة و زکوٰۃ کسے کہتے ہیں۔

۲ اللہ کی رسی قرآن کریم ہے جو ہم نیپوں کو غار سے نکال کر اوپر پہنچانے آئی۔ لیکن اس مضبوط رسی سے فائدہ وہی اٹھائے گا جو حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسے پکڑے گا۔ اس رسی کے لانے والے بھی حضور ہیں، پھر ہمیں پکڑانے والے بھی حضور، پھر پکڑنے  
کے بعد چھوٹ جانے سے بچانے والے بھی حضور، کہ حضور کے ذریعہ مخلوق کو قرآن ملا، حضور ہی کے سمجھائے قرآن سمجھا گیا۔ حضور ہی کی  
نگاہ کرم سے ان شاء اللہ مرتے دم تک اس پر عمل کیا اور انہیں کے کرم سے مرتے وقت بفضل کلمہ نصیب ہوگا۔ جو حدیث کا انکاری  
ہے وہ صرف دو رکعت نماز پڑھ کر یا ایک بار ایسی زکوٰۃ دے کر دکھادے جس میں حدیث کی مدد نہ ہو۔ غرض کہ نماز و زکوٰۃ وغیرہ سنائی  
قرآن نے، سکھائی حضور نے، قرآن روحانی کھانا ہے، حدیث اس کا پانی، پانی کے بغیر نہ کھانا تیار ہو نہ کھایا جاسکے۔

۳ یعنی فن حدیث میں بہت کتب لکھی گئیں، مگر کتاب مصابیح تمام کتب کی جامع کتاب ہے، اس کے مصنف حسین ابن مسعود ہیں۔ آپ  
کی کنیت ابو محمد ہے، لقب فراء کیونکہ پوستین کی تجارت کرتے تھے (فراء نحوی اور ہیں) ہرات و سرخس کے درمیان ایک بستی ہے بغو۔ وہاں  
کے رہنے والے تھے لہذا بغوی کہلاتے ہیں۔ خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے میری سنت زندہ کی اللہ تجھے زندہ  
رکھے، لہذا خطاب ہو امی السنہ۔ شافعی المذہب ہیں، بڑے متقی، عالم، زاہد، تارک الدنیا بزرگ تھے، ہمیشہ روکھی روٹی، یا زیتون یا کشمش سے  
روٹی کھائی، اسی برس سے زیادہ عمر پا کر ۵۱۶ھ مقام کرد میں وفات پائی، اپنے استاذ قاضی حسین کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ  
نے "مصابیح شرح السنہ"، "تفسیر معالم التنزیل"، "کتاب التذیب"، "فتاویٰ بغوی" وغیرہ کتب تصنیف فرمائیں۔ خیال رہے کہ مصابیح میں چار  
ہزار چار سو چونتیس حدیثیں تھیں صاحب مشکوٰۃ نے ایک ہزار پانچ سو گیارہ احادیث کا اضافہ کیا لہذا مشکوٰۃ شریف میں پانچ ہزار نو سو  
پینتالیس احادیث ہیں۔ (ازمرقاۃ)

فی بابہ و اضبط لشوارد الاحادیث و اوابدھا و لما سلك رضى الله طريق الاختصار و حذف الاسانید تکلم فیہ بعض  
النقاد و ان کان نقله و انه من الثقات کالاسناد لکن لیس ما فیہ اعلام کالاعمال فاستخرت اللہ  
ترجمہ:

اور شوارد اوابد حدیثوں کی محافظ تھی۔ چونکہ مصنف نے طریقہ اختصار اختیار کیا ۲ اور اسنادوں کو چھوڑ دیا، اس بارے میں بعض ناقدین نے چہ  
میگوئیاں کیں ۳ اگرچہ مصنف کا نقل فرمادینا ہی اسناد کی مثل ہے ۴ کیونکہ وہ معتبر ہیں مگر نشانوں والا راستہ بے نشان راہ کی طرح  
نہیں ۵ اس لیے میں نے اللہ سے خیر اور توفیق  
تشریح:

۱۔ شوارد شارده کی جمع بمعنی نافرہ (بھڑکا ہوا جانور) یعنی وہ حدیثیں جو لوگوں کے ذہنوں سے قریباً جاچکی تھیں، لوگ انہیں قریباً بھول چکے تھے۔ جیسے بھڑکا ہوا جانور اپنی جگہ سے بھاگ جاتا ہے۔ ادا بد آبدہ کی جمع ہے بمعنی وحشی جانور جو انسان سے نفرت کرے یعنی وہ احادیث جن کے مضامین فہم سے بالاتر ہیں سمجھ میں نہیں آتے جیسے وحشی جانور قبضہ میں نہیں ہوتا یعنی مصابح ان احادیث کی جامع ہے جنہیں لوگ بھول چکے تھے یا ان کی تخریج یا مضامین سے قریباً مایوس ہو چکے تھے۔

۲۔ اسی طرح کہ نہ تو احادیث کی اسناد میں بیان کیں نہ ان کا مخرج کہ کس کتاب کی یہ حدیث ہے۔ خیال رہے کہ اسناد حدیث مجتہدین کو مفید ہے جس سے وہ حضرات حدیث کا مرتبہ، نسخ منسوخ ہونا، تعارض کے وقت کسی کا راجح ہونا، کسی حدیث کا مثبت استحباب ہونا، کسی کا مثبت وجوب ہونا معلوم فرماتے ہیں۔ مقلدین حضرات ان کاوشوں سے آزاد ہیں ان کے لیے قول امام دلیل ہے اور حدیث امام کی دلیل، پولیس کے لیے حاکم کا فیصلہ دلیل ہے اور حاکم کے لیے تعزیرات ہند کے دفعات دلیل ہیں۔ اس لیے صاحب مصابح نے صرف متن حدیث نقل فرمایا اسنادیں چھوڑ دی تھیں۔ (ازمرقات) خیال رہے کہ عبارت حدیث کو متن کہتے ہیں، راویوں کے سلسلہ کو اسناد اور اصل کتاب کا ذکر جہاں سے حدیث لی گئی ہو تخریج کہلاتا ہے۔

۳۔ اس طرح کہ مصابح کی احادیث پر شبہ کرنے لگے، کہنے لگے کہ جب نہ اسنادوں کا ذکر ہے نہ تخریج معلوم، تو کیا معلوم اس کی احادیث صحیح ہیں یا نہیں۔ ناقدین وہ حضرات کہلاتے ہیں جو صحیح اور ضعیف حسن وغیرہ میں امتیاز کریں، راویوں کے حالات سے خبر رکھیں، ان کی توثیق تعدیل و جرح کر سکیں۔

۴۔ یعنی امام محی السنۃ اس پایہ کے محدث ہیں کہ ان کا کسی حدیث کو بغیر جرح نقل فرمادینا اس حدیث کی قوت کی دلیل ہے، ان کی نقل گویا اسناد ہے۔ اس عبارت سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مقلد کو امام کی حدیث پر اعتماد کر لینا درست ہے، اسے حدیث کی چھان بین کرنے کی ضرورت نہیں، مریض طبیب کے نسخے پر اعتماد کرے، اسے کتب طب کی تحقیقات ضروری نہیں۔ دوسری یہ کہ ضعیف احادیث پر فقہاء کا عمل فرم لینا اس حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔

۵۔ لہذا تخریج بیان کر دینے سے لوگوں کو طعن کا موقع نہ ملے گا اور صاحب مصابح پر اعتراض نہ کر سکیں گے۔ سبحان اللہ! کیسا ادب ہے کہ فرمایا نشانوں والا راستہ یعنی مشکوٰۃ شریف بے نشان والے راہ یعنی مصابح کی طرح نہیں۔ مصابح بہت اعلیٰ ہے یہ ہے انکسار نفس۔

و استوفقت منه فأعلمت ما اغفله فأودعت كل حدیث منه فی مقرة كما رواه الاثمة المتقیون والثقات الراسخون مثل

ابی عبد اللہ محمد بن اسمعیل البخاری و ابی الحسین مسلم بن الحجاج القشیری و ابی عبد اللہ

ترجمہ:

ماگئی اور ان کے بے نشانوں کو نشاندار بنا دیا کہ اس کی ہر حدیث اپنے ٹھکانے میں ویسے ہی رکھی ۳۔ جیسے ماہر عادل حافظ اماموں نے روایت فرمائی جیسے ابو عبد اللہ محمد بن اسمعیل بخاری ۴ اور ابو الحسین مسلم ابن حجاج قشیری ۵ اور ابو عبد اللہ

تشریح:

۱۔ اس طرح کہ مشکوٰۃ شریف لکھنے سے پہلے باقاعدہ استخارہ کیا، جیسا کہ طبرانی نے حضرت انس سے روایت کی: "مَا حَابَّ مَنِ اسْتَحَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ" استخارہ کر لینے والا نقصان نہیں اٹھاتا، مشورہ سے کام کرنے والا شرمندہ نہیں ہوتا، اور درمیان تصنیف میں اللہ

سے توفیق اتمام مانگتا رہا۔ فقیر احمد یار بھی بارگاہ الہی میں دعا کرتا ہے کہ مولیٰ بطفیل اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس بڑے کام کو بخیر و خوبی انجام دینے کی توفیق دے، اسے قبول فرما کر صدقہ جاریہ اور میرے گناہوں کا کفارہ بنا۔ آمین یا رب العالمین!

۲۱ اس طرح کہ ہر حدیث کے اول صحابی، راوی کا نام شریف اور آخر میں کتاب حدیث کا نام صراحۃً بتا دیا۔

۲۲ یعنی جو حدیث مصابیح میں جس جگہ تھی میں نے بھی مشکوٰۃ میں وہاں ہی بیان کی، بلاوجہ آگے پیچھے نہ کی اور ہر حدیث میں محدثین کی روایات کی پیروی کی، جس طرح ان اماموں سے منقول تھی ویسے ہی میں نے نقل کی۔

۲۳ آپ کا نام شریف محمد، والد کا نام اسمعیل ہے، بخاری جو ماوراء الہند میں بہت بڑا شہر ہے وہاں آپ کی پیدائش ہوئی، اس لیے آپ کو بخاری کہا جاتا ہے۔ اہل سنت محمدیہ کے بڑے عالم، محدث، فقیہ، مجتہد تھے، آپ کے والد بڑے عالم اور حماد ابن زید و امام مالک کے شاگرد تھے، والدہ ماجدہ و لیلیٰ، مستجاب الدعوات تھیں۔ آپ بچپن شریف میں نابینا ہو گئے تھے، علاج سے اطباء عاجز ہو گئے، آپ کی والدہ نے ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری دعا قبول کی تیرے بچہ کو اکھیارہ کیا، صبح کو آپ کی آنکھیں روشن تھیں، آپ نے خواب میں دیکھا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے کھیاں اڑا رہا ہوں۔ تعبیر دی گئی کہ تم احادیث کی خدمت کرو گے، صحیح سے ضعیف کو دور کرو گے۔ آپ کو ۳ لاکھ حدیثیں یاد تھیں، ایک لاکھ غیر صحیح، دو لاکھ صحیح، مسجد حرام شریف میں سولہ سال صحیح بخاری شریف تالیف فرمائی، ہمیشہ غسل فرما کر دو نفل پڑھ کر لکھتے تھے، آپ کی ولادت ماہ شوال جمعہ کا دن بعد عصر ۱۹۴ھ (ایک سو چورانوے) میں بخاری میں ہوئی، عمر شریف باسٹھ سال پائی، ۲۵۶ھ مقام خرتگ میں وفات پائی، آپ نے بادشاہ وقت کی طرف سے تنگ ہو کر خود ہی اپنی وفات کی دعا کی، تہجد کو دعا کی دوسرے دن وصال ہو گیا، خواب میں دیکھا گیا کہ حضور مع جماعت صحابہ کسی کا انتظار فرما رہے ہیں، پوچھنے پر ارشاد ہوا ہم محمد ابن اسمعیل کو لینے آئے ہیں۔ عرصہ تک آپ کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی، مٹی بھی مہکتی ہوئی تھی، بخاری شریف میں کل احادیث نو ہزار بیسی ہیں، جن میں مکررات اور تعلیقات سب شامل ہیں، مکررات کو نکال کر کل دو ہزار چھ سو تیس ۲۶۳ احادیث ہیں، جن میں سے بائیس حدیثیں ثلاثی ہیں، اگر مکررات نکال دی جاویں تو سولہ یعنی جن میں امام بخاری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف تین واسطے ہیں۔ بعد قرآن شریف صحیح تر کتاب بخاری مانی گئی ہے۔ مصیبتوں میں ختم بخاری کیا جاتا ہے، جس سے بفضلہ تعالیٰ مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔ (مرقاۃ) امام بخاری نے علاوہ بخاری شریف حسب ذیل کتب لکھیں۔

(۱) ادب المفرد (۲) رفع الیدین (۳) قرآۃ خلف الامام (۴) بر الوالدین (۵) التاریخ الكبیر (۶) الاوسط (۷) الصغیر

(۸) خلق افعال العباد (۹) کتاب الضعفاء (۱۰) جامع کبیر (۱۱) مسند کبیر (۱۲) تفسیر کبیر (۱۳) کتاب الاشرہ

(۱۴) کتابہ الہیہ (۱۵) اسامی الصحابہ (۱۶) کتاب الوجدان (۱۷) کتاب العلل (۱۸) کتاب الکنی (۱۹) کتاب المبسوط

(۲۰) کتاب الفوائد۔ مگر بخاری شریف زیادہ مشہور و معتبر ہے، آپ نے اٹھارہ ہزار محدثین سے احادیث نقل کیں، ایک لاکھ محدثین

آپ کے شاگرد ہیں۔ جن میں امام مسلم، ترمذی، ابن خزیمہ، ابی زرعہ ابو حاتم، نسائی زیادہ مشہور ہیں۔ امام محمد ابن احمد ہر روزی فرماتے ہیں: کہ میں بیت اللہ شریف سے متصل سو رہا تھا کہ میں نے حضور کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں: تم میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے پوچھا حضور آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا: محمد ابن اسمعیل بخاری کی کتاب "صحیح بخاری"۔

۵۔ آپ کا نام شریف مسلم ابن حجاج نیشاپوری ہے، بنی قشیرہ قبیلہ کے ہیں، آپ نے بہت کتابیں لکھیں۔ مسلم، مسند کبیر، جامع کبیر، کتاب العلل، اوہام المحدثین، کتاب التمییز، طبقات التابعین، کتاب المخضرمین وغیرہ۔ مگر ان سب میں مسلم شریف زیادہ مشہور و معتبر ہے، تین لاکھ حدیثوں سے منتخب کر کے چار ہزار حدیثیں اس میں جمع کی گئیں۔ مسلم شریف میں اسی ۸۰ سے کچھ زیادہ حدیثیں رباعی ہیں جس کی اسناد میں صرف چار راوی ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۰۴ھ میں حضرت شافعی کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہوئی، وفات ماہ رجب ۲۶۱ھ میں ہوئی، ستاون سال عمر شریف ہوئی، ایک دفعہ آپ سے کوئی حدیث دریافت کی گئی آپ نے تمام رات وہ حدیث تلاش کرنے کے لیے کتب کا مطالعہ شروع کیا، کسی نے کھجوروں کی ٹوکری برابر میں حاضر کر دی، ایک ایک کھجور کھاتے رہے اور حدیث ڈھونڈتے رہے، صبح کو حدیث مل گئی، ٹوکری ختم ہو گئی۔ اسی وجہ سے وفات ہوئی، نیشاپور میں قبر شریف ہے۔

مالک بن انس الاصبیحی و ابی عبد اللہ محمد بن ادريس الشافعی

ترجمہ:

مالک ابن انس اصبحی ۱ اور ابو عبد اللہ محمد ابن ادريس شافعی ۲

تشریح:

۱۔ آپ مذہب مالکی کے امام ہیں، تبع تابعین میں سے ہیں۔ اگرچہ آپ امام بخاری و مسلم سے پہلے گزرے اور آپ کی کتاب "موطا امام مالک" ان دونوں کتب سے پہلے لکھی گئی مگر چونکہ بخاری و مسلم کا رتبہ فن حدیث میں اعلیٰ مانا گیا ہے اس لیے مصنف نے ان دونوں کے بعد آپ کا ذکر کیا۔ بڑے محدث، فقیہ، اور عاشق رسول ہیں، مدینہ منورہ میں رہے، سوائے ایک بار حج کے کبھی مدینہ شریف سے باہر نہ گئے، اس شہر پاک میں کبھی خنجر یا گھوڑے پر سوار نہ ہوئے حالانکہ آپ کے ہاں بہت گھوڑے تھے، بہت ادب سے با وضو حدیث بیان فرماتے تھے، تین سو تابعین چار سو تبع تابعین سے حدیثیں حاصل کیں، آپ کی ولادت ۱۰۳ھ ربیع الاول میں ہوئی، وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔ (یہ مرقاۃ کی روایت ہے) شامی میں ہے کہ امام مالک کی ولادت ۹۰ھ اور وفات ۱۷۹ھ میں، عمر ۸۹ سال ہے۔ واللہ اعلم! آپ کا مزار جنت البقیع مدینہ منورہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ فقیر نے زیارت کی ہے آپ کی کتاب حدیث موطا امام مالک مشہور ہے۔

۲۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، نام محمد ابن ادريس ابن عباس ابن عثمان ابن شافعی ابن سائب ابن عبید ابن عبد یزید ابن ہاشم ابن عبد المطلب ابن عبد مناف ہے، لہذا آپ مطلبی ہاشمی ہیں۔ شافعی ابن سائب کی نسبت سے آپ کا لقب شافعی ہے اور آپ کے سلسلہ مذہب کا نام بھی شافعی، اور شافعی کی والدہ خلدہ بنت اسد حضرت علی مرتضیٰ کی خالہ ہیں یعنی فاطمہ بنت اسد کی ہمیشہ۔ سائب جنگ بدر میں کفار مکہ کے علمبردار تھے جو مسلمانوں کی قید میں آئے اور فدیہ دے کر رہائی پائی، بعد میں اسلام لائے، امام شافعی اسلام کے مایہ ناز امام، مجتہد، صاحب مذہب عابد، زاہد، بڑے بادب بزرگ ہیں۔ اصول دین میں آپ نے چودہ ضخیم کتاب تصنیف فرمائیں، اور فروعات میں سو سے زیادہ، جب آپ کسی مصیبت میں ہوتے تو بغداد شریف حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پاک پر حاضر ہو کر دو رکعت نفل ادا کر کے حضور امام ابو حنیفہ کے توسل سے دعا فرماتے، رب تعالیٰ مصیبت رفع فرماتا، خود فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی قبر قبول دعا کے لیے تریاق ہے، آپ کی ولادت ۱۸۰ھ میں عین امام اعظم کی وفات کے دن مقام عسقلان یا مقام منیٰ میں ہوئی، مکہ معظمہ میں پرورش



پائی، ۵۴ سال عمر شریف پا کر ۲۰۰۴ھ مصر میں وفات پائی۔ قرافہ مصر میں مزار پر انوار ہے، امام مالک کے شاگرد ہیں اور امام محمد کی تصنیفات سے کسب علم فرمایا، رمضان شریف میں ہر شب ایک قرآن ختم فرماتے تھے۔ رضی اللہ عنہ۔

وابی عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی و ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ  
ترجمہ:

اور ابو عبد اللہ احمد ابن محمد ابن حنبل شیبانی اور ابو عیسیٰ محمد ابن عیسیٰ ترمذی ۲

تشریح:

۱۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، نام شریف احمد ابن محمد ابن حنبل ابن بلال ابن ادریس ابن عبد اللہ ابن جتان ابن اسد ابن نزار ابن معد ابن عدنان ہے، بڑے محدث، فقیہ و مجتہد ہیں۔ امام مذہب ہیں، بغداد شریف میں ولادت ہوئی، طالب علمی میں کوفہ، بصرہ، شام، مکہ معظمہ و مدینہ منورہ گئے، آئمہ حدیث سے ملاقاتیں کیں، امام بخاری و مسلم ابوداؤد وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔ ساڑھے سات لاکھ احادیث سے منتخب کر کے مسند احمد ابن حنبل تصنیف فرمائی۔ آپ کی بڑی عظمت یہ ہے کہ حضور غوث الثقلین سید شیخ محی الدین عبدالقادر بغدادی رضی اللہ عنہ آپ کے مذہب حنبلی کے پیرو ہیں، ہمیشہ فقر و فاقہ میں گزاری۔ مسئلہ خلق قرآن پر شاہ بغداد مامون رشید آپ کا مخالف ہو گیا، آپ کو تیس کوڑے لگائے، ہر کوڑے پر آپ فرماتے کہ قرآن کلام اللہ قدیم ہے، آپ کی ولادت بغداد شریف میں ۱۶۴ھ میں ہوئی، ۷۷ سال عمر پائی اور جمعہ کے دن بوقت چاشت ۲۴۱ھ میں بمقام بغداد وفات ہوئی، وہاں ہی آپ کا مزار پر انوار ہے۔ آپ پر پچیس لاکھ مسلمانوں نے نماز پڑھی، وفات کے دن بیس ہزار کافر مسلمان ہوئے، آپ کی قبر انور سے مخلوق برکتیں حاصل کرتی ہے۔ حضرت امام شافعی نے آپ کی وہ قمیض دھو کر پی جس میں آپ کو کوڑے مارے گئے تھے۔ دو سو تیس برس کے بعد آپ کی قبر کھل گئی تو آپ کا جسم شریف و کفن مبارک بعینہ محفوظ تھا۔ رضی اللہ عنہ (مرقاۃ و اشعہ وغیرہ)

۲۔ آپ کا نام محمد ابن عیسیٰ ابن صورہ ابن موسیٰ ابن ضحاک سلمی ہے، کنیت ابو عیسیٰ نہر بلخ جیچون کے کنارے مقام ترمذ ولادت ہے، وہاں ہی وفات ہوئی۔ شافعی مذہب ہیں، بڑے محدث، عالم و عابد بزرگ ہیں، آپ کی کتاب ترمذی شریف جرح حدیث، بیان مذاہب میں بے مثال ہے، جس میں ایک حدیث ثلاثی ہے جو امام ترمذی تک صرف تین واسطوں سے حضور علیہ السلام سے پہنچی، آپ کی ولادت ۲۲۹ھ میں اور وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی، عمر شریف پچاس سال ہوئی۔

رواہ الترمذی و ابی داؤد سلیمان ابن اشعث السجستانی و ابی عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی و ابی عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوی و ابی محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی ابی الحسن علی بن عمر الدارقطنی  
ترجمہ:

اور ابوداؤد سلیمان ابن اشعث سجستانی اور ابو عبد الرحمن احمد ابن شعیب نسائی ۲ اور ابو عبد اللہ محمد ابن یزید ابن ماجہ قزوینی ۳ اور ابو محمد عبد اللہ ابن عبد الرحمن دارمی ۴ اور ابوالحسن علی ابن عمر دارقطنی ۵

تشریح:

۱۔ آپ کا نام شریف سلیمان ابن اشعث ابن اسحاق ابن بشیر ہے، کنیت ابوداؤد، وطن مالوف، علاقہ خراسان میں ہرات کے قریب مقام سجستان ہے جسے سجستان کہا جاتا ہے، ولادت ۲۰۲ھ، وفات ۲۷۵ھ مقام بصرہ میں ہوئی، وہاں ہی مزار شریف ہے، عمر شریف ۷۳

سال، آپ نے پانچ لاکھ احادیث سے چار ہزار آٹھ سو ۸۰۰ احادیث جمع فرمائیں۔ بڑے عالم، فقیہ، محدث، عابد و زاہد، متقی و پرہیزگار تھے رضی اللہ عنہ

۲۔ آپ کا نام ابو عبد الرحمن ابن احمد ابن شعیب ابن بحر ابن سنان نسائی ہے، علاقہ خراسان میں ایک بستی ہے نساء، قریب مرد وہاں کے متوطن ہیں، آپ نے اولاً ایک حدیث کی بڑی کتاب لکھی جس کا نام نسائی تھا کسی نے آپ سے پوچھا کہ کیا نسائی میں تمام احادیث صحیح ہیں؟ فرمایا نہیں، اس نے عرض کیا کہ احادیث صحیحہ جمع کرو، تب آپ نے اس سے صحیح احادیث منتخب کیں جس کا نام رکھا مجتہبی نسائی۔ اب یہ ہی کتاب مروج ہے۔ طلب علم کے لیے بہت سفر کیے۔ جب دمشق پہنچے تو کسی نے پوچھا کہ امیر معاویہ افضل ہیں یا علی مرتضیٰ، تو فرمایا کہ امیر معاویہ کے لیے یہ ہی کافی ہے کہ ان کی نجات ہو جاوے، اس پر وہاں کے لوگوں نے بہت مارا وہاں کے زعموں سے جانبر نہ ہو سکے، بعض نے فرمایا کہ بیت المقدس پہنچ کر وفات پائی، بعض نے کہا مکہ معظمہ میں وفات ہوئی، اور صفا مروہ کے درمیان دفن ہوئے۔ بڑے آئمہ حدیث آپ کے شاگرد ہیں جیسے امام طحاوی، ابو القاسم طبرانی وغیرہ۔ علی العموم مصر میں رہتے تھے، آپ کی ولادت ۲۱۵ھ وفات ۳۰۳ھ میں ہوئی، بعض نے لکھا ہے کہ آپ کے زمانہ میں خوارج کا بہت زور تھا، آپ ہمیشہ فضائل اہل بیت بیان فرماتے تھے، اس پر خوارج نے آپ کی پشت میں نیزہ مارا جو آپ کے سینہ سے نکلا اور یہ کہتے گئے "فُرْتُ وَرَبِّ الْكُعْبَةِ" یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

۳۔ آپ کا نام محمد ابن یزید ابن ماجہ ربیعہ ہے، کنیت ابو عبد اللہ، قزوین کے رہنے والے، آپ کی کتاب ابن ماجہ ہے، احادیث غیر صحیح زیادہ ہیں، اسی وجہ سے بعض لوگوں نے ابن ماجہ شریف کے بجائے دارمی یا مؤطا کو صحاح ستہ میں داخل کیا ہے۔ آپ کی ولادت ۲۰۹ھ میں، وفات رمضان ۲۷۳ھ میں ہوئی، عمر شریف ۶۴ سال ہوئی۔

۴۔ آپ کا نام عبد اللہ ابن عبد الرحمن ابن افضل ابن بہرام ہے، کنیت ابو محمد، قبیلہ دارم ابن مالک سے ہیں، اسی لیے دارمی کہلاتے ہیں۔ سمرقند وطن شریف ہے، اپنے زمانے کے بڑے محدث، مفسر، فقیہ تھے، آپ کی وفات کی خبر پر امام بخاری بہت روئے، آپ کے شاگرد امام مسلم، ابو داؤد، و ترمذی وغیرہ ہیں، آپ کی ولادت ۱۸۱ھ اور وفات شریف ۲۵۰ھ ذی الحجہ کو ہوئی، ۷۴ سال عمر شریف ہوئی، آپ کی کتاب دارمی شریف مشہور ہے۔

۵۔ آپ کا نام ابو الحسن ابن علی ابن عمر ہے، بغداد کے ایک محلہ قطن کے رہنے والے ہیں، آپ اپنے زمانہ کے محدث امام اسماء الرجال کے حافظ تھے، آپ کی کتاب دارقطنی مشہور و معروف ہے، آپ کے شاگرد بڑے بڑے محدثین ہیں جیسے ابو نعیم، حاکم، امام اسفرائینی وغیرہم۔ آپ کی ولادت ۳۰۵ھ اور وفات ۳۸۵ھ میں بغداد شریف میں ہوئی، وہاں آپ کا مزار مبارک ہے۔

و ابی بکر احمد بن حسین البیهقی و ابی الحسن رزین بن معاویۃ العبدری

ترجمہ:

اور ابو بکر احمد ابن حسین بیہقی اور ابو الحسن رزین ابن معاویہ عبدری ۲

تشریح:

۱۔ آپ کا نام احمد ابن حسین ہے، کنیت ابو بکر، نیشاپور کے علاقہ بیہق کے قریب قریہ جزر میں ولادت ہوئی، آپ اپنے زمانہ کے جلیل القدر محدث حاکم رضی اللہ عنہ کے تلمیذ اعلیٰ ہیں، آپ نے علاوہ بیہقی شریف کے اور بہت کتب لکھیں: "دلائل النبوة"، "کتاب البعث والنشور"، "کتاب الاداب"، "کتاب فضائل الاوقات"، "شعب الایمان"، "کتاب الخلافات" وغیرہ۔ آپ ان سات مصنفین میں سے ہیں

جن کی تصنیفات سے مسلمانوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ تاریک الدنیا، قلیل الغدا، بہت عابد تھے، تیس سال مسلسل روزہ دار رہے، شافعی المذہب ہیں۔ آپ کی ولادت نیشاپور میں ماہ شعبان ۳۸۳ھ میں ہوئی، وفات بھی نیشاپور ۴۵۸ھ میں، عمر شریف ۷۵ سال پائی، آپ کا تابوت شریف آپ کے وطن خرزرج علاقہ بیہق میں پہنچایا گیا، وہاں ہی دفن کیا گیا جمادی اولیٰ میں۔

۲۔ آپ کا نام رزین ابن معاویہ، کنیت ابو الحسن، قبیلہ عبدر سے ہیں، جو عبدالدار ابن قصی کی اولاد سے ہے، آپ کی کتاب "النجریہ" مشہور ہے، ۵۳۰ھ میں وفات ہوئی، قریشی النسل ہیں۔

### امام اعظم ابو حنیفہ! رضی اللہ عنہ

ہم بزرگان دین کے تذکرہ کو اس ذاتِ گرامی کے ذکرِ پاک پر ختم کرتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ امتِ مصطفویہ کا روشن چراغ، قریباً سارے محدثین و فقہاء کا استاد، دینِ متین کا مجتہد اول ہے، جن کے فضائل خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے کہ فرمایا اگر دینِ ثریا تارے کے پاس بھی ہوتا تو فارس کا ایک شخص وہاں سے لے آتا، آپ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوقی ہے، حضرت زوقی یعنی امام صاحب کے دادا فارسی النسل ہیں۔ حضرت امام کی کنیت ابو حنیفہ، لقب امام اعظم، آپ کے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق زار اور آپ کے خاص مقربین میں سے تھے، آپ ہی کی محبت میں فارس چھوڑ کر کوفہ میں آپ کے پاس قیام کیا، حضرت زوقی اپنی بچے ثابت کو دعا کے لیے علی مرتضیٰ کے پاس لائے، آپ نے دعا فرمائی اور بشارت دی کہ اس فرزند کے بیٹے سے عالم میں علم بھر جائے گا۔ امام اعظم کی پیدائش کوفہ شہر ۸۰ھ میں ہوئی یعنی تمام آئمہ مجتہدین سے پہلے ۷۰ سال عمر شریف پا کر ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات ہوئی اور بغداد کے قبرستان خیرزان میں دفن ہوئے، آپ کی قبر شریف زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ آپ کی قبر قبول دعا کے لیے اکسیر ہے، آپ نے بہت صحابہ کا زمانہ پایا جن میں سے چار صحابہ سے ملاقات کی انس ابن مالک، عبداللہ ابن ابی اوفی، سہیل ابن سعد ساعدی، ابو طفیل عامر ابن واصلہ۔ آپ حضرت حماد کے شاگرد اور حضرت امام جعفر صادق کے تلمیذ خاص ہیں کہ دو سال تک آپ کی صحبت میں رہے۔ جلیل القدر تابعی ہیں، آپ اسلام کے سب سے پہلے مجتہد اعظم ہیں، آپ کا مذہب دنیا میں بہت پھیلا۔ مراقا نے فرمایا کہ سارے جنتیوں میں دو تہائی جنتی حضور کی امت ہیں اور سارے مسلمانوں میں دو تہائی مؤمن حنفی ہیں، اکثر اولیاء اللہ حنفی ہوئے، چالیس سال عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی، ہر شب پورا قرآن ایک رکعت میں ختم کرتے تھے، شب میں آپ کے رونے کی آواز گھر سے باہر سنی جاتی تھی، آپ کی وفات کے وقت سات ہزار قرآن مجید ختم ہوئے، سارے محدثین و فقہاء بالواسطہ یا بلاواسطہ امام اعظم کے شاگرد ہیں۔ اس کی پوری تحقیق کے لیے ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم دیکھو۔

و غیرہم و قلیل ما ہو و ابی اذا نسبت الحدیث الیہم کافی اسندت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانہم قد فرغوا منہ و اغنونا عنہ و سردت الکتب و الابواب کما سردھا و اقتفیت اثرہ فیہا و قسمت کل باب غالباً علی فصول ثلاثہ اولھا ما اخرجہ الشیخان او احدہما و اکتفیت بہما و ان اشترک فیہ الغیر لعلو درجتہما فی الروایۃ و ثانیہما ما آوردہ غیرہما من الائمة

ترجمہ:

اور ان کے ماسوا مگر ماسوا تھوڑے ہیں اور میں نے جب ان بزرگوں کی طرف حدیث منسوب کر دی تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف اسناد کر دی۔ کیونکہ ان بزرگوں نے اسناد سے فارغ ہو کر ہم کو بے نیاز کر دیا۔ اور میں نے کتابیں اور باب ویسے ہی مرتب کئے جیسے انہوں نے کئے تھے۔ اس میں میں انہی کے قدم پر چلا۔ میں نے اکثر ہر باب کو تین فصلوں پر تقسیم کیا۔ پہلی فصل میں وہ احادیث جنہیں شیخین یا ان میں سے ایک نے روایت کیا میں نے انہی دونوں پر کفایت کی اگرچہ اس کی روایت میں دوسرے بھی شریک ہوں شیخین کی بلندی درجہ کے سبب۔ دوسری فصل میں وہ

تشریح:

۱۔ یعنی وہ حدیثیں جو مذکورہ بزرگوں کے علاوہ کی ہیں وہ تھوڑی ہیں۔ "ہو" کا مرجع غیبرہم ہے۔

۲۔ سبحان اللہ! کیا ایمان افروز بات کہی، مطلب یہ ہے کہ میں مشکوٰۃ میں حدیثوں کا صرف متن بیان کرونگا نہ کہ اسناد کیونکہ میں آخر میں کہہ دوں گا کہ اسے مسلم بخاری یا فلاں کتاب نے روایت کیا، میری یہ نسبت گویا اسناد ہے۔ کسی حدیث کو ان بزرگوں کا قبول فرمالینا اس کے صحیح قوی ہونے کی دلیل ہے، یہی ہم حنفی کہتے ہیں کہ کسی حدیث کو امام ابوحنیفہ کا قبول فرمالینا اور اس پر عمل کر لینا اس حدیث کے قوی ہونے کی کھلی ہوئی دلیل ہے، امام صاحب کی طرف حدیث کی نسبت گویا حضور کی طرف نسبت ہے، بلکہ امام صاحب کی کوئی حدیث ضعیف نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ زمانہ حضور کے زمانہ سے بہت ہی قریب ہے۔ اس وقت اسنادوں میں ضعیف راوی شامل نہیں ہوئے تھے۔

۳۔ مراقہ میں اس جگہ فرمایا کہ ان کتب احادیث میں کسی حدیث کا مطالعہ کر کے یہ کہنا جائز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کیونکہ ان مصنفین پر بھی اعتماد ہے اور ان کتابوں پر بھی بھروسہ۔

۴۔ یعنی جس ترتیب سے صاحب مصابیح نے مسائل کی کتابیں اور ان کتابوں کے باب بیان کیے ہیں، میں نے بھی اسی طرح بغیر تقدیم و تاخیر بیان کیے اور کتابوں اور بابوں کے وہی عنوان رکھے جو انہوں نے رکھے تھے۔ مثلاً "کتاب الطہارت" اس میں وضو کا، پھر غسل کا، اور پھر تیمم کا باب ہوگا۔

۵۔ یعنی اگرچہ بعض بابوں میں دو ہی فصلیں ہوں گی مگر یہ بہت کم، اکثر تین ہی ہوں گی۔

۱۔ یعنی چون کہ فن حدیث میں بخاری و مسلم کا درجہ بہت بلند ہے حتی کہ ان کو حدیث کا شیخین کہا جاتا ہے۔ جیسے فقہ میں امام ابوحنیفہ و ابو یوسف کو، اور منطق میں فارابی اور بوعلی سینا کو۔ اس لیے پہلی فصل میں میں ان بزرگوں کی روایتیں لاؤں گا اور اگر کسی حدیث کو شیخین کے علاوہ محدثین نے بھی نقل کیا ہو تو میں وہ حدیث صرف شیخین ہی کی طرف نسبت کروں گا۔ مثلاً اگر کوئی حدیث بخاری اور ترمذی کی ہے تو میں صرف بخاری کا نام لوں گا اور کہوں گا "رواہ البخاری" کہ ان کے ذکر کے ہوتے کسی کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

المذکورین و ثالثهما ما اشتمل علی معنی الباب من ملحقات مناسبة مع محافظة علی الشریطة و ان کان ما ثورا عن السلف و الخلف ثم انک ان فقدت حدیثا فی باب فذلک عن تکریر اسقطه و ان وجدت اخر بعضه متروکا علی اختصاره او مضبوما الیه تمامه فعن داعی اهتمام اترکه و الحقہ و ان عثرت علی اختلاف فی الفصلین من ذکر غیر الشیخین فی الاول و ذکرهما فی الثانی فاعلم انی بعد تبنتی کتابی الجمع بین الصحیحین للحمیدی

ترجمہ:

احادیث جو ان کے علاوہ دوسرے مذکورہ اماموں نے روایت کیا تیسری فصل میں وہ مناسب ملحقہ حدیثیں جو باب کے معنی پر شامل ہیں شرائط کی رعایت کرتے ہوئے ۲ اگرچہ متقدمین و متاخرین سے منقول ہوں ۳ پھر اگر تم کسی باب میں مصابیح کی کوئی حدیث نہ پاؤ تو وہ تکرار کی وجہ سے ہوگا جسے میں نکال دوں گا ۴ اور اگر تم دوسری حدیث کو ایسا پاؤ کہ جس کا بعض حصہ اختصاراً چھوڑ دیا گیا ہے یا اس کا تہہ شامل کر دیا گیا ہے تو یہ کسی اہتمام کے باعث ہوگا کہ کچھ چھوڑ دوں گا کچھ ملا دوں گا ۵ اور اگر تم دو فصلوں میں کسی اختلاف پر مطلع ہو مثلاً یوں کہ پہلی فصل میں غیر شیخین کی اور دوسری میں شیخین کی حدیث مذکور ہو تو جان لینا یہ اس لئے ہے کہ میں نے حمیدی کی اور جامع اصول کی کتابیں جو شیخین کی

تشریح:

۱۔ جیسے ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ دوسری فصل میں ان کی احادیث ذکر کی جائیں گی۔

۲۔ یعنی ہر باب کی دو فصلوں میں مصابیح کی احادیث ہوں گی اور تیسری فصل صاحب مشکوٰۃ کی طرف سے زیادہ کی جائیں گی، اور اس میں جو حدیثیں بیان ہوں گی ان میں انہی باتوں کا لحاظ ہوگا کہ اولاً حدیث کے راوی کا نام، پھر آخر میں کتاب کا حوالہ۔

۳۔ یعنی میں نے اپنی تیسری فصل میں یہ التزام کیا کہ حدیث مرفوع ہی لاؤں بلکہ قول صحابہ و تابعین اور ان کے افعال کریمہ کی روایت بھی نقل کروں گا کیونکہ اصطلاح محدثین میں اسے بھی حدیث کہتے ہیں۔ سلف کے معنی ہیں گزرے ہوئے لوگ یعنی متقدمین، خلف کے معنی ہیں پیچھے والے یعنی متاخرین۔ یہاں سلف سے مراد صحابہ ہیں، خلف سے مراد تابعین، چونکہ صحابہ کا درجہ غیر صحابہ سے کہیں زیادہ ہے اس لئے ان کا نام پہلے لیا تابعین کا بعد میں۔

۴۔ اگر کسی باب میں کوئی حدیث مصابیح میں تو تھی مگر مشکوٰۃ میں نہیں تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ مصابیح میں وہ حدیث دو جگہ آئی تھی، میں نے ایک جگہ رکھی دوسری جگہ سے ساقط کر دی۔

۵۔ یعنی اگر کوئی حدیث مصابیح میں تو مختصراً مذکور تھی، مگر مشکوٰۃ میں پوری دراز یا اس کے برعکس مصابیح میں مکمل و دراز تھی، مگر میں نے اس کو مختصر کر کے نقل کیا تو اس کی کوئی حکمت اور وجہ ہوگی، میں نے بلاوجہ یہ فرق نہ کیا مثلاً ایک دراز حدیث کا ایک جز باب کے مناسب ہے باقی نہیں تو میں صرف وہ مناسب جز ہی نقل کروں گا مختصراً اور اگر کسی حدیث کے دو جز مصابیح کے دو بابوں میں منقول ہوئے تو میں پوری حدیث ایک باب میں طویل ذکر کروں گا۔

۶۔ یعنی صاحب مصابیح کا طریقہ تو یہ ہے کہ فصل اول میں شیخین کی احادیث لاتے ہیں اور فصل دوم میں ان کے علاوہ کی، لیکن اگر مشکوٰۃ میں تم کو اس کے خلاف ملے کہ پہلی فصل میں غیر شیخین کی کوئی روایت آگئی ہو یا دوسری فصل میں شیخین کی تو اس کی وجہ وہ ہے جو آگے مذکور ہے۔

و جامع الاصول اعتمدت علی صحیحی الشیخین و متنیہما و ان رايت اختلافاً فی نفس الحدیث فذلک من تشعب طرق الاحادیث و لعلی ما اطلعت علی تلك الراویة التي سلکها الشیخ رضی اللہ عنہ و قلیلاً ما تجد اقول ما وجدت ترجمہ:

احادیث کی جامع ہیں، کے تلاش کے بعد صحیح مسلم و بخاری اور ان کے متون پر اعتماد کیا اور اگر تم اصل حدیث میں فرق پاؤ تو یہ فرق حدیثوں کی اسنادوں کے فرق کی وجہ سے ہوگا ۲ اور شاید میں اس روایت پر خبردار نہ ہوا ہوں جدھر حضرت شیخ گئے۔ تم بہت کم یہ بھی پاؤ گے کہ میں کہوں گا۔  
تشریح:

۱ یعنی اس اختلاف کی وجہ یہ ہوگی کہ میں نے مشکوٰۃ کی تالیف کے دوران میں امام حمیدی کی کتاب "جمع بین الصحیحین" اور امام مجدد الدین کی کتاب "جامع الاصول" بھی دیکھیں اور اصل کتاب یعنی بخاری و مسلم کا بھی مطالعہ کیا اگر ان دونوں جامع کتب اور اصل بخاری و مسلم میں اختلاف پایا تو میں نے ان جامع کتب کا اعتبار نہ کیا بلکہ مسلم و بخاری کا اعتبار کیا۔ مثلاً ایک حدیث جامع الاصول میں شیخین کی روایت سے منقول ہے اور صاحب مصابیح نے فصل اول میں بیان کی مگر مسلم و بخاری میں وہ روایت نہیں تو اگر میں وہ حدیث لاؤنگا تو فصل اول ہی میں مگر اس کی نسبت مسلم و بخاری کی طرف نہ کرونگا، ایسے ہی برعکس کہ اگر ان جامع کتب میں کسی حدیث کی نسبت مسلم و بخاری کے علاوہ کسی اور کتاب کی طرف ہے، مگر وہ حدیث مسلم و بخاری میں مجھے مل گئی، صاحب مصابیح اسے دوسری فصل میں لائے تو میں بھی لاؤنگا دوسری فصل میں ہی، مگر نسبت مسلم و بخاری کی طرف کروں گا۔ خیال رہے کہ کتاب جمع بین الصحیحین کے مصنف حافظ ابو عبد اللہ محمد ابن ابی النصر ابن حمید اندلسی قرطبی ہیں جو دارقطنی کے شاگردوں سے ہیں، آپ بغداد میں رہے وہاں ہی ۴۸۰ھ میں وفات پائی، آپ نے اپنی اس کتاب میں مسلم و بخاری کی احادیث جمع فرمائیں اور جامع الاصول کے مصنف امام مجدد الدین ابو العادات مبارک ابن محمد جزری ہیں جنہیں ابن اثیر کہا جاتا ہے۔ آپ موصل میں رہے وہاں ہی ۶۰۶ھ میں وفات پائی، آپ نے جامع الاصول میں صحاح ستہ کی احادیث نقل فرمائیں، صاحب مصابیح نے ان ہی کتب سے مصابیح تالیف فرمائی، صاحب مشکوٰۃ نے ان دونوں کتب کا بھی مطالعہ کیا اور اصل کتب حدیث کا بھی، ہماری اس تقریر سے یہ جملہ بفضلہ تعالیٰ واضح ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ لکھنے میں کتنی محنت کی ہے۔

۲ یعنی اگر کہیں ایسا ہو کہ مصابیح کی حدیث کے الفاظ و عبارت کچھ اور ہیں، مشکوٰۃ کی حدیث کی عبارت کچھ اور، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی حدیث مختلف اسنادوں سے مختلف عبارتوں میں مروی ہوتی ہے۔ صاحب مصابیح کو کسی اسناد سے وہ الفاظ ملے جو انہوں نے مصابیح میں لکھے، مجھے وہ اسناد اور وہ الفاظ نہ ملے بلکہ دوسری اسناد میں دوسرے الفاظ ملے، تو میں نے اپنی تحقیق شدہ عبارت نقل کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی محدث یا فقیہ کی حدیث ہم کو نہ ملے تو اس میں ہمارا اپنا قصور ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس بزرگ نے غلطی کی، دیکھو صاحب مشکوٰۃ نے مصابیح کی نقل کردہ حدیث کو غلط نہ فرمایا بلکہ اپنے قصور علم کا اقرار کیا یہ ہی ہم خفی کہتے ہیں کہ اگر امام ابو حنیفہ قَدَسَ سِرُّکَا کے مسلک کی کوئی حدیث ہم کو نہ ملے یا ضعیف ملے تو اس میں ہمارا قصور ہے نہ کہ حضرت امام کا، صاحب مشکوٰۃ نے یہ ہی سبق دیا۔

هذه الرواية في كتب الاصول او وجدت خلافها فيها فاذا وقفت عليه فانسب القصور الى لقلة الدراية لا الى جناب الشيخ رفع الله قدره في الدارين حاشا لله من ذلك رحم الله من اذا وقف على ذلك نبهنا عليه وارشدنا نقلت ذلك الاختلاف كما وجدت وما اشار اليه رضى الله عنه من غريب او ضعيف او غيرهما بينت وجهه غالباً وما لم يشر اليه مما في الاصول فقد

ترجمہ:

میں نے یہ روایت اصول کی کتابوں میں نہ پائی۔ یا ان میں اس کے خلاف پائی تو جب تم اس پر مطلع ہو تو میری کم علمی کی بناء پر قصور کو میری طرف منسوب کرنا نہ کہ حضرت شیخ کی بارگاہ کی طرف، اللہ دونوں جہانوں میں اُن کی عزت بڑھائے! اس نسبت سے خدا کی پناہ خدا اس پر رحمت کرے جو اس حدیث پر واقف ہو تو ہمیں متنبہ کر دے اور ہم کو سیدھے راستہ کی راہبری کرے۔ میں نے حتی الوسع حدیثوں کی تلاش اور کرید میں کوتاہی نہیں کی اور اس اختلاف کو ویسے ہی نقل کر دیا جیسا پایا ۱۳ اور جب کبھی شیخ نے غریب ضعیف وغیرہ کی طرف اشارہ کیا تو اکثر میں نے اُس کی وجہ بیان کر دی ۱۴ اور اصولِ احادیث میں سے جہاں اس

تشریح:

۱ یعنی مصابیح میں بعض احادیث وہ بھی ہیں جو مجھے کسی کتاب میں ملی ہی نہیں یا اس کے خلاف ملیں تو میں نے وہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں لکھ تو دی مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ مجھے یہ حدیث نہ ملی یا اس کے خلاف ملی تو تم اس سے حضرت شیخ سے بدگمان نہ ہونا بلکہ مجھے قصور مند سمجھنا کہ میرا علم کم ہے۔ سبحان اللہ! یہ ہے ادب۔ اے خفیو! تم بھی یہ ادب سیکھو اگر تمہیں کوئی ایسی حدیث نہ ملے جو حضرت امام کی سند ہے تو سمجھو کہ بے علم یا کم علم ہم ہیں، ہماری تلاش میں قصور ہے، حضرت امام کی حدیث صحیح ہے۔

۲ یعنی ایسی حدیث پر جو مجھے نہ ملی یا خلاف ملی اگر کسی صاحب کو مل جاوے تو مجھے براہ مہربانی فوراً اطلاع دے تاکہ میں اس جگہ حوالہ لکھ دوں۔ الحمد للہ! فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تائید میں جو احادیث نقل فرمائیں اگرچہ تمام دنیا انہیں ضعیف یا غریب کہے، حضرت امام کے مسائل کی احادیث کسی کو نہ ملیں لیکن حضرت امام کے مسائل کی احادیث صحیح ہیں اگرچہ ہم کو نہ ملیں یا ضعیف ہو کر ملیں اسی لیے فقیر نے "فی جاء الحق" حصہ دوم "تصنیف کی اس کا مطالعہ کرو۔

۳ یعنی یہ نہ سمجھنا کہ میں نے احادیث مصابیح کی تلاش میں کوتاہی کی یونہی دفع الوقتی کر کے لکھ دیا کہ مجھے نہ ملی بلکہ میں نے بقدر طاقت بہت تلاش کی نہ ملنے پر مجبوراً یہ لکھا۔ سبحان اللہ!

۴ یعنی جن احادیث کے متعلق شیخ نے مصابیح میں فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف یا غریب یا منکر یا معلل ہے، میں نے مشکوٰۃ میں اکثر اس کے ضعف وغیرہ کی وجہ بیان کر دی، ہاں کبھی ایسا ہوگا کہ وجہ بیان نہ کر سکا اس کی وجہ بھی میری معلومات کی کمی ہے کہ مجھے اس کے ضعف و غرابت کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔

قفیته فی ترکہ الا فی مواضع لغرض و ربما تجد مواضع مہملۃ و ذلک حیث لم اطلع علی روایۃ فترکت البیاض فان عثرت علیہ فالحقہ بہ احسن اللہ جزاک و سمیت الکتب بمشکوٰۃ المصابیح و اسئل اللہ التوفیق و الاعانۃ

ترجمہ:

طرف اشارہ نہ کیا وہاں میں ان کے نقش قدم پر چلا۔ سوائے چند جگہ کے وہ بھی کسی غرض سے ۲ بسا اوقات تم کچھ جگہ چھوٹی ہوئی پاؤ گے یہ وہاں ہوگا جہاں میں روایت پر مطلع نہ ہوا وہاں میں نے سفید جگہ چھوڑ دی ۳ تو اگر تم اس پر مطلع ہو تو وہاں ملا دو۔ اللہ تمہیں جزائے خیر دے، میں نے اُس کا نام "مشکوٰۃ المصابیح" رکھا ۴ اللہ تعالیٰ سے توفیق، مدد، ہدایت،

تشریح:

۱ یعنی ایسا اکثر ہوا کہ کتب اصول نے کسی حدیث کے ضعف یا غرابت کی تصریح کی مگر صاحب مصابیح نے اس کا ذکر نہ کیا تو ایسی جگہ میں نے صاحب مصابیح کی پیروی کی اور اس کا ذکر نہیں کیا۔

۲ وہ غرض یہ ہے کہ بعض طاعنون نے مصابیح کی بعض احادیث کو موضوع کہہ دیا حالانکہ ترمذی وغیرہ نے صحیح یا حسن کہا ہے تو میں نے صاحب مصابیح سے طعن اٹھانے کے لیے اس کی تصریح کردی کہ فلاں کتاب نے اسے صحیح کہا ہے یا یہ وجہ ہوگی کہ صاحب مصابیح کے مقدمہ میں فرمایا کہ میں نے اپنی اس کتاب میں کوئی منکر روایت درج نہیں کی حالانکہ اس کی کوئی حدیث منکر بھی تھی تو میں نے اسکی تصریح کردی تاکہ کوئی اس حدیث کو مصابیح میں دیکھ کر صحیح نہ سمجھے۔ (اشعۃ اللمعات)

۳ یعنی مشکوٰۃ شریف میں کہیں حدیث کے بعد تھوڑی سی خالی جگہ چھوٹی پاؤنگے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ مصابیح میں تو وہ حدیث موجود تھی لیکن مجھے کسی کتاب میں نہ ملی، اور مجھے پورا اعتماد ہے کہ صاحب مصابیح علامہ بغوی نے کہیں دیکھ کر ہی لکھی ہوگی اس لیے میں نے مشکوٰۃ میں حدیث تو لکھ دی مگر کتاب کے نام کے لیے جگہ چھوڑی دی تاکہ اگر کسی کو اس پر اطلاع ہو جائے تو وہ یہاں لکھ دے چنانچہ علامہ شمس الدین محمدی جزری وغیرہم علماء نے ایسا کیا کہ وہ جگہ سفید ہی رکھی مگر اس کتاب کا نام بیان کر دیا تاکہ دیکھنے والے کو پتہ لگے کہ یہ نقل صاحب مشکوٰۃ کی نہیں ہے کسی اور کی ہے

۴ کیونکہ مشکوٰۃ کے معنی ہیں طاق۔ مصابیح مصباح کی جمع بمعنی چراغ، معنی ہوئے چراغوں کا طاق کیونکہ ہر حدیث نورانیت اور ہدایت میں چراغ کی طرح ہے اور یہ کتاب ان احادیث کے ملنے کی جگہ۔ نیز مصابیح اصل کتاب کا نام بھی ہے وہ ساری کتاب مشکوٰۃ میں موجود ہے۔ بہر حال یہ نام مسسّی کے مطابق ہے۔

فقیر حقیر "احمدیاری" نے اپنی اس شرح کا نام مرآۃ رکھا یعنی چراغوں کے طاق کے سامنے لگا ہوا شیشہ جو بیرونی ہوا کو اندر نہ پہنچنے دے۔ فقیر کی نیت یہی ہے کہ اس شرح سے منکرین حدیث اور ناسمجھ لوگوں کے اعتراضات دفع ہوں، احادیث کا تعارض دور کیا جائے۔ رب العزت قبول فرمائے۔ یا مشکوٰۃ کی حدیثوں کو دیکھنے کا آئینہ کہ اس کی حدیثیں اس شرح سے دیکھو اور سمجھو۔

والهدایة والصیانة وتیسیر ما اقصده وان ینفعنی فی الحیوة و بعد المات و جمیع المسلمین و المسلمات حسبی اللہ  
ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم

ترجمہ:

حفاظت کا طلبگار ہوں اور اپنے مقصود کی آسانی کا جو یاں اور یہ کہ اللہ زندگی و بعد موت مجھے اور تمام مسلمان مرد و عورتوں کو نفع دے اور مجھے اللہ کافی ہے وہ ہی اچھا وکیل ہے (بھروسہ کے لائق) اور نہیں ہے طاقت اور نہ قوت مگر غالب حکمت والے اللہ سے۔

تشریح:

۱ اس طرح کہ میری زندگی اتنی دراز ہو کہ تصنیف کے بعد پڑھ بھی سکوں، پڑھا بھی سکوں اور اس کی برکت سے زندگی ایمان اور تقویٰ میں بسر ہو، مرتے وقت کلمہ نصیب ہو، اور یہ کتاب قبر و حشر میں کام آئے کہ میرے بعد بار بار شائع ہوتی رہے، مسلمان فائدے اٹھاتے رہیں اور مجھے اس کا ثواب ملتا رہے۔ الحمد للہ! مصنف کی یہ دعا قبول ہوئی کہ بفضلہ تعالیٰ دنیا کے ہر خطہ میں جہاں مسلمان ہیں یہ کتاب موجود ہے، ہر جگہ اس کے درس دیئے جا رہے ہیں، مختلف زبانوں میں اس کی شرحیں کی جا چکی ہیں، چنانچہ عربی میں مرقاۃ اور لمعات فارسی میں اشعۃ اللمعات اردو میں، نہ معلوم کتنی شرحیں ہو چکی ہوں گی، یہ بندہ گنہگار شرمسار احمدیاری بھی مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی



دعا کے ساتھ یہی دعا کرتا ہے اور انہیں کی طفیل قبولیت کا امیدوار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز شرح کو حقیقتاً مشکوٰۃ کا مرآۃ بنائے اور قبول فرما کر میرے لیے کفارہ سینات اور صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین یا رب العلمین!

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى خَبْرٍ خَلَقَهُ وَنُوْرٍ عَزَّ شَبَهَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ ۝

### بشارت عظمیٰ

الحمد للہ! فقیر نے حضرت مولانا افرصاحب صابری مقيم کراچی کی خدمت میں اس شرح کے تاریخی نام کے متعلق عریضہ لکھا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد یعنی ۲۰/ذیقعد ۱۳۷۸ھ جمعہ کو آل ممدوح کا خط آیا جس میں تحریر تھا کہ میں بوجہ علالت تاریخی نام میں غور نہ کر سکا۔ آخر ایک شب خواب میں مجھے اس شرح کا تاریخی نام بتایا گیا۔ ملاحظہ ہو!

### ذوالمرآت<sup>۱۳۷۸ھ</sup>

سبحان اللہ! کیسا سادہ نام ہے اور مشکوٰۃ کا نام وزن ہے، فقیر حقیر مولانا کی اس خواب کو ایک نبی بشارت سمجھتا ہے اور نہایت فخر سے اس کا تاریخی نام "ذوالمرآت" ۱۳۷۸ھ شرح مشکوٰۃ ہی رکھتا ہے۔ فالحمد للہ!

"أَحْمَدُ يَار"

سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمہ گجرات پاکستان

روایت ہے عمر ابن خطاب سے ۱ فرماتے ہیں (راضی ہو اللہ ان پر) فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال نیتوں سے ہیں ۲ ہر شخص کے لئے وہ ہے جو تبت کرے ۳ بس جس کی ہجرت اللہ ورسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ ورسول ہی کی طرف ہوگی ۴ اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو ۵ اس کی ہجرت اس طرف ہوگی جس کے لئے کی ۶

۱۔ آپ کا نام شریف عمر ابن خطاب ابن نفیل ہے، کنیت ابو حفص، لقب فاروق اعظم، خطاب امیر المؤمنین۔ آپ قرشی عدوی ہیں، کعب ابن لوی میں حضور سے مل جاتے ہیں، آپ کے فضائل بے حد و بیشمار ہیں۔ جلیل القدر صحابی، قدیم الاسلام مؤمن ہیں، آپ کے ایمان سے مسلمانوں کا چالیس کا عدد پورا ہوا، آپ کے ایمان لانے پر فرشتوں میں مبارکباد کی دھوم مچی اور یہ آیت اتری: "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ" ابو بکر صدیق کے بعد ۱۳ھ میں آپ کی بیعت کی گئی، آپ کے زمانہ میں اسلام بہت پھیلا، بہت ممالک فتح ہوئے، قرآن کریم کی بہت سی آیتیں آپ کی رائے کے مطابق اتریں، دس سال چھ مہینے خلافت کی تریسٹھ سال عمر شریف ہوئی، ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ

بدھ کے دن مسجد نبوی محراب النبی میں مصلاً مصطفیٰ پر نماز فجر پڑھاتے ہوئے شہید کیئے گئے، مغیرہ ابن شعبہ کے یہودی غلام ابو لؤلؤ نے خنجر کا وار کیا، آپ کی شہادت پر درود پوار سے اسلام کے رونے کی آواز آتی تھی کہ آج اسلام و مسلمین یتیم ہو گئے، حضرت صہیب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، گنبد حنفری میں پہلوئے مصطفیٰ میں دفن ہوئے، آپ کی روایتیں پانچ سو سینتیس<sup>۵۳۷</sup> ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲ نیت ارادہ عمل کو بھی کہتے ہیں اور اخلاص کو بھی، یعنی اللہ رسول کو راضی کرنے کا ارادہ، یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی اعمال کا ثواب اخلاص سے ہے، جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے، اس صورت میں یہ حدیث اپنے عموم پر ہے، کوئی عمل اخلاص کے بغیر ثواب کا باعث نہیں، خواہ عبادات محض ہوں جیسے نماز، روزہ وغیرہ یا عبادات غیر مقصودہ جیسے وضو، غسل، کپڑا، جگہ، بدن کا پاک کرنا وغیرہ کہ ان پر ثواب اخلاص سے ہی ملے گا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اخلاص اور نیت خیر ایسی نعمتیں ہیں کہ ان کے بغیر عبادات محض عادتیں بن جاتی ہیں، اور اس کی برکت سے کفر شکر بن جاتا ہے، اور گناہ و معصیت اطاعت۔ حضرت ابو امیہ ضمیر نے ایک موقع پر کفریہ الفاظ بول لیے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی رات غار ثور میں ایک قسم کی خودکشی کر لی، سیدنا علی المرتضیٰ نے خندق میں عمداً نماز عصر چھوڑ دی، مگر چونکہ نیتیں خیر تھیں، اس لیے ان حضرات کے یہ کام ثواب کا باعث بنے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

ہرچہ گیر دلتی علت شود کفر گیر دلتی ملت شود

شواہف کہتے ہیں کہ یہاں نیت پہلے معنی میں ہے، یعنی ارادہ فعل ان کے نزدیک جو بغیر ارادہ وضو اعضا دھولے تو اس سے وضو نہ ہوگا جیسے بلا ارادہ نماز نہیں ہوتی مگر یہ تفسیر مقصد حدیث کے خلاف ہے اور پھر حدیث کا عموم باقی نہیں رہتا کیونکہ آگے ہجرت کا ذکر ہے۔ جو دنیوی غرض سے ہجرت کرے شرعاً مہاجر ہوگا اگرچہ ثواب نہ ہوگا۔ نیز جو بغیر ارادہ جو از نماز، گنڈا کپڑا، گنڈا جسم، گنڈی زمین دھو ڈالے تو ان کے ہاں بھی یہ چیزیں پاک ہو جاتی ہیں، اور نماز اس سے جائز ہوتی ہے یہ معنی ان کے بھی خلاف ہیں۔ خیال رہے کہ ارکان اسلام یعنی کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں نیت یعنی ارادہ فعل فرض ہے، باقی جہاد، ہجرت وضو وغیرہ میں یہ نیت فرض نہیں۔ ہاں اخلاص کے بغیر ان میں ثواب نہ ملے گا۔ لہذا احناف کے معنی نہایت صحیح ہیں اور حدیث نہایت جامع۔ نماز میں زبان سے نیت کے الفاظ کہنا بدعت حسنہ ہے کیونکہ حضور نے کل ۳۰ ہزار نمازیں پڑھیں ہیں مگر کبھی زبان سے نیت نہ کی، بعض علماء نے نماز کو حج پر قیاس کیا اور فرمایا کہ جیسے احرام کے وقت زبان سے حج کی نیت کی جاتی ہے ایسے ہی نماز میں کرنی چاہیے مگر یہ صحیح نہیں۔ دیکھو مرقات۔

۳ ہجرت کے لغوی معنی ہیں چھوڑنا۔ شریعت میں رب کو راضی کرنے کے لیے وطن چھوڑنے کا نام ہجرت ہے۔ ہجرت بوقت ضرورت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اسلامی سنہ حضور کی ہجرت کی یادگار ہے۔

۴ یعنی جو ہجرت میں اللہ اور رسول کی خوشنودی کی نیت کرے، اس کی ہجرت واقعی اللہ اور رسول کی طرف ہی ہوگی لہذا حدیث میں دور نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادات میں رضائے رب کے ساتھ حضور کی رضا کی نیت شرک نہیں بلکہ عبادت کو کامل کرتی ہے۔ دیکھو ہجرت عبادت ہے، مگر فرمایا گیا: "إلى الله ورسوله"۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کے پاس جانا اللہ کے دربار میں حاضری ہے کہ مہاجرین مدینہ جاتے تھے، جہاں حضور تشریف فرما تھے، وہاں جانے کو اللہ کے پاس جانا قرار دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر جگہ حضور ہی کے دم کی بہار ہے، ان کے بغیر اجڑا دیا رہے۔ دیکھو مکہ معظمہ میں رہنا عبادت ہے، مگر جب حضور وہاں سے مدینہ منورہ چلے گئے تو اگرچہ وہاں کعبہ وغیرہ سب کچھ رہا مگر وہاں رہنا گناہ قرار پایا، وہاں سے ہجرت ضروری ہو گئی، پھر جب وہاں حضور کی تجلی ہو گئی، پھر وہاں رہنا عبادت قرار پایا۔

۵۔ انصارِ مدینہ نے مہاجرین کی ایسی دائمی شاندار مہمانی کی کہ سبحان اللہ! انہیں اپنے گھروں، باغوں، زمینوں میں برابر کا حصہ دار بنالیا، حتیٰ کہ اگر کسی انصاری کی دو بیویاں تھیں تو ایک کو طلاق دے کر مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی، اندیشہ تھا کہ کوئی زمین، مکان یا عورت کی لالچ میں ہجر ت کرے اسی لیے حضور نے یہ ارشاد فرمایا۔ اس مضمون سے معلوم ہوا کہ یہاں اَلذِّیَّات میں نیت بمعنی ارادہ فعل نہیں ہے بلکہ بمعنی اخلاص ہے۔ ریاکار مہاجر بھی مہاجر کہلائے گا مگر ثواب نہ پائے گا جیسا کہ ھجرتہ سے معلوم ہو رہا ہے۔

۶۔ صاحبِ مشکوٰۃ ولی الدین محمد علیہ الرحمۃ نے شروع کتاب میں یہ حدیث ہم کو سمجھانے کے لیے لکھی کہ میری کتاب اخلاص سے پڑھنا، محض دنیا کمانے کے لیے نہ پڑھنا، اپنی دلی کیفیت پر ہم کو مطلع فرمایا کہ میں نے یہ کتاب اخلاص سے لکھی ہے، شہرت یا مال مقصود نہ تھا، یہ حدیث میرے پیش نظر تھی۔

## کتاب الایمان

### ایمان کا بیان

الفصل الاول

پہلی فصل

۱۔ ایمان کے لغوی معنی ہیں امن دینا۔ شریعت میں ایمان اُن اسلامی عقائد کا نام ہے جنہیں مان کر انسان عذابِ الہی سے امن میں آجاتا ہے، یعنی تمام ان چیزوں کو ماننا جو حضور رب کی طرف سے لائے، چونکہ ایمان محض ماننے اور تصدیق کا نام ہے اس لیے اس میں مقدار ناممکن ہے، ہاں کیفیت کی زیادتی و کمی ممکن ہے، چونکہ ایمان عبادت کی اصل ہے اس لیے پہلے اسے بیان فرمایا۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک صاحب ہمارے سامنے نمودار ہوئے۔ جن کے کپڑے بہت سفید اور بال خوب کالے تھے۔ اُن پر آثارِ سفر ظاہر نہ تھے اور ہم سے کوئی انہیں پہچانتا بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے اور اپنے گھٹنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں شریف سے مس کر دیئے۔ اور اپنے ہاتھ اپنے زانو پر رکھے اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کے متعلق بتائیے۔ فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو، کعبہ کا حج کرو اگر وہاں تک پہنچ

سکو ۸ عرض کیا کہ سچ فرمایا ہم کو ان پر تعجب ہوا کہ حضور سے پوچھتے بھی ہیں اور تصدیق بھی کرتے ہیں ۹ عرض کیا کہ مجھے ایمان کے متعلق بتائیے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخری دن کو مانو ۱۰ اور اچھی بُری تقدیر کو مانو ۱۱ عرض کیا آپ سچے ہیں عرض کیا مجھے احسان کے متعلق بتائیے ۱۲ فرمایا اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ گویا اُسے دیکھ رہے ہو ۱۳ اگر یہ نہ ہو سکے تو خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۱۴ عرض کیا کہ قیامت کی خبر دیجئے ۱۵ فرمایا کہ جس سے پوچھ رہے ہو وہ قیامت کے بارے میں سائل سے زیادہ خبردار نہیں ۱۶ عرض کیا کہ قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتادیجئے ۱۷ فرمایا کہ لونڈی اپنے مالک کو جنے گی ۱۸ اور ننگے پاؤں ننگے بدن والے فقیروں، بکریوں کے چرواہوں کو محلوں میں فخر کرتے دیکھو گے ۱۹ راوی فرماتے ہیں کہ پھر سائل چلے گئے میں کچھ دیر ٹھہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے عمر جانتے ہو یہ سائل کون ہیں میں نے عرض کیا اللہ اور رسول جانیں ۲۰ فرمایا یہ حضرت جبریل تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے ۲۱ (مسلم)

۱ یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے، جو شکل انسانی میں حاضر ہوئے تھے، جیسے بی بی مریم کے پاس مرد کی شکل میں گئے۔ فرشتہ وہ نورانی مخلوق ہے جو مختلف شکلیں اختیار کر سکتی ہے۔ جن وہ آتشی مخلوق ہے جو ہر قسم کی شکل بن جاتی ہے مگر روح وہ ہی رہتی ہے لہذا یہ اداگون نہیں۔

۲ یعنی وہ مسافر نہ تھے ورنہ ان کے بال و لباس غبار میں اٹے ہوتے۔ خیال رہے کہ حضرت جبریل کے بال کالے، کپڑے سفید (چٹے) ہونا شکل بشری کا اثر تھا ورنہ وہ خود نوری ہیں، لباس اور سیاہ بالوں سے بری۔ ہاروت ماروت فرشتے شکل انسانی میں آکر کھاتے پیتے بلکہ صحبت بھی کر سکتے تھے۔ عصا موسوی سانپ کی شکل میں ہو کر سب کچھ نکل گیا تھا، ایسے ہی ہمارے حضور نوری بشر میں کھانا، پینا، نکاح اس بشریت کے احکام تھے، روزہ وصال میں نورانیت کی جلوہ گری ہوتی تھی، بغیر کھائے پینے عرصہ دراز گزار لیتے تھے، آج صد ہا سال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر کھائے پینے آسمان پر جلوہ گر ہیں یہ نورانیت کا ظہور ہے۔

۳ یعنی وہ مدینہ کے باشندے نہ تھے ورنہ ہم انہیں پہچانتے ہوتے، حضور تو انہیں خوب پہچانتے تھے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۴ یعنی حضور سے بہت قریب بیٹھے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے حضرت جبریل کو پہچان لیا تھا ورنہ پوچھتے کہ تم کون ہو اور اس طرح ملکر مجھ سے کیوں بیٹھتے ہو۔

۵ جیسے نمازی التیات میں دوزانو بیٹھتا ہے۔ آج کل زائرین روضہ مطہرہ پر نماز کی طرح کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں اس ادب کی اصل یہ حدیث ہے۔ حضرت جبریل نے قیامت تک کے مسلمانوں کو حضور کی بارگاہ میں حاضری کا ادب سکھایا اور بتادیا کہ نماز کی طرح یہاں کھڑا ہونا یا بیٹھنا حرام نہیں، ہاں سجدہ یا رکوع حرام ہے۔

۶ اسلام کبھی ایمان کے معنی میں ہوتا ہے، کبھی اس کے علاوہ یہاں دوسرے معنی میں ہے، یعنی ظاہر کا نام اسلام ہے، باطنی عقائد کا نام ایمان اسی لیے یہاں شہادۃ و اعمال کا ذکر ہوا۔ خیال رہے کہ اب حضور کو صرف "یا محمد" کہہ کر پکارنا حرام ہے، رب فرماتا ہے: "لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ الْخَلِّیِّ وَاقِعَةً غَالِبًا" اس آیت کے نزول سے پہلے ہوا یا فرشتے اس آیت سے علیحدہ ہیں۔ (مرقاۃ)

۷ کلمہ پڑھنے سے مراد سارے اسلامی عقائد کا مان لینا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نماز میں "الحمد" پڑھنا واجب ہے یعنی پوری سورۃ فاتحہ لہذا اس حدیث کی بنا پر اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تمام اسلامی فرقے مرزائی، چکڑالوی وغیرہ مسلمان ہیں کیونکہ یہ لوگ اسلامی عقائد سے ہٹ گئے۔

۸ اس میں بظاہر حضرت جبریل سے خطاب ہے اور درحقیقت مسلمان انسانوں سے ورنہ فرشتوں پر نماز، روزہ، حج وغیرہ اعمال فرض نہیں، رب فرماتا ہے: "وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ"۔ خیال رہے کہ یہ اعمال اسلام کا جزو نہیں کہ ان کا تارک کافر ہو جائے، یہاں کمال اسلام کا ذکر ہے، تارک اعمال مسلمان تو ہے مگر کامل نہیں۔

۹ کیونکہ پوچھنا نہ جاننے کی علامت ہے اور تصدیق کرنا جاننے کی علامت۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ تمام آسمانی کتابوں سے واقف ہیں کہ رب نے حضور کے بارے میں فرمایا: "مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ"۔

۱۰ خیال رہے کہ عن الایمان میں ایمان اصطلاحی مراد ہے، اور ان توہمن میں ایمان لغوی یعنی ماننا، لہذا یہ تعریف الشی بنفسہ بھی نہیں اور اسمیں دور بھی نہیں۔ تمام فرشتوں، نبیوں، کتابوں پر اجمالی ایمان کافی ہے، گو قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر تفصیلی ایمان لازم ہے۔

۱۱ اس طرح کہ ہر بری بھلی بات جو ہم کر رہے ہیں، اللہ کے علم میں پہلے ہی سے ہے اور اس کی تحریر ہو چکی ہے، تقدیر کے معنی ہیں۔ اندازہ۔ تقدیر دو قسم کی ہے: مبرم اور معلق مبرم میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، معلق دعاء، اعمال وغیرہ سے بدل سکتی ہے، ابلیس کی دعا سے اس کی عمر بڑھ گئی "فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ" حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو برس ہو گئی۔ تقدیر کی پوری بحث ہماری تفسیر نعیمی تیسرے پارے میں ملاحظہ کریں۔

۱۲ یعنی رب نے فرمایا: "لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ" وغیرہ ان آیات میں احسان سے کیا مراد ہے جو اب ملا کہ اخلاص عمل۔

۱۳ اگر تو خدا کو دیکھتا ہے تو تیرے دل میں کس درجہ اس کا خوف ہوتا اور کس طرح تو سنبھال کر عمل کرتا، ایسے ہی خوف کیسا تھ دل لگا کر درست عمل کر۔

۱۴ یوں تو ہر وقت ہی سمجھو کہ رب تمہیں دیکھ رہا ہے مگر عبادت کی حالت میں تو خاص طور پر خیال رکھو، تو ان شاء اللہ عبادت آسان ہوگی، دل میں حضور و عاجزی پیدا ہوگی، آنکھوں میں آنسو آئیں گے، اللہ ہم سب کو نصیب کرے۔ آمین !

۱۵ کہ کس دن کس تاریخ اور کس مہینہ کس سال ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل امین کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم دیا ہے کیونکہ جاننے والے سے ہی پوچھا جاتا ہے۔ یہاں جبرئیل امین حضور کے امتحان یا اظہارِ عجز کے لیے تو سوال کر نہیں رہے ہیں، بلکہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم تو ہے مگر اس کا اظہار نہ فرمایا۔ خیال رہے کہ حضور نے دوسرے موقعوں پر قیامت کا دن بھی بتا دیا مہینہ بھی تاریخ بھی کہ فرمایا جمعہ کو ہوگی، دسویں تاریخ محرم کے مہینہ میں ہوگی۔

۱۶ یہاں علم کی نفی نہیں ورنہ فرمایا جاتا "لا اعلم" میں نہیں جانتا بلکہ زیادتی علم کی نفی ہے، یعنی اس کا مجھے تم سے زیادہ علم نہیں، مقصد یہ ہے کہ اے جبرئیل! یہاں لوگوں کا مجمع ہے اور قیامت کا علم اسرار الہیہ میں سے ہے یہ راز مجھ سے کیوں فاش کراتے ہو۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم بھی دیا (تفسیر صاوی وغیرہ) اسی لیے حضرت جبرئیل نے حضور سے یہ سوال کیا، علم قیامت کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول میں ملاحظہ کرو، حضور کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ حضور نے یہاں حضرت جبرئیل کو پہچان لیا تھا۔

۱۷ یعنی اگر قیامت کی خبر دینا خلاف مصلحت ہے تو اس کی خصوصی علامت ہی بتا دیجئے۔ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم تھا، علامتیں واقف ہی سے پوچھی جاتی ہیں۔

۱۸ یعنی اولاد نافرمان ہوگی، بیٹا ماں سے ایسا سلوک کرے گا جیسا کوئی لونڈی سے تو گویا ماں اپنے مالک کو جنے گی، اس کی اور بھی تفسیریں ہیں۔

۱۹ یعنی دنیا میں ایسا انقلاب آوے گا کہ ذلیل لوگ عزت والے بن جائیں گے اور عزیز لوگ ذلیل ہو جائیں گے جیسا آج دیکھا جا رہا ہے۔ سکندر ذوالقرنین نے حکم دیا تھا کہ کوئی پیشہ ور اپنا موروثی پیشہ نہیں چھوڑ سکتا تاکہ عالم کا نظام نہ بگڑ جائے۔ (اشعۃ اللمعات) معلوم ہوا کہ کمینوں کا اپنا پیشہ چھوڑ کر اونچا بن جانا علامت قیامت ہے۔ اور اس سے نظام عالم کی تباہی ہے۔

۲۰ یہ صحابہ کا ادب ہے کہ علم اللہ اور رسول کے سپرد کرتے ہیں۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضور کا ذکر اللہ کے ساتھ ملا کر کرنا شرک نہیں بلکہ سنت صحابہ ہے، یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ اور رسول جانیں، اللہ اور رسول فضل کریں، اللہ اور رسول رحم فرمادیں، اللہ اور رسول بھلا کرے۔ دوسرے یہ کہ حضور کو خبر تھی کہ یہ سائل جبریل تھے ورنہ آپ فرمادیتے کہ مجھے بھی خبر نہیں یہ کون تھے۔

۱ یعنی اس لیے آئے تھے کہ تمہارے سامنے مجھ سے سوالات کریں تم جوابات سن کر دین سیکھ لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان پر حضور کی اطاعت واجب ہے نہ کہ جبریل کی کہ یہاں جبریل نے حاضرین سے خود نہ کہہ دیا کہ لوگو! میں جبریل ہوں مجھ سے فلاں فلاں بات سیکھ لو بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلویا تاکہ لوگوں کے لیے قابل قبول ہو۔ جبریل کے معنی ہیں "عبداللہ" جبر بمعنی عبد، ایل اللہ بزبان عبرانی۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تھوڑے اختلاف سے روایت کی ان کی روایت میں ہے کہ جب تم ننگے پاؤں، ننگے بدن والے، بہروں، گونگوں کو زمین کا بادشاہ دیکھو قیامت ان پانچ میں سے ہے جنہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر یہ آیت تلاوت کی کہ قیامت کا علم اللہ ہی کو ہے وہ ہی مینہ برساتا ہے! (مسلم و بخاری)

۱ یعنی پانچ چیزیں رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا قیامت کب ہوگی، بارش کب آوے گی، ماں کے پیٹ میں کیا ہے، اور میں کل کیا کروں گا، اور میں کہاں مروں گا۔ اس میں سورۃ لقمان کی آخری آیت کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت وحدیث کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ نے کسی کو یہ علم دیئے بھی نہیں، کاتب تقدیر فرشتہ اور ملک الموت کو یہ علوم بخشے گئے، ہمارے حضور نے بدر کی جنگ سے پہلے زمین پر خطوط کھینچ کر بتایا کہ کل یہاں فلاں فلاں کافر مارا جاوے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ علوم ختمہ قیاس تخمینہ حساب سے معلوم نہیں ہو سکتے صرف وحی الہی سے ان کا پتہ لگ سکتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پانچ چیزوں پر قائم کیا گیا ۱۔ اس کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں ۲۔ اور نماز قائم کرنا ۳۔ زکوٰۃ دینا اور حج کرنا ۴۔ اور رمضان کے روزے۔ (بخاری و مسلم)

۱ آپ کا نام عبداللہ بن عمر ہے، ظہور نبوت سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے، ۳۷ھ میں شہادت ابن زبیر سے تین ماہ بعد وفات پائی، ذی طویٰ کے مقبرہ مہاجرین میں دفن ہوئے، چوراسی سال عمر شریف پائی، بڑے متقی اور اعمال بالسنۃ تھے۔ رضی اللہ عنہ۔ (مرقاۃ وغیرہ)

۲ یعنی اسلام مثل خیمہ یا چھت کے ہے اور یہ پانچ ارکان اس کے پانچ ستونوں کی طرح کہ جو کوئی ان میں سے ایک کا انکار کرے گا وہ اسلام سے خارج ہوگا، اور اس کا اسلام منہدم ہو جاوے گا۔ خیال رہے کہ ان اعمال پر کمال ایمان موقوف ہے اور ان کے ماننے پر نفس ایمان موقوف، لہذا جو صحیح العقیدہ مسلمان کبھی کلمہ نہ پڑھے یا نماز روزہ کا پابند نہ ہو، وہ اگرچہ مؤمن تو ہے مگر کامل نہیں، اور جو ان میں سے کسی کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں، نہ اعمال ایمان کے اجزاء ہیں۔

۳ اس سے سارے عقائد اسلامیہ مراد ہیں جو کسی عقیدے کا منکر ہے وہ حضور کی رسالت ہی کا منکر ہے۔ حضور کو رسول ماننے کے یہ معنی ہیں کہ آپ کی ہر بات کو مانا جاوے۔

۴ ہمیشہ پڑھنا، صحیح پڑھنا، دل لگا کر پڑھنا، نماز قائم کرنا۔

۵ اگر مال ہو تو زکوٰۃ و حج ادا کرنا فرض ہے ورنہ نہیں مگر انکا ماننا بہر حال لازم ہے۔ نماز ہجرت سے پہلے معراج میں فرض ہوئی، زکوٰۃ و روزہ ۲ھ میں، اور حج ۹ھ میں فرض ہوئے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ۱ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی چند اور ستر شائیں ہیں ۲ ان سب میں اعلیٰ یہ کہنا ہے ۳ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے ادنیٰ تکلیف وہ چیز کا راستہ سے ہٹانا ہے ۴ اور غیرت بھی ایمان کی شاخ ہے ۵

۱ آپ کا نام کفر میں عبدالشمس اور اسلام میں عبدالرحمن ابن صخر دوسی ہے، خیبر کے سال اسلام لائے، چار سال سفر و حضر میں حضور کے ہمراہ سایہ کی طرح رہے، آپ کو بلی بڑی پیاری تھی، حتیٰ کہ ایک بار اپنی آستین میں بلی لیے ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ابوہریرہ یعنی بلیوں والے ہو، تب آپ اس کنیت سے مشہور ہو گئے، مدینہ منورہ میں ۳ھ میں وفات ہوئی، جنت البقیع میں دفن ہوئے ۸۷ سال عمر ہوئی، غضب کا حافظہ تھا، آپ سے چار ہزار تین سو چونسٹھ حدیثیں مروی ہیں۔

۲ شعبہ درخت کی شاخ کو کہتے ہیں، یہاں خصلت مراد ہے یعنی معمولی کام سے لے کر اعلیٰ کام تک سب اسلامی خصلتیں ہیں کسی کو نہ چھوڑو۔

۳ یعنی کلمہ طیبہ پڑھتے رہنا اس کی عادت ڈال دینا۔ مردے کو کلمہ طیبہ کا ثواب پہنچانا، تیج وغیرہ کرنا اس حدیث سے ماخوذ ہے کہ افضل عبادت کا ثواب بھی افضل ہے یہ ہی بخشا جائیے۔

۴ پتھر و اینٹ، لکڑی وغیرہ جس سے لوگ الجھیں یا ٹھو کر کھائیں دور کر دینا ثواب ہے۔ ایسے ہی مخلوق کو فائدہ پہنچانا بڑا ثواب ہے۔ حتیٰ کہ پانی پلانا اسی لئے بعض لوگ سبیلیں لگاتے ہیں۔

۵ غیرت سے ایمانی غیرت مراد ہے، جو گناہوں سے روک دے۔ بندہ مخلوق سے، اللہ کے رسول سے، فرشتوں سے، اللہ تعالیٰ سے شرم کرے گناہ نہ چھپ کر کرے کہ اللہ، رسول، فرشتے دیکھتے ہیں، نہ علانیہ کرے کہ مسلمان بھی دیکھ رہے ہیں۔ نفسانی یا شیطانی غیرت مراد نہیں جیسے نماز یا غسل سے شرماتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے ۱ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان وہ ہے جس کی



زبان و ہاتھ سے مسلمان ۲ محفوظ رہیں اور مہاجر وہ جو ممنوع چیزوں کو چھوڑ دے ۳ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم میں ہے فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون مسلمان بہتر ہے فرمایا جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمان امن میں رہیں۔

۱۔ آپ عمرو ابن عاص ابن وائل کے بیٹے ہیں، اپنے والد سے پہلے ایمان لائے، آپ نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے احادیث لکھیں، جن کی تعداد سات سو ہے۔ بڑے عالم، بڑے متقی عابد تھے، آخر میں نابینا ہو گئے تھے، ۶۳ھ طائف یا مصر میں وفات ہوئی۔ (مرقات)

۲ یعنی کامل مسلمان جو لغتاً ہر طرح مسلمان ہو، وہ مؤمن ہے جو کسی مسلمان کی غیبت نہ کرے، گالی، طعنہ، چغلی وغیرہ نہ کرے، کسی کو نہ مارے پیٹے، نہ اس کے خلاف کچھ تحریر کرے، یہ حدیث اخلاق کی جامع ہے۔ مسلمانوں کی سلامتی کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ بعض صورتوں میں کفار سے لڑنا بھڑنا، انہیں برا کہنا عبادت ہے۔ یہاں ظلماً غیبت واذیت مراد ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ ظالم مسلمان کافر ہے، یا رحم دل کافر مسلمان ہے۔

۳ یعنی کامل مہاجر وہ مسلمان ہے جو ترک وطن کے ساتھ ترک گناہ بھی کرے یا گناہ چھوڑنا بھی لغتاً ہجرت ہے جو ہمیشہ جاری رہے گی۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ۱ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا تا آنکہ میں اُسے ماں باپ اولاد اور سب لوگوں سے پیارا ہو جاؤں ۲ (مسلم، بخاری)

۱۔ آپ انس بن مالک ابن نضر انصاری خزرجی ہیں، حضور کے خادم خاص دس سال صحبت پاک میں رہے، سو برس سے زیادہ عمر پائی، عہد فاروقی میں بصرہ چلے گئے تھے، وہاں سے قریب ہی ۹۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا، بصرہ میں آخری صحابی کی وفات آپ کی ہوئی، آپ کی قبر انور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۲ یہاں پیارے سے مراد طبعی محبوب ہے نہ کہ صرف عقلی کیونکہ اولاد کو ماں باپ سے طبعی الفت ہوتی ہے یہ ہی محبت حضور سے زیادہ ہونی چاہیے اور بحمدہ تعالیٰ ہر مؤمن کو حضور جان و مال اور اولاد سے زیادہ پیارے ہیں۔ عام مسلمان بھی مرتد اولاد، بیدین ماں باپ کو چھوڑ دیتے ہیں، حضور کی عزت پر جان نچھاور کر دیتے ہیں۔ غازی عبدالرشید، غازی علم دین، عبدالقیوم وغیرہ کی زندہ جاوید مثالیں موجود ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کی لذت پالے گا ۱ اللہ و رسول تمام ماسوا سے زیادہ پیارے ہوں ۲

جو بندے سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے ۳ جو کفر میں  
لوٹ جانا جب کہ رب نے اس سے بچالیا ایسا بُرا جانے جیسے  
آگ میں ڈالا جانا ۴

۱۔ جیسے جسمانی غذاؤں میں مختلف لذتیں ہیں، ایسے ہی روحانی غذاؤں، ایمان و اعمال میں بھی مختلف مزے ہیں، اور جیسے ان غذاؤں کی لذتیں وہی محسوس کر سکتا ہے جس کے حواس ظاہری درست۔ ایسے ہی ان ایمانی غذاؤں کی لذتیں وہی محسوس کر سکتا ہے جس کی روح درست ہو اور جیسے ظاہری حواس درست کرنے کی مختلف دوائیں ہیں، ایسے ہی ان حواس کے درست کرنے والی روحانی دوائیں ہیں۔ اس حدیث میں ان ہی دواؤں کا ذکر ہے۔ حضور جسمانی و روحانی حکیم مطلق ہیں۔ جو ایمان کی حلاوت پالیتا ہے وہ بڑی بڑی مشقتیں خوشی سے جھیل لیتا ہے۔ جاڑوں کی نماز، جہاد خنداں پیشانی سے ادا کرتا ہے، کربلا کا میدان اس حدیث کی زندہ جاوید تفسیر ہے، یہ لذت ہی ہر مشکل کو آسان کر دیتی ہے، اسی سے رضا بالقضاء نصیب ہوتی ہے۔

۲۔ یعنی مال و دولت، زن فرزند وغیرہ تمام دنیاوی نعمتیں، اس میں قرآن، کعبہ و مدینہ منورہ وغیرہ داخل نہیں کہ ان کی محبت عین اللہ رسول کی محبت ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور سے اللہ والی محبت چاہیے۔ محبت کی بہت قسمیں ہیں: ماں سے محبت اور قسم کی ہے، بیوی سے اور طرح کی، اولاد سے اور طرح کی، بہن بھائی سے اور نوعیت کی۔ حضور سے محبت اسی نوعیت کی چاہیے جس نوعیت کی اللہ سے ہو، یعنی محبت ایمانی و عرفانی۔ ہمارا فرمانے سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کے لیے ایک ضمیر تشبیہ آسکتی ہے۔ جہاں ممانعت ہے وہاں برابری کے احتمال کے موقعہ پر ہے۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ خیال رہے کہ یہاں محبت سے طبعی محبت مراد ہے نہ کہ محض عقلی۔

۳۔ یعنی بندوں سے محض اس لیے محبت کرے کہ رب راضی ہو جاوے، دنیاوی غرض اس میں شامل نہ ہو۔ استاذ، شیخ، حتیٰ کہ ماں باپ اولاد سے اس لئے محبت کرے کہ رضاء الہی کا ذریعہ ہیں اور سنت اسلام۔ یہ محبت دائمی ہے، دنیاوی محبتیں جلد ٹوٹ جانے والی ہیں۔ رب فرماتا ہے: "الْأَخْلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ"۔

۴۔ یعنی کفر اور کفار سے طبعی نفرت ہو جاوے۔ اسلام کی توفیق کو رب کی نعمت جانے، کفار سے ایسے بچے جیسے سانپ سے کہ سانپ دشمن جان ہے اور یہ لوگ دشمن ایمان۔

روایت ہے عباس ابن عبدالمطلب سے فرماتے ہیں کہ فرمایا  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ  
کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے، محمد (صلی اللہ علیہ  
وسلم) کے نبی ہونے سے راضی ہو گیا ۲

۱۔ آپ حضور کے حقیقی چچا ہیں، حضور سے دو برس عمر میں زیادہ تھے۔ فرماتے تھے بڑے حضور ہیں، عمر میری زیادہ ہے، آپ کی والدہ نے کعبہ معظمہ پر اذاناً حریر و دیباچ کا ریشمی غلاف ڈالا۔ آپ واقعہ فیل سے پہلے پیدا ہوئے اور ۱۲ رجب جمعہ کے دن ۳۲ھ پیاسی سال کی عمر

میں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔ اسلام پہلے لاپکے تھے، بدر میں مجبوراً کفار کے ساتھ آئے تھے، اپنی ہجرت کے دن اسلام ظاہر کیا، آپ آخری مہاجر ہیں۔

۲ اللہ کی ربوبیت سے راضی ہونا یہ ہے کہ راضی بقضاء ہے، بیمار طبیب کی کڑوی دوا اور آپریشن سے بھی راضی ہوتا ہے۔ اسلام کے دین ہونے پر راضی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ احکام اسلام بخوشی قبول کرے، کسی حکم پر زبان طعن نہ کھولے۔ حضور علیہ السلام کی نبوت پر رضایہ ہے کہ آپ کی سنتوں سے محبت کرے، آپ کی اولاد، مدینہ منورہ، بلکہ جس چیز کو حضور سے نسبت ہو اس سے محبت کرے۔ یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں۔ جسے یہ تین اوصاف نصیب ہوں گے اسے گزشتہ تین چیزیں بھی مل جائیں گی۔

روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اُس کی قسم، اس امت میں سے اے کوئی یہودی عیسائی میرا نام سُن لے پھر ایمان لائے بغیر مر جائے اس پر جو مجھے دے کر بھیجا گیا مگر وہ دوزخی ہوگا ۲

۱ امت سے مراد امت دعوت ہے، یعنی سارے انسان یہودی عیسائی اس کا بیان ہے مشرکین وغیرہ کفارہ خود بخود اس میں داخل ہو گئے کہ جب یہود و نصاریٰ پر بھی اسلام لانا ضروری ہوا، جو پہلے پیغمبروں پر ایمان لاپکے ہیں تو جو سرے سے کسی نبی کو مانتے ہی نہیں ان پر یقیناً اسلام لانا ضروری ہے۔

۲ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ تمام مخلوق پر حضور کی اطاعت لازم ہے کسی ملک، کسی قبیلہ، کسی زمانہ کا ہو جو خدا کا بندہ ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم۔ دوسرے یہ کہ جسے حضور کی نبوت کی اطلاع نہ پہنچے وہ معذور ہے اس کی نجات کے لیے صرف عقیدۂ توحید کافی ہے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین مغفور و جنتی ہیں کہ وہ حضرات مؤحد تھے اور حضور کی نبوت سے پہلے وفات پا گئے۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق ہماری "تفسیر نعیمی" پارہ اول میں دیکھو۔

روایت ہے ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں اے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخص وہ ہیں جنہیں ڈبل ثواب ملتا ہے وہ کتابی جو اپنے نبی پر بھی ایمان لائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ۲ غلام مملوک جب اللہ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مولوں کا بھی ۳ اور وہ شخص جس کے پاس لونڈی تھی جس سے صحبت کرتا تھا اُسے اچھا ادب دیا اور اچھی طرح علم سکھایا پھر اُسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا اُس کے لیے دوہرا ثواب ہے ۴

۱ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں، نام عبداللہ ابن قیس ہے، قبیلہ بنی اشعر سے ہیں، یمن سے مکہ معظمہ آکر مسلمان ہوئے، اوثان حبشہ پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، بصرہ کے حاکم رہے، علی مرتضیٰ نے آپ کو اپنا بیٹا بنا دیا، صلح امیر معاویہ کے موقع پر ۵۲ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ (رضی اللہ عنہ) آپ کے بہت مناقب ہیں، نجف اشرف میں آپ کی قبر کی زیارت کرائی جاتی ہے میں بھی حاضر ہوا، مگر یہ درست نہیں۔

۲ یعنی اہل کتاب اگر حضور پر ایمان لے آویں تو انہیں اوثان اہل کتاب ہونے پر بھی ثواب ملے گا۔ اگرچہ اس حالت میں وہ اپنے نبیوں پر غلط طریقوں سے ایمان لائے تھے کہ عیسائی حضرت مسیح کو یہود، حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ مگر چونکہ ان نبیوں کو سچا ان کی کتابوں کو برحق تو مانتے تھے۔ اس کا ثواب اب پالیں گے، جیسے عبداللہ بن سلام و کعب احبار وغیرہ یہ حکم تا قیامت ہے۔

۳ اس طرح کہ اگر چند مولاؤں کا مشترکہ غلام تھا، پھر ان سب کے حقوق و خدمات بھی ادا کرتا رہا اور فرائض اسلام بھی بجالاتا رہا، غرض کہ جس قدر دنیا میں پھنساوا زیادہ، اسی قدر عبادت پر اجر زیادہ۔

۴ ایک تو لونڈی کو ادب و تعلیم دینے اور آزاد کرنے کا ثواب، اور دوسرا اس سے نکاح کر لینے کا اجر۔

روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے حکم دیا گیا کہ لوگوں سے جنگ کروں تاکہ گواہی دیں کہ رب کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں زکوٰۃ دیں جب یہ کر لیں گے تو مجھ سے اپنے خون و مال بچالیں گے سوائے اسلامی حق کے ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے ۵ اس میں بخاری مسلم کا اتفاق ہے مگر مسلم نے اسلامی حق کا ذکر نہ کیا۔

۱ یہاں حقیقی بمعنی کہ ہے جیسے "اسلمتُ حتی ادخل الجنة" یعنی مجھے حکم الہی ہے کہ ملک گیری یا مال گیری کی نیت سے جہاد نہ کروں بلکہ لوگوں کو ہدایت دینے کی نیت سے کروں۔ اس صورت میں حدیث پر نہ کوئی اعتراض ہے کہ یہ آیت قرآنیہ کے خلاف ہے اور الناس سے مراد سارے کفار ہیں۔ لہذا یہ حتی انتہاء کا نہیں۔ خیال رہے کہ مشرکین عرب کے لئے حکم جزیہ نہیں یا وہ ایمان لاویں یا قتل و قید و عبدیت وغیرہ۔ رب فرماتا ہے: "وَقَتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً" عرب کے اہل کتاب اور عجم کے تمام کفار کے لئے یا ایمان یا جزیہ ورنہ قتل و قید وغیرہ رب فرماتا ہے: "حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ" مرتد کے لئے یا اسلام یا قتل ہے نہ جزیہ نہ قید رب فرماتا ہے: "تُقْتَلُونَ أَوْ يُسْلِمُونَ"۔ باغیوں کے لئے یا قتل یا بغاوت سے توبہ، رب فرماتا ہے: "فَقْتِلُوا الَّتِي تَبَغَى حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ" لہذا آیات و احادیث متفق ہیں۔

۲ چونکہ اس وقت تک روزہ، جہاد وغیرہ کے احکام نہ آئے تھے، اسی لئے ان کا ذکر نہ ہوا اگر کوئی نماز یا زکوٰۃ کا انکار کرے تو کافر ہے اس پر کفار کا سا جہاد ہوگا۔ تارکین نماز و زکوٰۃ کی گوشمالی کرنی ہوگی۔

۳ چونکہ اس زمانہ مبارک میں اسلام میں نئے فرقے نہ بنے تھے، کلمہ، نماز و زکوٰۃ ایمان کی علامت تھی، اس لئے فرمایا کہ جو یہ تین کام کرے اس کا جان و مال محفوظ ہے، اب بہت مرتد فرقے کلمہ، نماز، زکوٰۃ پر کاربند ہیں مگر مرتد ہیں ان پر ارتداد کا جہاد ہوگا۔ جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسیلہ کذاب کے معتقدین پر جہاد کیا اب بھی قادیانیوں وغیرہ مرتدین کا یہ ہی حکم ہے۔

۴ یعنی اگر اسلام لا کر قتل، زنا یا ڈکیتی وغیرہ کریں تو قتل کے مستحق ہوں گے کہ یہ اسلام کا حق ہے یہ قتل کفر نہ ہوگا۔

۵ یعنی اگر کوئی زبانی کلمہ ظاہری نماز و زکوٰۃ ادا کرے تو ہم اس پر جہاد نہ کریں گے، اگر منافقت سے یہ کام کرتا ہے تو رب سے سزا دے گا۔ اسلامی جہاد منافقوں پر نہیں۔

روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہماری سی نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کو منہ کرے، ہمارا ذبیحہ کھالے تو یہ وہ مسلمان ہے جس پر اللہ رسول کی ذمہ داری ہے لہذا تم اللہ کا ذمہ نہ توڑو۔ (بخاری)

۱ خیال رہے کہ مؤمن کی علامات مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہیں، اس لحاظ سے ان کے متعلق مختلف احادیث وارد ہوئیں، ایک وقت صرف کلمہ پڑھنا مؤمن کی علامت تھی، نماز وغیرہ کوئی احکام نہ آئے تھے تب ارشاد ہوا "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة" جس نے کلمہ پڑھ لیا جنتی ہو گیا، پھر وہ وقت آیا جب نماز وغیرہ بھی آگئی تو ارشاد ہوا جو یہاں مذکور ہے۔ مدینہ منورہ میں منافقین بھی تھے جو کلمہ نماز وغیرہ ادا کرتے ہوئے بھی بے ایمان رہے، تب اللہ رسول کی محبت علامت ایمان قرار پائی کہ ارشاد ہوا: "لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون الخ۔ آئینہ کے متعلق خبر دی گئی کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو تم سے زیادہ عابد و زاہد ہوں گے مگر اسلام سے خارج ہوں گے۔ غرضکہ جیسے حالات ویسے علامات، آج مرزائی روافض وغیرہم یہ کام کرتے ہیں مگر مؤمن نہیں۔

۲ یعنی یہ مؤمن اللہ اور رسول کی امن میں ہے تم اسے نہ ستاؤ ورنہ اللہ رسول کے خائن ٹھہرو گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی پناہ اور ذمہ لینا شرک نہیں ایمان کا رکن ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ متقی مسلمان کو ستانا فاسق کو ستانے سے زیادہ بُرا ہے کہ اس میں ظلم بھی ہے اور اللہ اور رسول کی خیانت بھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کرنے لگے کہ مجھے ایسے کام کی ہدایت فرمائیے کہ میں وہ کروں تو جنتی ہو جاؤں فرمایا اللہ کو پوجو اُس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ نماز قائم کرو، زکوٰۃ فرض دو، رمضان کے

روزے رکھو۔ وہ بولے قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کبھی اس سے کچھ گھٹاؤں بڑھاؤں گا نہیں۔ پھر جب وہ چل دیئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جنتی مرد کو دیکھنا چاہے وہ اسے دیکھ لے۔

۱۔ یہ جملہ عبادت کی تفسیر ہے، چونکہ اس وقت تک جہاد وغیرہ احکام آئے نہ تھے یا اس پر جہاد فرض نہ تھا اس لیے جہاد کا ذکر نہ فرمایا۔

۲۔ یعنی ان فرائض میں اپنی طرف سے زیادتی کمی نہ کروں گا کہ فجر چار یا چھ پڑھوں اور ظہر دو یا تین یا روزے چالیس رکھ لوں، یا اپنی قوم تک بعینہ یہ ہی احکام پہنچا دوں گا، تبلیغ میں زیادتی کمی نہ کروں گا یا اب سوال میں زیادتی کمی نہ کروں گا، لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ فطرہ، قربانی، نماز عیدین، روزہ، نذر، وتر ضروری نہ ہوں۔ احکام اس وقت تک آئے ہی نہ تھے بعد میں خود حضور نے احکام میں زیادتی فرمائی لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

۳۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جنتی آدمی کو دیکھنا بھی ثواب، بزرگوں کے دیدار سے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

اٹھ جاگ فریدا ستیادل مسجد دے جا      مت کوئی بخشیا مل پوے تو بھی بخشیا جا

دوسرے یہ کہ حضور کو لوگوں کے انجام نیک، بد، سختی، بدبختی کا علم ہے، جانتے ہیں کہ جنتی کون ہے دوزخی کون، حضور کو خبر تھی کہ یہ بندۂ مؤمن تقویٰ پر قائم رہے گا، ایمان پر مرے گا، جنت میں جائے گا۔

روایت ہے حضرت سفیان ابن عبد اللہ ثقفی سے ۱۔ کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کے متعلق ایسی بات بتائیں کہ آپ کے بعد اس کے متعلق کسی سے نہ پوچھوں۔ دوسری روایت میں ہے (کہ آپ کے سوا) فرمایا کہ کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اُس پر قائم رہو۔

۱۔ آپ کا نام سفیان ابن عبد اللہ ابن ربیعہ ہے، کنیت ابو عمرو قبیلہ بنی ثقیف سے ہیں، اہل طائف میں سے ہیں، زمانہ فاروقی میں طائف کے حاکم رہے، کل پانچ حدیثیں آپ سے مروی ہیں، بڑے متقی عابد تھے۔

۲۔ اللہ پر ایمان لانے سے مراد سارے عقائد اسلامیہ ماننا ہیں۔ لہذا اس میں توحید و رسالت، حشر و نشر، ملائکہ، جنت و دوزخ سب پر ایمان لانا داخل ہے۔ جیسے کسی کو اپنا باپ مان کر اس کے سارے اہل قرابت کو اپنا عزیز ماننا پڑتا ہے کہ اس کا باپ ہمارا دادا ہے، اس کی اولاد ہمارے بھائی بہن، اس کے بھائی ہمارے چچا تائے اور اسقامت سے مراد سارے اعمال اسلامیہ پر سختی و پابندی سے عمل کرنا ہے۔ لہذا یہ

حدیث ایمان و تقویٰ کی جامع ہے اور اس پر عامل یقیناً جنتی ہے، رب فرماتا ہے: "إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَمُوا" الخ۔ یہ کلمات جامع میں سے ہیں۔

روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبد اللہ سے کہ ایک نجدی شخص ۲ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بال بکھیرے حاضر ہوا جس کی گنگناہٹ تو ہم سنتے تھے مگر سمجھتے نہ تھے کہ کیا کہتا ہے یہاں تک کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گیا تو اسلام کے بارے میں پوچھنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دن رات میں پانچ نمازیں ہیں بولا ان کے سوا میرے ذمہ اور نماز بھی ہے فرمایا نہیں ۳ ہاں چاہو تو نفل پڑھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماہ رمضان کے روزے بولا کیا مجھ پر اس کے سوا اور بھی ہیں فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل ادا کرے فرمایا اُس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زکوٰۃ کا ذکر فرمایا بولا کیا میرے ذمہ کچھ اور بھی ہے فرمایا نہیں مگر نفل ادا کرے ۴ فرمایا اس نے پیٹھ پھیر لی یہ کہتا جاتا تھا کہ میں اس سے نہ زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ شخص سچا ہے تو کامیاب ہوگا ۵

۱۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے، قرشی ہیں، ابو بکر کے بھتیجے، قدیم الاسلام ہیں، تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے، جنگ احد میں حضور کے لیے ڈھال بنے اور چوبیس زخم کھائے، آپ کے جسم پر کل ۷۵ زخم تھے جو غزوات میں کھائے تھے، جنگ جمل ۳۶ھ میں بصرہ میں شہید ہوئے، وہاں ہی آپ کا مزار پر انوار ہے، فقیر نے مزار پاک کی زیارت کی ہے، حضور کی دعوت اور دعوت کے معجزات آپ کے ہاں ظاہر ہوئے جو مشہور ہیں۔

۲۔ نجد عرب کا ایک صوبہ ہے جو مکہ معظمہ اور عراق کے درمیان واقع ہے۔ اس صوبہ کے متعلق حضور نے دعاء خیر نہ فرمائی اور وہاں سے وہابی فرقے کے نکلنے کی خبر دی جو آخر کتاب میں ان شاء اللہ ذکر ہوگا۔

۳۔ یعنی ان پانچ نمازوں کے سوا اور نماز اسلام کا فرض نہیں، عیدین اور وتر واجب ہے، نماز جمعہ ظہر کی قائم مقام ہے لہذا یہ ان ہی پانچ میں شامل ہے۔

۱۱ نفل سے لغوی معنی مراد ہیں فرض پر زائد، رب فرماتا ہے: "فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ" لہذا اس میں وتر و عیدین داخل ہیں۔ یا اس وقت تک یہ نماز اسلام میں آئی نہ تھیں، بہر حال یہ حدیث وتر و عیدین کے وجوب کے خلاف نہیں احناف کے مخالف نہیں۔

۱۲ یہ جملہ بھی فطرے اور قربانی کے وجوب کے خلاف نہیں جیسا کہ ۴ کی تقریر سے واضح ہے۔

۱۳ یعنی اگر صدق دل سے وعدہ کیا ہے تو کامیاب ہوگا یا اگر اس وعدے کو پورا کر دکھائے تو کامیاب ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نجدیوں کا اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ اس سے پہلے ایک سائل کے ان ہی الفاظ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاح و کامیابی کا قطعی حکم دے دیا، اس نجدی کے ان ہی الفاظ پر مشکوک طریقہ سے کامیابی بیان فرمائی۔

روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ۱ فرماتے ہیں کہ قبیلہ عبدالقیس کا نمائندہ وفد ۲ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم کون قوم یا کون وفد ہو عرض کیا ہم ربیعہ ہیں ۳ فرمایا یہ وفد یا قوم خوب اچھے آگئے کہ نہ رسوا ہوئے نہ شرمندہ ۴ عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ تک صرف محترم مہینہ میں آسکتے ہیں ۵ کیونکہ ہمارے آپ کے درمیان کفار مضر کا قبیلہ حائل ہے ۶ لہذا ہمیں فیصلہ کن خبر فرمادیں جس کی خبر ہم اپنے پیچھے والوں کو بھی دے دیں اور ہم جنت میں بھی پہنچ جائیں ۷ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرابوں کے متعلق پوچھا تو حضور نے انہیں چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا۔ اللہ پر ایمان لانے کا حکم فرمایا کیا جانتے ہو صرف اللہ پر ایمان لانا کیا ہے وہ بولے اللہ اور رسول جائیں ۸ فرمایا یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں ۹ اور نماز قائم رکھنے زکوٰۃ دینے رمضان کے روزے کا ۱۰ اور فرمایا کہ نسیئہ میں سے پانچواں حصہ حاضر کرو ۱۱ اور چار چیزوں سے منع فرمایا ٹھلیا سے، تونبی سے، لکڑی کی دوری سے اور تار کول والے پیالے سے ۱۲ فرمایا یہ خود بھی یاد کر لو دوسروں کو اس کی خبر دے دو ۱۳ (مسلم و بخاری) لفظ بخاری کے ہیں۔



۱۔ آپ کا نام عبداللہ ابن عباس ابن عبدالمطلب ہے، حضور کے چچا زاد ہیں، آپ کی والدہ لبابہ بنت حارث یعنی امیر المؤمنین میمونہ کی ہمیشہ رہیں، آپ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے، جب تیرہ سالہ تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، آپ کا لقب حرامت ہے یعنی امت اسلامیہ کے بڑے عالم، تفسیر قرآن کے امام ہیں، آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، ۶۸ھ میں بمقام طائف ۷۱ برس عمر شریف میں وصال ہوا، طائف میں مزار شریف ہے فقیر نے زیارت کی ہے۔

۲۔ وفد قوم کے وہ نمائندے کہلاتے ہیں جو اپنی قوم کی طرف سے سلطان یا امیر کی خدمت میں کچھ پیام سلام لے کر حاضر ہوں یا ان کی طرف سے عہد وفاداری کریں۔ یہ چودہ حضرات تھے جو قبیلہ عبدالقیس کی طرف سے ایمان لائے اور حضور سے احکام اسلام معلوم کرنے حاضر ہوئے تھے یہ قبیلہ بحرین، قطیف، ہجر وغیرہ بستیوں میں آباد تھا، عبدالقیس ان کے جد کا نام تھا۔ جن کا سلسلہ نسب ربیعہ ابن نزار ابن معد ابن عدنان تک پہنچتا ہے، اس لیے اس قبیلہ کو عبدالقیس بھی کہتے ہیں اور ربیعہ بھی۔

۳۔ یہ سوال و جواب لوگوں کو سنانے کے لئے ہے حضور تو واقف تھے۔ مرقات میں اسی جگہ ہے کہ یہ وفد جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو حضور نے حاضرین کو خبر دی کہ وفد عبدالقیس آ رہا ہے جو مشرق کے بہترین لوگوں میں سے ہے، ان میں اشج بھی ہے جس کا نام منذر ہے۔ پوچھنا بے علمی سے ہی نہیں ہوتا رب نے پوچھا تھا: "وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يُمُوسَىٰ"۔

۴۔ یہ کلمات یا دعائے ہیں یعنی خدا کرے تمہیں کبھی رسوائی و شرمندگی نہ ہو یا خبر ہے یعنی اچھا ہوا تم خوشی سے اسلام لا کر حاضر ہو گئے، ورنہ کچھ عرصہ بعد لشکر اسلام تمہارا ملک فتح کرتا پھر تمہیں شرمندگی اور رسوائی ہوتی، اب عزت سے ایمان لے آئے۔

۵۔ یہاں جنسی مہینہ مراد ہے یعنی ہم سال میں صرف ۴ محترم مہینوں میں ہی سفر کر کے آپ تک پہنچ سکتے ہیں۔ ماہ حرام ۴ تھے رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم۔ ان مہینوں میں کفار بھی قتل و غارت نہیں کرتے تھے، راستوں میں امن رہتی تھی، سفر آسانی ہوتے تھے، اس لیے یہ عرض کر رہے ہیں۔

۶۔ جو باقی مہینوں میں لوٹ مار کرتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے سفر بند رہتے ہیں۔

۷۔ یعنی ان عقائد و اعمال کی وجہ سے ہم پر اللہ فضل کرے، جنت بخشے۔ خیال رہے کہ جنت اللہ کے فضل سے ملے گی، یہ اعمال اسی فضل کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

۸۔ یہ ادباً عرض کیا ورنہ یہ لوگ ایمان لاپکے تھے، مؤمن ایمان سے بے خبر نہیں ہوتا۔ (مرقات) صحابہ کا یہ ادب تھا کہ ان کو علم بھی ہوتا مگر حضور پر پیش قدمی نہ کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو اللہ نے بہت علم بخشا۔

۹۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور پر ایمان لائے بغیر اللہ تعالیٰ پر ایمان غیر ممکن ہیں، ایمان باللہ کی تفسیر میں رسالت کا ذکر بھی ہوا۔ شہادۃ سے مراد دل کی گواہی ہے، یعنی ماننا و قبول کرنا ورنہ زبانی اقرار ایمان کا جزو نہیں، بلکہ احکام اسلامی جاری ہونے کی شرط ہے۔

۱۰ نماز، روزہ وغیرہ ایمان کی تفسیر نہیں بلکہ ایمان پر معطوف ہے، یعنی انہیں ایمان کا بھی حکم دیا اور نماز روزے وغیرہ کا بھی۔ لہذا اقامہ وغیرہ جر سے پڑھنا چاہیے، چونکہ ایمان اعمال پر مقدم ہے، اس لئے ایمان کے بعد ان کا ذکر ہوا، چونکہ ابھی حج نہ ہوا تھا اس لئے اس کا ذکر نہیں، حج ۹ھ میں فرض ہوا ہے۔

۱۱ چونکہ اس وقت جہاد فرض ہو چکا تھا اور یہ لوگ اہل جہاد سے تھے، اسی لئے انہیں جہاد کے احکام ارشاد فرمائے کہ اگر تم کفار مضر سے جہاد کرو تو جو غنیمت کمال حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ یہاں بھیج دیا کرو، چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیا کرو، رب فرماتا ہے: "وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ" الخ۔

۱۲ یہ شراب کے چار برتن ہیں: حنثہ، شراب کی چھوٹی گھڑی، ربتا کھل کیا ہوا پکا کدو جو جگ کی طرح استعمال کیا جاتا تھا، نقید درخت کی جڑ جسے کھل کر کے اس میں شراب رکھتے تھے، مزفت شراب پینے کا پیالہ۔ چونکہ اس وقت شراب نئی نئی حرام ہوئی تھی، اگر یہ برتن استعمال ہوتے رہتے تو ممکن تھا کہ انہیں چھوٹی ہوئی شراب پھر یاد آجاتی، اس لئے ان کا استعمال بھی حرام کر دیا گیا، پھر کچھ عرصہ بعد یہ حرمت منسوخ ہو گئی جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔

۱۳ یعنی تم عالم و عامل بھی بنو اور مبلغ بھی، تبلیغ کے لیے کامل عالم ہونا شرط نہیں، جو صحیح مسئلہ ہو اس کی تبلیغ کرے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرام سے بچانے کے لیے اسباب حرام روکنا ضروری ہیں، نزلہ روکو تاکہ بخار سے بچو، چوبے فنا کرو تاکہ طاعون نہ پھیلے، گانا اور بیہودگی روکو تاکہ زنا بند ہو۔

روایت ہے عبادہ ابن صامت سے ۱ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالانکہ آپ کے آس پاس صحابہ کی جماعت ۲ تھی کہ مجھ سے اس پر بیعت کرو ۳ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، نہ چوری کرنا اور نہ زنا، نہ اپنی اولاد کو قتل کرنا، نہ اپنے سامنے گھڑا ہوا بہتان لگانا ۴ اور کسی اچھی بات میں نافرمانی نہ کرنا ۵ تم میں سے جو وفائے عہد کرے گا اس کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے ۶ اور جو ان میں سے کچھ لے کر بیٹھے اور دنیا میں سزا پالے تو وہ سزا کفارہ ہے ۷ اور جو ان میں سے کچھ کر لے، پھر رب اُس کی پردہ پوشی کرے ۸ تو وہ اللہ کے سپرد ہے۔ اگر چاہے معافی دے دے چاہے سزا دے ۹ لہذا ہم نے اس پر آپ سے بیعت کی۔ (مسلم، بخاری)

۱ آپ کا نام عبادہ، کنیت ابوالولید ہے، آپ نقیب الانصار ہیں، پہلی اور دوسری بیعت عقبہ میں شامل ہوئے، جمع قرآن کرنے والوں میں آپ بھی تھے، بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے، عہدِ فاروقی میں شام کے قاضی رہے، حمص مقام تھا، فلسطین کے مقام رملہ میں ۷۲ سال کی عمر پا کر ۳۴ھ ہجری میں وفات پائی۔

۲ عصابہ عصبہ سے بنا بمعنی مضبوطی۔ اب دس سے چالیس تک کی جماعت کو عصابہ کہا جاتا ہے۔

۳ یہ بیعت تقویٰ ہے، یعنی آئندہ شرک، چوری، زنا وغیرہ نہ کرنا، ورنہ یہ جماعت صحابہ بیعت اسلام تو پہلے ہی کر چکی تھی۔ آج کل جو مشائخ کے ہاتھ پر بیعت تقویٰ کی جاتی ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے حضور نے صحابہ سے جہاد پر بھی بیعت لی ہے۔

۴ چونکہ عرب میں یہ گناہ زیادہ مروج تھے، بلکہ زنا اور لڑکیوں کے زندہ دابنے پر فخر کیا کرتے تھے اس لئے حضور نے ان کی تاکید ممانعت فرمائی، چونکہ بہتان سن کر بھی لگایا جاتا ہے اور گڑھ کر بھی، گڑھا ہوا زیادہ جرم ہے اس لئے حضور نے ان کی تاکید ممانعت فرمائی۔ بعض عورتیں دوسروں کا بچہ لے کر اپنے خاندان سے کہتی تھیں کہ یہ تیرا بچہ ہے جو میں نے جنا ہے۔ اس فرمان میں اس جانب بھی اشارہ ہے تو سامنے سے مراد شرمگاہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ نسب بدلنا سخت جرم ہے۔

۵ نہ میری نہ علماء کی نہ حکام نہ ماں باپ نہ شیخ کی جو بھی اچھی بات کا حکم دے اس کی بات مانو۔ خیال رہے کہ حضور جو بھی حکم دیں وہ اچھا ہے، اگر نماز چھوڑنے کا حکم دیں تو اس وقت نماز پڑھنا حرام ہو جاتی ہے۔ حضور کے احکام کی اطاعت مطلقاً واجب ہے، حضور کے مشورہ اور رائے پر عمل بہتر ہے لازم نہیں۔ یہاں معروف کی قید حضور کے لئے واقعی ہے اور دوسروں کے لئے احترازی کیونکہ بُری بات میں بادشاہ وغیرہ کسی کی اطاعت نہیں۔

۶ اس میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان اطاعتوں کا بدلہ دنیا میں ہی لوگوں سے نہ چاہو، اخلاص اختیار کرو ان شاء اللہ دنیا اور آخرت میں اجر پاؤ گے۔

۷ کفر کے سوا کوئی اور جرم جس کی سزا شرعاً مقرر ہو جیسے زنا، چوری، شراب خوری یا مقرر نہ ہو تعزیر بھی ہو جیسے لواطت وغیرہ یا نہ ہو جیسے ترک نماز وغیرہ۔

۸ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ حدود اور تعزیرات گناہ کا کفارہ بن جاتے ہیں جس کے بعد اس جرم کی سزا ان شاء اللہ آخرت میں نہ ملے گی۔ بعض نے فرمایا یہ سزائیں حق عبد کا کفارہ ہیں، حق اللہ تو بہ سے ہی معاف ہوگا، رب فرماتا ہے: "وَمَنْ لَّمْ يَتُوبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ" مگر حق یہ ہے کہ مجرم کا اپنے کو سزا کے لیے پیش کر دینا ہی توبہ اور کفارہ ہے۔

۹ اس میں ارشاد فرمایا گیا کہ کوئی شخص اپنے چھپے گناہ کو ظاہر نہ کرے حق عبد ضرور ادا کر دے۔

۱۰ اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے: "إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ" یعنی کفر پر مرنے والی کی بخشش نہیں باقی تمام گنہگاروں کے لیے گنجائش ہے۔

روایت ہے حضرت ابی سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقرعید یا عید الفطر میں عید گاہ ۲ تشریف لے گئے عورتوں کی جماعت پر گزرے ۳ تو فرمایا کہ اے بیبیو! خوب خیرات کرو ۴ کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے ۵ کہ تم زیادہ دوزخ والی ہو انہوں نے عرض کیا حضور یہ کیوں؟ فرمایا تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو ۶ خاوند کی ناشکری کے ہو تم سے بڑھ کر کوئی کم عقل دین پر کم عاقل عقلمند آدمی کی مت کاٹ دینے والی میں نے نہیں دیکھی ۷ عورتوں نے عرض کیا حضور ہمارے دین و عقل میں کمی کیونکر ہے۔ فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی ہے ۸ عرض کیا ہاں فرمایا یہ عورت کے عقل کی کمی ہے فرمایا یہ درست نہیں کہ عورت حیض میں روزہ نماز ادا نہیں کر سکتی عرض کیا ہاں فرمایا یہ اس کے دین کی کمی ہے ۱۰ (مسلم، بخاری)

۱ آپ کا نام شریف سعد ابن مالک انصاری ہے، خدرہ انصار کا ایک قبیلہ ہے جس کی طرف آپ کی نسبت ہے، بڑے عالم، احادیث کے ماہر صحابی ہیں، غزوہ خندق اور بارہ غزوں میں آپ حضور کے ساتھ شریک رہے، آپ نے چوراسی ۸۳ سال کی عمر پا کر ۶۳ھ میں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہیں، فقیر نے بھی قبر انور کی زیارت کی ہے۔

۲ یعنی شہر سے باہر۔ خیال رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز جنگل میں ادا فرماتے تھے باوجود یہ کہ مسجد نبوی شریف بہترین مسجد ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ دو نمازیں جنگل میں ادا کرنا سنت ہے اگرچہ شہر میں بھی جائز ہے۔

۳ جو کہ عید گاہ میں نماز ادا کرنے گئی تھیں۔ حضور کے زمانہ میں تمام عورتوں کو عید گاہ کی حاضری کا حکم تھا تاکہ شرعی احکام سنیں اور نماز عید یا کم از کم مسلمانوں کی دعا میں شریک ہو جائیں، مردوں سے علیحدہ بیٹھتی تھیں، سرکار خطبے کے بعد ان کی جماعت میں مخصوص وعظ ارشاد فرماتے تھے۔ عہد فاروقی سے عورتیں اسی حاضری سے روک دی گئیں جیسا کہ آئندہ عرض کیا جاوے گا۔

۴ فی الحال جہاد کے لیے صدقہ دیا ہمیشہ صدقہ نفل دیا کرو کیونکہ صدقہ فرض میں عورتیں مرد برابر ہیں، یہاں صدقہ فطر مراد نہیں کیونکہ یہ عید گاہ آنے سے پہلے ادا کر دیا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ عورت اپنے مال سے صدقہ بہر حال دے سکتی ہے، خاوند کے مال سے اس کی اجازت سے دے خواہ صریحی اجازت سے ہو یا عرفی سے۔

۵۔ معراج میں یا کشف سے۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اگلے پچھلے واقعات کو مشاہدہ فرماتی ہے، کیونکہ دوزخ میں داخلہ قیامت کے بعد ہوگا، مگر آج ہی دیکھ رہے ہیں جیسے کہ ہم خواب یا خیال میں اگلی کچھلی باتیں دیکھ لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور باذن الہی جنتیوں اور دوزخیوں کو پہچانتے ہیں ان کی تعداد سے خبردار ہیں حالانکہ علوم خمسہ میں سے ہے۔ تیسرے یہ کہ نیک اعمال خصوصاً صدقہ عذاب کو دفع کرتا ہے۔ اسی لیے میت کو تیجہ، دسویں وغیرہ میں ایصال ثواب کیا جاتا ہے کہ اگر اس کی قبر میں آگ ہو تو اس سے بچھ جائے۔

۶۔ غصہ میں بچوں پر لڑائی میں مقابل پر، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیادہ لعنت کرنا دوزخی ہونے کا سبب ہے، اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جن کے یہاں صحابہ پر تبرا اور لعنت کرنا عبادت ہے۔ جب نمرود، فرعون، ہامان بلکہ شیطان کو گالیاں دینا اور تبرا کرنا ثواب نہیں تو بزرگوں کو گالیاں دینا کہاں کی انسانیت ہے۔ مسئلہ کسی معین پر لعنت کرنا جائز نہیں سوا ان کفار کے جن کا کفر پر مرنا نص میں آچکا، غیر معین گنہگار پر بھی لعنت جائز ہے۔ مثلاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ کافروں پر یا جھوٹوں پر لعنت مگر اس کی عادت مت ڈالو جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔

۷۔ کہ اگر عمر بھر خاوند تمہاری ناز برداری کرے اور ایک بار کچھ کوتاہی کر دے تو کہتی ہو کہ تو نے میرے ساتھ کچھ کیا ہی نہیں، جو بندے کا ناشکر ہے خدا کا شکر نہیں بن سکتا۔

۸۔ اس میں عورتوں کے تین عیب بیان کئے گئے: عقل میں کمی، دین پر عمل میں کوتاہی، اور مرد کو بے وقوف بنانا، یہ عورتوں کی عام حالت ہے اگرچہ بعض بیبیاں اس سے پاک ہیں۔ خیال رہے کہ جنس مرد جنس عورت سے افضل ہے، اگرچہ بعض عورتیں، بعض مردوں سے افضل ہیں۔ حضرت آمنہ خاتون، عائشہ صدیقہ، فاطمہ زہرہ ہم جیسے کروڑوں مردوں سے افضل، لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۹۔ عام حالات میں یا دومرد گواہ ہوتے ہیں یا ایک مرد اور دو عورتیں بعض صورتوں میں عورت کی گواہی مطلقاً نہیں مانی جاتی جیسے حدود اور قصاص، بعض صورتوں میں صرف ایک عورت کی خبر معتبر جیسے بحالت غبار، رمضان کا انتیسواں<sup>۲۹</sup> چاند یا حیض و نفاس کی یا عدت گزرنے کی خبر یہاں عام حالت مراد ہے۔

۱۰۔ کہ کچھ عرصہ نماز کے ثواب سے اور ادائے روزہ کی برکتوں سے محروم رہتی ہے۔ خیال رہے کہ حیض و نفاس کے زمانہ کی نمازیں بالکل معاف ہیں اور روزوں کی ادا معاف قضا واجب۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کی زیادتی کمی دین کے کمال و نقصان کا ذریعہ ہے۔ خیال رہے کہ مسافر و بیمار نماز و روزہ کے اہل ہیں لیکن حائضہ اور نسا ان کی اہل ہی نہیں لہذا وہ دونوں ناقص نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب فرماتا ہے! انسان مجھے جھٹلاتا ہے یہ اُسے مناسب نہ تھا اور مجھے گالی دیتا ہے یہ اسے درست نہ تھا! اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ کہتا ہے رب مجھے پہلے

کی طرح دوبارہ نہ بنا سکے گا۔ حالانکہ پہلی بار پیدا فرمانا دوبارہ بنانے سے آسان تر تو نہیں ہے۔ اس کی گالی اس کی یہ بکواس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کی ہے میں تو اکیلا بے نیاز ہوں۔ نہ جنانہ جنانا میرا کوئی ہمسر نہیں ہے

۱۔ یہ حدیث قدسی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قَالَ اللَّهُ"۔ حدیث قدسی اور قرآن میں فرق یہ ہے کہ حدیث قدسی خواب، الہام سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ قرآن بیداری ہی میں آئے گا۔ نیز قرآن کے لفظ بھی رب کے ہیں، حدیث کا مضمون رب کا، الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ خیال رہے کہ ساری حدیثیں برحق ہیں اور قرآن کی طرح لائق عمل، صدیق اکبر نے حدیث کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں تقسیم میراث نہ فرمائی حالانکہ یہ حکم قرآنی تھا، مگر حدیث قدسی میں قال اللہ کی تصریح ہوتی ہے۔ اس کی مفصل بحث ہمارے رسالہ "ایک اسلام" میں دیکھو۔

۲۔ خیال رہے کہ جن و انس کے سوا کسی مخلوق میں کافر نہیں مگر انسان پر اللہ کے احسانات زیادہ ہیں کہ ان ہی میں انبیاء اور اولیاء بھیجے۔ اس لیے کہ خصوصیت سے اس کی شکایت فرمائی گئی۔

۳۔ یعنی قیامت کا منکر ہے اور تمام ان آیتوں کو جھٹلاتا ہے جن میں قیامت کا ذکر ہے۔

۴۔ یعنی رب کے لیے ایجاد اور دوبارہ بنانا یکساں آسان ہے۔ لوگوں پر ایجاد مشکل ہوتی ہے۔ دوبارہ بنانا آسان، جب کفار رب تعالیٰ کو عالم کا موجد جانتے ہیں تو قیامت مانتے ہیں انہیں کیوں موت آتی ہے۔ حالانکہ قیامت میں اٹھانا اعادہ خلق ہوگا۔ نہ کہ ایجاد اس میں روئے سخن ان کافروں کی طرف ہے جو اللہ کی ذات و صفات کے اقرار ہی تھے اور قیامت کے انکار ہی۔

۵۔ مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو، یہودی عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اس میں ان تینوں قوموں کی طرف اشارہ ہے۔ یہودی بچے اختیار کرنا ہمارے لیے کمال ہے رب کے حق میں گالی۔ ایک ہی چیز ایک کے لیے کمال ہے۔ دوسرے کے لیے نقصان بلا تشبیہ کنواری لڑکی کو صاحب اولاد کہنا گالی ہے، بیابانی کے لیے کمال، رب کی شان تو بہت اعلیٰ ہے۔

۶۔ اولاد والا اکیلا بھی نہیں ہوتا، اولاد اس کی قومیت، نوعیت، جنسیت میں شریک ہوتی ہے اور بے نیاز بھی نہیں کیونکہ انسان شہوت کے غلبہ یا دشمنوں کے خوف کی وجہ سے یا اپنے مرے بعد وراثت کے لیے اولاد اختیار کرتا ہے۔ رب تعالیٰ ان تمام نیاز مندوں سے پاک ہے۔ دیکھو چاند، سورج وغیرہ کو قیامت سے پہلے فنا نہیں تو ان کی وراثت کے لیے انکی اولاد بھی نہیں۔

۷۔ حالانکہ اولاد باپ کی ہمسر ہوتی ہے کہ انسان کا بچہ انسان اور شیر کا بچہ شیر ہوتا ہے، تو نعوذ باللہ! خدا کا بیٹا خدا ہی چاہیے تھا حالانکہ رب اس کا خالق وہ مخلوق، رب مالک وہ مملوک، پھر ہمسر کہاں۔

حضرت ابن عباس کی روایت میں یوں ہے کہ انسان کا مجھے گالی دینا اس کی یہ بکواس ہے کہ میں صاحب اولاد ہوں میں

اس سے پاک ہوں کہ بیوی بچے اختیار کروں۔ (بخاری)

۱۔ کیونکہ بیوی خاوند کی ہم جنس ہی ہو سکتی ہے۔ انسان کی بیوی جتنا تنی یا گائے بھینس نہیں ہو سکتی، اگر نعوذ باللہ رب کی بیوی ہوتی تو وہ اس کی ہم جنس بلکہ اس کی ہم قوم بھی ہوتی، رب جنس و قوم سے پاک ہے۔

روایت سے حضرات ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے انسان ایذا دیتا ہے ۱۔ کہ زمانہ کو گالیاں دیتا ہے ۲۔ حالانکہ زمانہ (موثر) تو میں ہوں۔ میں رات و دن کو الٹ پلٹ کرتا ہوں ۳۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ ایذا سے مراد ناراض کرنا ہے، یعنی میرے متعلق وہ باتیں کرتا ہے جس سے میں ناراض ہوتا ہوں، ورنہ خدا تعالیٰ دکھ درد اور تکلیف سے پاک ہے۔

۲۔ اس طرح کہ کہتا ہے ہائے زمانے تو نے مجھ پر ظلم کر دیا، میرے فلاں کو مار دیا، ہائے ظالم زمانہ یا آسمان، جیسے کہ مولوی محمود حسن دیوبندی نے مرثیہ گنگوہی میں زمانہ کو جی بھر کے کوسا، پیٹا ہے یہ حرام ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی محکوم چیزوں کو برا کہنا رب کی ناراضی کا باعث ہے۔ ایسے ہی اللہ کے پیاروں کی توہین۔

۳۔ اس طرح کہ دن کو لے جاتا ہوں، رات کو لاتا ہوں اور بالعکس، نیز انہیں چھوٹا، بڑا، گرم، سرد، مفید و مضر بناتا ہوں لہذا انہیں برا کہنا مجھ پر طعن ہے۔ خیال رہے کہ یہاں دھر (زمانہ) سے مراد موثر حقیقی اور مسبب الاسباب ہے۔ ورنہ رب تعالیٰ کو دھر کہنا درست نہیں اور نہ دھر اللہ کا نام ہے۔

اور روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تکلیف وہ بات کو سنتے ہوئے صبر کرنے والا خدا سے بڑھ کر کوئی نہیں لوگ اس کے لئے اولاد کا دعویٰ کرتے ہیں پھر بھی وہ انہیں راحت و رزق دیئے جاتا ہے ۱۔

۱۔ یہاں صبر سے مراد حلم ہے۔ اسی معنی سے اللہ تعالیٰ کا نام پاک صبور یا صبار ہے، نہ کہ وہ صبر جو کہ مجبوری کی وجہ سے ہو اس کی تفسیر اگلا مضمون ہے۔

۲۔ یعنی باوجود یہ کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عیب لگاتے ہیں اور رب تعالیٰ اس سے خردار بھی ہے، ان پر ہر طرح قادر بھی لیکن انہیں فوراً عذاب نہیں دیتا، بلکہ دنیا میں انہیں تندرستی، امن، روزی دیتا ہے کیونکہ دنیا اس کی رحمانیت کے ظہور کی جگہ ہے۔ بعد موت نہ انہیں امن دے، نہ روزی وغیرہ وہاں اس کی رحیمیت کی جلوہ گری ہوگی۔

روایت ہے حضرت معاذ سے ۱۔ کہ میں ایک دراز گوش پر حضور کے پیچھے اس طرح سوار تھا کہ میرے آپ کے درمیان پالان کی

لکڑی کے سوا کچھ نہ تھا ۲ حضور نے فرمایا کہ معاذ کیا جانتے ہو اللہ کا حق اپنے بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے ۳ میں نے عرض کیا اللہ اور رسول جانیں فرمایا اللہ کا حق بندوں پر تو یہ ہے کہ اُسے پوجیں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں ۴ اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو اس کا شریک نہ ٹھہراتا ہو اُسے عذاب نہ دے ۵ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ تو کیا میں لوگوں کو یہ بشارت نہ دے دوں فرمایا یہ بشارت نہ دو ورنہ لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے ۱ (مسلم، بخاری)

۱ آپ معاذ بن جبل انصاری خزرجی، کنیت ابو عبد اللہ ہے، بیعت عقبہ کرنے والے ستر انصار میں آپ بھی تھے، بدر اور تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا گورنر بنایا، عمر فاروق نے شام کا حاکم مقرر کیا، طاعون عمواس میں بعمر ۸۳ سال آپ کی وفات ہوئی، شام میں قبر شریف ہے، آپ کے فضائل بے حد بے شمار ہیں۔

۲ یعنی خوش نصیبی سے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قرب نصیب تھا اور ظاہر ہے کہ اتنے قریب سے جو بات سنی جائے گی وہ بالکل درست سنی جائے گی۔ ردیف ردفا سے بنا ہے بمعنی پیچھے، ایک گھوڑے یا اونٹ پر دو شخص سوار ہوں تو پیچھے والا ردیف کہلاتا ہے۔ دو آدمیوں کا جانور پر سوار ہونا جب منع ہے کہ جانور کمزور ہو، دو کا بوجھ نہ اٹھ سکے۔ لہذا یہ حدیث ممانعت کی حدیث کے مخالف نہیں۔

۳ حق کے معنی واجب الازم۔ لائق بندوں کے متعلق تینوں معنی درست ہیں کہ اللہ کی عبادت ان پر واجب ہے، لازم ہے، ان کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ معنی اور طرح درست ہوں گے وہ یہ کہ اس کریم نے اپنے ذمہ کرم پر خود لازم فرمایا کہ عابدوں کو جزا دے کوئی اور اس پر واجب نہیں کر سکتا، لہذا جن روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ پر کسی کا حق نہیں وہ دوسرے معنی میں ہے کہ کوئی اس پر واجب نہیں کر سکتا کیونکہ کوئی اس کا حاکم نہیں وہ سب کا حاکم ہے۔

۴ اس طرح کہ نہ تو کسی کو اس کا ہمسر جانیں، نہ اس کا بیوی بچہ لہذا اس میں مجوسیت، نصرانیت، یہودیت سب ہی داخل ہیں۔ ان ہی تمام دینوں سے علیحدگی ضروری ہے۔

۵ یعنی کفر نہ کرتا ہو اسے دائمی عذاب نہ دے ایسے مقامات پر شرک بمعنی کفر ہوتا ہے اور عذاب سے دائمی عذاب مراد ورنہ بعض گنہگاروں کو بھی کچھ عذاب ہو جائے گا۔ (اشعۃ الملعات) وغیرہ

۶ اس طرح کہ مقصد کلام سمجھیں گے نہیں اور اعمال چھوڑ دیں گے کہ جب فقط درستی عقیدہ سے ہی عذاب سے نجات مل جاتی ہے تو نماز وغیرہ عبادت کی کیا ضرورت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم عوام کو وہ مسئلہ نہ بتائے جو ان کی سمجھ سے ورا ہو۔ خیال رہے کہ حضرت معاذ نے اس وقت بشارت نہ دی بلکہ یہ حدیث بطور خبر بعد میں بعض خواص کو سنائی لہذا کوئی اعتراض نہیں اس کا کچھ ذکر آگلی حدیث میں آ رہا ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کجاوہ پر تھے



معاذ حضور کے ردیف تھے حضور نے فرمایا اے معاذ عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ خدمت میں فرمایا اے معاذ عرض کیا یا رسول اللہ حاضر ہوں خدمت میں فرمایا اے معاذ عرض کیا حاضر ہو خدمت میں تین بار فرمایا ایسا کوئی نہیں جو گواہی دے کہ اللہ کے سوا معبود نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ سچے دل سے ۲ مگر اللہ اسے آگ پر حرام فرمادے گا۔ ۳ عرض کی یا رسول اللہ تو کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دے دوں کہ وہ خوش ہو جائیں فرمایا تب تو وہ بھر و سہ کر بیٹھیں گے ۴ پھر حضرت معاذ نے گناہ سے بچنے کے لیے ۵ اپنی وفات کے وقت خبر دے دی۔

۱۔ حضرت معاذ کو تین بار پکارنا کچھ نہ فرمانا زیادتی شوق کے لیے تھا کہ حضرت معاذ کلام سننے کے پورے مشتاق ہو جائیں جو بات انتظار کے بعد سنی جاتی ہے خوب یاد رہتی ہے۔ "لبیک وسعدیک" کا اردو میں مختصر ترجمہ یہ ہے کہ میں خدمت میں حاضر ہوں چھوٹے کوچا بیٹے کہ بڑے کا ادب بہر حال کرے۔

۲۔ اس طرح کہ دل سے اس کو ماننے اور زبان سے اقرار کرے، لہذا منافی اس بشارت سے علیحدہ ہے، اور ساتر یعنی دل کا مؤمن زبان سے خاموشی اس پر شریعت میں اسلامی احکام جاری نہ ہوں گے۔ خیال رہے کہ عمر میں ایک بار زبان سے کلمہ شہادت پڑھنا فرض ہے اور مطالبہ کے وقت بھی ضروری۔

۳۔ اس طرح کہ وہ آگ میں ہمیشہ نہ رہے گا یا آگ اس کے دل و زبان کو نہ جلا سکے گی کیونکہ یہ ایمان اور شہادت کے مقام ہیں کافر کا قلب و قالب دونوں جلائے گی، رب فرماتا ہے: "تَطَّلِعُ عَلَى الْآفِئِدَةِ" یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو کافر مرتے وقت ایمان لائے اور کسی عمل کا موقع نہ پائے اس کے لیے یہ بشارت ہے۔ بہر حال یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہے، نہ دیگر احادیث کے کوئی مؤمن عمل سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

۴۔ حضرت معاذ نے اس بشارت کی تبلیغ کی اجازت مانگی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ حکم تبلیغی امور میں سے ہے یا اسرار الہیہ میں سے۔ شرعی احکام سب کے لیے ہیں، طریقت کے اسرار اہل کے لیے۔ خیال رہے کہ عوام بشارت سن کر بے پرواہ ہو جاتے ہیں، مگر خواص بشارت پا کر زیادہ نیکیاں کرنے لگتے ہیں۔ رب نے اپنے حبیب سے فرمایا "لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ" الخ تو حضور نے نیکیاں اور زیادہ کیں۔ عثمان غنی سے فرمایا تھا کہ جو چاہو کرو تم جنتی ہو چکے تو ان کے اعمال اور زیادہ ہو گئے۔

۵۔ کہ حدیث شریف میں ہے جو علم چھپائے اسے آگ کی لگام دی جائے گی، قرآن شریف میں بھی علم چھپانے کی برائیاں مذکور ہیں۔

۶۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بشارت سے اس وقت منع کیا تھا جب اکثر لوگ نو مسلم تھے اور حدیث دانی کا ملکہ کم رکھتے تھے، اب حالات بدل چکے ہیں، لوگ ذی شعور اور سمجھدار ہو گئے ہیں، یہ ہے اجتہاد صحیح۔

حضرت ابوذرؓ سے فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۲ حضور پر چٹا سفید کپڑا تھا اور سورہے تھے کچھ دیر بعد پھر آیا تو آپ جاگ چکے تھے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی بندہ جو لا الہ الا اللہ کہے ۳ پھر اسی پر مر جائے مگر جنت میں جائے گا ۴ میں نے عرض کیا اگرچہ زنا اور چوری کرے فرمایا اگرچہ زنا اور چوری کر لے ۵ میں نے کہا اگرچہ زنا اور چوری کر لے فرمایا اگرچہ زنا اور چوری کرے میں نے کہا اگرچہ زنا اور چوری کرے فرمایا اگرچہ زنا اور چوری کرے ابوذر کی ناک رگڑنے کے باوجود کہ حضرت ابوذر جب بھی یہ حدیث بیان کرتے تو کہتے تھے کہ اگرچہ ابوذر کی ناک رگڑ جائے ۸ (مسلم، بخاری)

۱ آپ کا نام جناب ابن جنادہ، کنیت ابوذر ہے، قبیلہ بنی غفار سے ہے، آپ پانچویں مسلمان ہیں، مکہ معظمہ میں آ کر مسلمان ہوئے اور حضور کے حکم سے اپنی قوم میں چلے گئے، پھر غزوہ خندق کے بعد مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور حضور کے ساتھ رہے، پھر ربذہ میں قیام کیا اور وہیں خلافت عثمانیہ ۳۳ھ میں وفات پائی، آپ بڑے، زاہد، عابد، صحابی ہیں، مال جمع کرنے کے بڑے مخالف تھے، اسلام سے پہلے بھی اللہ کی عبادت کرتے تھے۔

۲ ایمان لانے کے لیے حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ، آپ کے ایمان لانے کا عجیب و غریب واقعہ ہے جو کسی اور موقع پر بیان کیا جائے گا، یہاں کوئی اور حاضری مراد ہے، دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۳ اس سے مراد سارے عقائد اسلامیہ کا مان لینا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نماز میں "الحمد" پڑھنا واجب ہے، یعنی ساری سورۃ یا اس وقت کلمہ پڑھنا ہی مؤمن کی علامت تھی، یا مطلب یہ ہے کہ جو کافر مرتے وقت کلمہ پڑھ کر مؤمن ہو جائے۔

۴ یا اول ہی سے گناہوں کی کچھ سزا پا کر یا شفاعت کے پانی سے صاف ہو کر، کیونکہ مؤمن کے لیے دوزخ میں بھیگی نہیں۔

۵ یعنی انہیں حرام جانتے ہوئے اپنے کو گنہگار سمجھ کر۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ گناہ کبیرہ انسان کو اسلام سے نہیں نکالتے، دوسرے یہ کہ گناہ کبیرہ سے نیکیاں ضبط نہیں ہوتیں، کفر سے ہوتی ہیں، تیسرے یہ کہ جس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے وہ یقیناً جنتی ہے خواہ اول سے یا کچھ بعد۔

۶ تعجب کرتے ہوئے کیا اتنے بڑے گناہ پر بھی وہ جنتی رہے گا۔ حضرت ابوذر کو حیرت ہوئی کہ گناہوں کا لتھڑا ہوا پاک و صاف جنت میں قدم کیسے رکھے گا۔ یہ پتہ نہ تھا کہ شفاعت و رحمت کا پانی گندوں کو ستھرا کر دیتا ہے۔

۷ کے رَغْمِ رَغَامِ سے بنا ہے بمعنی مٹی اور خاک، عرب میں یہ لفظ ناپسندیدگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی اگرچہ تم ناپسندیدگی کی بنا پر سوال کرتے کرتے زمین پر ناک بھی رگڑ دو جب بھی یہی حکم رہے گا۔

۸۔ تاکہ حدیث کے الفاظ پورے منقول ہوں یا بتقاضائے عشق کہ محبوب کا عتابانہ خطاب بھی عاشق کو پیارا معلوم ہوتا ہے۔ بار بار اسے یاد کر کے نیا لطف حاصل کرتا ہے۔ خیال رہے کہ فاسق مؤمن آخر کار جنتی ہے، بے دین اور بد مذہب پر جنت حرام ہے، اس کے لیے دوزخ میں بھیگی ہے۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گواہی دے کہ اکیلے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں! عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول اور اس کی بندگی کے بیٹے! اللہ کا کلمہ ہیں جو مریم میں ڈالا۔ اور اللہ کی طرف سے روح ہیں! اور جنت و دوزخ حق ہے اللہ اُسے جنت میں داخل کرے گا مطابق عمل کے! ۵

۱۔ بندۂ اعلیٰ اور رسول اکمل جن کی عبدیت سے اللہ کی ربوبیت چمکی اور جن کی رسالت رب کی الوہیت کا مظہر اتم ہے۔ لہذا ان کی بندگی اور دوسروں کی بندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور بندوں کو اس پر ناز ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ دستِ قدرت کو اس پر ناز ہے کہ میرے بندے محمد رسول اللہ ہیں، فرماتا ہے: "هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ" اور بندہ رب کو راضی کرنا چاہیں۔ رب جناب مصطفیٰ کو راضی کرنا چاہے فرماتا ہے: "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ" اور بندے کشتی اسلام میں پار لگنے کو سوار ہوئے، جناب مصطفیٰ پار لگانے کو، جیسے جہاز کے مسافر اور کپتان کہ جہاز مسافروں کو پار لگاتا ہے اور کپتان جہاز کو، اسی لئے مسافر کرایہ دے کر جہاز میں بیٹھتے ہیں اور کپتان تنخواہ لے کر سواری ایک ہے مگر سواروں کی نوعیت میں فرق ہے، لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز، کلمہ پڑھنے، حج و تلوٰت قرآن کرنے سے یہ نہ سمجھو کہ حضور ہماری طرح مؤمن ہیں۔ ان اعمال سے ہماری عزت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کرنے کی وجہ سے ان اعمال کی عزت افزائی، ہمیں فخر ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، نماز کو فخر ہے کہ حضور نے مجھے پڑھا۔

۲۔ یہ فرمان نہایت جامع ہے۔ عیسائی جناب مسیح کو خدا کا بیٹا، اور بی بی مریم کو رب کی بیوی کہتے تھے۔ یہودی جناب مسیح کی نبوت کے بھی انکاری تھے اور پاک بتول مریم کو تہمت لگاتے تھے۔ اس ایک کلمہ میں دونوں کی نفیس تردید ہو گئی۔ زمانہ موجودہ کے قادیانی آپ کو یوسف نجار کا بیٹا کہتے ہیں۔ اور حضرت مریم کا نکاح ان سے ثابت کرتے ہیں۔ اس میں ان کی بھی اعلیٰ تردید ہے کہ اگر جناب مسیح باپ کے بیٹے ہوتے تو اسی طرف آپ کی نسبت ہوتی، قرآن نے بھی انہیں عیسیٰ بن مریم فرمایا حالانکہ فرماتا ہے: "ادْعُوهُمْ لِابَائِهِمْ"۔

۳۔ اس طرح کہ حضرت جبریل نے باذن الہی گُن کہہ کر حضرت مریم کے سینہ پر پھونکا جس سے آپ حاملہ ہو گئیں۔ خیال رہے کہ جناب مسیح کا لقب کلمۃ اللہ ہے یا اس لیے کہ آپ کی پیدائش کلمہ کن سے ہے رب فرماتا ہے: "إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ" الخ، آدم علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اس لیے نہیں کہتے کہ ان کے جسم کی پیدائش مٹی سے ہے۔ صرف روح پھونکنا کلمۃ کن سے رب فرماتا ہے: "فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي" مگر جناب مسیح کا جسم اور روح سب گُن سے نطفہ علقہ مضغہ کچھ نہیں۔ (ازمرقاة) یا اس لیے کہ جناب مسیح ازسرتا یا اللہ کی

حجت ہیں گویا سراپا کلمہ ہیں۔ یا اس لیے کہ آپ ایک کلمہ دم کر کے پیاروں کو تندرست، مردوں کو زندہ کرتے تھے (اس سے بزرگوں کی جھاڑ پھونک ثابت ہوئی) یا اس لیے کہ آپ نے پیدا ہوتے ہی کلمہ پڑھا کہ کہا "إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ" الخ

۴۔ مِنْهُ كِي مِنْ تَبْعِيضِهِ نَمِيں اور اس كا معنی یہ نہیں کہ اللہ كا كَلْظَا ہیں بلکہ "مَنْ" ابتداءً ہے، یعنی اللہ كِي جانب سے بلا واسطہ نطفہ آپ كِي پیدائش ہے۔ آپ كا لقب روح اللہ بھی ہے یا اس لیے کہ آپ روح الامین جبرئیل كِي پھونك سے پیدا ہوئے یا اس لیے کہ آپ مردہ دلوں كو روح ایمان بخشنے ہیں۔

۵۔ کہ اعلیٰ درجے کے متقی كو جنت كا اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور ادنیٰ متقی كو وہاں كا ادنیٰ مقام، یہ ان لوگوں كے لئے ہے جنہیں جنت كسب سے ملے، جو دوسروں كے طفیل جنت میں جائیں گے وہ ان كے ساتھ رہیں گے۔ جیسے مسلمانوں كے شیر خوار بچے اور بیویاں لہذا حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج پاک جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم كے ساتھ ہوں گے۔ خیال رہے کہ جنت میں داخلہ ایمان كِي بنا پر ہوگا، وہاں كے مراتب اعمال كے مطابق۔ جنت كا داخلہ تین ۳ طرح كا ہے كسی، وہبی، عطائی یہاں كسی كا ذکر ہے۔

روایت ہے عمرو ابن عاص سے ۱۔ فرماتے ہیں کہ میں حضور كِي خدمت میں حاضر ہوا عرض كیا کہ اپنا ہاتھ بڑھائیے تا کہ آپ كِي بیعت کروں ۲۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا ۳۔ فرمایا اے عمرو یہ كیا میں نے عرض كیا كچھ شرط لگانا چاہتا ہوں فرمایا كیا شرط میں نے عرض كیا کہ میری بخشش ہو جائے ۴۔ فرمایا اے عمرو كیا تمہیں خبر نہیں کہ اسلام پچھلے گناہ ڈھادیتا ہے اور ہجرت پچھلے گناہ ڈھادیتی ہے اور حج بھی پچھلے گناہ ڈھادیتا ہے ۵۔ یہ مسلم نے روایت كِي اور وہ دو حدیثیں جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہیں۔ فرماتے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمام شرکاء میں شرک سے غنی تر ہوں اور دوسری یہ کہ عظمت و بلندی میری چادر ہے ہم انہیں ریا اور كبر كے بابوں میں ذكر کریں گے ۶۔ اگر اللہ نے چاہا۔

۱۔ آپ عمرو بن العاص سہمی قریشی ہیں، ۲۔ ۵ھ میں خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ اور عثمان ابن طلحہ كے ساتھ مدینہ میں آكر اسلام لائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عثمان كا گورنر مقرر فرمایا، آپ حضرت عمرو عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم كے عامل رہے، آپ فاتح مصر ہیں مصر ہی میں نوے سال كِي عمر پا كر ۴۳ھ میں وفات پائی۔ (التمال)

۳۔ یہ بیعت اسلام ہے صحابہ كرام اسلام لاتے وقت حضور سے بیعت بھی كیا کرتے تھے یعنی استقامت كا وعدہ بیعت تو یہ بیعت تقویٰ، بیعت جہاد، بیعت شہادت كسی خاص مسئلے پر، بیعت اس كے علاوہ ہیں آج كل كل علی العموم مشائخ سے بیعت توبہ یا تقویٰ ہوتی ہے۔ بیعت كے وقت شیخ كے ہاتھ میں ہاتھ دینا سنت ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔

۳ بے ادبی کے لیے نہیں بلکہ بندہ مختار مانتے تھے۔

۴ دیکھو بخشا کام اللہ کا ہے اور شرط لگا رہے ہیں رسول اللہ سے، ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو جنت عطا فرمائیے حضور ہمیں دوزخ سے نجات نصیب ہو۔

۵ معلوم ہوا کہ ایمان اور نیک اعمال معافی گناہ کا ذریعہ ہیں، رب فرماتا ہے: "إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" مگر ان سے گناہ مٹتے ہیں نہ کہ حقوق العباد۔ نو مسلم اسلام لا کر زمانہ کفر کے قرض بھی ادا کرے گا اور حدود و قصاص بھی، لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ یعنی یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ زمانہ کفر میں ظلماً قتل کر لو، لوگوں کے مال مار لو اور بعد میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ سب معاف، یہ ناممکن ہے۔

۶ یعنی یہ دو حدیثیں مصابیح میں اسی باب میں تھیں مگر ہم پہلی حدیث "باب الریاء" میں اور دوسری "باب الکبر" میں لائیں گے کیونکہ یہ وہاں کے ہی مناسب ہیں۔ یہ فقیر ان شاء اللہ ان حدیثوں کی شرح بھی وہیں عرض کرے گا۔

الفصل الثانی  
دوسری فصل

روایت ہے حضرت معاذ (ابن جبل) سے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسا کام بتائیے جو مجھے جنت میں داخل اور دوزخ سے دور کر دے ۲ فرمایا تم نے بڑی چیز پوچھی ۳ ہاں جس پر اللہ آسان کرے اُسے آسان ہے ۴ اللہ کو پوجو ۵ اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ جانو نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو، کعبہ کا حج کرو ۶ پھر فرمایا کیا میں تم کو بھلائی کے دروازے نہ بتا دوں کے روزہ ڈھال ہے ۷ خیرات گناہوں کو ایسا بجھاتی ہے جیسے پانی آگ کو ۸ اور درمیانی رات میں انسان کا نماز پڑھنا ۹ پھر یہ تلاوت کی کہ ان کی کروٹیں بستروں سے الگ رہتی ہیں ۱۰ (یعلمون تک) پھر فرمایا کہ میں تمہیں ساری چیزوں کا سر، ستون، کوبان کی بلندی نہ بتا دوں ۱۲ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ ۱۳ فرمایا تمام چیزوں کا سر اسلام ہے اور اس کا ستون ۱۴ نماز اور کوبان کی بلندی جہاد ہے ۱۵ پھر فرمایا کہ کیا تمہیں ان سب کے اصل کی خبر نہ دے دوں ۱۶ میں نے عرض کیا ہاں یا نبی اللہ پس حضور نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا کہ اسے روکو ۱۷ میں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ کیا زبانی گفتگو پر بھی ہماری پکڑ ہوگی ۱۸

فرمایا تمہیں تمہاری ماں روئے اے معاذ اللہ لوگوں کو اوندھے منہ آگ میں نہیں گرائی مگر زبانوں کی کٹوتی ۲۰ یہ حدیث احمد ترمذی ابن ماجہ نے روایت کی۔

۱۔ غزوہ تبوک میں دوپہر کے وقت جب سخت گرمی تھی، جب تمام صحابہ الگ الگ درختوں کے نیچے ٹھہرے اور میں نے حضور کے ساتھ آرام کیا۔ (مرقاۃ)

۲۔ یہ اسناد مجازی ہے جنت، دنیا، دوزخ سے بچانا رب کا کام ہے۔ چونکہ عمل اس کا ذریعہ ہے اس لیے اسے فاعل قرار دیا گیا لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور جنت دیتے ہیں، دوزخ سے بچاتے ہیں، ہمارے اعمال سے حضور کا تو تسل زیادہ قوی ذریعہ ہے۔

۳۔ کیونکہ آگ سے بچنا جنت میں پہنچنا بڑی نعمتیں ہیں تو ان کا ذریعہ بھی بڑا ہی ہوگا۔

۴۔ یعنی یہ ذریعہ بتانا مجھ کو آسان ہے کہ رب نے مجھ کو ہر شے پر مطلع کیا ہے یا وہ اعمال اسی پر آسان ہوں گے جس پر اللہ کرم کرے، ڈھیلا خود نیچے گرتا ہے کسی کے اٹھائے سے اوپر ہوتا ہے، ہماری پیدائش مٹی سے ہے ہمارا بھی یہی حال ہے۔

۵۔ یعنی اسلام لاؤ جو ساری عبادتوں کی جڑ ہے کیونکہ عبادات کا ذکر تو لگے آ رہا ہے یہاں مضارع بمعنی امر ہے نہ کہ بمعنی خبر۔

۶۔ اس طرح کہ نماز روزانہ پانچ وقت، روزہ ہر سال رمضان میں، زکوٰۃ ہر سال، اگر مال ہو حج عمر میں ایک مرتبہ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں صرف فرائض مراد ہیں جن پر جہتی ہونا موقوف ہے۔

۷۔ یعنی وہ نیک اعمال جو بہت سی نیکیوں کا ذریعہ ہیں جیسے روزہ نفس توڑنے کا ذریعہ ہے نفس ٹوٹ جانے پر انسان بہت سی نیکیاں کر سکتا ہے۔ کیونکہ روکنے والا نفس ہی ہے۔

۸۔ جس کی برکت سے روزہ دار تک گناہوں کا تیر نہیں پہنچتا اور شیطان کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔

۹۔ چونکہ خیرات میں اللہ کی عبادت بھی ہے اور بندوں کا نفع بھی، غریبوں کی حاجت روائی بھی، اس لئے کہ یہ گناہوں کو مٹانے میں اکسیر ہے، جو بندوں پر مہربان ہو رب اس پر مہربان ہوتا ہے۔

۱۰۔ یعنی نماز تہجد، نماز پنجگانہ کے بعد یہ نماز بہت اعلیٰ ہے اور نمازوں میں اطاعت غالب ہے اس نماز میں عشق، نیز یہ نماز رب نے خاص حضور کے لیے بھیجی، حضور کے طفیل سے ہمیں ملی، فرماتا ہے: "فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ"۔

۱۱۔ یعنی عشاء کے بعد کچھ سولیتے ہیں، پھر اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں، تہجد کے لیے پہلے سولینا شرط ہے ورنہ بستروں کا ذکر نہ ہوتا، بعد تہجد بھی سونا سنت ہے، یہ بھی اسی آیت سے ثابت ہے یعنی بستر بچھے ہوتے ہیں مگر وہ مصلحہ پر ہوتے ہیں۔

۱۲۔ یہاں دین کو اونٹ سے تشبیہ دی گئی، پھر اس کے لیے سر پاؤں اور کوہان ثابت کیا گیا جیسا استعارہ بالکنایہ اور تخیل میں ہوتا ہے۔

۱۳۔ یہ سوال جواب سائل کو شوق دلانے کے لئے ہیں کیونکہ انتظار کے بعد جو شے حاصل ہو خوب یاد رہتی ہے۔

۱۴۔ چیز سے مراد دین ہے۔ دینداری اسلام کے بغیر نہیں قائم رہ سکتی، جیسے سر کے بغیر زندگی اور نماز سے دین کو قوت و بلندی ہے، جیسے ستون سے چھت کی۔

۱۵۔ جہاد چونکہ دشوار ہے اور جہاد ہی سے دین کی زینت و رونق ہے، جیسے کوہان سے اونٹ کی زینت اور کوہان تک پہنچنا کچھ مشکل بھی ہوتا ہے۔ جہاد بمعنی مشقت ہے یہ لسان، سنان، اقلام سبھی سے ہوتا ہے، کافروں پر جہاد سہل ہے مگر اپنے نفس پر مشکل یہ کلمہ سب جہادوں کو شامل ہے۔

۱۶۔ ملاک وہ ہے جس سے کسی چیز کا نظام اور توام قائم ہو، یعنی اصل اصول۔

۷۔ کہ پہلے تو لو بعد میں بولو، زبان کو لگام دو، رب نے چھونے کے لیے دو ہاتھ، چلنے کے لیے دو پاؤں، دیکھنے کے لیے دو آنکھیں، سننے کے لیے دو کان دیئے، مگر بولنے کے لیے زبان صرف ایک ہی دی کہ کلام کم کرو کام زیادہ۔

۱۸۔ یعنی بات تو معمولی چیز ہے۔ اس پر کیا پکڑ چوری، زنا، قتل وغیرہ جرم قابل گرفت ہیں مگر وہ زبان سے نہیں ہوتے۔

۱۹۔ عرب میں یہ لفظ (ماں روئے) محبت و پیار میں بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے بچوں سے مائیں پیار میں کہتی ہیں۔ اے رُزجانئیں، اڈ پڈ جانئیں اردو میں مارے تیارے، ارے مٹ گئے وغیرہ یعنی تو گم جائے یا مر جائے اور ماں تجھے رورو کر ڈھونڈے یا یاد کرے۔

۲۰۔ کیونکہ ہاتھ پاؤں سے اکثر گناہ ہی ہوتے ہیں۔ مگر زبان سے کفر، شرک، غیبت، چغلی، بہتان سب کچھ ہوتے ہیں جو دوزخ میں ذلت و خواری کے ساتھ پھیلنے جانے کا ذریعہ ہیں۔ حصائد وہ جگہ ہے جہاں کھیت کاٹ کر رکھا جاتا ہے یعنی کھلیان یا کسوتی انسان کا ہر لفظ نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ وہ دفتر گویا اس کا کھلیان ہے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے ۱۔ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی اللہ کے لیے محبت و عداوت کرے اور اللہ کے لئے دے اور روکے ۲۔ اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا ۳۔ یہ حدیث ابو داؤد نے روایت کی۔

۱۔ آپ کا نام شریف صدی، کنیت ابو امامہ ہے، قبیلہ بنی ہاہلہ سے ہیں، اولاً مصر میں، پھر حمص میں قیام فرمایا، اکہتر سال کی عمر پا کر ۸۶ھ حمص ہی میں وفات پائی، شام کے سب سے آخری صحابی آپ ہی ہیں۔ (مرقاۃ)

۲۔ اگرچہ مسلمان کا ہر کام اللہ کے لیے ہی چاہیے مگر یہ چار کام اکثر نفس کے لیے ہوتے ہیں اسلئے ان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ جب یہی کام اللہ کے لیے ہو گئے تو باقی اعمال سونا، جگنا، بولنا اور چپ رہنا وغیرہ سب اللہ کیلئے ہوں گے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ اللہ کے لئے دینے والے تھوڑے، نام نمود میں خرچ کرنے والے زیادہ ہیں۔ رب تعالیٰ یہ صفتیں نصیب کرے۔

۳۔ کیونکہ کمال ایمان اخلاص سے نصیب ہوتا ہے۔ مخلص صدیقین کے زمرہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اخلاص کی پہچان یہ ہے کہ کافر بیٹا دشمن معلوم ہو، اجنبی مؤمن پیارا۔

فدائے یک تن بیگانہ کا شتابا شد

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد

ترمذی نے کچھ تقدیم و تاخیر سے حضرت معاذ ابن انس سے یوں نقل کی کہ بے شک اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا

روایت ہے حضرت ابو ذر سے فرماتے ہیں۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین عمل اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے عداوت ہے ۱۔ (ابو داؤد)

۱۔ کیونکہ دوسرے اعمال قالب سے ادا ہوتے ہیں اور اللہ کے لیے محبت و عداوت دل سے وہ سب بدنی عبادات ہیں یہ دل کی عبادت کیونکہ اللہ کے لیے محبت جہی ہوگی جب اللہ سے محبت ہوگی اور اللہ کی محبت اس کے تمام احکام کی محبت کا ذریعہ ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص

باورچی سے اس لیے محبت کرے کہ اس سے اچھا کھانا پکوا کر فقراء کو بانٹے تو یہ اللہ کے لیے محبت ہے۔ اور اگر عالم دین سے اس لیے محبت کرے کہ اس سے علم دین سیکھ کر دنیا کمائے تو یہ دنیا کے لیے محبت ہے۔ (اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچا مسلمان وہ جس کے زبان و ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور سچا مؤمن وہ جس سے لوگ اپنے خون و مال میں مطمئن رہیں ۱۔ اسے ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے

۱۔ کہ نہ کسی کو بلاوجہ مارے پیٹے نہ ان کی چغلی اور غیبت کرے حق پر مارنا عین دین ہے، جیسے مجرم سے قصاص لینا۔ ضرورت شرعی کی بناء پر غیبت عین عبادت ہے جیسے راویان حدیث کے عیوب بیان کرنا حدیث کی تحقیق کیلئے، یہ چیزیں اس حدیث سے خارج ہیں۔  
۲۔ یعنی اس کا برتاؤ ایسا اچھا ہو کہ لوگوں کو قدرتی طور پر اس کی طرف سے اطمینان ہو کہ یہ نہ ہمارے مال مارے گا، نہ تکلیف دے گا، یہ اطمینان مسکین اللہ کی بڑی نعمت ہے اسی لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ کسی کی قوت ایمانی جانچنے کے لئے اس کے پڑوسیوں اور دوستوں سے پوچھو۔ اس حدیث سے اشارہ معلوم ہو رہا ہے کہ اسلام اور ایمان میں فرق ہے اسلام کا تعلق ظاہر اعضاء سے ہے اور ایمان کا قلب سے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت فضالہ کی روایت ۱ سے یہ زیادتی کی کہ غازی وہ جو اللہ کی فرمانبرداری میں اپنے نفس سے مشقت لے ۲ اور سچا مہاجر وہ جو خطا و گناہ چھوڑ دے ۳

۱۔ فضالہ ابن عبید اوسی انصاری ہیں، یہ حضور کے غلام ہیں، احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، بیعت رضوان میں شریک تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شام کے جہادوں میں شریک رہے، دمشق میں قیام کیا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہاں کے قاضی رہے، ۵۳ھ میں وہیں وفات پائی (از مرقاۃ و اشعہ)  
۲۔ کیونکہ ہمارا بدترین دشمن اور مارا آستین ہمارا نفس ہے، کفار کو مارنا آسان نفس نابخوار کو مارنا مشکل، مولانا فرماتے ہیں۔  
سہل شیرے وانکہ صفہا بشکند  
شیر آں باشد کہ خودر بشکند  
۳۔ کیونکہ وطن جسم کا دیس ہے اور گناہ نفس اتارہ کا دیس وطن عمر میں ایک بار چھوڑنا پڑتا ہے اور یہ ہر لحظہ، یہاں خطا سے مراد چھوٹے گناہ ہیں اور ذنوب سے مراد بڑے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ یہ بہت کم تھا کہ حضور ہمیں اس کے بغیر وعظ فرمائیں کہ جو امین نہیں اس کا ایمان نہیں جو پابند وعدہ نہیں اس کا دین نہیں ۱۔ یہ حدیث بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی۔

۱۔ یعنی امانت داری اور پابندی وعدہ کے بغیر ایمان اور دین کامل نہیں، امانت میں مال، زر، لوگوں کی عزت و آبروریزی حتیٰ کہ عورت کی اپنی عفت سب داخل ہیں، بلکہ سارے اعمال صالحہ بھی اللہ کی امانتیں ہیں۔ حضور سے عشق و محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے، رب فرماتا



ہے۔ "إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ" الخ۔ عہد میں میثاق کے دن رب سے عہد، بیعت کے وقت شیخ سے عہد، نکاح کے وقت خاوند یا بیوی سے عہد، جو جائز وعدہ دوست سے کیا جائے یہ سب داخل ہیں۔ ان سب کا پورا کرنا لازم و ناجائز وعدہ توڑنا ضروری اگر کسی سے زنا، چوری، حرام خوری یا کفر کا وعدہ کیا تو اسے ہرگز پورا نہ کرے کہ یہ رب کے عہد کے مقابلے میں ہے۔ اللہ اور رسول سے وعدہ کیا ہے ان سے بچنے کا اسے پورا کرے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور یقیناً محمد اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ اس پر آگ حرام کرے گا۔

اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ اس سے مراد تمامی اسلامی عقائد قبول کر لینا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس کے عقائد درست ہیں وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا، یا اس سے وہ شخص مراد ہے جو ایمان لاتے ہی فوت ہو جائے، یا یہ حدیث اس وقت کی ہے جب احکام شرعیہ بالکل نہ آئے تھے۔ بہر حال یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ جانتے مانتے مر گیا کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا (مسلم)

آپ کا نام عثمان ابن عفان ابن ابی العاص ابن امیہ ہے، کنیت ابو عبد اللہ، لقب جامع القرآن، اموی ہیں، قرشی ہیں۔ عبد مناف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر شروع اسلام میں ہی ایمان لائے، صاحب ہجرت ہیں، پہلی ہجرت حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ پاک کی طرف، آپ کا خطاب ذی النورین ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم آگے پیچھے آپ کے نکاح میں آئیں۔ اولاد آدم میں کسی کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں نہیں آئیں، جنگ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی بی بی رقیہ کی خدمت کے لیے مدینہ میں رہے، آپ کو غنیمت کا حصہ دیا گیا، صلح حدیبیہ میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے مکہ معظمہ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کو فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے خود ان کی طرف سے بیعت کی اور یکم محرم ۲ھ میں تخت خلافت پر جلوہ گر ہوئے، ۱۲ سال خلافت کی بیاسی ۶۲ سال کی عمر یا کر اسود تجیبی مصری کے ہاتھ سے مدینہ منورہ میں قرآن پڑھتے ہوئے شہید ہوئے، جنت البقیع میں آپ کی قبر انور زیارت گاہ مخلوق ہے، فقیر نے وہاں حاضری دی ہے۔

۲ یعنی اگرچہ اس زبان سے اقرار کا بھی موقع نہ ملا کیونکہ زبانی اقرار تو احکام شرعیہ جاری کرنے کی شرط ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزیں لازم کرنے والی ہیں ۱۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ لازم کرنے والی کیا ہیں فرمایا جو اللہ کا شریک مانتا ہوا مر گیا ۲۔ وہ آگ میں جائے گا ۳۔ اور جو اس طرح مرا کہ کسی کو اللہ

۱ کا شریک نہیں مانتا تھا ۵ وہ جنت میں جائے گا ۶

۱ آپ کا نام جابر ابن عبد اللہ، کنیت ابو عبد اللہ ہے، انصاری ہیں، سلمیٰ ہیں۔ مشہور صحابی، بہت بڑے محدث ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۸ غزوں میں شریک رہے، بدر میں بھی ساتھ تھے، آخر میں شام اور مصر میں قیام رہا نابینا ہو گئے تھے، ۹۴ سال عمر پا کر ۴۷ھ میں وفات ہوئی، جنت البقیع میں مزار پر انوار ہے، آپ مدینہ کے آخری صحابی ہیں۔

۲ اللہ تعالیٰ کے اذن سے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک عمل بذات خود واجب نہیں کرتا بلکہ اللہ کا ارادہ یعنی انسان کی دو صفتیں بارادۃ الہی سزا و جزا واجب کرتی ہیں۔ اس کا بیان آگے آتا ہے۔

۳ یعنی کفر کرتا ہوا جس کی ایک قسم شرک بھی ہے۔ دیکھو دہریہ، موحد، ہندو، آریہ وغیرہ سب جہنمی ہیں اگرچہ مشرک نہیں، ایسے مقامات میں شرک سے مراد کفر ہوتا ہے، اس کا مقابل ایمان ہے نہ کہ توحید۔

۴ ہمیشہ کے لیے جیسے بھٹی میں کوئلہ۔

۵ یعنی مؤمن مسلمان ہو کر نہ کہ صرف موحد ہو کر نہ شیطان مشرک نہیں موحد ہے مگر جنتی نہیں۔

۶ یا اول ہی سے یا کچھ سزا بھگت کر۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس بیٹھے تھے۔ ہمارے ساتھ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے کہ اچانک ہمارے درمیان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ گئے واپسی میں دیر لگائی ہم ڈر گئے کہ مبادا حضور کو ہماری غیر حاضری میں کوئی ایذا پہنچے ۲ ہم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے گھبرانے والا پہلا میں تھا میں حضور کو ڈھونڈنے نکل کھڑا ہوا یہاں تک کہ انصار بنی نجار کے ایک باغ میں پہنچا ۳ باغ کے ارد گرد گھومنا ۴ کہ کوئی دروازہ ملے مگر نہ ملا ۵ ایک نالی تھی جو بیرونی کنوئیں سے باغ میں جاتی تھی ۶ فرماتے ہیں کہ میں سکڑ کر نالی میں گھس کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا ۷ حضور نے فرمایا کیا ابو ہریرہ ہیں ۸ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ فرمایا تمہارا کیا حال ہے ۹ میں نے عرض کیا کہ حضور ہم میں تشریف فرماتے تھے اچانک اٹھ آئے اور واپسی میں دیر ہوئی ہم ڈر گئے کہ مبادا حضور کو ہماری غیر موجودگی میں ایذا پہنچے تو ہم گھبرا گئے پہلے میں ہی گھبرا یا ۱۰ تو اس باغ میں آیا اور میں لومڑی کی طرح سکڑ گیا ۱۱ اور باقی یہ لوگ میرے پیچھے ہی ہیں ۱۲ حضور نے فرمایا اے ابو ہریرہ اور مجھے اپنے نعلین شریف عطا کئے ۱۳ فرمایا ہمارے نعلین لے جاؤ جو تمہیں اس باغ کے

پیچھے یقین دل سے یہ گواہی دیتا ملے ۱۴ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسے جنت کی بشارت دے دو ۱۵ پہلے جن سے ملاقات ہوئی وہ عمر تھے ۱۶ وہ بولے اے ابوہریرہ یہ جوتے کیسے ہیں میں نے کہا کہ یہ حضور کے نعلین پاک ہیں مجھے یہ دیکر حضور نے اس لیے بھیجا ہے کہ جو مجھے یقین دل سے گواہی دیتا ملے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسے جنت کی بشارت دے دو جناب عمر نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا کہ میں چت گر گیا اور فرمایا لوٹ چلو ابوہریرہ ۱۸ تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور رو کر فریاد کی ۱۹ اور مجھ پر عمر کی ہیبت سوار ہو گئی تھی ۲۰ دیکھا تو وہ میرے پیچھے ہی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہ کیا حال ہے میں نے کہا کہ میں جناب عمر سے ملا اور انہیں وہ ہی پیغام سنایا جو دے کر حضور نے مجھے بھیجا تھا تو انہوں نے میرے سینے پر ایسا مارا کہ میں چت گر گیا اور فرمایا کہ لو تو ۲۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر اس کام پر ۲۲ تمہیں کس خیال نے ابھارا وہ عرض کرنے لگے میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ کیا آپ نے ابوہریرہ کو نعلین پاک دے کر اس لیے بھیجا ۲۳ کہ جو انہیں یقین دل سے یہ گواہی دیتا ملے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسے جنت کی بشارت دے دیں فرمایا ہاں ۲۴ عرض کیا ایسا نہ کیجئے ۲۵ میں خوف کرتا ہوں کہ لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے ۲۶ انہیں چھوڑ دیں کہ عمل کرتے رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا چھوڑ دو ۲۷ (مسلم)

۱۔ جماعت صحابہ میں یہ دونوں بزرگ ایسا درجہ رکھتے ہیں جیسے تاروں میں چاند و سورج اسی لیے اکثر جگہ ان کا ذکر خصوصیت سے ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ صحابہ کے شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں، محدثین کے شیخین بخاری و مسلم، فقہاء کے شیخین امام ابوحنیفہ و ابو یوسف رضی اللہ عنہم، منطق کے شیخین ابو علی سینا و فارابی ہیں۔

۲۔ اس طرح کہ ہم خدمت میں حاضر نہ ہوں حضور کہیں اکیلے ہوں اور کوئی دشمن آپ کو ایذا پہنچائے کیونکہ عرب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت دشمن ہیں، یہ گھبراہٹ اسباب کے لحاظ سے ہے، ورنہ اللہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔

۳۔ بنی نجار انصار کا ایک بڑا قبیلہ ہے۔ حائط وہ باغ کہلاتا ہے جس کے آس پاس دیوار ہو اور ایک دروازہ۔ بستان ہر باغ کو کہہ سکتے ہیں دیوار سے گھرا ہویا نہ ہو۔

۴۔ اس لیے کہ اندازے سے مجھے پتا لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں ہیں۔ شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ نسیم جمال نے بوئے محبوب عاشق کے دماغ محبت میں پہنچائی، جیسے بوئے یوسفی مصر سے کنعان پہنچ گئی، مگر عشاق کے حال مختلف ہوتے ہیں کبھی قبض، کبھی بسط۔

۵۔ یعنی دروازہ موجود تھا مگر نظر نہ آیا وارفتگی عشق محبوب کی وجہ سے۔

۶۔ وہ نظر آگئی پیاروں کے حال نیارے ہوتے ہیں، ان کی کیفیات عقل سے وراہ ہیں، دیکھو رب کی شان کہ دروازہ نظر نہ آیا اور نالی سوچھ گئی، یہ واردات ان لوگوں پر گزرتی ہیں جنہیں عشق سے حصہ ملا ہو۔

۷۔ معلوم ہوتا ہے کہ نالی بہت تنگ تھی جس میں حضرت ابوہریرہ بتکلف داخل ہوئے۔ خیال رہے کہ بغیر اجازت نالیوں کے ذریعہ کسی کے گھریا باغ میں چلا جانا زور کے قانون ممنوع ہے، مگر یہ عشق کا کرشمہ تھا خود کو آتش نمرود میں ڈالنا، بے قصور فرزند کو ذبح کرنا سب عشق کی جلوہ گری ہے، قانون اس سے کوسوں دور ہے۔

۸۔ یہ سوال تعجب کی بنا پر ہے کہ دروازہ ہوتے ہوئے نالی کے رستہ پہنچے یا دروازہ بند تھا اور آگئے۔

۹۔ یعنی پریشان کیوں ہو، ہانپ کیوں رہے ہو۔

۱۰۔ اس میں اللہ کی نعمت کا اظہار ہے نہ کہ فخر و ریا، یعنی مجھے اللہ نے حضور کا ایسا عشق دیا ہے کہ آپ کے بغیر صبر نہیں کر سکتا۔

۱۱۔ اس میں اظہار معذرت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھبراہٹ میں آداب دربار بجانہ لاسکا، بغیر اذن آگیا، سلام بھی کرنا بھول گیا، حالانکہ یہ دونوں حکم قرآنی ہیں مگر ہوش میں جو نہ ہو وہ کیانہ کرے۔

۱۲۔ یعنی شعر۔

نہ تبا من دریں میخانہ مستم  
ازیں مے ہچو من بسا شد مست

ع

ایک میں ہی نہیں عالم ہے طلبگار تیرا

۱۳۔ کیوں عطا کئے، عاقل تو یہ کہتے ہیں کہ نشانی کے طور پر تاکہ معلوم ہو کہ حضور کے بھیجے ہوئے ہیں۔ عاشق کہتے ہیں نہیں صحابی سچے ہیں ان کی ہر بات بغیر نشانی مانی جاتی ہے۔ منشاء یہ ہے کہ آگے صرف "لا الہ الا اللہ" کا ذکر ہے، ابوہریرہ کو کفش بردار بنا کر یہ بتایا کہ کلمہ اور توحید اس کا معتبر ہے جو ہمارا کفش بردار ہو، اس میں تبلیغ قولی کے ساتھ تبلیغ عملی بھی ہے، عشق کی تفسیر سے حدیث پر کوئی اعتراض نہ رہا، کفش برداری میں سارے عقائد و اعمال آگئے، ان کا نعلین بردار یقیناً جنتی ہے۔

۱۴۔ سبحان اللہ! کیا لطیف اشارہ ہے یعنی یہ بشارت ہر شخص کو نہ دینا کہ ہر کوئی یہ راز سمجھ گا نہیں، صرف جناب عمر کو بتانا جو تمہیں اس باغ کے پیچھے ہی مل جائیں گے، جو ہمارے راز دار ہیں۔

۱۵۔ یعنی ان سے کہہ دو کہ تم جنتی ہو۔ یقیناً اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضور کو یہ خبر تھی کہ حضرت ابوہریرہ کو پہلے حضرت عمر ہی ملیں گے۔ دوسرے یہ کہ حضرت عمر یقینی لازمی جنتی ہیں۔ تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی سعادت و شقاوت کی خبر ہے۔ چوتھے یہ کہ مسلمان کو زبان سے کلمہ طیبہ پڑھنا ضروری ہے صرف عقیدے پر کفایت نہ کرے، زبان سے اقرار بھی کرے۔ پانچویں یہ کہ اس قسم کی احادیث عوام تک بغیر شرح نہ پہنچائی جاویں، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قید لگادی کہ جو تمہیں اس باغ کے پیچھے مسلمان ملے صرف اسے بشارت دو۔

۱۶۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا ظہور ہے کہ فرمایا تھا جو تمہیں اس باغ کے پیچھے ملے، ملاقات حضرت عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تفسیر ہے۔

۱۷۔ یہاں تھوڑا مضمون پوشیدہ ہے، یعنی مجھ سے فرمایا لوٹ چلو، میں نہ مانا، تب آپ نے مجھے مارا کیونکہ بغیر کچھ کہے سے مارنا عقل کے خلاف ہے۔ (مرقاۃ) اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں مارنا مقصود نہ تھا بلکہ آگے جانے سے روکنا اور منہ پھیر کر مجبوراً واپس کرنا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کمزور تھے۔ اس تھوڑی سی حرکت دینے سے گر پڑے اور اگر مارا ہی ہو تب بھی حرج نہیں کہ جناب عمر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے مثل استاد یا کم از کم بڑے بھائی کی طرح تھے۔

۱۸۔ خیال رہے کہ اس فرمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت نہیں، مقصد یہ ہے کہ اے ابوہریرہ! تم تعیل کر چکے ہو، میں تمہیں مل گیا تم نے مجھے فرمان سنا دیا۔ حدیث اپنے انتہا کو پہنچ گئی، اس کی عام اشاعت کی ضرورت نہیں۔ خیال رہے کہ حدیث کا مبداء نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حدیث کا منتہی مجتہد ہیں۔ عوام براہ راست حدیث رسول پر عمل نہ کریں بلکہ مجتہد سے سمجھ کر عمل کریں، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ" حدیث و قرآن طب روحانی کی دوائیں ہیں۔ کسی طبیب روحانی کے مشورہ سے استعمال کرو ورنہ مارے جاؤ گے۔ یہ حدیث تقلید آئمہ کی قوی دلیل ہے۔

۱۹۔ یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی بناہ لی جیسے بچہ مادر مہربان کی۔ خیال رہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہاں آ کر روئے وہاں نہ روئے تھے کیونکہ مظلوم فریاد رس کو دیکھ کر رویا کرتا ہے۔

۲۰۔ یہ عرب کا محاورہ ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں پر قرض سوار ہو گیا یعنی غالب آ گیا۔

۲۱۔ یعنی اس کام کے لیے یہاں سے آگے نہ بڑھو خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس چلو یا اور کام کیلئے جاؤ۔

۲۲۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو واپس کرنے پر نہ کہ انہیں مارنے پر، جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ شکایات وغیرہ میں اکثر ایک کی خبر معتبر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ سے گواہی مانگی اور نہ جناب عمر سے اقرار کرایا صرف لوٹانے کی وجہ پوچھی۔

۲۳۔ یہ عرض معروض بارگاہ نبوی کے آداب میں سے ہے نہ کہ حضرت ابوہریرہ پر بدگمانی کی بنا پر کیونکہ سارے صحابہ عادل ہیں، ان کی خبریں معتبر، جب شاہی کارندے کے کسی کام پر بادشاہ سے عرض معروض کرنا ہو تو پہلے بادشاہ سے تصدیق کر لینی ادب دربار ہے۔

۲۴۔ خیال رہے کہ اس جگہ ایک چیز کا ذکر نہیں آیا یعنی اس باغ کے پیچھے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عمر رازدار پیغمبر ہیں دلی رازوں سے خبردار ہیں۔

۲۵۔ یعنی آئندہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو عام لوگوں سے یہ کلام کرنے کی اجازت نہ دیں اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک مشورہ کی پیش کش ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی۔ رب فرماتا ہے "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر عتاب نہ کیا بلکہ آپ کا مشورہ قبول کر لیا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جناب عمر کی عقل و دانائی حضور سے زیادہ ہے۔ اس حدیث کا راز کچھ اور ہی ہے جو ہم پہلے عرض کر چکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم اپنے موقع پر پہنچ چکا، تعیل ارشاد ہو چکی۔

۲۶۔ یعنی وہ نو مسلم لوگ جو ابھی تک منشاء کلام سمجھنے کے لائق نہیں ہیں وہ ظاہر الفاظ سن کر اعمال ہی چھوڑ بیٹھیں گے اور سمجھیں گے کہ نجات کے لئے صرف کلمہ پڑھ لینا کافی ہے، اس لئے موجودہ زمانے کے اہل حدیث حضرات کو عبرت پکڑنی چاہیے جو ہر حدیث پر بلا سوچے سمجھے عمل کرنے کے مدعی ہیں۔ آیات قرآنیہ پر بھی اندھا دھند گرنا حرام ہے، رب فرماتا ہے: "وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا"۔

۲۷ یعنی تمہاری رائے منظور ہے، بہت درست ہے۔ خیال رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے جناب حضرت ابوہریرہ کا نہ قصاص دلویا نہ ان سے معافی دلوائی۔ کیونکہ حضرت عمر مجتہد ہیں۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ محض محدث، مجتہد استاد ہیں، محدث شاگرد، استاد پر شاگرد کا قصاص لازم نہیں اگرچہ غلطی سے سزا دیدے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے خطا ہارون علیہ السلام کے بال پکڑ کر کھینچے مگر رب نے ان سے قصاص نہ دلویا (قرآن حکیم) ہماری اس شرح سے حسب ذیل سوالات اٹھ گئے۔

(۱) حضرت ابوہریرہ کو باغ کا دروازہ نظر کیوں نہ آیا نالی کیوں نظر آئی (۲) آپ دوسرے کے باغ یا مکان میں بلا اجازت کیوں گئے (۳) آپ نے پہلے سلام کیوں نہ کیا (۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نعلین شریف کیوں عطا فرمائیں (۵) حضرت عمر نے اشاعت حدیث سے جناب ابوہریرہ کو کیوں روکا (۶) انہیں مارا کیوں (۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کیوں کرائی (۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرمان کے اشاعت نہ کرنے کی رائے کیوں دی (۹) حضور نے ان کی رائے قبول کیوں کر لی (۱۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس مار کا بدلہ کیوں نہ لیا گیا۔

روایت ہے حضرت معاذ بن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی چابیاں! کلمہ شہادت ہے کہ رب کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسے احمد نے روایت کیا۔	40 [ 39 ] عن معاذ بن جبل رضي الله عنه. قال: "قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مفاتيح الجنة شهادة أن لا إله إلا الله" رواه أحمد.
--	--

۱ یعنی بغیر درستی عقیدہ کوئی شخص جنت میں نہیں جاسکتا اور درستی عقائد خود جنت اور وہاں کے تمام مقامات کی چابی ہے اس لئے مفاتیح جمع فرمایا گیا یعنی وہاں کے ہر مقام کی چابی کلمہ طیبہ ہے، ہم پہلے عرض کر چکے کہ کلمہ سے مراد سارے عقائد اسلامیہ ہیں، لہذا منافقین اور مرتدین اگرچہ عمر بھر کلمہ پڑھیں مگر جنتی نہیں۔

روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو حضور کے صحابہ میں سے بعض حضرات اس قدر غمگین ہوئے کہ بیماری وہم میں مبتلا ہونے کے قریب ہو گئے! حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں بھی ان میں تھا ایک میں بیٹھا تھا کہ عمر فاروق گزرے مجھے سلام کہا لیکن مجھے مطلقاً شعور بھی نہ ہوا ۲۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر سے میری شکایت کی ۳ پھر وہ دونوں حضرات میرے پاس تشریف لائے اور دونوں نے مجھے سلام کیا ۴ ابو بکر نے مجھ سے فرمایا کہ کیا باعث ہوا کہ تم نے اپنے بھائی عمر کے سلام کا جواب نہ دیا میں نے کہا میں نے تو ایسا نہ کیا عمر بولے ۵ خدا کی قسم تم نے یہ کیا میں نے کہا خدا کی قسم مجھے نہ یہ خبر کہ تم گزرے نہ یہ کہ تم نے مجھے سلام کیا۔ ابو بکر صدیق نے فرمایا عثمان سچے ہیں اے عثمان تمہیں کسی الجھن نے پھنسا لیا ۱ اس سے بے خبر کر دیا میں نے کہا ہاں فرمایا وہ الجھن کیا ہے میں نے کہا کہ اللہ نے اس سے پہلے	
--	--

ہی اپنے نبی کو وفات دے دی کہ ہم حضور سے اس چیز کی نجات کے متعلق پوچھیں۔ ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق حضور سے پوچھ لیا ہے ۸۔ میں آپ کی خدمت میں کھڑا ہو گیا ۹ اور کہا اے ابو بکر تم پر میرے ماں باپ فدا یہ تمہارا ہی حق ہے ۱۰ ابو بکر نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس چیز کی نجات کیسے ہوگی ۱۱ حضور نے فرمایا جو میری وہ بات مان لے جو میں نے اپنے چچا پر پیش کی تھی ۱۲ انہوں نے رد کر دی تھی ۱۳ تو یہ بات اس کی نجات ہے۔ (احمد)

۱۔ یعنی زیادتی غم کی وجہ سے وہ ہم کی بیماری ہو گئی، مت کٹ گئی، عقل ٹھکانے نہ رہی یا یہ وسوسہ دل میں آنے لگا کہ اسلام کیسے باقی رہے گا اس کا والی چلا گیا، قافلہ سالار رخصت ہو گیا، اب یہ قافلہ کیسے سنبھلے گا۔ یہ تمام خیالات غیر اختیاری تھے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر رنج و غم سنت صحابہ ہے، مگر سینٹا ماتم کرنا ممنوع ہے۔

۲۔ یعنی عمر فاروق نے باواز بلند سلام کیا مگر میرے کان میں ان کی آواز نہ پہنچی۔ زیادتی غم میں سامنے رکھی چیز نظر نہیں آتی۔

۳۔ کیونکہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ شاید حضرت عثمان مجھ سے ناراض ہیں۔ اس لئے انہوں نے سلام کا جواب اتنا آہستہ دیا کہ میں نہ سن سکا۔ یہ خیال نہ کیا کہ جواب ہی نہ دیا کیونکہ جواب سلام فرض ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے کسی کی شکایت کرنا خصوصاً بغرض اصلاح غیبت نہیں، بلکہ سنت صحابہ ہے۔

۴۔ جناب عمر تو منانے کی نیت سے آئے اور حضرت صدیق اصلاح کے ارادے سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی شکایت سن کر دل پر نہ رکھ لے بلکہ دور کرنے کی کوشش کی جائے اگرچہ جماعت میں سے ایک کا سلام کرنا کافی ہوتا ہے۔ لیکن یہاں موقع ہی ایسا تھا کہ دونوں نے الگ الگ سلام کیا یا یہ دونوں حضرات آگے پیچھے عثمان غنی کے پاس گئے ہوں گے۔

۵۔ یعنی نہ مجھ پر یہ گزرے، نہ مجھے سلام کیا، اور نہ میں نے ان کے جواب میں کوتاہی کی، یہ جھوٹ نہیں بلکہ اپنے علم کی بنا پر ہے۔

۶۔ یعنی تم کچھ سوچ رہے تھے جس کی وجہ سے نہ دیکھ سکے نہ سن سکے تم دونوں سچے ہو۔

۷۔ چیز سے مراد یا تو دین ہے یعنی دین اسلام میں دوزخ سے نجات کا مدار کس چیز پر ہے، اگرچہ عثمان غنی خود ہی روایت فرما چکے ہیں کہ نجات کا مدار کلمہ طیبہ ہے، اس رنج و غم میں اپنی روایت خود بھول گئے، یا چیز سے مراد وسوسہ شیطانی ہے، کبھی ہمارے دلوں میں بڑے خراب خیالات آتے ہیں۔ ایسا کون سا عمل کیا جائے گا جس کی برکت سے یا تو وسوسہ سے ہی نجات ملے یا اس کے نتیجہ سے یہی ظاہر ہے۔

۸۔ اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب بھی یاد ہے۔

۹۔ یعنی خوشی کی وجہ سے معلوم ہوا کہ خوشی کی خبر سن کر کھڑا ہو جانا سنت عثمانی ہے۔ بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ زہرا کو دیکھ کر خوشی میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ لہذا میلاد شریف میں ذکر ولادت پر کھڑا ہو جانا سنت سے ثابت ہے، یہ قیام فرحت و سرور ہے یہ اس کا ماخذ، اسے حرام نہیں کہہ سکتے۔

۱۰۔ یعنی تم جیسے بزرگوں کے ہی لائق تھا کہ ایسی باتیں حضور سے پوچھ کر ہم تک پہنچاتے کیونکہ تم علم پر حریص ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب اسرار ہو۔

۱۱ یعنی شیطانی وسوسہ یا اس کے نتیجہ سے ہم کیسے بچیں یا دینی چیزوں میں نجات کا مدار کس چیز پر ہے۔

۱۲ اچھا ابوطالب پر ہمیشہ ہی کلمہ طیبہ پیش فرمایا، خصوصیت سے ان کی وفات کے وقت حضور نے فرمایا اچھا ابوطالب بھی پڑھ تو نجات پاؤ گے۔ خیال رہے کہ ابوطالب حضور کی حقانیت کے قائل تھے۔ انہوں نے حضور کی بڑی خدمتیں کیں مگر زبان سے کلمہ نہ پڑھا اس لیے انہیں شرعاً مسلمان نہیں کہا جاسکتا۔

۱۳ یعنی زبان سے نہ پڑھا تھا۔ اگرچہ دل سے اقرار تھا ابوطالب کا کلمہ نہ پڑھنا حضور کی حفاظت کی نیت سے تھا اس وجہ سے کہ کفار مکہ میرا لحاظ کریں اور میرے لحاظ سے حضور کو نہ ستائیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابوطالب کی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ چھوڑنے پر مجبور نہ ہوئے، ان کی وفات کے بعد ہی ہجرت کرنا پڑی۔ ایمان ابی طالب کی بحث ہماری کتاب تفسیر نعیمی میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت مقداد سے انہوں نے حضور کو فرماتے سنا کہ روئے زمین پر کوئی ادنیٰ خیمہ اور کچا گھر نہ رہے گا مگر اللہ اس میں اسلام کا کلمہ پہنچا دے گا عزت والوں کی عزت اور ذلیلوں کی ذلت کے ساتھ ۳ یا تو اللہ انہیں عزت دے گا کہ انہیں کلمہ والا بنا دے گا یا انہیں ذلیل کر دے گا وہ دین کی اطاعت کریں گے میں نے دل میں کہا کہ پھر تو پیارا دین اللہ کا ہی ہوگا۔ (احمد)

۱۔ آپ کا نام مقداد ابن عمرو ابن ثعلبہ کنذی ہے مگر مشہور ہیں مقداد ابن اسود کے نام سے، اس لئے کہ آپ اسود کی پرورش میں رہے، آپ جلیل القدر صحابی اور چھٹے مؤمن ہیں۔ تو ۳۰ سال کی عمر پا کر ۳۷ھ میں مدینہ منورہ سے تین میل دور مقام جرف میں وفات پائی، لوگ آپ کی میت شریف کو کندھوں پر اٹھا کر لائے اور جنت البقیع میں دفن کیا۔

۲ ظاہر یہ ہے کہ زمین سے مراد عرب کی زمین ہے۔ ادنیٰ گھر سے مراد بدویوں کے خیمے ہیں اور کچے گھر سے مراد عام شہریوں کے مکانات یعنی عرب میں کوئی گاؤں یا شہر ایسا نہ رہے گا جہاں اسلام داخل نہ ہو جائے۔ خدا کے فضل سے یہ پیش گوئی پوری ہو چکی اور اگر ساری دنیا مراد ہو تو اس حدیث کا ظہور قرب قیامت یعنی حضرت مسیح کے نزول اور امام مہدی کے ظہور پر ہو گا کہ سارے مسلمان ہو جائیں گے۔

۳ یعنی بعض لوگ بخوشی مسلمان ہوں گے، وہ عزت پائیں گے اور بعض مجبوراً زبان سے کلمہ پڑھیں گے، وہ ذلیل رہیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ بعض لوگ مسلمان ہو کر عزت پائیں گے اور بعض اسلام سے انکار کر کے مسلمانوں کے باجگزار بنیں گے، اس صورت میں پہلی جز کے کچھ اور معنی ہوں گے، اس کی تفسیریں اور بھی کی گئی ہیں۔

روایت ہے حضرت وہب ابن منبہ سے کہ ان سے عرض کیا گیا کہ کیا کلمہ لا الہ الا اللہ جنت کی چابی نہیں ہے فرمایا ہاں ہے لیکن کوئی چابی دندانہ بغیر نہیں ہوتی ۳ تو اگر تم دندانہ والی چابی لے کر آؤ گے تو تمہارے لئے دروازہ کھلے گا ورنہ نہ کھلے گا ۴ (بخاری ترجمہ باب)

۱۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، وطن فارس، قیام گاہ یمن کا علاقہ صنعاء ہے، آپ جلیل القدر تابعی ہیں، یمن کے قاضی تھے، ۱۴ھ میں وفات پائی، حضرت جابر اور ابن عباس سے ملاقات اور سماعت ثابت ہے۔



۲ مسلمانوں میں ایک فرقہ مرجیہ تھا جن کے نزدیک عمل کی کوئی ضرورت نہ تھی، اسلام لا کر بدترین گناہ بھی برانہ جانتے تھے۔ سائل ان میں سے کوئی تھا۔ منشاء سوال یہ ہے کہ جب کلمہ طیبہ جنت کی چابی ہے تو نیک اعمال کی کیا ضرورت ہے۔

۳ سبحان اللہ! کیا نفیس مثال ہے، یعنی کلمہ طیبہ چابی کی ڈنڈی ہے اور ارکان اسلام روزہ نماز وغیرہ اس کے دندانے جیسے چابی میں دانتوں کی ضرورت ہے ایسے ہی مسلمان کے لئے ارکان اربعہ ضروری ہیں۔

۴ یعنی بد عمل مسلمان اولاً جنت میں نہ جائے گا۔ "إِلَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ"۔ اس مسئلے کی تحقیق پہلے ہو چکی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی اپنا اسلام ٹھیک کرے! تو جو نیکی بھی کرے گا وہ دس گناہ لکھی جاوے گی سات سو گناہ تک ۲ اور ہر برائی جو کر بیٹھے گا وہ ایک گناہ ہی لکھی جاوے گی ۳ یہاں تک کہ رب سے ملے۔ (مسلم و بخاری)

۱ اس طرح کہ تمام عقائد اسلامیہ کا دل سے اعتقاد رکھے، زبان سے اقرار کرے، رب فرماتا ہے: "مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ"۔

۲ یعنی کم از کم دس گناہ، زیادہ سات سو گناہ، جیسا اخلاص اور موقع ویسا ثواب یہ قانون ہے، فضل کی حد نہیں۔ اس حدیث میں دو آیتوں کی طرف اشارہ ہے کہ ایک "فَلَهُ عَشْرًا مِثَالِهَا" دوسری "مِثْلُ الَّذِي يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ" الخ۔ خیال رہے کہ یہ ان نیکیوں کا ذکر ہے جو عام کی جائیں ورنہ مدینہ طیبہ کی ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار اور مکہ مکرمہ کی ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے، لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۳ یہ بھی عام گناہوں کا بیان ہے ورنہ مکہ معظمہ کا ایک گناہ ایک لاکھ ہے، ایسے ہی موجد گناہ پر تمام گناہگاروں کا عذاب۔

روایت ہے حضرت ابولہامہ سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے! فرمایا کہ جب تمہیں اپنی نیکی خوش کرے اور اپنی برائی غمگین کرے تو تم کامل مؤمن ہو ۲ عرض کیا کہ یا رسول اللہ گناہ کیا ہے۔ فرمایا جو چیز تمہیں دل میں جیسے اسے چھوڑ دو ۳ (احمد)

۱ یعنی مؤمن ہونے کی پہچان جس سے میں سمجھ سکوں کہ اب میں مؤمن ہو گیا۔

۲ سبحان اللہ! کیا نفیس پہچان ہے ۳ قسم کے لوگ ہیں: (۱) غافل (۲) عاقل (۳) کامل۔ غافل: وہ گناہوں پر خوش اور نیکی پر مغموم ہو، جیسے کفار یا بعض فساق۔ عاقل: وہ جو نیکی کو اچھا اور گناہ کو اپنی عقل سے برا سمجھے مگر عملاً بے پرواہ ہو۔ کامل: وہ جس کے قلب کا رنگ بدل گیا ہو نیکی پر ایسا خوش ہو جیسے بادشاہت مل گئی گناہ پر ایسا غمگین ہو جیسے سب مال و اولاد تباہ ہو گئے یہ درجہ بہت اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نصیب کرے۔

۳ یعنی مؤمن کامل کا دل ہی گناہ و ثواب میں فرق کر لیتا ہے۔ جیسے نفس انسانی مکھی ہضم نہیں کرتا قے کر لیتا ہے ایسے ہی نفس ایمانی گناہ برداشت نہیں کرتا۔ یہ حدیث ان لوگوں کے لیے ہے جو ان صحابی جیسے کامل مؤمن ہوں ہم جیسے گناہگاروں کے لیے نہیں، ہم تو بہت دفعہ برائیوں کو نیکیاں سمجھ لیتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن عبسہ سے ۱ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ حضور اسلام میں آپ کے ساتھ کون کون ہے فرمایا ایک غلام ایک آزاد ۲ میں نے عرض کیا اسلام کیا ہے ۳ فرمایا اچھی بات کرنا کھانا کھلانا ۴ میں نے پوچھا ایمان کیا ہے ۵ فرمایا صبر اور سخاوت ۶ فرماتے ہیں میں نے پوچھا کون سا اسلام بہتر ہے فرمایا جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں فرماتے ہیں میں نے پوچھا کونسا ایمان افضل ہے فرمایا اچھے عادات کے فرماتے ہیں پوچھا نماز کونسی افضل ہے ۷ فرمایا لمبا قیام ۸ فرماتے ہیں میں نے پوچھا ہجرۃ کونسی بہتر ہے ۹ فرمایا یہ کہ جو رب کو ناپسند ہو اسے چھوڑ دو ۱۰ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ جہاد کونسا بہتر ہے فرمایا جس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے جاویں اور اس کا خون بہا دیا جاوے ۱۱ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا گھڑی کون سی بہتر ہے ۱۲ فرمایا آخری رات کا درمیانی حصہ ۱۳ (احمد)

۱ آپ کی کنیت ابو شیخ ہے، قبیلہ بنی سلمہ سے ہیں، قدیم الاسلام صحابی ہیں، چنانچہ آپ چوتھے مسلمان ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی قوم بنی سلیم میں رہے۔ خیبر کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہیں قیام کیا۔  
 ۲ یعنی اب تک ابو بکر صدیق اور بلال ایمان لائے ہیں، چونکہ حضرت علیؓ نے سچے تھے، حضرت خدیجہ بی بی تھیں۔ اس لئے ان کا ذکر نہ فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ اسلام میں غلام و آزاد ہر قسم کے لوگ داخل ہیں یہی معنی زیادہ قوی ہیں۔  
 ۳ یعنی مسلمان کی خصوصی خصلتیں کیا ہیں یا کمال اسلام کیا ہے۔  
 ۴ یہ اسلامی اخلاق ہیں، اچھی بات میں کلمہ طیبہ، دین کی تبلیغ، لوگوں کو برائیوں سے سختی سے روکنا، حرم کلام سب شامل اور کھلانے میں مہمان نوازی، مسافروں اور بھوکوں کا پیٹ بھرنا، بچوں کو پالنا سب داخل ہیں۔  
 ۵ یعنی ایمان کا نتیجہ اور پھل اور مؤمن کی علامت۔  
 ۶ صبر کی بہت قسمیں ہیں۔ عبادت پر صبر، گناہ سے صبر، مصیبت میں صبر، یعنی ہمیشہ عبادت کرنا، کبھی گناہ نہ کرنا مصیبت میں گھبرانا نہ جانا، ایسے ہی علم کی سخاوت، مال کی سخاوت، دین کی سخاوت سب اس میں شامل ہیں۔

۷ اچھے خلق اللہ کی بڑی نعمت ہیں یہ ہمارے حضور کو بطور معجزہ عطا ہوئے، رب فرماتا ہے: "إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ" خلق حسن وہ عادت ہے جس سے خالق بھی راضی رہے مخلوق بھی، یعنی نفس کے معاملے میں درگزر اور معافی دین کے معاملے میں سخت پکڑ۔  
 ۸ یعنی نماز کا کون سا رکن یا کون سی صفت افضل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارکان نماز آپس میں یکساں نہیں۔

۹ قنوت کے معنی اطاعت، عاجزی، نماز، دُعا، خاموشی اور قیام ہے۔ یہاں یا عاجزی یا خشوع مراد ہے، یا قیام، دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ خیال رہے کہ بعض کے نزدیک سجدہ افضل ہے اور بعض کے ہاں قیام افضل، بعض کے خیال میں رات کی نماز میں لمبا قیام افضل اور دن کی نماز میں زیادہ

سجدے بہتر، مگر امام صاحب کے یہاں لمبا قیام بہتر ہے کیونکہ اس میں مشقت اور خدمت زیادہ ہے، یعنی اگر ایک گھنٹہ نوافل پڑھنے ہیں تو بجائے چھوٹی بیس رکعتوں کے لمبی چار رکعتیں پڑھے یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے۔ جن روایتوں میں زیادتی سجدہ کو افضل کہا گیا ہے وہاں کوئی خاص سبب ہے۔

۱۰۔ ہجرتیں بہت سی قسم کی ہیں: مکہ سے حبشہ کی طرف، مکہ سے مدینہ کی طرف، کفرستان سے دارالاسلام کی طرف، جہالت کی جگہ سے علم کے مقام کی طرف، علم سیکھنے کے لیے گناہوں سے نیکیوں کی طرف، کفر سے اسلام کی طرف۔ (مرقاۃ)

۱۱۔ احرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی سب سے بچو کہ یہ اعلیٰ ہجرت ہے۔ خیال رہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ ہو خدا کو بھی پسند نہیں۔  
۱۲۔ یعنی غازی میدان جہاد سے نہ جان سلامت لائے نہ مال، غنیمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاد میں جس قدر مشقت زیادہ اسی قدر ثواب زیادہ۔  
۱۳۔ یعنی نفل کے لیے کون سا وقت بہتر ہے۔ فرائض کے اوقات کا سوال نہیں ہے جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے۔

۱۴۔ یعنی آخری تہائی رات کے تین حصے کرو اس کے درمیانی حصے میں تہجد پڑھو گویا رات کے چھٹے حصے میں اس ہی وقت سحری کھانا دعائیں مانگنا بلکہ استغفار کرنا افضل ہے کیونکہ اس وقت رحمت الہی دنیا کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور اس وقت جاگنا نفس پر شاق ہے۔  
چھپلی راتیں رحمت ربوی گھر گھر کرے آوازہ  
سونے والی اور رب کر لو کھلا ہے دروازہ

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ سے اس حال میں ملے کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو پانچوں نمازیں اور رمضان کے روزے ادا کرتا ہو وہ بخشا جاوے گا۔ میں نے کہا کہ کیا میں لوگوں کو یہ بشارت نہ دے دوں فرمایا انہیں رہنے دو کہ عمل کرتے رہیں۔

۱۔ یعنی سارے عقائد اسلام کے رکھتا ہو نجات کے لیے صرف عقیدہ توحید کافی نہیں ورنہ شیطان بھی موحد ہے اس کی تحقیق پہلے کی جا چکی ہو کہ ان جیسی نصوص میں شرک سے مراد کفر ہے۔

۲۔ اول ہی سے یا آخر کار چونکہ اس وقت تک جہاد، زکوٰۃ، حج فرض نہ ہوئے تھے۔ یا ہر شخص ان کے قابل نہیں لہذا ان کا ذکر نہیں ہوا، بخشش سے مراد گناہ صغیرہ کی بخشش ہے ورنہ گناہ کبیرہ بغیر توبہ اور حقوق العباد بغیر ادا معاف نہیں ہوتے "اَلَا اَنْ يَشَاءَ رَبُّنَا"۔

۳۔ یعنی عوام میں مجمل حدیث مت پھیلاؤ کہ وہ اس کا مطلب سمجھیں گے نہیں اور عمل میں کوشش چھوڑ دیں گے۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ان احادیث کا بعد میں اشاعت فرمانا اس لئے تھا کہ علم دین چھپانے کا جرم نہ عائد ہو جائے، نیز ایسی حدیثیں مجتہدین کے ذریعہ عوام کے لیے مفید ہے۔

انہیں سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل ایمان کے متعلق پوچھا فرمایا یہ ہے کہ تم اللہ کے لئے محبت و عداوت کرو اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو  
۲۔ عرض کیا اور کیا یا رسول اللہ؟ فرمایا کہ لوگوں کے لئے وہ ہی پسند کرو جو اپنے لئے چاہتے ہو اور ان کے لئے وہ ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔ (احمد)

۱ یعنی مؤمن کا کون سا حال اور کونسی خصلت بہتر ہے جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے۔  
 ۲ تاکہ ذکر کی برکت زبان تک پہنچے اور اس سے ایمان کی قوت حاصل ہو جو زبان ذکر اللہ سے تر رہے گی۔ وہ ان شاء اللہ دوزخ کی آگ سے نہ جلے گی۔

## باب الکبائر وعلامات النفاق

### بڑے گناہوں اور نفاق کی علامتوں کا باب

الفصل الاول  
 پہلی فصل

۱ گناہ کبیرہ یا تو وہ ہے جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو، یا وہ جس پر شریعت نے کچھ سزا مقرر کی ہو، یا وہ جس سے دین کی توہین ہو، یا ہر گناہ چھوٹے گناہ کے لحاظ سے کبیرہ ہے، یا جس چھوٹے گناہ پر بھیگی کی جائے وہ کبیرہ ہے، یا ایک ہی گناہ ایک کے لئے صغیرہ اور دوسرے کے لئے کبیرہ "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُكَرِّهِينَ"، یا ایک کے لحاظ سے صغیرہ دوسرے کے لحاظ سے کبیرہ۔ مسلمان کی توہین گناہ صغیرہ ہے، علماء مشائخ کی توہین گناہ کبیرہ، نبی، یا قرآن، یا کعبہ کی توہین کفر، گناہ کبیرہ اور نفاق کی علامت میں عموم صِغْرٌ وَجْهٌ ہے۔

روایت ہے عبداللہ ابن مسعود سے ۱ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا حضور کون سا گناہ ۲ بہت بڑا ہے اللہ کے ہاں فرمایا یہ کہ تم اللہ کا شریک ٹھہراؤ۔ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے عرض کیا پھر کون سا گناہ۔ فرمایا یہ کہ اپنی اولاد اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے۔ عرض کیا پھر کون سا گناہ فرمایا یہ کہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ تب اللہ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت اتاری اور وہ جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو نہیں پوجتے اور نہ اس جان کو ناحق قتل کریں جسے اللہ نے حرام کیا۔ اور نہ زنا کریں۔

۱ آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن اور ابن ام عبد ہے، قبیلہ بنی حزیل سے ہیں، قدیم الاسلام اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ عمر فاروق سے پہلے اسلام لائے، صاحب ہجرت ہیں کہ اول حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ پاک کی جانب ہجرت کی، بدر اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین بردار اور صاحب اسرار تھے، سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک اور پانی لوٹا آپ کے ساتھ رہتا تھا۔ عہد فاروقی میں کوفہ کے قاضی رہے، عہد عثمانی میں مدینہ پاک آگئے، ساٹھ سال سے زیادہ عمر پائی ۳۲ھ میں مدینہ پاک میں وفات ہوئی، جنت بقیع میں دفن ہوئے، خلفاء راشدین کے بعد بڑے فقیہ اور عالم صحابی آپ ہیں، امام ابو حنیفہ اکثر آپ ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۲ شرعاً بری چیز کا نام گناہ ہے۔ اس کی چار قسمیں ہیں: ایک وہ جو بغیر توبہ معاف نہ ہو، جیسے کفر و شرک۔ دوسرے وہ جو نیک اعمال کی برکت سے بھی معاف ہو جائے، جیسے گناہ صغائر۔ تیسرے وہ کہ جن کے بغیر توبہ معاف ہونے کی بھی امید ہو، جیسے حقوق اللہ کے کبیرہ گناہ۔ چوتھے وہ کہ جن کی معافی کیلئے توبہ کے ساتھ مخلوق کو بھی راضی کرنا پڑے جیسے حقوق العباد۔ (مرقاۃ)

۳ یعنی شرک و کفر کہ یہ اکبر الکبائر ہے۔

۴ جیسا کہ عرب میں دستور تھا کہ غریب لوگ خرچ کے خوف سے بیٹے اور بیٹیوں دونوں کو قتل کر دیتے تھے۔ چونکہ اس میں بے قصور جان کو قتل کرنا اور اپنے قرابت دار پر ظلم کرنا اور خدا کی رزائیت پر اعتقاد نہ کرنا تینوں باتیں جمع ہیں، اس لئے اس کا درجہ کفر و شرک کے بعد رکھا گیا۔

۵ کہ زنا خود گناہ کبیرہ ہے اور اس میں پڑوسی کے حق کا برباد کرنا بھی ہے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے پڑوسی پر اعتماد کرتا ہے اور اس کے جان و مال آبرو کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں گناہ کبیرہ صرف چار بیان فرمائے گئے۔ ضرورت اور موقعہ کے لحاظ سے عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ گناہ کبیرہ ۷۰ ہیں اور سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ ۷۰۰ ہیں۔ (مرقاۃ) یعنی گناہ کبیرہ کی انواع ۷۰ اور افراد ۷۰۰۔

۶ اس آیت میں حَوْرَمَ اللّٰہ سے مراد مؤمن، کافر، ذمی اور متامن ہیں۔ الا بالحق میں ان جرموں کی طرف اشارہ ہے جن کی سزا قتل ہے جیسے مرتد ہو جانا، یا زنا، یا ظلماً قتل یعنی مؤمن ان تین میں سے کوئی جرم کرے گا قتل کیا جائے گا۔

روایت ہے عبد اللہ ابن عمر و سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شرک باللہ، ماں باپ کی نافرمانی، جان کا قتل، جھوٹی قسم ۲۔ ٹرے گناہ ہیں اسے بخاری نے روایت کیا۔

۱ یعنی ان کے حقوق ادا نہ کرنا، یا ان کے جائز حکموں کی مخالفت کرنا، ماں باپ کے حکم میں دادا و دادی اور نانا اور نانی بھی ہیں۔ اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی نافرمانی بدترین جرم ہے کہ شرک کے بعد اس کا ذکر فرمایا گیا۔ اسی لئے رب نے اپنی عبادت کے ساتھ ماں باپ کی اطاعت کا ذکر کیا کہ فرمایا: "الَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا"۔

۲ غموس قسم وہ ہے جو دیدہ و دانستہ گزشتہ واقعہ پر جھوٹی کھائی جائے اس میں گناہ ہے کفارہ نہیں، یہ قسم انسان کو گناہ میں ڈبو دیتی ہے اس لئے اس غموس کہتے ہیں۔ چونکہ جھوٹ اور جھوٹی قسم ہزار ہا گناہوں کی جڑ ہے۔ اس لیے یہ گناہ کبیرہ ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات سائلین کے حالات کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔

حضرت انس کی روایت میں بجائے جھوٹی قسم کے جھوٹی گوہی ہے۔ (بخاری، مسلم)

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ہلاکت کی چیزوں سے بچو۔ لوگوں نے پوچھا حضور وہ کیا ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک ۱، جادو ۲، اور ناحق اس جان کو ہلاک کرنا جو اللہ نے حرام کی، اور سود خوری ۳، یتیم کا مال کھانا ۴، جہاد کے دن پیٹھ دکھادینا ۵، پاکدامن مؤمن ہ بے خبر بیبیوں کو بہتان لگانا ۶۔ (بخاری، مسلم)

۱ یعنی مطلقاً کفر کیونکہ کوئی کفر گناہ صغیرہ نہیں سب کبیرہ ہیں۔

۲ یعنی جادو کرنا یا بلا ضرورت جادو سیکھنا۔ خیال رہے کہ جادو اتارنے کے لیے جادو سیکھنا جائز بلکہ ضروری ہے۔ اگر جادو میں الفاظ کفریہ ہیں تو جادو گر مرتد ہو جاتا ہے۔ ورنہ فقط مفسد دونوں قسم کے جادو گر واجب القتل ہیں۔ پہلا ارتداد اور فساد کی وجہ سے اور دوسرا فقط فساد کی بناء پر۔ (از اشعة المعات)

۳ یعنی سود لینا خواہ کھائے خواہ پہنے یا کھسی اور کام میں لائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سود لینا گناہ کبیرہ ہے نہ کہ دینا۔  
۴ یعنی ظلماً اس کا مال مارنا کیونکہ یتیم رحم کے قابل ہے اس پر ظلم بدترین گناہ ہے۔

۵ یعنی کفار کے مقابلہ سے بھاگ جانا کیونکہ اس میں غازیوں کو نقصان پہنچانا ہے اور اسلام کی توہین۔ خیال رہے کہ جہاد سے بھاگنا گناہ کبیرہ جب ہے کہ بزوری سے ہو اگر کفار کا دباؤ بڑھ جانے سے مجبوراً مورچہ چھوڑنا پڑے تو اس کا یہ حکم نہیں ایسے موقعہ پر ڈٹ جانا اور شہید ہو جانا افضل ہے لیکن پیچھے پھر جانا گناہ کبیرہ نہیں تدبیر جنگی کی بنا پر پیچھے ہٹنا ثواب ہے۔

۶ زنا کا یعنی جو نیک بخت زنا کو جانتی بھی نہ ہوں انہیں تہمت لگانا گناہ ہے صراحۃً، ضمناً لہذا کسی عورت کو غصہ میں زانیہ یا بد معاش کہنا بھی اسی میں داخل ہے۔ خیال رہے کہ نیک مرد اور چالاک عورتوں کو بھی زنا کی تہمت لگانا گناہ ہے مگر غافلہ عورتوں کو تہمت لگانا بہت زیادہ گناہ ہے جس کی سزا دنیا میں اسی کوڑے اور آخرت میں سخت عذاب۔

تتمہ

مرقاۃ میں ہے کہ ۱۷ گناہ کبیرہ بہت سخت ہیں: چار دل کے: (۱) شرک و کفر (۲) گناہ پر اڑنے کی یتیم (۳) اللہ کی رحمت سے مایوسی (۴) عذاب پر امن۔ چار زبان میں: (۱) جھوٹی گواہی (۲) پاک دامنوں کی تہمت (۳) جھوٹی قسم (۴) جادو۔ تین پیٹ کے گناہ: (۱) یتیم کا کھانا (۲) شراب پینا (۳) سود کھانا۔ دو شرم گاہ کے: (۱) زنا (۲) لواطت۔ دو ہاتھ کے: (۱) چوری (۲) ناحق قتل۔ ایک پاؤں کا (۱) میدان جہاد سے بھاگ جانا۔ ایک سارے بدن کا: (۱) یعنی والدین کی نافرمانی۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں ہوتا کہ زانی زنا کرنے کی حالت میں مؤمن ہو اور نہ یہ کہ چور چوری کرنے کی حالت میں مؤمن ہو اور نہ یہ کہ شرابی شراب پینے کی حالت میں مؤمن ہو اور نہ یہ کہ ڈاکو ڈکیتی کرنے کی حالت میں مؤمن ہو کہ لوگ اپنے مال کو ترستی نگاہ اٹھا کر دیکھتے رہ جائیں ۲

اور نہ یہ کہ خائن خیانت کرنے سے کی حالت میں مؤمن ہو لہذا ان سے بچو، ان سے بچو۔ (مسلم، بخاری)

ان تمام مقامات میں یا تو کمال ایمان مراد ہے یا نور ایمان، یعنی ان گناہوں کے وقت مجرم سے نور ایمان نکل جاتا ہے ورنہ یہ گناہ کفر نہیں نہ انکا مرتکب مرتد، اگر اسی حالت میں مارا جائے تو وہ کافر نہ مرے گا۔ حدیث شریف میں ہے "وَإِنْ زَنَىٰ وَإِنْ سَرَقَ" یہی تفسیر اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

۲ اس ڈاکو کو یعنی ظاہر ظہور مال لوٹ لے اور مالک دفع پر قادر نہ ہوں یا اپنے مال کو یعنی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے رہ جائیں کہ ہائے ہمارا مال چل دیا۔ ڈکیتی میں تین جرم ہوئے: غیر کے مال پر ناجائز قبضہ ظاہر ظہور دوسرے کا مال چھین لینا، دل کی سختی کہ لوگوں کی حسرت اور آہ و بکا پر ترس نہ کھائے۔ لہذا یہ گناہوں کا مجموعہ ہوئی، مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔  
۳ غلول مال غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں۔ کبھی مطلقاً خیانت پر بول دیا جاتا ہے یہاں دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

حضرت ابن عباس کی روایت میں یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا کہ قاتل قتل کرنے کی حالت میں مؤمن ہو۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے پوچھا کہ ان سے ایمان کیونکر نکل جاتا ہے آپ نے فرمایا ایسے اور اپنی انگلیوں کو گتھی کر دیا پھر انگلیوں کو نکالا۔ کہ اگر توبہ کرے تو ایمان اس طرح لوٹ آتا ہے۔ پھر انگلیاں گتھی کریں ابو عبد اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کامل مؤمن نہیں رہتے اور نہ ان میں نور ایمانی رہتا ہے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

۱ قتل سے مراد ظلماً عمداً قتل ہے۔ لہذا حدیث واضح، ورنہ مجرم کو کبھی قتل کرنا عبادت ہے۔  
۲ عکرمہ ابن (ابو جہل) نہیں ہیں، بلکہ عبد اللہ ابن عباد کے آزاد کردہ غلام آپ کے خادم اور کاتب ہیں۔ (مرقاۃ)  
۳ یعنی نور ایمانی مؤمن کے رگ و ریشہ میں ایسے سرایت کیا ہوتا ہے جیسے گتھی ہوئی انگلیاں مگر ان گناہوں کے وقت وہ نور اور ایمانی حیا بالکل نکل جاتے ہیں۔

۴ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہر گناہ کی توبہ علیحدہ ہے۔ لہذا حقوق العبد کی توبہ میں حق کا ادا کر دینا شرط ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مجرم اچھے القاب سے نہ پکارے جائیں "الَّذِينَ آمَنُوا" اور "أَوْلِيَاءَ الْمُؤْمِنُونَ" کے خطاب سے محروم ہیں۔ اب ان کے خطاب چور، زانی اور فاسق ہیں۔ (مرقاۃ)  
۵ یعنی محمد بن اسمعیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی تین علامتیں ہیں! مسلم نے یہ زیادتی بھی بیان کی کہ اگر یہ روزہ رکھے، نماز پڑھے، اپنے

کو مسلمان سمجھے۔ پھر مسلم و بخاری متفق ہو گئے کہ جب بات کرے جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف کرے، امانت دی جائے تو خیانت کرے ۲۔

۱۔ منافق سے اعتقادی منافق مراد ہیں، یعنی دل کے کافر زبان کے مسلم، یہ عیوب ان کی علامتیں ہیں مگر علامت کے ساتھ علامت والا پایا جانا ضروری نہیں۔ کڑے کی علامت سیاہی ہے مگر ہر کالی چیز کڑا نہیں۔

۲۔ یعنی یہ منافقوں کے کام ہیں۔ مسلمان کو اس سے بچنا چاہیے یہ نہیں کہ یہ جرم خود نفاق ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ تینوں جرم کئے تھے مگر وہ نہ منافق ہوئے نہ کافر لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس میں ۱۔ چار عیوب ہوں وہ نرا منافق ہے ۲۔ اور جس میں ایک عیب ہو ان میں سے اس میں منافقت کا عیب ہوگا جب تک کہ اُسے چھوڑ نہ دے جب امانت دی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف کرے، جب لڑے تو گالیاں بکے ۳۔

۱۔ یہ حدیث کچھلی حدیث کے خلاف نہیں ایک چیز کی بہت سی علامتیں ہوتی ہیں کبھی ساری بیان کردی جاتی ہیں کبھی کم و بیش لہذا وہ تین بھی نفاق کی علامتیں تھیں اور یہ چار بھی۔

۲۔ منافق عملی یعنی منافقوں کے سے کام کرنے والا جیسے رب فرماتا ہے: "أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ" یا حضور فرماتے ہیں۔ "مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَبِدًا فَقَدْ كَفَرَ" یعنی بے نمازی ہونا کفر عملی ہے۔ (کافروں کا سا کام)

۳۔ اس سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جن کے ہاں تہرا اور گلیاں بکنا عبادت بلکہ اصل ایمان ہے اسلام میں شیطان فرعون و ہامان کو بھی گالیاں دینا برا ہے کہ اس میں اپنی ہی زبان گندی ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق اس بکری کی طرح ہے جو دو بکروں کے درمیان گھومے ۱۔ (چکر لگائے) کبھی اس بکرے کے پاس پہنچ جائے کبھی اس بکرے کے پاس۔

۱۔ دونوں کو راضی کرنے اور دونوں سے لذت اور نفع حاصل کرنے کے لیے جس سے اس کا بچہ ولدنا معلوم ہو۔ خیال رہے کہ کافر ومومن سب کو راضی کرنے کی کوشش میں رہنا خطرناک بیماری ہے جس سے اس کا خود اپنا کوئی دین نہیں رہتا۔ اسی لئے یہاں ایسی گندی چیز سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ دلوں میں اس سے نفرت پیدا ہو۔ اس بیماری نفاق میں آجکل بہت سے صلح کئی مسلمان مبتلا



ہیں۔ بعض عقلمندوں کے ہاں تقیہ کر کے کافر و مؤمن سب کو خوش کر دینا اور ہر ایک سے نفع حاصل کر لینا عبادت ہے۔ خدا ایسی شیطانی عبادت سے بچائے۔

الفصل الثانی  
دوسری فصل

روایت ہے حضرت صفوان ابن عسال سے ۱ فرماتے ہیں کہ یہودی اپنے ساتھی سے بولا کہ مجھے ان نبی کے پاس لے چل ساتھی بولا کہ انہیں نبی نہ کہو ۲ اگر وہ سن لیں گے تو انکی چار آنکھیں ہو جائیں گی ۳ پھر وہ دونوں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کھلی نشانوں کے بارے میں پوچھا ۴ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ ۵ نہ چوری کرو، نہ زنا کرو، نہ ناحق کسی محترم جان کو قتل کرو، نہ کسی بے قصور کو حاکم کے پاس لے جاؤ تاکہ اسے قتل کر دے ۶ اور نہ جادو کرو نہ سود کھاؤ ۷ نہ پاکدامن کو زنا کا بہتان لگاؤ، نہ جہاد کے دن بھاگنے کے لئے پیٹھ پھرو ۸ اور اسے یہودیو تم پر خصوصاً یہ بھی لازم ہے کہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نہ بڑھو ۹ راوی فرماتے ہیں کہ تب ان دونوں نے حضور کے ہاتھ پاؤں چومے ۱۰ اور بولے ہم گواہ ہیں کہ آپ سچے نبی ہیں ۱۱ حضور نے فرمایا پھر تمہیں میری پیروی سے کون چیز روکتی ہے ۱۲ وہ بولے کہ داؤد علیہ السلام نے رب سے دعا کی تھی کہ انکی اولاد میں نبوت رہے ۱۳ ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم آپ کی پیروی کر لیں تو ہم کو یہودی مار ڈالیں گے۔ (ابوداؤد، نسائی)

۱ آپ صحابی ہیں، کوفنے کے رہنے والے، قبیلہ بنی مراد سے ہیں، بارہ غزووں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۲ معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی گواہی دیتے تھے مگر محض ضد سے انکاری تھے۔

۳ یعنی وہ خوش ہو جائیں گے اور یہود سے یہ کہہ سکیں گے کہ تمہارے لوگ بھی ہمیں نبی کہتے ہیں۔ سبحان اللہ! عظمت وہ جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔

۴ کھلی نشانوں سے مراد یا تو وہ نیک اعمال ہیں جو عامل کی نیک بختی کی علامت ہوں، اس صورت میں حضور کا یہ جواب سوال کے مطابق ہے، یا اس سے موسیٰ علیہ السلام کے کھلے ہوئے نو معجزے مراد ہیں۔ رب فرماتا ہے: "وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ" اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب حکیمانہ ہے یعنی وہ نہ پوچھو بلکہ اپنی فکر کرو اور کرنے والے اعمال پوچھو۔ خیال رہے کہ انہوں نے

نو چیزیں پوچھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بتائیں ۹ وہ جو ہر دین کے احکام ہیں اور دسویں وہ جو دین یہود کے ساتھ خاص ہیں، یعنی ہفتہ کو شکار نہ کرنا۔

۵ ہو سکتا ہے کہ اس میں اشارۃً یہ بتایا گیا ہو کہ یہودی مشرک ہیں۔ کیونکہ وہ حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ اور بیٹا باپ کا شریک ہوتا ہے۔

۶ کہ یہ ڈبل جرم ہے حاکم کو دھوکہ دینا اور بے قصور کی جان لینا یہ بھی عام دینوں میں حرام رہا۔

۷ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سو دکنسی نبی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ یہ ان اعمال کی فہرست ہے جو تمام دینوں میں مروج تھے۔

۸ یہ حکم بھی تمام دینوں میں رہا جن میں جہاد فرض تھا جن میں جہاد ہی نہ تھا وہاں یہ حکم بھی نہ تھا۔

۹ اس دن شکار نہ کرو یعنی ہفتہ کو شکار نہ کرنا تمہاری توریت کا حکم ہے یہ تمہارے لئے آیت بیّنہ تھی اب توریت منسوخ ہو چکی یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری آسمانی کتب سے واقف ہیں اور یہ واقفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے اسی لئے وہ سائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گر گئے۔

۱۰ ظاہر یہ ہے کہ پاؤں شریف پر بھی منہ لگا کر بوسہ دیا۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کے قدم چومنا جائز ہیں۔ اور پاؤں کے لیے جھکنا نہ سجدہ ہے نہ ممنوع ورنہ حضور علیہ السلام انہیں منع فرمادیتے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم، سنگ اسود، بزرگوں کے ہاتھ پاؤں، والدین کے ہاتھ پاؤں چومنا ثواب بھی ہے اور باعث برکت بھی۔ بعض بزرگ تو اپنے مشائخ کے تبرکات چومتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر چومتے تھے بوسہ کی بحث اور اس کی قسمیں ہماری "جاء الحق وزهق الباطل" میں دیکھو۔

۱۱ کیونکہ امی کا یہ علم کھلا معجزہ ہے۔ خیال رہے کہ یہ گواہی جاننے پہچاننے کے معنی میں ہے یعنی ہم نے پہچان لیا کہ آپ نبی ہیں لہذا وہ اس لفظ سے مؤمن نہ بنے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اگلا سوال بھی درست ہوا۔

۱۲ یعنی جب تم نے مجھے نبی جان لیا پھر مان کیوں نہیں لیتے اور مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے۔

۱۳ ان کی یہ دعا قبول ہے اور آپ ان کے اولاد میں نہیں کہ وہ بنی اسرائیل تھے آپ بنی اسمعیل، یہ ان کا خالص افتراء تھا سارے نبیوں نے ہمارے حضور کی پیش گوئی کی۔ داؤد علیہ السلام یہ دعا کیسے مانگ سکتے تھے۔ تعجب ہے کہ یہ دونوں ابھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر چکے اور اب یہ بہتان باندھ رہے ہیں۔ بعض یہودیہ بھی کہتے تھے کہ حضور فقط مشرکین عرب کے نبی ہیں، ہمارے نہیں۔ شاید ان کا یہ مقصد ہو۔ اور یہ بھی غلط تھا۔ توریت و زبور میں خبر تھی کہ محمد مصطفیٰ سارے عالم کے نبی ہوں گے، تمام شریعتوں کے ناسخ۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں ۱۔ جو لا الہ الا اللہ کہے اس سے زبان روکنا ۲۔ یعنی محض گناہ سے اُسے کافر نہ کہے ۳۔ اور نہ اسے اسلام سے خارج جانے محض کسی عمل سے ۴۔ اور جہاد جاری ہے جب سے مجھے رب نے بھیجا یہاں تک ۵۔ کہ اس امت کی آخری جماعت دجال سے جہاد کرے ۶۔ جہاد کو ظالم کا ظلم، منصف کا انصاف باطل نہیں کر سکتا ۷۔ اور تقدیروں پر ایمان ۸۔ (ابوداؤد)

۱۔ یعنی جس پر ایمان کی عمارت قائم ہے۔ جن کے بغیر انسان مؤمن نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اسے کافر نہ کہنا۔ کلمہ پڑھنے سے مراد سارے اسلامی عقائد کا ماننا ہے جیسا کہ ہم بارہا عرض کر چکے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے اس کا بھی یہی مطلب ہے محض کلمہ پڑھ لینا، کعبہ کی طرف منہ کر لینا ایمان کے لئے کافی نہیں، منافقین یہ دونوں کام کرتے تھے مگر کافر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے ایک کے سوا سب جہنمی خوارج کی خبر دی کہ بڑے نمازی اور قرآن خوان ہوں گے مگر دین سے ایسے دور ہوں گے جیسے چھوٹا ہوا تیر کمان سے اس تفسیر کی تائید اگلے مضمون سے ہو رہی ہے۔

۳۔ اس میں خوارج کی تردید ہے جو گناہ کبیرہ کو کفر اور گنہگار کو کافر کہتے ہیں۔ یہ جملہ پچھلے مضمون کی تفسیر ہے یعنی گناہ بد عملی ہے کفر نہیں۔ خیال رہے کہ بعض گناہ علامت کفر ہے، اس لئے فقہاء انہیں کفر قرار دیتے ہیں۔ جیسے زنا باندھنا، بت کو سجدہ کرنا، قرآن کریم کو گندگی میں پھینکنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی چیز کا مذاق اڑانا، بے ادبی کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز بلند کرنا رب فرماتا ہے: "لَا تَعْتَدِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ" اور فرماتا ہے: "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ" الخ، نیز فرماتا ہے: "أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ" الخ۔ یہ گناہ اس لئے کفر ہیں کہ کفر کی علامتیں ہیں۔ لہذا حدیث قرآن متعارض نہیں۔

۴۔ اس میں معتزلہ کا رد ہے۔ جو کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ والا نہ مؤمن ہے نہ کافر بلکہ فاسق ہے۔ حالانکہ کفر و اسلام کے درمیان کوئی درجہ نہیں۔

۵۔ مدینہ طیبہ کی طرف کیونکہ ہجرت سے پہلے جہاد فرض نہ تھا۔

۱۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی مسلمانوں کے ساتھ دجال اور اس کی جماعت پر تلوار کا جہاد کریں گے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہوں گے۔ چونکہ دجال کے بعد تمام دنیا مسلمان ہو جائے گی، کوئی کافر نہ رہے گا اور حضرت عیسیٰ و امام مہدی کی وفات کے کچھ عرصہ بعد دنیا میں کفر ہی ہوگا کوئی مؤمن نہ رہے گا اس لیے یہ جہاد آخری ہوگا اس کے بعد کوئی جہاد نہ ہوگا۔ خیال رہے کہ اگرچہ بعض پچھلی شریعتوں میں بھی جہاد تھا مگر اسلامی جہاد اور اس کے قوانین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہو کر قتل دجال تک رہیں گے۔ لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲۔ یعنی ہر منصف اور ظالم بادشاہ کے ساتھ مل کر کفار پر جہاد کرو اس میں اشارتاً دو مسئلے بتائے گئے: ایک یہ کہ جہاد کے لیے سلطان اسلام یا امیر المسلمین شرط وجوب ہے۔ دوسرے یہ کہ فاسق فاجر بادشاہ کے ماتحت بھی کفار سے جہاد لازم ہے۔ صحابہ کرام نے حجاج ابن یوسف جیسے فاسق حاکم کے ساتھ کفار پر جہاد کیے ہیں۔ اس میں قادیانیوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے جہاد منسوخ کر دیا۔ جہاد نماز کی طرح محکم اور ناقابل نسخ عبادت ہے۔ جہاد کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ رب فرماتا ہے: "وَلَكُمْ فِي

الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ"۔

۱۔ تقدیر کی پوری بحث ہماری کتاب "تفسیر نعیمی" پارہ سوم میں ملاحظہ کرو۔ یہاں صرف اتنا ہی سمجھ لو کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کے علم اور اس کے ارادہ سے ہے ہم اپنے اعمال کے کاسب ہیں، خالق نہیں۔ لہذا ہم کسب میں مختار اور خلق میں مجبور ہیں نہ قادر مطلق نہ مجبور محض یہی مذہبِ اہلسنت ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے اس کے سر پر شامیانہ کی طرح ہو جاتا ہے ۱۔ پھر جب بندہ اس بد عمل سے علیحدہ ہو جاتا ہے تو ایمان ۱۔ بھی اس کی طرف لوٹ آتا ہے ۲۔

۱۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے کہ یہاں نور ایمان یا غیرت ایمانی نکلنا مراد ہے نہ کہ اصل ایمان کا نکل جانا۔  
۲۔ یعنی جب توبہ کر لیتا ہے تو توبہ کی برکت سے ایمان کا نور اور غیرت لوٹ آتے ہیں۔

الفصل الثالث  
تیسری فصل

روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں کی وصیت فرمائی ۱۔ فرمایا رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانو اگرچہ مار دیئے جاؤ یا جلا دیئے جاؤ ۲۔ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو اگرچہ وہ تمہیں اپنے گھر بار اور مال سے نکل جانے کا حکم کریں ۳۔ فرض نماز عداً ہر گز نہ چھوڑو کیونکہ جو کوئی دانستہ نماز چھوڑ دے اس سے اللہ کا ذمہ و ضمان جاتا رہا ۴۔ شراب ہر گز نہ پیو کہ یہ ہر بدکاری کا سر ہے ۵۔ گناہ سے اپنے کو بچاؤ کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ کی ناراضی نازل ہوتی ہے ۶۔ جہاد سے بھاگ جانے سے بچو اگرچہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور جب لوگوں کو وبائی موت پہنچے اور تم ان میں ہو تو ثابت قدم رہو ۷۔ اپنے بال بچوں پر اپنی کمائی سے خرچ کرو ۸۔ اپنی تربیت کی کٹیجی ان سے نہ ہٹاؤ ۹۔ انہیں اللہ سے ڈراتے رہو۔ (احمد)

۱۔ یعنی تاکید حکم دیا عربی میں تاکید حکم کو وصیت کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے: "يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ"۔

۲۔ خطرہ جان کے وقت جان دے دو مگر دل سے کفر و شرک نہ کرو یہ کسی حال میں جائز نہیں، خطرہ جان کے وقت زبان سے کفر تک دینا بشرطیکہ دل میں ایمان ہو جائز ہے۔ رب فرماتا ہے: "إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ" یہاں دلی کفر مراد ہے۔ لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں، نیز جو کوئی جان دے دے اور کلمہ کفریہ نہ کہے تو اجر کا مستحق ہے۔ جان دے دینا عزیمت ہے اور جان بچانا رخصت اگر حدیث کا یہ مطلب ہو تو حضور نے حضرت معاذ کو عزیمت کا حکم دیا۔

۳۔ یہ حکم استحبابی ہے۔ والدین کے حکم پر بیوی کو طلاق دے دینا مستحب ہے، اسمعیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اشارہ پا کر طلاق دے دی یہ مستحب پر عمل تھا مگر باپ کے حکم سے بیوی یا بچوں پر ظلم نہ کرے کہ ظلم سے بچنا اللہ ورسول کا حکم ہے، انکا حکم ماں باپ کے حکم پر مقدم ہے، ایسے ہی اگر ماں باپ کفر یا معصیت کا حکم دیں تو نہ مانے۔ رب فرماتا ہے: "وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا"۔

۴۔ یعنی بے نمازی اللہ کی امن میں نہیں رہتا۔ نماز کی برکت سے انسان دنیا میں آفتوں سے، مرتے وقت خرابی خاتمہ سے، قبر میں فیل ہونے سے، حشر میں مصیبتوں سے بفضلہ تعالیٰ امن میں رہتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ وظیفہ، عملیات، تعویذوں کے فائدے حاصل کرنے کیلئے پابندی نماز ضروری ہے۔ شیخ و مرید دونوں کو۔

۵۔ شراب سے مراد ہر نشہ والی چیز ہے کیونکہ نشہ سے عقل ہی جاتی رہی تو برائی بھلائی کون بتائے، شرابی نشہ میں پیشاب پاخانہ تک کھا پی لیتے ہیں۔ خیال رہے کہ ہر پتلی نشہ والی چیز مطلقاً حرام ہے۔ شراب انگوری قطعی حرام اور دیگر شرابیں ظنی ایفون، بھنگ، تمباکو نشہ دے تو حرام ہے۔

۶۔ خیال رہے کہ چھوٹے گناہ کو چھوٹا سمجھ کر مت کرلو۔ چھوٹی نیکی کو حقیر جان کر چھوڑ مت دو، چھوٹا گناہ چنگاری کی طرح ہے جو کبھی مکان جلا دیتی ہے۔ معمولی نیکی تھوڑے پانی کی طرح ہے جو کبھی جان بچالیتا ہے شیطان پہلے چھوٹے گناہ کرتا ہے، پھر بڑے، پھر کفر شرک، چھوٹا گناہ بھی ہمیشگی سے بڑا بن جاتا ہے۔ لہذا حدیث بالکل صحیح ہے یہاں ہر گناہ مراد ہے کہ وہ ناراضی الہی کا سبب ہے بالواسطہ یا بلاواسطہ۔

۷۔ یہ حکم بھی استحبابی ہے اگر کوئی غازی ایسے موقعہ پر ڈٹا رہے اور شہید ہو جائے تو ثواب پائے گا اور اگر بھاگ جائے تو گنہگار نہ ہوگا۔ رب فرماتا ہے: "الَّذِينَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ"۔ (مرقات) لہذا جنگ احد میں جن صحابی کے قدم اکھڑ گئے وہ گنہگار نہ تھے خطا ان سے ہوئی جو درہ چھوڑ گئے۔ قرآن نے ان کی معافی کا اعلان کر دیا۔

۸۔ یعنی جہاں تم ہو وہاں طاعون وغیرہ کوئی بیماری پھیل جائے تو وہاں سے بھاگو مت تاکہ وہاں کے مردے بے گور و کفن اور بیمار بے یار و مددگار نہ رہ جائیں، اور جہاں نہیں ہو وہاں جاؤ مت، رب فرماتا ہے: "لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ"۔

۹۔ معلوم ہوا کہ زن و فرزند پالنے کے لیے کمائی کرنا بھی عبادت ہے۔ اسلام ترک دنیا نہیں سکھاتا۔

۱۰۔ یعنی بیوی بچوں کے حالات پر نگاہ رکھو ان کی اصلاح کرتے رہو، چھوٹے بچوں کو تو مار سے اور بڑوں کی زبانی ڈانٹ ڈپٹ سے۔ قیامت میں تم سے ان کا بھی سوال ہوگا، رب فرماتا ہے: "قُؤَا أَنْفُسِكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا"۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ نفاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا لیکن آج یا کفر ہے یا ایمان ۲ (بخاری)

۱۔ آپ کا نام شریف حذیفہ، کنیت ابو عبداللہ عسی ہے، آپ کے والد حسیل، ان کا لقب ایمان ہے، آپ حضور کے صاحب اسرار ہیں، ۲۵ھ میں شہادت عثمان غنی کے چالیس دن بعد مدائن میں آپ کا انتقال ہوا اور وہیں آپ کا مزار پر انوار ہے۔

۲ یعنی حضور کے زمانہ میں وقتی مصلحتوں کے ماتحت منافقوں کو قتل نہ کیا گیا۔ اگرچہ ان سے علامات کفر ظاہر ہوئیں تاکہ کفار ہماری خانہ جنگی سے فائدہ نہ اٹھائیں اس زمانہ میں تین قسم کے لوگ مانے گئے: کافر، مؤمن اور منافق۔ حضور کے بعد نفاق کوئی چیز نہیں یا کفر ہے یا اسلام اگر کسی سے علامت کفر دیکھی گئیں قتل کیا جائے گا، کھلا کافر بھی قتل ہوگا چھپا بھی کیونکہ وہ مرتد ہے۔ (لمعات وغیرہ)

## باب الوسوسة

### وسوسہ (برے خیالات) کا باب

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ وسوسہ کے لغوی معنی ہیں نرم آواز۔ اصطلاح میں برے خیالات، فاسد فکر کو وسوسہ کہتے ہیں اور اچھے خیالات کو الہام۔ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، الہام رب کی طرف سے۔ حق یہ ہے کہ غیر نبی کا الہام شرعی حجت نہیں کیونکہ شبہ ہے کہ وہ شیطانی وسوسہ ہو۔ (ازمرقات و اشعۃ الملمات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان کے دلی خطرات میں درگزر فرمادی۔ جب تک کہ اس پر کام یا کلام نہ کر لیں۔ (مسلم، بخاری)

۱ یعنی برے خیالات پر پکڑ نہیں یہ اس امت کی خصوصیت ہے۔ پچھلی امتوں میں اس پر بھی پکڑ تھی۔ خیال رہے کہ برے خیالات اور ہیں، بر ارادہ کچھ اور، برے ارادے پر پکڑ ہے حتیٰ کہ ارادہ کفر، کفر ہے۔ شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ جو بر خیال دل میں بے اختیار اچانک آجاتا ہے اسے ہاجس کہتے ہیں یہ آنی فانی ہوتا ہے۔ آیا اور گیا یہ پچھلی امتوں پر بھی معاف تھا، ہم کو بھی معاف۔ لیکن جو دل میں باقی رہ جائے وہ ہم پر معاف ہے اُن پر معاف نہ تھا اور اگر اس کے ساتھ دل میں لذت اور خوشی پیدا ہو اسے ہم کہا جاتا ہے۔ اس پر بھی پکڑ نہیں اور اگر اس کے ساتھ کر گزرنے کا ارادہ بھی ہو تو وہ عزم ہے اس کی پکڑ ہے۔ خیال رہے کہ ارادہ گناہ اگرچہ گناہ ہے مگر اس پر حد نہیں۔ ارادہ زنا گناہ ہے، مگر زنا نہیں۔  
۲ یعنی قوی گناہ میں کلام کا اعتبار ہے اور فعلی میں کام کا۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ حضور کے صحابہ میں سے کچھ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھنے لگے کہ ہم اپنے دلوں میں ایسے خیالات محسوس کرتے ہیں کہ انہیں بیان کرنا بہت بڑا گناہ معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا کہ کیا تم نے یہ بات پائی ہے؟ عرض کیا ہاں فرمایا یہ کھلا ہوا ایمان ہے۔ (مسلم)

۱ یہ صحابہ کے کمال ایمان کی دلیل ہے کہ وسوسہ پر عمل کرنا تو کیا معنی اسے زبان پر لاتے بھی کھراتے ہیں۔

۲۔ وسوسہ آیا اُسے بڑا برا سمجھنا۔  
 ۳۔ یعنی وسوسے آنا کمال ایمان کی دلیل ہے کیونکہ چور بھرے گھر میں ہی جاتا ہے اور شیطان مؤمن کی فکر میں زیادہ رہتا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں: کہ جو نماز وسوسہ سے خالی ہو وہ نماز یہود و نصاریٰ کی ہے۔ (مرقات) یا وسوسوں کو بُرا سمجھنا عین ایمان ہے کیونکہ کافر تو انہیں اچھا سمجھ کر اس پر ایمان لے آتے ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے۔ تو اس سے کہتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی فلاں کس نے؟ یہاں تک کہ کہتا ہے تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب اس حد کو پہنچے تو اَعُوذُ بِاللّٰهِ پڑھ لو اور اس سے باز رہو ۳۔ (بخاری، مسلم)

۱۔ یا تو خود ابلیس کیونکہ وہ تمام دنیا پر نظر رکھتا ہے اور سب میں چکر لگاتا رہتا ہے۔ یا قرین جو ہر ایک انسان کا الگ الگ شیطان ہے ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے یا بُرا انسان جو ایسی باتیں کر کے لوگوں کو بہکائے۔  
 ۲۔ حالانکہ پیدا وہ چیز کی ہے جو ناپید بھی ہو سکے، رب تعالیٰ واجب الوجود ہے اُسے کون پیدا کرے، عرضیات کی انتہا ذاتی پر ہے، تمام تارے سورج سے روشن ہیں، مگر سورج کسی سے روشن نہیں۔  
 ۳۔ یعنی اس کا جواب سوچنے کی کوشش بھی مت کرو ورنہ شیطان سوال در سوال کرے گا۔ "اَعُوذُ" پڑھ کر اسے بھگا دو ہر سوال کا جواب نہیں دیا جاتا۔ رب نے شیطان کے سجدہ نہ کرنے پر اس کے دلائل کا جواب نہ دیا بلکہ فرمایا: "فَاخْرُجْ مِنْهَا"۔ خیال رہے کہ "اَعُوذُ بِاللّٰهِ" دفع شیطان کے لئے اکسیر ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے رہیں گے یہاں تک کہ کہا جاوے گا کہ یہ مخلوق تو اللہ نے پیدا کی تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ تو جوان میں سے کچھ پائے وہ کہے میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا ۱۔ (بخاری، مسلم)

۱۔ جیسا کہ آج خدا کے منکر دہریے کہتے ہیں۔ قربان جاؤں اس عالم غیوب رسول کے جنہوں نے قیامت تک ہونے والے واقعات کی خبر دے دی۔ مجھ سے کراچی میں بعینہ یہ سوال ایک شخص نے کیا تھا میرے منہ سے نکلا "صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ"۔  
 ۲۔ یعنی بلا دلیل عقلی اس کی ذات و صفات کو مان لیا، اس حدیث کی بنا پر بعض علماء علم کلام پڑھنا اور پڑھانا ناپسند کرتے ہیں۔ مگر بعض علماء نے حالاتِ زمانہ دیکھتے ہوئے اسے سیکھا اور سکھایا مگر شبہات ڈالنے کے لیے نہیں بلکہ شبہات نکالنے کے لیے دونوں اللہ کو پیارے ہیں۔ خیال رہے کہ مسئول تو کافر نہ ہوگا مگر سائل اگر شبہ کی بنا پر یہ پوچھتا ہے تو کافر ہے اور اگر جواب معلوم کرنے کے لیے پوچھتا ہے تو نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں ایسا کوئی نہیں جس پر ایک ساتھی جن اور ایک ساتھی فرشتہ مقرر نہ ہو۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ پر بھی فرمایا مجھ پر بھی ۲ لیکن رب نے مجھے اس پر مدد دی جس سے وہ مسلمان ہو گیا اب وہ مجھے بھلائی ہی کا مشورہ دیتا ہے ۳

۱ یعنی ہر عاقل بالغ انسان کے ساتھ وسوسہ دلانے کے لیے ایک شیطان اور الہام کے لیے ایک فرشتہ ہر وقت رہتا ہے۔ مراقاۃ اور اشعۃ اللغات میں ہے کہ جب کوئی انسان کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی ابلیس کے ایک شیطان پیدا ہوتا ہے جسے فارسی میں ہمزاد عربی میں وسواس کہتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ابلیس کے ہر ہر آن سیکڑوں بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں، مطابق تعداد اولاد انسان جیسے مچھلی، ناگن سانپ بیک وقت ہزار ہا انڈے دیتی ہے۔ طاغوتی جراثیم ہر آن بچے دیتے رہتے ہیں۔

۲ ایک فرشتہ مقرر ہے ملہم اور ایک شیطان۔

۳ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اسلام سے مراد ایمان ہی ہے نہ کہ اطاعت اور یہ حضور کی اعلیٰ درجہ کی خصوصیت ہے کہ آپ کا شیطان جس کی فطرت میں کفر داخل ہے وہ بھی ایمان لے آیا۔ معلوم ہوا کہ نگاہ کرم سے فطرتیں بدل جاتی ہیں۔ مراقاۃ میں ہے کہ ہامہ ابن ابلیس نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ قتل ہابیل کے وقت میں موجود تھا، سارے انبیاء کے ساتھ رہا ہوں آپ مجھے کچھ قرآن سکھائیے آپ نے اسے سورۃ واقعہ، مرسلات، نباء، اخلاص، فلق اور ناس سکھائیں۔ جنات کا حضور پر ایمان لانا تو قرآن کی سورۃ جن میں مذکور ہے حالانکہ سارے جن ابلیس کی اولاد ہیں رب فرماتا ہے: "كَانَ مِنَ الْجِنَّ فَفَسَقَ كَمَا كَانَ مِنَ الْجِنَّ" لہذا چکڑالوی اس حدیث پر اعتراض نہیں کر سکتے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان انسان کے خون کے ٹھکانوں میں گردش کرتا ہے! (بخاری، مسلم)

۱ یا تو خود ابلیس اور قرین شیطان چونکہ وہ آتش ہے۔ اس لیے بلا تکلف انسان کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے اور تصرف کرتا ہے یا اس کے وسوسے اور خیالات۔ معلوم ہوا کہ کوئی شخص بغیر فضل الہی شیطان سے نہیں بچ سکتا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی آدمی زادہ ایسا نہیں! جسے پیدائش کے وقت شیطان چھوتا نہ ہو وہ بچہ شیطان کے چھونے سے ہی چھٹتا ہے ۲ سواہ مریم اور ان کے فرزند کے ۳ (بخاری و مسلم)



۱ یعنی حضرت آدم و حوا کو شیطان مس نہ کر سکا کیونکہ وہ آدمی زادہ نہیں ہیں۔

۲ اس سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ ہیں۔ ایسے مقام پر متکلم مستثنیٰ ہوتا ہے۔ تحقیق سے ثابت ہے کہ حضور روتے ہوئے پیدا نہ ہوئے۔ (از اشعۃ للمعات)

۳ عیسیٰ علیہ السلام یعنی ان دونوں بزرگوں کو شیطان نہ چھو سکا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ پیدائش کے وقت شیطان بچے کی کوکھ میں انگلی مارتا ہے جس کی تکلیف سے بچہ چیختا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی پیدائش کے وقت بھی شیطان نے یہ حرکت کی مگر اس کی انگلی حجاب میں لگی جو رب نے ان کے اور اس کے درمیان میں پیدا کر دیا تھا۔ اس حدیث کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے ہے:- **قَالَتْ اِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ**۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر گرتے وقت بچہ کی چیخ شیطان کی چوکھ سے ہے!

۱ کہ وہ بچہ کی کوکھ میں انگلی مارتا ہے اور اس کی تکلیف سے بچہ روتا ہے۔ اسی لیے سنت ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس کو غسل دے کر دہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہی جائے تاکہ شیطان دفعہ ہو کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ بعض کٹھ بگڑے ان احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ ان کی ناقص عقل میں نہیں آتی شاید وہ بچے کے کان میں اذان کا بھی انکار کرتے ہوں گے۔ تعجب ہے کہ گرم سرد ہوا بچے پر اثر کر سکے اور بچہ اس کی تکلیف سے روکے مگر شیطان جو ہوا سے زیادہ لطیف ہے اس کا اثر ان کی سمجھ میں نہ آئے۔ یہ جھوٹے ان کی عقلیں کھوٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچے کی یہ حرکتیں بچے پر ابھی سے قبضہ جانے کے لیے ہیں (اس کے اپنے خیال میں) ورنہ بہکانا ہوش سنبھالنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان پانی پر اپنا تخت بچھاتا ہے! پھر اپنے مختلف لشکر کو لوگوں میں فتنہ میں ڈالنے کے لیے بھیجتا ہے ۲ ان میں قریب تر درجہ والا وہ ہوتا ہے جو بڑا فتنہ گر ہو ۳ ان میں سے آکر ایک کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں فتنہ پھیلایا ابلیس کہتا ہے کچھ نہیں پھر اور دوسرا آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی نہ ڈال دی ۴ فرمایا ابلیس اسے پاس بٹھاتا ہے اور کہتا ہے تو بہت ہی اچھا ہے اعش فرماتے ہیں مجھے خیال ہے کہ فرمایا اسے چٹا لیتا ہے ۵ (مسلم)

۱ اور زانہ صبح کے وقت سمندر پر جب اپنا کاروبار شروع کرتا ہے مگر اس کا تخت سمندر میں ڈوبتا نہیں کہ وہ خود بھی آتشی ہے اس کا تخت بھی آتشی۔ آج کشتیاں اور جہاز ڈوبنے سے محفوظ ہیں۔

۲۔ سیرایا سریہ کی جمع ہے بمعنی چھوٹی فوج جن کی تعداد پانچ افراد سے چار سو تک ہو۔ ذریتِ شیطان کی مختلف جماعتیں ہیں ان کے نام اور کام الگ الگ ہیں۔ چنانچہ وضوء میں بہکانے والی جماعت کا نام ولہان ہے، اور نماز میں درغلانے والی جماعت کا نام خنزب ہے۔ ایسے ہی مسجدوں میں، بازاروں میں، شراب خانوں میں، اس کی الگ الگ فوجیں رہتی ہیں۔

۳۔ یعنی ابلیس اپنی ذریت میں سے اُسے اپنا قربِ خصوصی بخشتا ہے جو لوگوں میں بڑی گمراہی یا فتنہ پھیلا کر آئے۔  
۴۔ اس طرح کہ طلاق واقع کرادی۔ طلاق اگرچہ مباح چیز ہے مگر اکثر بہت فسادات کی جڑ بن جاتی ہے۔ اس لیے ابلیس اس پر خوش ہوتا ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "أَبْغَضُ الْحَالِلِ الطَّلَاقِ" حتی الامکان اس سے بچنا بہتر ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ میں نے خاندنہ بیوی میں جدائی کرادی کہ خاندنہ کی عورت کو معلقہ کر دیا نہ چھوڑے نہ بسائے یہ سخت جرم ہے۔ رب نے فرمایا: "فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ" اس صورت میں حدیث بالکل واضح ہے۔

۵۔ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جو شخص ناحق زوجین میں جدائی کی کوشش کرے وہ ابلیس کی طرح مجرم ہے، اس سے وہ عامل لوگ عبرت حاصل کریں جو تفریق زوجین کے لیے تعویذ و عملیات کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے ابلیس وغیرہ کوئی چیز چھپی نہیں۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حضور مشاہدہ و ملاحظہ فرما کر یہ سب کچھ فرما رہے ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا کہ عرب کے نمازی اسے پوچھیں! لیکن انہیں آپس میں بھڑکانے میں مشغول ہے ۲۔ (مسلم)

۱۔ یعنی عرب کے عام مسلمان اعمال شرکیہ نہ کریں گے یا علی العموم مرتد نہ ہوں گے، ایک آدھ آدمی کا مرتد ہو جانا اس کے خلاف نہیں۔ عرب کو جزیرہ اس لیے فرمایا کہ اسے بحر فارس و روم اور دجلہ و فرات نے گھیرا ہے، عرب کی لمبائی عدن سے شام تک ہے، چوڑائی جدہ سے ریف عراق تک۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوة و سلام اور مولود شریف، عرس، فاتحہ، ختم، حضور سے مدد مانگنا وغیرہ شرک نہیں کیونکہ یہ تمام چیزیں عام مسلمانان عرب کا ہمیشہ سے دستور ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز شرک ہوتی تو عرب شریف کے مسلمانوں میں کبھی مروج نہ ہوتی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عجم کبھی عرب کی طرح محترم نہیں ہو سکتا۔ ہر جگہ مسلمان علی العموم مرتد ہو سکتے ہیں وہاں کے مسلمان نہیں ہو سکتے۔ خیال رہے کہ اگرچہ مسلمہ ذاب نے عرب کے بہت مسلمانوں کو مرتد کر لیا مگر اس ارتداد کا بفضلہ تعالیٰ بقانہ رہا ایک وقتی چیز تھی جو ختم ہو گئی جس کا اعتبار نہیں۔

۲۔ یعنی عرب کو آپس میں لڑانا بھڑانا رہے گا۔ چنانچہ آخر زمانہ عثمانی سے جو اختلاف شروع ہوا وہ آج تک ختم ہونے میں نہیں آتا اگرچہ اتحاد عرب کے نعرے لگائے جا رہے ہیں مگر اس کی حقیقت مفقود ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے ابن عباس سے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور بولا کہ میں اپنے دل میں ایسے

خیالات محسوس کرتا ہوں کہ وہ بولنے سے جل کر کوئلہ ہو جانا  
زیادہ پسند ہے ۱۔ فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے ان خیالات کو  
وسوسہ بنا دیا ۲ (ابوداؤد)

۱ یعنی عقائد اسلامیہ، ذات و صفات الہی، یا محمد مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے برے خیالات آتے ہیں کہ مجھے ان کا قبول کرنا تو کیا اتنا برا  
معلوم ہوتا ہے کہ جل کر کوئلہ ہونا منظور ہے۔ مگر ان کا بولنا منظور نہیں۔ سبحان اللہ! یہ ہے وہ خوف الہی جو حضور کی صحبت کی برکت سے  
صحابہ کو نصیب ہوا یہ خوف ایمانی کی دلیل ہے۔

۲ یعنی رب نے ایسے خیالات کو وسوسہ میں داخل فرمایا جن پر کوئی پکڑ نہ رکھی وہ کریم بندے کی مجبوری و معذوری جانتا تھا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی  
اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان میں شیطان کا بھی اثر ہے ۱ اور  
فرشتہ کا بھی شیطان کا اثر تو مصیبت سے ڈرانا اور حق  
کا جھٹلانا ہے ۲ لیکن فرشتہ کا اثر خیر کا وعدہ کرنا اور حق کی  
تصدیق کرنا ہے ۳ جو یہ آخری بات محسوس کرے وہ جان  
لے کہ یہ رب کی طرف سے ہے خدا کا شکر کرے ۴ اور جو وہ  
دوسری چیز محسوس کرے وہ مردود شیطان سے اللہ کی پناہ  
مانگے ۵ پھر یہ تلاوت کی کہ شیطان تمہیں فقیری سے ڈراتا  
اور بے حیائی کا مشورہ دیتا ہے۔ ترمذی نے روایت کی اور  
فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱ یہاں شیطان سے مراد یا تو ابلیس ہے یا انسان کا قرین جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا۔ دوسرا احتمال زیادہ  
قوی ہے اس کا اثر تقریباً سارے انسانوں پر ہوتا ہے کسی پر کم کسی پر زیادہ۔

۲ اس طرح کہ وہ خبیث برائیوں کو خوبیاں اور نیکیوں کو مصیبت بنا کر دکھاتا ہے۔ خیرات کے ارادہ پر فقر سے ڈراتا ہے، ناجائز خرچوں  
کے موقع پر ناموری کا لالچ دیتا ہے۔ بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر مسلمان حج و خیرات سے گھبراتے ہیں، لیکن شادی بیاہ کے حرام  
رسوم پر خوب دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ یہ اسی کا اثر ہے۔ رب فرماتا ہے: "الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ  
بِالْفَحْشَاءِ" اس کا یہی مطلب ہے۔

۳ اس طرح کہ اگر صدقہ اور خیرات سے نفس گھبرائے اور شیطان فقر سے ڈرائے تو یہ فرشتہ دل میں آواز دیتا ہے کہ مت ڈر  
صدقہ سے مال بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں اور فوراً یہ آیت سامنے آتی ہے۔ "يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرِي الصَّدَقَاتِ" یہ اس فرشتہ کا  
ہی کام ہے جو شخص جس آواز پر کان دھرتا رہے گا وہی آواز قوی ہوتی رہے گی اور دوسری آواز مدہم۔ بعض اولیاء سے شیطان مایوس ہو کر  
انہیں بہکانا ہی چھوڑ دیتا ہے۔

۴ کیونکہ نیک ارادہ اور اچھے خیالات بھی اللہ کی نعمت ہیں، شکر سے نعمت بڑھتی ہے، نیز نیک ارادہ کو جلد پورا کرے کہ پتہ نہیں پھر موقع ملے یا نہ۔

۵۔ کیونکہ اعوذ اور لاحول سے شیطان بھاگتا ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو کوئی صبح شام ۲۱ بار لاحول شریف پانی پر دم کر کے پی لیا کرے تو ان شاء اللہ وسوسہ شیطانی سے بہت حد تک امن میں رہے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا لوگ پوچھ گچھ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ یہ کہا جاوے گا کہ مخلوق کو خدا نے پیدا کیا تو خدا کو کس نے پیدا کیا! جب یہ کہیں تو تم کہہ دینا اللہ ایک ہے، بے نیاز ہے، نہ جنا، نہ جنا گیا، اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے پھر اپنے بائیں طرف تین بار تھنکار دے۔ اور مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے ۳۔ یہ ابوداؤد نے روایت کی ہم عمرو ابن احوص کی حدیث ان شاء اللہ تعالیٰ بقرعید کے خطبہ کے باب میں ذکر کریں گے۔

۱۔ یعنی ہر موجود کا کوئی موجد چاہیے اور اللہ بھی موجود ہے لہذا اس کا موجد بھی ہونا چاہیے۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ خیال رہے کہ شیطان عالموں کے دل میں عالمانہ وسوسے، اور صوفیوں کے دل میں عاشقانہ وسوسے، عوام کے دل میں عامیانہ وسوسے ڈالتا ہے۔ "جیسا شکار ویسا جال" بہت دفعہ انسان گناہ کو عبادت سمجھ لیتا ہے۔

۲۔ سبحان اللہ! کتنے نفیس منطقی دلائل ہیں اولاد کے لیے سشرطیں: ہیں ایک یہ کہ صاحب اولاد میں دوئی ہو سکے۔ کیونکہ اولاد باپ کے ساتھ جستا ایک، اور شخصاً دوسری ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ جنسیت اور شخصیت وغیرہ سے پاک ہے احد میں ادھر اشارہ ہے۔ دوسرے صاحب اولاد اولاد کا حاجت مند ہوتا ہے، اپنی وراثت یا زور بازو کے لیے اولاد چاہتا ہے۔ پروردگار بے نیاز، سے صمد ہیں یہ فرمایا گیا۔ تیسرے یہ کہ ہر ممکن موجود موجد کا حاجت مند ہے پروردگار واجب ہے، نیز بیٹا باپ کی مثل ہونا چاہیے رب کی مثل کوئی نہیں۔ "کم یلد" الخ میں اس طرف اشارہ ہے۔

۳۔ یہ تھوک شیطان کے منہ پر پڑے گا جس سے وہ ذلیل ہو کر بھاگے گا کیونکہ شیطان اکثر بائیں طرف سے آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبھی تھوک سے بھی شیطان بھاگتا ہے۔ بعض صوفیاء دم کر کے تھنکار بھی دیتے ہیں، انکی دلیل یہ حدیث ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگ پوچھتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ یہ کہہ بیٹھیں گے کہ اللہ نے ہر چیز پیدا کی تو اللہ کو کس

نے پیدا کیا یہ بخاری کی روایت ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے فرمایا کہ یقیناً تمہاری امت ا کہتی رہے گی یہ کیسا یہ کیسا ۲ یہاں تک کہ یہ کہہ دیں گے کہ اللہ نے مخلوق پیدا کی اللہ کو کس نے پیدا کیا

۱ یعنی امت دعوت دہریے کفار وغیرہ نہ کہ امت اجابت مؤمنین۔ یا کہنے سے مراد دلی وسوسہ ہے، تو امت اجابت بھی داخل ہے۔  
۲ یعنی ہر حکم کی وجہ، ہر چیز کی کُنہہ پوچھیں گے۔ قبیل قال زیادہ حال سے خالی۔ خیال رہے کہ ہمارے پاس "کیوں" ہے ان کے پاس کیا تھا۔

روایت ہے حضرت عثمان ابن ابی العاص نے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ شیطان مجھ میں اور میری نماز اور تلاوت میں حائل ہو گیا نماز مشتبہ کر دی ۲ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شیطان کو خنزب کہا جاتا ہے ۳ جب کبھی تم اسے محسوس کرو تو اس سے اللہ کی پناہ مانگو اور بائیں طرف تین بار دھتکار دو ۴ میں نے یہ ہی کیا تو اللہ نے اسے دفع فرمادیا ۵ (مسلم)

۱ آپ قبیلہ بنی ثقیف کے ہیں، آپ کی والدہ حضور کی پیدائش کے وقت آمنہ خاتون کے پاس تھیں، حضور نے آپ کو طائف کا حاکم بنایا۔ چنانچہ آپ عہد فاروقی تک وہیں کے حاکم رہے، پھر حضرت فاروق اعظم نے اپنی خلافت کے تیسرے سال وہاں کی حکومت معزول کر کے عمان اور بحرین کا حاکم بنایا، ۱۰ھ ہجری میں جب وفد بنی ثقیف حضور کی خدمت میں ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا تو اس میں آپ بھی تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۹ سال تھی، آخری عمر میں بصرہ قیام گاہ رہا، ۵۱ھ میں وہیں وفات پائی۔ ۷۰ سال عمر شریف ہوئی، حضور کی وفات کے بعد جب بنی ثقیف مرتد ہونے لگے تو آپ نے فرمایا: اے قوم! تم آخری مؤمنین ہو، اب اولین مرتدین کیوں بنتے ہو؟

۲ اس طرح کہ نہ مجھے پڑھی ہوئی رکعتیں یاد رہیں اور نہ یہ کہ رکعت اول میں کیا پڑھا تھا۔ معلوم ہوا کہ نماز میں وسوسے بزرگوں کو بھی ہو جاتے ہیں۔

۳ خنزب خ کے کسرہ یا فتح سے اور ز کے فتح سے بمعنی سڑا ہوا گوشت یا دائمی جرم۔ (قاموس) یہ شیطان کی اس ذریت کا نام ہے جو نمازیوں پر نماز مشتبہ کرتی ہے۔

۴ نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ سے قبل تجربہ ہے کہ جو تحریمہ سے پہلے اس طرح تھتکار کر لاجول شریف پڑھ لے پھر تحریمہ کرے دوران نماز میں نگاہ کی حفاظت کرے کہ قیام میں سجدہ گاہ، رکوع میں پشت قدم، سجدہ میں ناک کے بانسے، جلسہ اور قعدہ میں گود میں رکھے تو ان شاء اللہ نماز میں حضور نصیب ہوگا۔

۵ یعنی یہ حدیث میری مجرب بھی ہے، محدثین کے نزدیک تجربہ کی تائید سے حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ دیکھو ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم۔

روایت ہے حضرت قاسم ابن محمد سے کہ ان سے کسی شخص نے پوچھا (عرض کیا) میں اپنی نماز میں وہم کیا کرتا ہوں اور یہ واردات مجھ پر بہت ہوتی رہتی ہے فرمایا اپنی نماز پڑھ کر رو کیونکہ یہ وہم تو جائے گا نہیں حتیٰ کہ تم یہ کہتے ہوئے نماز ختم کرو گے کہ میری نماز مکمل نہ ہوئی ۲ (مالک)

۱۔ آپ حضرت ابو بکر صدیق کے پوتے ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں، مدینہ منورہ کے سات قاریوں میں سے ایک ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی پھوپھی ہیں، زین العابدین آپ کے خالہ زاد بھائی اور امام محمد باقر کے آپ خُسر، امام جعفر صادق کے آپ نانا ہیں، چونکہ آپ یتیم رہ گئے تھے اس لیے عائشہ صدیقہ نے آپ کی پرورش کی، آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ و امیر معاویہ سے روایتیں کیں اور آپ سے ایک غلق خدا نے، ۸۰ سال عمر پائی، ۳۲ھ میں وفات ہوئی۔ (اشعۃ و مرآة)

۲۔ سبحان اللہ! کیا عجیب تعلیم ہے یعنی ان خطرات کی وجہ سے ہر نماز چھوڑو نہ لو ناؤ یہ آتے ہی رہیں گے جب نفس شیطان اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تو تم نماز کیوں چھوڑتے ہو، مکھیوں کی وجہ سے کھانا نہیں چھوڑا جاتا، تم اللہ کے بندے ہو، دل کے بندے نہیں، دل لگے یا نہ لگے نماز پڑھے جاؤ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز مکمل نہ ہونے کا وہم کافی نہیں، ان وہمیت کا خیال نہ کرے، نماز پڑھے جائے۔

## باب الایمان بالقدر

### تقدیر پر ایمان لانے کا باب

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ عام کے بعد خاص کا ذکر ہے، ایمان میں اگرچہ تقدیر بھی آگئی تھی لیکن چونکہ مسئلہ تقدیر بہت نازک ہے اور اس میں جبر یہ اور قدریہ کے بہت اختلافات رہے ہیں اور یہ مسئلہ عوام کی عقل سے ورا ہے اسی لئے اس کا علیحدہ باب باندھا گیا۔ تقدیر کے لغوی معنی اندازہ لگانا ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ" کبھی بمعنی قضاء اور فیصلہ بھی آتی ہے۔ اصطلاح میں اس اندازے اور فیصلہ کا نام تقدیر ہے جو رب کی طرف سے اپنی مخلوق کے متعلق تحریر میں آچکا۔ تقدیر تین قسم کی ہے: (۱) مبرم، (۲) مشابہ مبرم، (۳) معلق۔ پہلی قسم میں تبدیلی ناممکن ہے، دوسری خاص محبوبوں کی دعا سے بدل جاتی ہے اور تیسری عام دعاؤں اور نیک اعمال سے بدلتی رہتی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: "يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ" ابراہیم علیہ السلام کو قوم لوط کیلئے دعا کرنے سے روک دیا گیا کیونکہ ان پر دنیوی عذاب کا فیصلہ مبرم ہو چکا تھا۔ آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ کے سو سال ہو گئی، وہ قضاء مبرم تھی یہ معلق۔ خیال رہے کہ تقدیر کی وجہ سے انسان پتھر کی طرح مجبور نہ ہو گیا ورنہ قاتل پھانسی نہ پاتا اور چور کے ہاتھ نہ کٹتے کیونکہ رب تعالیٰ کے علم میں یہ آچکا کہ فلاں اپنے اختیار سے یہ

حکمت کرے گا، دعائیں، دوائیں، ہماری تدبیریں اور اختیارات سب تقدیر میں داخل ہیں۔ اس کی پوری تحقیق ہماری "تفسیر نعیمی" پارہ سوم میں دیکھو۔

روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے مخلوق کی تقدیریں آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے لکھیں۔ فرماتے ہیں کہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ (مسلم)

۱۔ یعنی قلم نے لوح محفوظ پر بحکم الہی واقعات عالم ازلی سے ابد تک ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ لکھ دیا۔ خیال رہے کہ یہ تحریر اس لئے نہ تھی کہ رب کو بھول جانے کا خطرہ تھا بلکہ اس کا منشاء فرشتوں اور بعض محبوب انسانوں کو اس پر مطلع کرنا تھا۔ (ازمرقاة) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے سارے واقعات عالم پر خبر رکھتے ہیں ورنہ یہ تحریر بے کار جاتی، لوح محفوظ کو قرآن کریم نے کتاب مبین فرمایا یعنی ظاہر کرنے والی کتاب، اگر لوح محفوظ سب کی نگاہوں سے چھپی ہوتی تو مبین نہ ہوتی۔

۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی آسمان و زمین وغیرہ سے پہلے پیدا ہوا عرش کے پانی پر ہونے کا۔۔۔ یہ مطلب ہے کہ ان دونوں کے بیچ میں کوئی آڑ نہ تھی نہ یہ کہ پانی پر رکھا ہوا تھا۔ ورنہ عرش تمام اجسام سے بہت بڑا ہے۔ (اشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز اندازے سے ہے یہاں تک کہ عاجزی اور عقلمندی۔ (مسلم)

۱۔ اس حدیث کی تفسیر وہ آیت ہے "كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ" یعنی انسان کا بس اور بے بسی علم و جہالت سب پہلے مقرر ہو چکے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم و موسیٰ نے اپنے رب کے نزدیک۔ مناظرہ کیا تو آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب رہے حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ آپ وہ آدم ہیں جنہیں اللہ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی۔ اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا۔ آپ کو جنت میں رکھا۔ پھر آپ نے اپنی لغزش کی وجہ سے لوگوں کو نیچے اتار دیا۔ حضرت آدم نے فرمایا کہ آپ ہی وہ موسیٰ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی پیغمبری اور ہمکلامی کے لئے چنا۔ اور آپ کو تختیاں بخشیں جن میں ہر چیز کا کھلا بیان ہے۔ اور ایک کو خصوصی ہمکلامی سے قرب بخشا فرمائیے کہ آپ نے میری پیدائش سے کتنے پہلے توہیرت کو

پایا کہ رب نے لکھ دیا تھا ۱۱ حضرت موسیٰ نے فرمایا چالیس سال پہلے و حضرت آدم نے فرمایا تو کیا آپ نے توریت میں یہ بھی دیکھا ۱۰ کہ آدم نے اپنے رب کی فرمانبرداری سے لغزش کی تو کامیاب نہ ہوئے فرمایا ہاں آپ نے فرمایا کیا آپ اس لغزش پر ملامت کرتے ہیں ۱۱ جس کا کر لینا میرے مقدر میں میری پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھا جا چکا تھا ۱۲ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت آدم موسیٰ علیہ السلام پر غالب رہے ۱۳ (مسلم)

۱ یا تو عالم ارواح میں، یا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں آدم علیہ السلام کو زندہ فرما کر اور ان سے ملاقات کرا کے، یا اس طرح کہ حضائر قدس میں ان کی ملاقات ہوئی۔ مرقات میں ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں۔ دیکھو ہمارے حضور نے معراج میں تمام نبیوں سے ملاقات کی اور انہیں نماز پڑھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی نگاہ عالم ارواح پر بھی ہے کہ وہاں کے حالات ملاحظہ فرماتے اور لوگوں کو سناتے ہیں کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ حضور یہ دیکھا ہوا واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔

۲ یعنی آپ کا جسم شریف بلا واسطہ فرشتہ اور بغیر توسل ماں باپ دستِ قدرت سے بنایا اور اپنے تمام کمالات کا مظہر کیا اور اپنی پیدائش کی ہوئی روح آپ کے جسم میں جاری فرمائی۔ یہاں اضافت شرافت کی ہے ورنہ خدائے تعالیٰ خود روح سے پاک ہے، حقیقتِ روح رب ہی جانے مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ پھونکنے کے قابل چیز ہے کیونکہ ہر جگہ اس کے لیے پھونکنے کا لفظ ہی آتا ہے۔ اولیاء اللہ کا جھاڑ پھونک ان جیسی احادیث اور آیات سے ماخوذ ہے۔

۳ سارے فرشتوں سے مقررین ہوں، یا مدبراتِ امر، زمین کے ہوں یا آسمان کے، تعظیسی سجدہ زمین پر پیشانی رکھ کر نہ فقط رکوع اور نہ صرف جھکنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "فَقَعُوا لَهُ سَجْدًا" یہ سجدہ عبادت نہ تھا کہ خدا کو ہوتا اور آدم علیہ السلام قبلہ ہوتے جیسا کہ لک کے لام سے معلوم ہوا، ورنہ شیطان کبھی اس سے انکار نہ کرتا۔

۴ عارضی طور پر تربیت دینے کے لئے تاکہ زمین کو اس طرح آباد کریں ورنہ آپ کی پیدائش زمین کی خلافت کے لیے تھی اس کی تحقیق ہماری تفسیر نعیمی میں دیکھو۔

۵ یعنی خطا اجتہادی اور بھول سے گندم کھالیا جس کی وجہ سے آپ زمین پر تشریف لائے۔ اور نسل یہاں چلی، اگر آپ وہیں رہتے تو ہم سب وہیں پیدا ہوتے۔

لطیفہ: ایک گستاخ نے کسی عالم سے کہا کہ دادا کا گناہ ہم بھگت رہے ہیں، گندم انہوں نے کھایا سزا ہمیں ملی، وہ ہمیں نیچے اتار لائے، عالم نے کہا غلط، بلکہ تجھ جیسے مردودوں نے انہیں نیچے اتارا، رب جانتا تھا کہ ان کی پشت میں تجھ جیسے بے ایمان بھی ہیں حکم دیا کہ اسے آدم ان خبیثوں کو زمین پر پھینک آؤ، پھر واپس آجانا۔ موسیٰ علیہ السلام کی یہ عرض و معروض گستاخی کے طور پر نہیں، انبیاءِ جد امجد کی گستاخی سے معصوم ہیں۔

۶ زمین پر رہ کر بلا واسطہ فرشتہ رب تعالیٰ سے کلام کرنا موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے، اسی لیے آپ کا لقب کلیم اللہ ہے، لامکان میں پہنچ کر رب کا دیدار اور اس سے کلام ہمارے حضور کی خصوصیت ہے کیونکہ آپ حبیب اللہ ہیں۔



یعنی توریت شریف جو زرجد کی تختیوں پر لکھی ہوئی عطا فرمائی گئی اس میں احکام شرعیہ اور سارے علوم غیبیہ کا کھلا بیان تھا۔ خیال رہے کہ بوقت عطا توریت میں ہدایت بھی تھی اور ہر چیز کا بیان بھی مگر جب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قوم کی پچھڑا پرستی پر غصہ کی وجہ سے زمیں پر گر گئیں۔ تو ہدایت و رحمت تو رہ گئی "تَبَيَّنَ كُلُّ شَيْءٍ" اس میں سے اٹھالی گئی، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَامَ وَفِي نُسُخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ"۔ دیکھو یہاں تبیان کا ذکر نہیں۔ خلاصہ یہ کہ توریت میں سارے علوم غیبیہ تھے مگر باقی نہ رہے لیکن قرآن شریف میں سارے علوم غیبیہ تھے بھی اور باقی بھی رہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ" لہذا موسیٰ علیہ السلام کا علم ہمارے حضور کے برابر نہیں ہو سکتا۔

۸ یعنی آپ کو تو خبر ہے کہ میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے توریت شریف لوح محفوظ میں، یا فرشتوں کے صحائف میں، یا ان تختیوں میں لکھی جا چکی تھی۔ تیسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ اس عالم کی پیدائش سے پہلے واقعات کو بھی دیکھتی ہے کہ جو واقعہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہو چکا تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی نگاہ میں ہے جیسا کہ وَجَدتَّ سے معلوم ہوتا ہے۔

۹ اگر تختیوں میں لکھنا مراد ہے تو سال سے اس دنیا کے سال مراد ہوں گے، اور اگر لوح محفوظ میں لکھنا مراد ہے تو رب تعالیٰ کے سال مراد ہوں گے جو ایک سال یہاں کے ہزار سال سے بھی زیادہ ہے، لہذا یہ حدیث پچھلی حدیث کے خلاف نہیں کہ لوح محفوظ کی تحریر آسمان زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے ہوئی (ازاشعہ و مرثاقہ)۔ خیال رہے کہ توریت کلام الہی قدیم ہے اس کے نقوش کا لکھنا حادث اسی کا یہاں ذکر ہے۔

۱۰ یعنی غلط فہمی سے جس مقصد کے لیے گندم کھایا تھا انہیں وہ حاصل نہ ہوا ہمیشگی اور موت سے بچ کر جانا۔ خیال رہے کہ انبیاء کرام نبوت سے پہلے اور بعد گناہ صغیرہ اور کبیرہ سب سے معصوم ہیں۔ (مرثاقہ) ہاں خطا لغزش اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے اور عتاب الہی جو ان کی لغزشوں پر آتا ہے اس میں ہزار ہا حکمتیں ہوتی ہیں لہذا "عصی" اور "غوی" کے وہی معنے ہیں جو فقیر نے عرض کیے۔

۱۱ یعنی ملامت کے انداز میں گفتگو کر رہے ہو ورنہ موسیٰ علیہ السلام آپ کو نہ ملامت کر سکتے تھے نہ کی۔ بیٹے کو باپ پر خصوصاً بنی باپ پر شاگرد کو استاد پر ملامت کرنے کا حق نہیں۔

۱۲ اور رب تعالیٰ نے بھی اس کی معافی کا اعلان فرمادیا۔ خیال رہے کہ یہاں موسیٰ علیہ السلام کی نظر ظاہر پر تھی اور آدم علیہ السلام کا جواب حقیقت پر مبنی ہے آج ہم جیسے گنہگار تقدیر کی آڑ لے کر اپنے گناہوں سے بری نہیں ہو سکتے، یعنی اے موسیٰ! میری یہ خطا اور جنت سے زمین پر آنا، یہاں یہ باغ و بہار لگانا سب رب تعالیٰ کے ارادہ اور اسکی مرضی سے تھا جس میں ہزاروں اسرار تھے تم صاحب اسرار ہو کر مجھ سے یہ سوال کیوں کرتے ہو؟۔

۱۳ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال شریعت پر اور حضرت آدم کا جواب حقیقت پر مبنی ہے حقیقت غالب رہتی ہے، حقیقت والے خضر علیہ السلام نے بچے کو بلا گناہ قتل کر دیا اور ان پر کوئی فتویٰ جاری نہ ہوا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ بچے  
مصدق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ تم میں سے ہر

ایک کا مادہ پیدائش ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ رہتا ہے پھر اسی قدر خون کی پھٹک پھر اسی قدر لوتھرا ۲ پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ چار باتیں بتا کر بھیجتا ہے ۳ تو وہ فرشتہ اس کے کام اس کی موت اس کا رزق اور بد بخت ہے نیک بخت ہے سب کچھ لکھ لیتا ہے ۴ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے تو اس کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں بعض جنتیوں کے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں صرف ایک ہاتھ فاصلہ رہ جاتا ہے ۵ کہ اچانک نوشتہ تقدیر اس کے سامنے آتا ہے اور دوزخیوں کے کام کر لیتا ہے ۶ پھر وہاں ہی پہنچتا ہے اور تم میں بعض دوزخیوں کے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ اس میں اور دوزخ میں صرف ایک ہاتھ رہ جاتا ہے کہ اس کا نوشتہ سامنے آتا ہے اور جنتیوں کے کام کرتا ہے پھر اس میں داخل ہو جاتا ہے ۷ (مسلم، بخاری)

۱۔ صادق وہ جس کے سارے اقوال سچے ہوں، مصدوق وہ جس کے سارے اعمال سچے ہوں یا صادق وہ جو ہوش سنبھال کر سچ بولے، اور مصدوق وہ جو پہلے ہی سے سچا ہو، یا صادق وہ جو واقع کے مطابق خبر دے اور مصدوق وہ کہ جو وہ اپنی زبان مبارک سے کہہ دے واقعہ اُس کے مطابق ہو جائے حضور میں یہ سارے اوصاف جمع ہیں۔

۲۔ یعنی ماں کے رحم میں منی چالیس دن تک اسی حالت میں سفید رنگ کی رہتی ہے، پھر سرخ رنگ کا خون بن جاتی ہے، پھر چالیس روز کے بعد جم کر گوشت۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں: چونکہ آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال اور موسیٰ علیہ السلام کا قیام طور پر چالیس دن رہا، اس لیے نطفہ پر ہر چلہ کے بعد انقلاب آتا ہے، پھر بعد پیدائش نفاس کی مدت چالیس دن ہے، کمال عقل چالیس سال میں ہوتا ہے۔ یہ حدیث صوفیاء کے چلوں کی دلیل ہے۔ اہل سنت میت کا چالیسواں اسی بنا پر کرتے ہیں کہ چالیس میں انقلاب ہے۔ ۳۔ یعنی کاتب تقدیر فرشتہ جو رحموں پر معین ہے ایک ہی فرشتہ جو سارے عالم کی حاملہ عورتوں کا نگران ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ حاضر و ناظر ہے۔

۴۔ کہ یہ کیا کرے گا، کب اور کہاں مرے گا، کیا کیا کھائے گا اور کیا پیئے گا، اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا، یا ایمان پر۔ خیال رہے کہ یہ چیزیں وہ علوم خمسہ ہیں جس کے بارے میں فرمایا گیا "وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ" یہ فرشتہ بتعلیم الہی سارے انسانوں کی یہ ساری چیزیں جانتا ہے۔ مراقبہ میں ہے کہ یہ باتیں ایک تختی پر لکھ کر بچے کے گلے میں ڈال دیتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَبْرِهٖ فِي غُنْفِهِ" غور کرو جب اُس فرشتے کا اس قدر علم ہے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اعلم الخلق ہیں ان کا علم تو ہمارے خیالات سے ورا ہے اور یہ تختی پر لکھنا اور گلے میں ڈالنا اسی لیے ہے کہ حقیقت میں نگاہیں اسے پڑھ سکیں۔ خیال رہے کہ تحریر

لوح محفوظ میں بھی ہوتی ہے اور شب قدر میں فرشتوں کے صحائف میں بھی ہے اور بچے کی پیشانی یا گلے کی تختی یا ہاتھ میں بھی ہے مگر یہ تحریر مختلف ہیں۔

۵ یعنی صرف موت کا کہ مرے اور وہاں پہنچ جائے ایک ہاتھ تشبیہ کے لیے فرمایا۔

۱ یعنی کافر بن جاتا ہے اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ رب بد عملی کے بغیر کسی کو دوزخ میں نہیں بھیجتا لہذا ظاہر یہ ہے کہ کفار کے بچے جہنمی نہیں۔ واللہ اعلم!

۷ یعنی ایمان لا کر متقی بن کے مرتا ہے لہذا کوئی بدکار رب تعالیٰ سے مایوس نہ ہو اور کوئی نیک کار اپنے تقویٰ پر فخر نہ کرے، اللہ تعالیٰ حسن خاتمہ نصیب کرے۔ خیال رہے کہ جنت کسبنا، عطاء اور وہبنا ملے گی یہاں کسی جنت کا ذکر ہے ورنہ مسلمان کے بچے جنتی ہیں، رب فرماتا ہے: "الْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ"۔

روایت ہے سہل ابن سعد سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بعض بندے کر توت تو دوزخیوں کے سے کرتے ہیں لیکن ہوتے ہیں جنتی اور بعض عمل تو جنتیوں کے سے کرتے ہیں لیکن ہوتے ہیں دوزخی اعمال کا اعتبار صرف انجام سے ہے ۲ (مسلم، بخاری)

۱ آپ ساعدی ہیں، انصاری ہیں، آپ کا نام پہلے حزن تھا، حضور نے سہل رکھا، کنیت ابو العباس یا ابو یحییٰ ہے، خود بھی صحابی اور والد ماجد بھی صحابی ہیں، حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی، ۹۱ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، مدینہ طیبہ میں سب سے آخری صحابی آپ ہی ہیں کہ ان کی وفات سے مدینہ طیبہ صحابہ سے خالی ہو گیا۔

۲ یعنی مرتے وقت جیسا کام ہوگا ویسا ہی انجام ہوگا لہذا چاہیے کہ بندہ ہر وقت ہی نیک کام کرے کہ شاید وہی اس کا آخری وقت ہو۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ۱ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک انصاری بچے کے جنازے کی دعوت دی گئی میں نے عرض کیا اسے خوشخبری ہو کہ وہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے ۲ جس نے نہ تو گناہ کیا نہ گناہ کا وقت پایا فرمایا اسے عائشہ اس کے سوا بھی ہو سکتا ہے ۳ اللہ نے کچھ جنت والے پیدا کیئے ہیں جنہیں ان کے باپ کی پٹھوں میں جنت کے لیے بنایا کچھ آگ والے پیدا کیئے جنہیں ان کے باپ کی پٹھوں میں دوزخ کے لیے بنایا ۴ (مسلم)

۱۔ اُمُّ الْمُؤْمِنِينَ ہیں، ابو بکر صدیق کی صاحبزادی، آپ کی والدہ اُمّ رومان بنت عامر ابن عویمر ہیں، نبوت کے دسویں سال شوال کے مہینہ میں ہجرت سے تین سال قبل حضور کی زوجیت میں آئیں، سات برس کی عمر میں ہجرت سے ۱۸ ماہ کے بعد شوال کے مہینہ میں نو سال کی عمر میں رخصت ہوئیں، نو سال تک حضور کے ساتھ رہیں، حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی۔ حضور نے آپ کے سوا کسی کواری بیوی سے نکاح نہیں فرمایا، آپ فقیہہ، فصیحہ، حدیث کی حافظہ، قرآن کی بہترین مفسرہ تھیں۔ حضور نے آپ کے سینہ پر وفات پائی اور آپ کے حجرہ میں دفن ہوئے، جب آپ کو تہمت لگائی گئی تو آپ کی بریت میں ۱۹ آیات اتریں شعر یعنی:

ہے سورۃ نور جن کی گواہ اُن کی پُر نور صورت پہ لاکھوں سلام

آپ سے ۱۲۱۰ احادیث مروی ہیں، آپ نے ۱۷ رمضان منگل کی شب ۵۷ ہجری میں ۵۳ سال کی عمر پا کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت میں وفات پائی۔ حضرت ابو ہریرہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، جنت البقیع میں دفن ہیں۔ فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔

۲۔ کہ جہاں چاہے وہاں کے باغات میں سیر کرے شہداء کی طرح۔

۳۔ یعنی اس کی جنتی ہونے کا یقین نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ کسی اور چیز کے لیے پیدا کیا گیا ہو۔ خیال رہے کہ یہ حدیث اس آیت سے منسوخ ہے۔ "الْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمُ" الایہ۔ مسلمانوں کے بچے اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی رہیں گے کفار کے بچوں میں اختلاف ہے اس کی تحقیق کے لیے ہمارا حاشیۃ القرآن دیکھو۔

۴۔ یعنی جو جہاں کے لیے بنایا گیا ہے وہیں پہنچے گا عمل کرے یا نہ کرے اس کے متعلق ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ بغیر عمل جنت عطائی یا وہی طریقہ سے بھی مل جائے گی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ بعید ہے کہ بغیر گناہ کسی کو جہنم میں بھیجے۔ فرماتا ہے: "وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" ابن حجر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے بچوں کے جنتی ہونے پر اجماع ہے اور کفار کے بچوں کا جنتی ہونا قول جمہور ہے۔ اور یہ حدیث منسوخ ہے۔

روایت ہے حضرت علیؑ سے فرماتے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں ایسا کوئی نہیں جس کا ایک ٹھکانہ دوزخ میں ۲ اور ایک ٹھکانہ جنت میں نہ لکھا جا چکا ہو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنی تحریر پر بھروسہ کیوں نہ کر لیں اور عمل چھوڑ دیں فرمایا عمل کیے جاؤ ہر ایک کو وہی اعمال آسان ہوں گے جس کے لیے پیدا ہو ۴۔ اگر خوش نصیبوں سے ہے تو اسے خوش نصیبی کے اعمال آسان ہوں گے اور اگر بد نصیبوں سے ہے تو اسے بد نصیبی کے اعمال میسر ہوں گے ۵۔ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی لیکن جو خیرات کرے اور پرہیزگار اور ایماندار ہو الایہ ۶۔

(مسلم، بخاری)

۱۔ آپ کا نام شریف علی ابن ابی طالب، کنیت ابوالحسن اور ابو تراب، لقب حیدر کرار ہے، قرشی ہیں، ہاشمی ہیں، مطلبی ہیں، اسلام کے خلیفہ چہارم ہیں اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے کہ آٹھ یا دس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ حضور کے ساتھ سوا غزوہ تبوک کے باقی تمام غزوں میں شریک رہے، آپ کے فضائل حدو شمار سے زیادہ ہیں، آپ ہی نسل جناب مصطفیٰ کی اصل ہیں، انھی الرسول، زوج بتول ہیں، یعنی آپ کا ایک ہاتھ چار یار میں ہے، دوسرا پختن پاک میں شاہ خیر شکن ہیں شعر۔

شیر شمشیر زن شاہ خیر شکن  
پر تو دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

آپ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ یعنی عین شہادت عثمان کے دن خلیفہ ہوئے، چار سال نو مہینہ خلافت کی اور ۶۳ سال کی عمر پا کر ۱۷ رمضان ۴۰ھ جمعہ کے دن کوفہ کی جامع مسجد میں شہید کیئے گئے۔ عبدالرحمن ابن طلحہ مرادی نے ایک عورت نظام کے عشق میں مبتلا ہو کر اسی کے کہنے پر شہید کیا۔ شہادت سے تیسرے دن وفات پائی، امام حسن و حسین و عبداللہ ابن جعفر نے آپ کو غسل دیا، امام حسن نے نماز پڑھائی، کوفہ کے قبرستان نجف میں دفن ہوئے، قبر انور زیارت گاہ خلق ہے فقیر نے بھی زیارت کی ہے۔ آپ کی نو بیویاں ہوئیں: (۱) فاطمہ زہرا، (۲) ام بنین، (۳) لیلیٰ بنت مسعود، (۴) اسماء بنت عمیس، (۵) امامہ بنت ابی العاص، (۶) خولہ بنت جعفر، (۷) صہبا بنت ربیعہ، (۸) ام سعید بنت عروہ، (۹) محیاء بنت امرؤ القیس ان بیویوں سے ۱۲ بیٹے اور نو لڑکیاں ہوئیں۔ جن میں سے حسن، حسین، زینب، ام کلثوم حضرت فاطمہ زہرا سے ہیں۔

۲۔ یہاں "و" بمعنی "او" ہے یعنی لوح محفوظ میں ہر شخص کے متعلق پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ جنتی ہی، یا دوزخی، جنتی ہے تو کسی درجہ کا، اور دوزخی ہے تو کسی طبقہ کا، یہاں یہی مراد ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے واضح ہے۔

۳۔ کیونکہ ہوگا وہی جو لکھا جا چکا عمل خواہ کیسے ہی کرے فیصلہ الہی نہیں بدلتا۔

۴۔ یعنی دنیا میں اعمال عموماً انجام کی علامتیں ہیں۔ جنتی کو نیکیاں آسان اور گناہ بھاری معلوم ہوتے ہیں۔ دوزخی کو اس کا اُلٹا، مگر یہ قاعدہ اکثر یہ ہے کلیہ نہیں، کبھی عمر بھر کا مجرم جنتی ہو کر مرتا ہے اور کبھی اس کے برعکس بھی لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث سہل ابن سعد کے خلاف نہیں۔

۵۔ یعنی لوح محفوظ میں کام اور انجام دونوں لکھے جا چکے ہیں کہ فلاں نیکیاں کرے گا اور جنت میں جائے گا اور فلاں کفر وغیرہ کرے گا لہذا جہنمی ہوگا۔ بندوں پر رب تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے، نیز کوئی شخص دوزخی اور جنتی ہونے پر مجبور نہیں۔

۶۔ یہ آیت اگرچہ ابو بکر صدیق کے ایمان اور سخاوت کے متعلق نازل ہوئی لیکن چونکہ عبارت عام ہے اس لئے ہر جگہ منطبق ہو سکتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی پر اس کا زنا کا حصہ لکھا ہے۔ جسے وہ یقیناً پائے گا لہذا آنکھ کا زنا نظر بد ہے ۲ اور زبان کا زنا گفتگو ۳ ہے دل تمنا اور خواہش کرتا ہے شرمگاہ اس خواہش کو سچا جھوٹا کر دیتی ہے۔ (مسلم، بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اولاد

آدم پر زنا کا حصہ لکھا جاچکا ہے جسے وہ یقیناً پائے گا  
آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا اور زبان کا  
زنا گفتگو ہے، ہاتھ کا زنا چھونا، پکڑنا، پاؤں کا زنا قدم سے  
چلنا دل چاہتا ہے اور تمنا کرتا ہے شرمگاہ اسے سچا جھوٹا  
کردیتی ہے ۱

۱۔ یہاں ہر آدمی سے عام انسان مراد ہے جس سے بچپن میں فوت ہو جانے والے بچے، خاص اولیاء سارے انبیائے کرام خصوصاً یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام علیحدہ ہیں، جو حضرات انبیاء کو اس میں داخل مانے وہ بے دین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عموماً انسان زنا یا مقدماتِ زنا میں پھنستے ہیں۔ رب تعالیٰ کا فضل ہے کہ اعضاء کی غیر اختیاری حرکتوں اور گندے خیالات پر پکڑ نہیں فرماتا۔ حضرت شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ زنا کے حصے سے مراد اسبابِ زنا ہیں اس طرح کہ انسان میں شہوت اور عورتوں کی طرف میلان قدرتی طور پر پیدا کیا گیا ہے مگر جسے اللہ چاہے اس سے بچائے۔ خیال رہے کہ یوسف علیہ السلام کے قلب پاک میں اس خاص موقعہ پر زینجا کی طرف میلان بھی نہ پیدا ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَهُمْ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ" یعنی وہ بھی مائل ہو جاتے اگر رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔

۲۔ غیر عورتوں پر شہوت سے۔ خیال رہے کہ اچانک نگاہ معاف ہے عمداً دیکھنے پر پکڑ ہے، یہاں دوسری نظر مراد ہے۔  
۳۔ اجنبی عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف زبان کا زنا ہے، اسے شوق سے سننا لذت کے لیے کان کا زنا ہے، بعض عورتیں اپنے خاوندوں سے دوسری عورتوں کا حسن بیان کرتی ہیں یہ سخت جرم ہے۔  
۴۔ کان لگا کر توجہ سے اسی لیے یہاں "استماع" باب "افتعال" سے فرمایا گیا۔

۵۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک زنا بہت سے چھوٹے چھوٹے زناؤں کا مجموعہ ہے۔ ہر عضو کا زنا علیحدہ ہے، زانی بوقتِ زنا آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، شرمگاہ سب ہی کا زنا کرتا ہے اسی لیے سنگسار کیا جاتا ہے، صرف خصی نہیں کیا جاتا۔  
۶۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ مقدماتِ زنا سے بھی بچے، سینما، مروجہ ریڈیو پر فلمی گیتوں کی نشر و اشاعت کا انجام دیکھا جا رہا ہے۔ مرقاٹ میں ہے کہ اجنبیہ عورتوں کو ناجائز خطوط لکھنا یا پہنچانا ادھر کنکر پھینکنا اشارے کرنا سب ہاتھ کے زنا ہیں۔

روایت ہے حضرت عمر ان ابن حصین سے کہ مزینہ کے دو شخصوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ فرمائیے تو کہ جو کچھ لوگ آج عمل کر رہے ہیں اور جن میں مشغول ہیں کیا یہ ایسی چیز ہے جس کا ان پر فیصلہ ہو چکا ہے اور جس چیز کی تقدیر ان میں گزر چکی ہے یا اس میں ہے جسے آئندہ کریں گے جو ان کے پاس پیغمبر لائے جو دلیل ان پر قائم ہو چکی ۲ حضور نے فرمایا نہیں بلکہ عمل وہ چیز ہے جس کا ان پر فیصلہ ہو چکا اور تقدیر گزر چکی ۳ اس کی

تائید اللہ کی کتاب میں بھی موجود ہے۔ قسم جان کی اور اس کے درست فرمانے کی اور اس کی کہ اس کے دل میں ڈال دی بدکاری و پرہیزگاری ۳ (مسلم)

۱۔ آپ کی کنیت ابو نجید ہے، خزاعی ہیں، کعبی ہیں، خیبر کے سال حضرت ابوہریرہ کے ساتھ ایمان لائے، بصرہ میں قیام رہا، ۵۲ھ میں وہیں انتقال ہوا، جلیل القدر صحابی ہیں، آپ ۳۰ سال بیمار رہے، اس زمانے میں آپ کو فرشتے سلام کرنے آتے تھے۔ (مرقات واشعہ) ۲۔ خلاصہ سوال یہ ہے کہ آیا تحریر پہلے ہے اور تقصیر بعد میں یا اس کا عکس کہ پہلے ہم خود کام کر لیتے ہیں پھر آئندہ لکھا جاتا ہے، تحریر سے مراد تحریر تقدیر ہے نہ کہ نامہ اعمال کی تحریر، کہ یہ لکھائی تو یقیناً عمل کر لینے کے بعد ہی ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ قدریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ قضا و قدر کچھ چیز نہیں، نہ پہلے کچھ لکھا گیا ہے۔ ہم مستقلاً قادر مطلق ہو کر اعمال کرتے ہیں پھر ان کی تحریر ہوتی ہے یہ سخت بے دینی ہے۔

۳۔ یعنی ہمارے اعمال اس تحریر و تقدیر کے بعد اس کے مطابق ہیں اس کا عکس نہیں یہی مذہب اہلسنت ہے۔  
۴۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ یہاں "الہم" ماضی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الہام عملی سے کہیں پہلے ہو چکا ہے۔

روایت ہے ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں جوان آدمی ہوں اور اپنے نفس پر زنا سے ڈرتا ہوں اور نکاح کرنے کی قدرت نہیں پاتا۔ ہوں شاید وہ حضور سے خصی ہونے کی اجازت چاہتے تھے ۲۔ فرماتے ہیں کہ حضور خاموش رہے میں نے پھر وہی کہا آپ پھر خاموش رہے میں نے پھر وہی کہا پھر سرکار خاموش رہے ۳۔ میں نے پھر اسی طرح کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ قلم قدرت وہ چیز لکھ کر سوکھ بھی چکا جو تم پانے والے ہو خواہ اب خصی ہو یا رہنے دو ۴۔ (بخاری)

۱۔ یعنی بیوی کے نان نفقہ اور مہر پر بھی قادر نہیں ہوں چہ جائیکہ لونڈی خرید سکوں۔ مسئلہ: جو شخص حقوق زوجین ادا کرنے پر قادر نہ ہو اسے نکاح ممنوع ہے حقوق میں قوت اور قدرت مال سبھی داخل ہیں۔

۲۔ یہ کسی راوی کا قول ہے یعنی ابوہریرہ کی یہ عرض و معروض اس لیے تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خصی ہو جانے کی اجازت دے دیں تاکہ زنا کا احتمال ہی باقی نہ رہے، صحابہ کرام کا یہ انتہائی تقویٰ ہے کہ معصیت پر مصیبت کو ترجیح دیتے ہیں خصی ہو کر اپنے کو ناقص و فاسد کر لینا منظور ہے مگر فاسق بننا منظور نہیں۔

۳۔ یہ بار بار خاموشی یا تو اہتمام مسئلہ کے لیے تھی تاکہ ابوہریرہ اسی کا جواب غور سے سنیں یا انہیں سوال سے روکنے کے لیے یعنی خصی ہونا تو کیا اس کا ذکر بھی نہ کرو۔

۳ یعنی اگر تمہاری تقدیر میں زنا لکھا جا چکا ہے تو خسی ہونے کے بعد بھی کر لو گے ورنہ بغیر خسی ہوئے بھی نہ کر پاؤ گے اس کلام میں خسی ہونے کی اجازت نہیں دی جا رہی، بلکہ اچھے طریقے سے روکا جا رہا ہے کیونکہ انسان کا خسی ہونا مثلہ ہے یعنی بدن بگاڑنا اور مثلہ اسلام میں حرام ہے یعنی بے کار چیز کے لیے حرام کا ارتکاب کیوں کرتے ہو؟۔

روایت ہے عبد اللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں کے سارے دل ۱ اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں ۲ ایک دل کی طرح جیسے چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے ۳ پھر فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دل اپنی فرمانبرداری کی طرف پھیر دے ۴ (مسلم)

۱ اس میں انبیاء، و اولیاء مؤمنین، کفار سبھی داخل ہیں کوئی بھی رب کے قبضہ سے خارج نہیں چونکہ عام احکام شرعیہ کے مکلف صرف انسان ہیں اس لیے خصوصیت سے انسانوں کے دل کا ذکر ہوا، ورنہ فرشتوں اور جنات وغیرہم کے دل بھی رب کے قبضہ میں ہیں۔

۲ یہ عبارت متشابہات میں سے ہے کیونکہ رب تعالیٰ انگلیوں، ہاتھوں وغیرہ اعضاء سے پاک ہے، مقصد یہ ہے کہ تمام کے دل اللہ کے قبضہ میں ہیں کہ نہایت آسانی سے پھیر دیتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے تمہارا کام میری انگلیوں میں ہے، یا میں سوالات کا جواب چکیوں سے دے سکتا ہوں۔ متشابہات کی پوری بحث ہماری تفسیر لیبی کے تیسرے پارے میں دیکھو۔

۳ برائی یا بھلائی کی طرف کہ بندہ اپنے ارادہ سے اچھے یا بُرے کام کرنے لگتا ہے۔ لہذا بندہ مجبور نہیں کام ارادہ سے ہیں، ارادہ رب کی طرف سے، ورنہ سزا، جزا کا مستحق نہ ہوتا اور اختیاری اور غیر اختیاری افعال میں فرق نہ ہوتا، رعشہ میں ہاتھ بے اختیار ہلتا ہے اور لکھتے وقت اختیار سے، کتے کو پتھر مارو تو کتا تمہیں کاٹتا ہے نہ کہ پتھر کو، حالانکہ لگتا پتھر ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ پتھر غیر مختار ہے، مارنے والا مختار ہے، اگر ہم اپنے کو پتھر کی طرح مجبور سمجھیں تو جانور سے بڑھ کر بے وقوف ہیں، بہر حال اس حدیث سے جبر ثابت نہیں ہوتا۔

۴ یہ دعا کفار و مؤمن، نیک کارو بدکار سب ہی کے لیے ہے یعنی بدکاروں کے دل نیکی کی طرف پھیر دے اور نیک کاروں کے دل نیکی پر قائم رکھ۔ خیال رہے کہ یہ دعا درحقیقت دوسروں کے لئے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید المعصومین ہیں ان سے گناہ ناممکن ہے، ان کے لیے ہدایت رب تعالیٰ نے ایسی لازم کر دی ہے جیسے سورج کے لیے روشنی یا آگ کے لیے گرمی، اُن کی شان تو بہت بلند ہے۔ ان کے خاص غلاموں سے ہدایت اور تقویٰ لازم ہے، رب تعالیٰ صحابہ کرام کے بارے میں فرماتا ہے: " وَ

الزَّمَمُ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ " - عصمتِ انبیاء کی بحث ہماری کتاب "جاء الحق" اور عظمت صحابہ کی بحث ہماری کتاب "امیر معاویہ" میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول



اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بچہ دین فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔<sup>۱</sup> جیسے جانور بے عیب بچہ جنماتا ہے کیا تم اس میں کوئی ناک کان کٹا پاتے ہو۔ پھر فرماتے تھے کہ اللہ کی پیدائش ہے جس پر لوگوں کو پیدا فرمایا اللہ کی خلق میں تبدیلی نہیں ہے۔ یہ ہی سیدھا دین ہے۔ (مسلم و بخاری)

۱۔ بچے سے مراد انسان کا بچہ ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے، فطرت کے لفظی معنی ہیں چرنا اور ایجاد کرنا، یہاں اصلی اور پیدائشی حالت مراد ہے یعنی ہر انسان ایمان پر پیدا ہوتا ہے، عالم ارواح میں رب تعالیٰ نے تمام روحوں سے اپنی ربوبیت کا قرار کرایا سب نے بلی کہہ کر اقرار کیا اس اقرار پر قائم رہتے ہوئے دنیا میں آئے یہ اقرار و ایمان سب کا فطری اور پیدائشی دین ہے۔

۲۔ یعنی بچہ ہوش سنبھالنے تک دین فطرت، توحید و ایمان پر قائم رہتا ہے ہوش سنبھالنے پر جیسا اپنے ماں باپ اور ساتھیوں کو دیکھتا ہے ویسا ہی بن جاتا ہے، ماں باپ بچے کے پہلے استاد ہیں، ان کی صحبت بچے کی طبیعت کے لیے سانچہ ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ اپنی لڑکیوں کے لیے اچھے خاوند اور لڑکوں کے لئے دیندار نیک بیویاں تلاش کرو تا کہ بچے نیک ہوں، اس لیے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ظاہر ہوئی کہ حضور بت پرستوں اور بے علموں میں رہے مگر انہیں سنبھالا خود نہ بگڑے، معلوم ہوا کہ طبیعت محمدیہ ڈھلی ڈھلائی پیدا ہوئی تھی۔ خیال رہے کہ یہاں یہودیت اور نصرانیت سے مراد یہ بگڑے ہوئے دین ہیں نہ کہ اصلی، وہ تو اپنے وقت میں عین ہدایت تھے۔

۳۔ روحانیت کو جسمانیت سے تشبیہ دے کر سمجھایا گیا ہے کہ جیسے عام طور پر جانوروں کے بچے صحیح الاعضاء پیدا ہوتے ہیں پھر جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں، ایسے انسانی ارواح کا حال ہے۔

۴۔ یعنی قانون یہ ہے کہ ہر انسان ایمان اور عقیدہ توحید پر پیدا ہو، یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی بچہ میثاق کے اقرار کو توڑ کر کافر ہو کر پیدا ہو لہذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں۔ خیال رہے کہ وہ میثاقی ایمان شرعاً معتبر نہیں۔ اسی لیے کافر کا بچہ کافر مانا جاتا ہے کہ نہ اس کی نماز جنازہ ہو نہ اسلامی کفن و دفن اور نہ اسے بعد میں مرتد کہا جائے جس بچہ کو حضرت علیہ السلام نے قتل کیا اور فرمایا "إِنَّهُ طَبَعَ كَافِرًا" وہاں مراد ہے "قَدَّرَ وَجُوبِلَ" یعنی ہوش سنبھال کر کافر ہونا اس کے مقدر میں آچکا ہے۔ لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں اور نہ آیات میں تعارض ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ ہم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ چیزیں بتانے کو قیام فرمایا۔ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے نہ سونا اس کے لائق ہے۔<sup>۲</sup> پلہ یا رزق جھکاتا یا اٹھاتا ہے۔<sup>۳</sup> اس کی بارگاہ میں رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے اور دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے پیش ہو جاتے ہیں۔<sup>۴</sup> اس کا پردہ نور ہے۔<sup>۵</sup> اگر پردہ کھول دے تو اس کی ذات کی شعاعیں (تجلیات)

تاجد نظر مخلوق کو جلا دیں ۶ (مسلم)

۱ یعنی آپ وعظ کے لیے کھڑے ہوئے اور وعظ میں یہ پانچ چیزیں بیان فرمائیں۔ وعظ اور خطبہ کھڑے ہو کر کہنا سنت ہے۔ خطبہ خواہ جمعہ کا ہو یا نکاح کا یا کوئی اور۔ (کتب فقہ)

۲ کیونکہ نیند ایک قسم کی موت ہے اسی لیے جنت دوزخ میں نیند نہ ہوگی رب تعالیٰ موت سے پاک ہے، نیز نیند تھکن اتارنے اور آرام کے لئے ہوتی ہے۔ پروردگار تھکن سے پاک ہے ارشاد فرماتا ہے: "وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ" اس میں ان مشرکین کا رد ہے جو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ دنیا بنا کر تھک گیا اب دنیا کا کام ہمارے بُت چلا رہے ہیں۔ معاذ اللہ!

۳ قسط کے لغوی معنی ہیں حصہ۔ اب رزق کو بھی قسط کہتے ہیں اور ترازو کے پلے کو بھی، کیونکہ رزق حصے سے ملتا ہے اور ترازو بھی حصے کرتی ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَزِنُوا بِالْقِسْطِ الْمُسْتَقِيمِ" یعنی کسی کو زیادہ روزی دیتا ہے اور کسی کو کم یا ایک ہی شخص کبھی غریب ہوتا ہے کبھی امیر، کبھی مؤمن، کبھی کافر، کبھی متقی، کبھی فاجر ایسے ہی ایک قوم کبھی غالب کبھی مغلوب۔

۴ کہ اعمال لکھنے والے فرشتے دنیا بھر کے اعمال دو وقتہ پیش کرتے رہتے ہیں۔ یہ پیشی رب تعالیٰ کی بے علمی کی وجہ سے نہیں جیسے حضور پر امت کے درود فرشتے پیش کرتے ہیں اس لیے نہیں کہ حضور بے خبر ہیں۔

۵ یعنی اللہ تعالیٰ نور ہے مخلوق کثیف، اس لیے مخلوق اسے نہیں دیکھ سکتی۔ مرقاۃ میں ہے کہ ہمارے حضور نے اپنے رب کو دنیا میں اس لیے دیکھ لیا کہ حضور خود نور ہو گئے تھے نیز حضور نے دعا مانگی تھی۔ "وَاجْعَلْنِي نُورًا" خدایا مجھے نور بنا دے حضور کی دعا قبول ہوئی اور آپ نور ہو گئے۔

۶ فرشتوں کو بھی اور دیگر مخلوقات کو بھی نہیں یہ طاقت تو ہمارے حضور کی تھی کہ معراج میں عین ذات کو بغیر حجاب دیکھا اور پلک بھی نہ جھپکایا رب تعالیٰ فرماتا ہے: "مَا زَاَعَ الْبَصَرُ وَمَا طَعَىٰ"۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا دست کرم بھرا ہے ۱ جسے خرچ کم نہیں کر سکتا اس کی عطا پاشی دن رات جاری ہے ۲ غور تو کرو جب سے آسمان اور زمین بنا ہے تب سے کتنا خرچ فرمایا لیکن اس خرچ نے اس کے دست کرم میں کوئی کمی نہ کی اس کا عرش پانی پر تھا ۳ اس کے قبضہ میں ترازو ہے جسے بلند و پست فرماتا ہے ۴ (مسلم و بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اللہ کا دست کرم بھرا ہوا ہے ابن نمیر نے صلاً فرمایا اور فرمایا سماء سے رات و دن کی کوئی چیز کم نہیں کرتی۔

۱ یعنی اللہ بڑا غنی ہے اس کی تائید میں وہ آیت ہے "وَإِنَّ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ" ورنہ اللہ تعالیٰ ہاتھ سے بھی پاک ہے اور اس کے بھرنے سے بھی۔

۲ اس کی مثال اس نے اپنی بعض مخلوق میں قائم فرمادی ہے سمندر کا پانی، سورج کا پانی، سورج کی روشنی، ہمارا علم خرچ کرنے سے نہیں گھٹتے، جنت کے رزق کا بھی یہی حال ہوگا۔ پھر رب تعالیٰ کے خزانوں کا کیا پوچھنا۔ لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۳ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی کہ عرش و پانی کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی۔

۴ یعنی لوگوں کا رزق اور ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں جن میں زیادتی کمی فرماتا رہتا ہے یا قوموں کی تقادیر اس کے قبضہ میں ہیں کسی کو گراتا ہے کسی کو اٹھاتا ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کے بچوں کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ رب جانے وہ کیا اعمال کرتے! (مسلم، بخاری)
--

۱ یعنی اگر وہ جوان ہو کر کافر ہوتے تو وہ جہنمی ہیں اور اگر مؤمن ہوتے تو جنتی ہیں۔ خیال رہے کہ کفار کے فوت شدہ بچوں کے متعلق علماء کرام کے چند اقوال ہیں: (۱) وہ جنتی ہیں کیونکہ فطرت پر پیدا ہوئے (۲) وہ جہنمی ہیں اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر (۳) وہ اعراف میں رہیں گے کیونکہ ان کے پاس شرعی ایمان یا کفر نہیں (۴) ان میں توقف کرو کیونکہ دلائل مختلف ہیں (۵) وہ بڑے ہو کر جیسے ہوتے ان پر وہی حکم جاری ہے یعنی چونکہ کافر ہوتے لہذا وہ جہنمی ہیں یا مؤمن ہوتے لہذا جنتی ہیں۔ یہ حدیث آخری قول کی دلیل ہے۔ مرقات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ جنتی ہیں اور حضور کا یہ فرمان ان آیات کے نزول سے قبل ہے جن میں فرمایا گیا کہ بغیر قصور ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے، بعض نے یہ بھی فرمایا کہ یہ جنتی تو ہیں مگر مؤمن جنتیوں کے خدام۔

الفصل الثانی  
دوسری فصل

روایت ہے حضرت عباده ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب نے جو چیز پہلے پیدا کی وہ قلم تھا۔ پھر فرمایا اس کو لکھ بولا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ تب اس نے جو کچھ ہو چکا اور جو ہمیشہ تک ہوگا لکھ دیا۔ (ترمذی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث مسنداً غریب ہے۔
--

۱ یہ اولیت اضافی ہے یعنی عرش، پانی، ہوا اور لوح محفوظ کی پیدائش کے بعد جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ قلم ہے۔ مرقاہ میں اس جگہ ہے کہ سب سے پہلے نور محمدی پیدا ہوا، وہاں اولیت حقیقیہ مراد ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حقیقت محمدیہ ہی قلم ہے اس صورت میں یہاں اولیت حقیقی ہے۔

۲ اس عبارت میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں، ہر چیز میں رب سے عرض معروض کرنے کی طاقت ہے قرآن کریم فرماتا ہے: "إِنَّ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ" حضور کے فراق میں لکڑیاں روئی ہیں اور آپ سے لکڑی اور پتھروں نے گفتگو کی ہے۔

۳۔ ہو چکا فرمانا اپنے زمانہ پاک کے لحاظ سے ہے، تحریر کے وقت کوئی نہ ہو چکا تھا، ہر چیز مستقبل تھی۔ ہمیشہ سے مراد قیامت تک کے واقعات ہیں جو متناہی ہیں مابعد قیامت غیر متناہی، جیسا کہ عبداللہ ابن عباس کی روایت میں ہے یہ تحریر لوح محفوظ پر "ان" دوات سے ہوئی، اس قلم دوات کی حقیقت رب العزت ہی جانتا ہے، یہ لکھنا رب کے اپنے یاد رکھنے کے لیے نہ تھا، بلکہ ان مقبولوں کو بتانے کے لیے تھا جن کی نگاہ لوح محفوظ پر ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس سے اولیاء اور انبیاء کا علم غیب ثابت ہوتا ہے۔

روایت ہے مسلم ابن یسار سے ۱۔ فرماتے ہیں کہ عمر ابن الخطاب سے آیت کے متعلق پوچھا گیا جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی بیٹھوں سے ان کی ذریت نکالی ۲۔ الایہ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ سے یہ ہی سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا پھر ان کی پیٹھ کو اپنے ہاتھ سے ملا ۳۔ تو اس سے ان کی اولاد نکلی ۴۔ تو فرمایا کہ انہیں میں نے جنت کی لیے بنایا یہ جنتیوں کے کام کریں گے ۵۔ پھر ان کی پشت ملی تو اس سے اولاد نکلی ۶۔ تو فرمایا انہیں میں نے آگ کے لیے بنایا یہ لوگ دوزخیوں کے کام کریں گے ۷۔ ایک شخص بولا پھر عمل کا ہے میں رہا یا رسول اللہ ۸۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً اللہ جس بندے کو جنت کے لیے پیدا فرماتا ہے تو اس سے جنتیوں کے کام لیتا ہے یہاں تک کہ وہ جنتیوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے اس بنا پر اسے داخل فرماتا ہے جنت میں ۹۔ اور جب بندے کو دوزخ کے لیے پیدا فرماتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے کام لیتا ہے ۱۰۔ تا آنکہ وہ دوزخیوں کے کاموں میں سے کسی کام پر مرتا ہے جس کی وجہ سے اسے دوزخ میں داخل فرماتا ہے ۱۱۔ (مالک ترمذی، ابوداؤد)

۱۔ آپ جہنمی ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں، اولیائے کاملین میں سے ہیں، ۱۰۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا، حضرت عمر فاروق سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی، آپ تک یہ حدیث پہنچی ہے۔

۲۔ کہ اس کا مطلب کیا ہے اور اس نکالنے کی نوعیت کیا تھی۔

۳۔ یہ عبارت متشابہات میں سے ہے یعنی ان کی پشت مبارک پر توجہ قدرت فرمائی ورنہ رب ہاتھ کے ظاہری معنے اور داہنے بائیں سے پاک ہے، نطفہ مرد کی پیٹھ میں رہتا ہے، اس لیے توجہ پشت پر فرمائی گئی۔

۴۔ اس طرح کہ ہر روئگئے کی جڑ سے پسینہ کے قطروں کی طرح ظاہر ہوئی، یہ واقعہ آدم علیہ السلام کے جنت میں جانے سے پہلے نعمان پہاڑ پر قریب عرفات شریف یا مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ہوا، بعض نے فرمایا کہ جنت سے تشریف لانے کے بعد ہوا اور یہ روئیں سفید رنگ کی تھیں۔

۵۔ یعنی اپنی خوشی و ارادے سے نیکیاں کریں گے، ایمان پر مریں گے، جنت میں جائیں گے۔ لہذا وہ لوگ ان اعمال میں مجبور نہیں۔ خیال رہے کہ یہاں جنت کسبی مراد ہے، وہی، عطائی طور پر بغیر اعمال بھی جنت ملے گی، جیسے مسلمانوں کے چھوٹے بچے یا مرتے وقت ایمان قبول کرنے والا۔

۶۔ سیاہ رنگ والی یہ کفار کی روئیں تھیں۔

۷۔ اس طرح کہ کفر پر مریں گے زندگی خواہ کفر پر گزری ہو یا ایمان پر۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو اور حاضرین فرشتوں کو تمام جنتی اور دوزخی دکھائے گئے، بتادیئے گئے، انہی کو بتانے کے لیے یہ واقعہ کیا گیا ہمارے حضور کا علم آدم علیہ السلام سے کہیں زیادہ ہے لہذا حضور بھی ہر ایک کا انجام اور سعادت شقاوت جانتے ہیں، علوم خمسہ رب نے آپ کو بخشے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کی پشت میں اپنی تمام اولاد کی روئیں اور ان کے اجزاء اصلیہ موجود تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ مؤمنوں کی روئیں سفید تھیں انبیاء کی روئیں نہایت چمکدار۔

۸۔ کیونکہ اگر ہم جننیوں میں سے ہیں تو کچھ بھی کریں جنت ہی پائیں گے، جنتی دوزخی ہونا جبری چیز ہوئی ناکہ اختیاری۔

۹۔ یہ قاعدہ اکثر یہ ہے کلیہ نہیں۔ پہلے گزر چکا کہ بعض لوگ عمر بھر دوزخیوں کے کام کرتے ہیں، مرتے وقت نیک اعمال کر کے مرتے ہیں۔

۱۰۔ کام لینے کے معنی یہ ہیں کہ بندے کے دل کا رجحان برائیوں کی طرف ہوتا ہے جس سے وہ اپنی خوشی اور اختیار سے بدکاریاں کرتا ہے لہذا بندہ خلق میں مجبور ہے کسب میں مختار اور مستحق عذاب نار۔

۱۱۔ لہذا ہمیشہ نیکیاں کرنے کی کوشش کرو۔

روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کہ دست اقدس میں دو کتابیں تھیں ۱۔ فرمایا کہ کیا جانتے ہو یہ کیا کتابیں ہیں؟ ۲۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے بغیر بتائے نہیں جانتے ۳۔ تو دہانے ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ یہ کتاب رب العلمین کے پاس سے آئی ہے ۴۔ جس میں تمام جننیوں کے نام اور ان کے باپ دادوں اور قبیلوں کے نام ہیں پھر آخر تک کاٹھل لگادیا گیا ہے ۵۔ لہذا ان میں کبھی زیادتی کمی نہیں ہو سکتی ۶۔ پھر بائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا کہ یہ کتاب اللہ رب العلمین کی طرف سے آئی ہے ۷۔ اس میں دوزخیوں اور ان کے باپ دادوں اور قبیلوں

کے نام ہیں پھر آخر تک کا ٹوٹل لگا دیا گیا اب ان میں کبھی زیادتی اور کمی نہیں ہو سکتی ۸۔ صحابہ نے عرض کیا عمل کا ہے میں رہا یا رسول اللہ اگر اس معاملہ سے فراغت ہو چکی ۹ فرمایا سیدھے رہو قرب الہی حاصل کرو ۱۰۔ کیونکہ جنتی کا خاتمہ جنتیوں کے عمل پر ہوتا ہے اگرچہ پہلے کوئی بھی کام کرے اور یقیناً دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے کام پر ہوتا ہے اگرچہ پہلے کوئی عمل کرے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک سے اشارہ فرما کر انہیں جھاڑ دیا ۱۱۔ پھر فرمایا کہ تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ایک ٹولہ جنتی اور دوسرا ٹولہ دوزخی ہے ۱۲۔ (ترمذی)

۱۔ یعنی ایک دائیں ہاتھ میں اور دوسری بائیں میں، حق یہی ہے کہ کتابیں حسی تھیں جنہیں صحابہ کرام دیکھ رہے تھے نہ کہ فقط خیالی اور وہی جیسا کہ بعض نے وہم کیا ہے۔ (مرقاۃ واشعۃ اللغات) اگلی عبارت سے بھی یہی ظاہر ہے۔

۲۔ یعنی یہ دونوں کتابیں جو تم میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو کس مضمون کی ہیں اور ان میں کیا لکھا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں نظر آرہی تھیں ورنہ ہذا ان سے اشارہ نہ فرمایا جاتا۔ نیز پھر صحابہ پوچھتے کہ حضور کون سی کتابیں اور وہ کہاں ہیں؟

۳۔ یعنی کتابیں تو دیکھ رہے ہیں مگر اس کے مضمون سے بے خبر ہیں اگر آپ اطلاع بخشیں تو خبردار ہو جائیں، معلوم ہوا کہ حضور کتابوں کو بھی دیکھ رہے ہیں اور ان کتابوں کے تفصیلی عالم بھی ہیں اور لوگوں کو وہ کتابیں پڑھا اور بتا بھی سکتے ہیں یہی صحابہ کا عقیدہ تھا۔

۴۔ جس میں رب تعالیٰ کے خصوصی علم کا اظہار ہے۔

۵۔ اس طرح کہ ساری کتاب میں جنتیوں کے نام، پتے، کام تو فہرست میں ہیں اور آخر میں ٹوٹل کہ کل اتنے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جنتی و دوزخی کا تفصیلی علم بخشا ان کے باپ، دادوں، قبیلوں اور اعمال پر مطلع کیا، یہ حدیث حضور کے علم کی تابندہ دلیل ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

۶۔ یعنی رب نے اس میں تقدیر مبرم کی تفصیل فرمائی ہے اور مجھے اس کا علم بخشا ہے، تقدیر معلق اور مشابہ معلق میں زیادتی کمی ممکن ہے۔ خیال رہے کہ لوح محفوظ میں محو اثبات کی تحریر بھی ہے اور اُمّ الکتاب میں صرف قضائے مبرم کی۔ لوح محفوظ تک ملائکہ کا علم پہنچتا ہے مگر میرے حضور کا علم اُمّ الکتاب تک ہے۔ (ازمرقات) یہاں صحابہ کرام کو اجمالی طور پر بتایا گیا۔

۷۔ بلا واسطہ فرشتہ یا بواسطہ فرشتہ ام الکتاب سے نقل ہو کر جہاں کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں کیونکہ یہ قضائے مبرم ہے جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔

۸۔ اس سے پتہ لگا کہ اللہ نے اپنی قضائے مبرم پر حضور کو مطلع فرمایا۔

۹۔ یعنی انجام کا دار و مدار رب کی تحریر پر ہے نہ کہ ہمارے عمل پر، پھر اعمال کی ضرورت ہی کیا رہی۔

۱۰۔ یعنی اعمال نیک اور عقائد صحیح اختیار کرو تاکہ تمہیں اللہ کا قرب حاصل ہو۔

۱۔ یعنی ہاتھوں کو جھکا دیا جس سے دونوں کتابیں غائب ہو گئیں یا کتابوں کو عالم غیب کی طرف پھینکا، یہ پھینکانا کی اہانت کے لیے نہ تھا نہ اس سے وہ کتابیں زمین پر گریں۔

۲۔ یہ قرآن پاک کی آیت سے اقتباس ہے اور بندوں سے مراد انسان ہیں کیونکہ جنت میں ثواب کے لیے انسانوں کے سوا کوئی نہ جائے گا یہ آدم علیہ السلام کی میراث ہے انہی کی اولاد کو ملے گی۔

روایت ہے ابو خزامہ سے وہ اپنے والد سے راوی ۱۔ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مطلع فرمائیے کہ جو منتر ہم کرتے ہیں ۲۔ جو دوائیں اور پرہیز ہمارے استعمال میں آتے ہیں ۳۔ کیا یہ اللہ کی تقدیر پلٹ دیتے ہیں فرمایا یہ خود اللہ کی تقدیر سے ہیں ۴۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

۱۔ ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے غالباً ان کا نام یَعْمُر ہے جو بنی حارث ابن سعد قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں یہ ابو خزامہ خود تابعی ہیں، ابو خزامہ صحابی دوسرے ہیں۔

۲۔ یعنی تعویذ گنڈے دم درود جھاڑ پھونک اگر قرآنی آیات یا حدیث کی دعاؤں یا بزرگوں کے اعمال سے ہوں تو جائز، ورنہ ممنوع۔ اس کی پوری بحث انشاء اللہ کتاب الطب والرُقی میں آئے گی۔

۳۔ یعنی بیماری میں دوائیں استعمال کرتے ہیں اور مضر چیز سے بچتے ہیں یا جنگ میں ڈھال وغیرہ سے دشمن کا حملہ دفع کرتے ہیں۔  
۴۔ یعنی ان کا استعمال جائز ہے اور تقدیر میں یہی لکھا جا چکا ہے کہ فلاں بیماری، فلاں دوا یا تعویذ سے جائے گی اور فلاں مصیبت اس جھاڑ پھونک یا اس پرہیز سے دفع ہوگی، یعنی مصیبتوں کا آنا اور ان تدابیر سے جاناسب مقدر میں شامل ہے، تدبیر تقدیر کے خلاف نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ گنڈا تعویذ جھاڑ پھونک مثل دوا کے علاج ہیں اور جائز ہیں کہ سنت صحابہ اور سنت رسول اللہ ہیں، اس کا پورا ایک باب آنے والا ہے۔

روایت ہے ابو ہریرہ سے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے حالانکہ ہم مسئلہ تقدیر پر جھگڑ رہے تھے ۱۔ تو آپ ناراض ہوئے حتیٰ کہ چہرہ انور سرخ ہو گیا گویا کہ رخساروں میں انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہیں ۲۔ اور فرمایا کیا تمہیں اس کا حکم دیا گیا ہے یا میں اسی کے ساتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ۳۔ تم سے پہلے لوگوں نے جب اس مسئلہ میں جھگڑے کیئے تو ہلاک ہی ہو گئے ۴۔ میں تم پر لازم کرتا ہوں لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں نہ جھگڑو ۵۔ (ترمذی)

۱۔ کہ جب جو کچھ ہم کرتے ہیں ارادہ الہی سے کرتے ہیں، تو ہم مجبور ہوئے، پھر اس پر ثواب اور عذاب کیسا؟ وغیرہ جیسے آج کل کی عام گفتگوئیں۔

۲ یعنی غضب کے آثار چہرے پر نمودار ہو گئے۔ حضور علیہ السلام کا یہ غضب نفس کے لئے نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور صحابہ کو تعلیم دینے کی غرض سے تھا، یہ غضب عبادت ہے جس پر بڑا ثواب۔ اس سے معلوم ہوا کہ استاد شاگردوں پر اور پیر مریدوں پر ناراض ہو سکتا ہے۔

۳ یعنی جن چیزوں کی تمہیں ضرورت ہے اور جن کا سوال تم سے قبر و حشر میں ہوگا ان کے حاصل کرنے کی کوشش کرو، مسئلہ تقدیر میں بحث کرنے کے تم مکلف نہیں، نہ تم سے اس کا سوال ہوگا۔

۴ یہود و نصاریٰ کی بعض جماعتیں یا دیگر انبیاء کی امتیں جو مسئلہ قضاء قدر میں کج بحثیاں کر کے ایمان کھو بیٹھے اور عذاب الہی آگیا۔  
۵ اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تقدیر میں بے سمجھے بوجھے کج بحثیاں کرنا اور عوام کے دل میں اس کے متعلق شبہات پیدا کرنا حرام ہے، ایسے ہی نا سمجھ لوگوں کا اس میں زیادہ غور و فکر کرنا بھی منع، لیکن اس مسئلے کی حقانیت پر دلائل قائم کرنا، معترضین کے شبہات دور کرنا منازعت نہیں بلکہ تبلیغ ہے، مگر یہ علماء کا کام ہے عوام کا نہیں، لہذا علم کلام میں مسئلہ تقدیر کی بحث اس زد میں نہیں آتی۔

اس کی مثل ابن ماجہ نے عمرو ابن شعیب سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا۔

۱۔ خیال رہے کہ ان کی اسناد میں ۱۲ سال ہے کیونکہ ان کا نسب یہ ہے، عمرو ابن شعیب ابن محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص۔ عبداللہ ابن عمرو صحابی ہیں، شعیب نے ان سے ملاقات نہیں کی، جدّہ کی ضمیر شعیب کی طرف لوٹتی ہے، بعض نے فرمایا کہ اس میں ارسال نہیں ہے، اور شعیب نے اپنے دادا عمر ابن عاص سے ملاقات کی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک ٹھٹی سے پیدا کیا جو تمام روئے زمین سے لی گئی۔ لہذا اولاد آدم زمین کے اندازے پر آئی۔ ان میں سرخ سفید اور کالے اور درمیانے ۳ اور نرم و سخت پلید و پاک ہیں ۴۔ اسے احمد و ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔

۱۔ اس طرح کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے ہر قسم کی زمین سے تھوڑی تھوڑی مٹی حاصل کی اور اس کو ہر قسم کے پانی میں گوندھا چونکہ حضرت عزرائیل نے ہی یہ مٹی اٹھائی تھی، اس لیے جان نکالنے کا کام بھی انہیں کے سپرد کیا، تاکہ زمین کی امانت وہی واپس کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے بندوں کے کام رب کی طرف منسوب ہوتے ہیں، دیکھو مٹی جمع کرنے والے حضرت ملک الموت ہیں مگر فرمایا گیا رب تعالیٰ نے جمع فرمائی۔ اس کی پوری تحقیق ہماری "تفسیر نعیمی" میں دیکھئے۔

۲ یعنی چونکہ مٹیاں مختلف تھیں لہذا انسانوں کی صورتیں اور سیرتیں بھی مختلف ہوں گی جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام انسانوں کے اجزائے اصلیہ آدم علیہ السلام میں موجود تھے، جیسے تمام کی روحیں آپ کی پشت میں تھیں، انبیائے کرام کے اصلی اجزاء نورانی تھے دوسروں کے ظلمانی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور اللہ اس واسطے کہا جاتا ہے کہ آپ کی روح بھی نور ہے اور جسم بھی نورانی، ورنہ صرف روح تو سب کی نور ہے۔



۱ یعنی سانولے یا سفیدی سرخی سے مخلوط یعنی جن کی خلقت میں سفید مٹی کے اجزاء غالب آگئے وہ سفید ہو گئے، کالی مٹی کے اجزاء جن میں غالب آئے وہ کالے، جہاں دونوں برابر رہے وہ سانولے یا سرخ سفید۔

۲ یعنی جیسے انسانوں کی مختلف صورتیں مختلف مٹیوں کی وجہ سے ہیں ایسے ہی ان کی سیرتیں بھی مختلف مٹیوں کے اثرات سے مختلف ہیں کہ جن میں نرم مٹی کے اجزاء غالب ہیں ان کی طبیعت نرم ہے، اور سخت مٹی والوں کی طبیعت بھی سخت، جو گندی مٹی سے بنے وہ طبیعت کے گندے ہیں، پاک مٹی والے طبیعت کے پاک صاف۔ خیال رہے کہ جیسے جسم کا اصلی رنگ نہیں بدلتا ایسے ہی انسان کی اصلی فطرت نہیں بدلتی، اور جیسے پوڈر یا سیاہی کا عارضی رنگ اتر جاتا ہے، ایسے ہی طبیعت کی عارضی حالتیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ابو جہل کا کفر اصلی تھا نہ ڈھل سکا، عمر فاروق کا عارضی، ایک نگاہ مصطفیٰ نے دھو کر پھینک دیا۔

روایت ہے عبد اللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ نے اپنی مخلوق اندھیرے میں پیدا کی! پھر ان پر اپنی شعاع نور ڈالی ۲ جسے اس نور سے کچھ پہنچا وہ ہدایت پا گیا ۳ جو اس سے رہ گیا گمراہ ہو گیا ۴ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم پر سوکھ چکا ہے (احمد و ترمذی)

۱ یعنی جن و انس نہ کہ فرشتے یہ دونوں فریق پیدائش کے وقت نفسانی اور شہوانی اندھیروں میں تھے۔  
 ۲ یعنی ایمان اور معرفت کی روشنی معلوم ہوا کہ تاریکی ہماری اصلی حالت ہے، روشنی رب کا کرم، گناہ ہم خود کرتے ہیں، نیکی وہ کرا لیتا ہے مٹی کے ڈھیلے کی طرح لیجئے ہم خود گرتے ہیں، اپنے کرم سے اور اوپر وہ اٹھالیتا ہے۔  
 ۳ جنت کے راستہ کی جن پر گہرا چھینٹا پڑا وہ انبیاء یا اولیاء ہوئے جن پر ہلکا پڑا وہ مؤمن ہوئے۔  
 ۴ یعنی کافر رہا، خیال رہے کہ تاریکی میں پیدائش میثاق والے اقرار سے پہلے ہے، سب لوگ پہلے ہی تقسیم ہو چکے تھے، معاہدے کے وقت مؤمنوں نے خوشی سے جلی کہا تھا اور کافروں نے ناخوشی سے، اسی اقرار پر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے، لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، وہاں فطرت سے مراد یہ اقرار ہے۔  
 ۵ یعنی جو لکھنا تھا وہ لکھ دیا۔ خیال رہے کہ اس سے انسان کا جبر لازم نہیں آتا کیونکہ وہاں یہی لکھا جا چکا ہے، کہ یہ بندہ اپنی خوشی سے یہ کام کرے گا کام بھی تحریر میں آچکے اور اس کا ارادہ اور خوشی بھی۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ فرماتے تھے اے دلوں کے پھیرنے والے میرا دل اپنے دین پر ثابت رکھ! میں نے عرض کیا یا نبی اللہ ہم آپ پر اور آپ کی تمام لائی ہوئی چیزوں پر ایمان لاکچے تو کیا اب بھی آپ ہم پر اندیشناک ہیں ۲ فرمایا ہاں لوگوں کے دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے بیچ میں جدہر چاہے پھیر دے ۳ (ترمذی وابن ماجہ)

۱۔ یہ دعا تعلیم امت کے لیے ہے تاکہ لوگ سن کر سیکھ لیں ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین حق سے ہٹ جانا ایسے ہی ناممکن ہے جیسے خدا کا شریک بلکہ جس پر وہ نگاہ کرم کر دیں وہ نہیں پھسل سکتا عثمان غنی سے فرمایا کہ جو چاہو کرو مگر وہ گناہ نہ کر کے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲۔ سبحان اللہ! یہ ہے صحابہ کرام کا ایمان وہ دعا سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ دعا ہمارے لیے ہے نہ کہ خود حضور کے اپنے لیے۔ خیال رہے کہ عَلَيْنَا سے مراد تاقیامت عام مسلمان ہیں ورنہ بعض صحابہ حضور کے کرم سے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ عمر کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے، حضور کی نگاہ سے ڈگمگاتے جم جاتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے: "الْاِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَاحْوَفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ"۔

۳۔ عنی جن و انس کے دل اس کی تفسیر پہلے بارہا گر چکی۔

روایت ہے ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی مثال اس پر کی سی ہے جو میدانی زمین میں ہو جسے ہوائیں ظاہر و باطن الٹیں پلٹیں! (احمد)

۱۔ دل گویا پتھر ہے دنیا بڑا میدان اور صحبتیں تیز ہوائیں اگر یہ پتہ کسی بھاری پتھر کے نیچے آجائے تو ہواؤں کی زد سے محفوظ رہتا ہے اگر ہم گنہگار کسی شیخ کی پناہ میں آجائیں تو ان شاء اللہ بے دینی سے محفوظ رہیں گے بیعت مرشد کا یہ ہی منشاء ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک بندہ مؤمن نہیں ہوتا جب تک چار باتوں پر ایمان نہ لائے گواہی دے کے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں مجھے اللہ نے حق کے ساتھ بھیجا اور مرنے اور مرے بعد اٹھنے اور تقدیر پر ایمان لائے۔ (ترمذی، واہن ماجہ)

۱۔ موت میں دہریوں کا رد ہے کہ وہ شخصی موت کے تو قائل ہیں مگر عالم کی مجموعی موت کے قائل نہیں اور اٹھنے میں منکرین قیامت کا رد ہے یعنی یہ بھی مانیں کہ سارے عالم کو فنا ہے اور یہ بھی کہ بعد موت سزا و جزا کے لیے اٹھنا ہے اور ممکن ہے کہ موت سے مراد شخصی موت ہو اور اٹھنے سے قبر میں اٹھنا۔

۲۔ کہ نہ جبریہ بن کر انسان کو مجبور محض مانے اور نہ قدریہ بن کر تقدیر کا انکار کرے، اور اپنے کو قادر مطلق جانے۔

روایت ہے حضرت عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت کے دو گروہ ہیں! جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں مرجیہ اور قدریہ۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱۔ اُمت سے مراد یا تو اُمت دعوت ہے جس میں کافر بھی شامل ہیں یا امت اجابت یعنی کلمہ گو، جنہیں قومی حیثیت سے مسلمان کہا جاتا ہے دیکھو مسلمانوں کے ۷۲ ناری فرقے قومی مسلمان ہیں، اور ایک فرقہ ناجیہ قوماً بھی مسلمان اور مذہباً بھی، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ان کافر گروہوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُمت کیوں فرمایا۔

۲۔ مرجیہ کہتے ہیں کہ جیسے کافر کو کوئی نیکی مفید نہیں ایسے ہی مسلمان کو کوئی گناہ مضر نہیں جو چاہے کرے، اس زمانہ کے دتہ شاہی فقیر اور بعض روافض ان کی یادگار ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ دتہ شاہ کو مان لیا، یا محرم میں رو پیٹ لیے، پھر جو چاہو کرو، قدر یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہم اپنے اعمال کے خالق اور مختار ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں فرقے بالکل کافر ہیں مگر علماء فرماتے ہیں کہ ان کافر لزومی ہے، نہ کہ استلزامی، لہذا انکی تکفیر میں احتیاط چاہیے کیونکہ ثبوت کفر کے لیے دلیل قطعی چاہیے، یہ حدیث قطعی نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری امت میں دھنسا اور صورتیں بگڑنا ہوگا اور یہ تقدیر کے منکروں پر ہوگا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ترمذی کی روایت اس کی مثل ہے۔

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں خسف اور مسخ کے حقیقی معنے ہی مراد ہیں اور واقعی آخر زمانہ میں بعض منکرین تقدیر قارون کی طرح زمین میں دھنسائے جائیں گے اور بعض ایلہ والوں کی طرح بندر اور سورتیں گے۔ خیال رہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کے بعد اس قسم کے عام عذاب تا قیامت بند ہو گئے خصوصی عذاب آئیں گے، لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ" کہ وہاں عمومی عذاب کی نفی ہے اور یہاں خصوصی کا ثبوت، بعض نے فرمایا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر میری اُمت میں مسخ اور خسف ہوتا تو قدریوں میں ہوتا۔ (الملعات) بعض نے فرمایا کہ قدریوں کو یہ عذاب قیامت میں ہوگا، کہ میدانِ محشر میں ان کے منہ کالے ہوں گے اور پلصراط سے گرا کر جہنم میں دھنسائے جائیں گے (مرقاۃ) مگر پہلے معنے زیادہ قوی ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قدر یہ فرقہ اس امت کا مجوسی ٹولہ ہے اگر بیمار پڑیں تو ان کی مزاج پر سی نہ کرو اور اگر مرجائیں تو ان کے جنازوں میں نہ جاؤ۔ (احمد، ابوداؤد)

۱۔ اُمت سے مراد اُمتِ اجابت یعنی کلمہ گو ہیں (قومی مسلمان)۔ مجوس کا عقیدہ ہے کہ عالم کے خالق دو ہیں: خیر کا خالق یزدان اور شر کا ابر من یعنی شیطان۔ ایسے ہی قدر یہ اپنے کو اپنے اعمال کا خالق مانتے ہیں، لہذا مجوس سے بدتر ہوئے کہ وہ صرف دو خالق مانیں اور یہ لاکھوں۔

۲ یعنی ان کا مکمل بائیکاٹ کرو تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کر لیں، بائیکاٹ بڑا مکمل علاج ہے رب تعالیٰ نافرمان بیویوں کے بارے میں فرماتا ہے: "وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ"۔ خیال رہے کہ مؤمن کو بے دین سے ایسی ہی علیحدگی چاہیے کہ موت زندگی میں ان سے الگ رہے جان بچانا ہے تو سانپ سے بھاگو، ایمان بچانا ہے تو بے دینوں سے بھاگو، قدریہ یا تو کافر ہیں یا گمراہ، بہر حال ان کی صحبت زہر قاتل ہے۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدریوں کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھو۔ نہ ان سے کلام کی ابتداء کرو۔ (ابوداؤد)

۱ محبت اور میل ملاپ کے طور پر تبلیغ یا مناظرہ کے لیے ٹھوس علماء کا ان کے پاس جانا جائز ہے، پلپلے مسلمان بہر حال ان سے بچیں۔ فی زمانہ قادیانیوں، وہابیوں، روافض سب کا یہی حکم ہے اگر مسلمان اس حدیث پر عمل کرتے تو یہ دین پھلتے ہی نہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذِّكْرِى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ"۔

۲ لَا تَقْفَاتِحُوا، فَتْح سے بنا بمعنی ابتداء یا فیصلہ "رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا" یہ یعنی انہیں حاکم یا بیخ نہ بناؤ، یا ان سے بات چیت اور مناظرہ وغیرہ کی ابتداء نہ کرو تاکہ فتنہ نہ ہو، اس سے پتہ لگا کہ بیدینیوں کے جلسوں میں جانا، ان کی کتب کا مطالعہ کرنا، انہیں دعوتیں کھلانا سب ناجائز ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ آدمی وہ ہیں جن پر میں نے اور اللہ نے لعنت کی اور ہر نبی مقبول الدعاء ہے ۲ اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا ۳ اللہ کی تقدیر کا انکاری، جبراً قبضہ جمانے والا تاکہ انہیں ذلیل کرے جنہیں اللہ نے عزت دی اور انہیں عزت دے جنہیں اللہ نے ذلیل کیا ۴ اور اللہ کے حرام کو حلال سمجھنے والا ۵ اور میری آل کے متعلق وہ باتیں حلال سمجھنے والا جنہیں اللہ نے حرام کیا ۶ اور میری سنت کو چھوڑنے والا ۷

۱ لعنت کے معنی ہیں دُوری جب اس کا فاعل بندہ ہو تو معنی ہوتے ہیں دُوری رحمت کی بددعا کرنا، اور اگر فاعل رب ہو تو معنی ہوتے ہیں رحمت سے دور کرنا، کسی مسلمان پر نام لے کر لعنت جائز نہیں، وصف اجمالی سے لعنت جائز جیسے جھوٹوں اور زانیوں پر خدا کی لعنت، نیز ان کفار پر بھی لعنت جائز ہے جن کا کفر پر مرنا یقینی ہو چکا جیسے ابو جہل و ابولہب وغیرہ۔ لیکن میں لعنت و صف ہی پر ہے اس حدیث میں بھی یہی لعنت ہے۔

۲ یعنی ہر نبی کی ہر دعا قبول اگر ان کی کوئی دعا خلاف قضاء و قدر ہو جائے تو ان کو دعا مانگنے سے روک دیا جاتا ہے رَدّ وہ بھی نہیں ہوتی، رب نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا "يَا اِبْرَاهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا"۔

۳ قرآن ہو یا کوئی آسمانی کتاب لفظی زیادتی کرے یا معنوی۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جنہوں نے آج قرآن کی تفسیر کو کھیل سمجھ رکھا ہے اور آیات کے وہ معانی کر رہے ہیں جو آج تک کسی مؤمن کے خیال میں بھی نہ تھے، علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی شاذ قراتیں حدیث کے حکم میں ہیں وہ قرآن نہیں نہ اس کی تلاوت جائز۔ (مرقاۃ)

۴ یعنی لوگوں کے خلاف مرضی اُن کا ناجائز حاکم بن جانے والا جیسا آج کل علی العموم ہو رہا ہے۔ خیال رہے کہ قوم یا ملک کے بگڑنے کی صورت میں اس کو سنبھالنے کے لیے زمام حکومت ہاتھ میں لے لینا سنت یوسف علیہ السلام ہے۔ یہاں وہ حکام مراد ہیں جو دین و ملک کو بگاڑنے کے لیے حاکم بنیں، فاسقوں کو مرتبے دیں، علماء و اولیاء کو ذلیل کرنے کی کوشش کریں۔

۵ یعنی مکہ مکرمہ کے حدود میں فتنہ، فساد، شکار اور قطع اشجار وغیرہ وہ کام کرنے والا جو شریعت نے علی العموم یا وہاں حرام کیے۔  
۶ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی بے حرمتی، اُن پر ظلم و ستم کرنے والا، عترت رسول اللہ اولادِ فاطمہ زہرا ہے ان کی تعظیم داخل فی الدین ہے، جب قرب کعبہ کی وجہ سے حرم کی زمین کا احترام ہے تو قرابتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سادات کرام کا احترام یقیناً لازم ہے، یا اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ جو میری اولاد ہو اور اللہ کے حرام کو حلال جانے اس پر لعنت ہے۔ (اشعۃ اللغات) کہ اگرچہ جرم سب کے لیے بُرا مگر سادات کے لیے زیادہ بُرا، اس سے سید حضرات کو عبرت پکڑنی چاہیے وہ اپنے باپ دادوں کا نمونہ بنیں صرف سید ہونے پر فخر نہ کریں۔

۷ حقیر جان کر سنت رسول اللہ مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ زائدہ ہو یا ہڈی اس کو حقیر جاننا، مذاق اڑانا قطعاً کفر ہے۔ سنت ہڈی کا ہمیشہ چھوڑنے والا حضور کی ایک شفاعت سے محروم رہے۔

روایت ہے مطرب بن عکاس سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق کسی زمین میں مرنے کا فیصلہ فرمادیتا ہے تو اس کے لئے وہاں ضروری کام ڈال دیتا ہے ۲ (احمد و ترمذی)

۱ آپ سلمیٰ ہیں، اہل کوفہ سے آپ کا شمار ہے، آپ سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے، حق یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں، صحابیت کے لیے ایک آن صحبت پاک کافی ہے۔

۲ دنیوی یا دینی چنانچہ بعض لوگ زیارتِ روضہ کے لیے یا حج کے لیے مدینہ پاک یا مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور وہاں انتقال ہو جاتا ہے ایسی حاجت بھی مبارک اور موت بھی۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مسلمانوں کے بچے (کہاں جائیں گے) فرمایا وہ اپنے باپ دادوں سے ہیں ۳ تو میں بولی یا رسول اللہ بغیر عمل فرمایا اللہ جانتا ہے وہ کیا کرتے ۴ میں

نے عرض کیا تو کفار کے بچے، فرمایا وہ اپنے باپ دادوں سے ہیں ۴ میں بولی بغیر کچھ کیئے فرمایا اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ۵ (ابوداؤد)

۱۔ یعنی جو ہوش سے قبل فوت ہو جائیں وہ کہاں جائیں گے۔

۲۔ یعنی جنتی ہیں اور جنت میں جو درجہ ان کے باپ دادوں کا ہوگا وہی ان کا لہذا حضرت قاسم، ابراہیم وغیرہم حضور علیہ السلام کے ساتھ ہوں گے، اولاد تو بہت اعلیٰ قرب رکھتی ہے۔ ان شاء اللہ حضور کو چاہنے والے حضور کے ہمراہ ہوں گے، گلدستہ کی گھاس بھی پھول کے طفیل بادشاہ کے ہاتھ میں پہنچ جاتی ہے۔

۳۔ یعنی جنت کے داخلے کے لیے بالفعل عمل ہی شرط نہیں، تقدیری عمل بھی کافی ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو مسلمان کے بچے تھے، اچھے ہی کام کرتے، اس بنا پر جنت میں جائیں گے بلکہ بعض گنہگار نیک کاروں کے طفیل جنتی ہیں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔

۴۔ یعنی ان کے ساتھ دوزخ میں۔

۵۔ کہ اگر وہ زندہ رہتے تو کافر کے بچے تھے، کفر ہی کرتے۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ جزو ان آیات سے منسوخ ہے جن میں فرمایا کہ بلا جرم دوزخ نہ دی جائے گی یہ بارہا عرض کیا جا چکا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ" (الآیہ)۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ دفن کرنے والی ماں اور زندہ دفن کی ہوئی بچی دونوں دوزخ میں ہیں ۱۔ (ابوداؤد)

۱۔ مالدار کفار عرب اپنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ گاڑ دیتے تھے، حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ یہ ماں اور بچی دونوں جہنمی۔ ماں کفر حقیقی کی وجہ سے اور بچی کفر حکمی کی بنا پر، تب تو اس کی تحقیق وہ ہے جو پہلے گزر چکی۔ ایک احتمال یہ ہے کہ وائدہ سے مراد وہ جنا نے والی دائی جو بچی کو دفن کراتی تھی اور موؤدہ سے مراد وہ ماں جس کی بچی دفن کی گئی، تو یہ حدیث بالکل ظاہر ہے کہ دونوں عورتیں اپنے اپنے کفر کی بنا پر جہنم میں گئیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے ابوالدرداء سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں ہر بندہ کے متعلق پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکا ہے ۲ اس کی موت سے، اس کے عمل سے ۳ ہر حرکت و سکون سے ۴ اور اس کے رزق سے۔ (احمد)

۱۔ آپ کا نام شریف عویر ابن عامر ہے، انصاری ہیں، خزرجی ہیں۔ درداء ان کی بیٹی کا نام ہے یہ اپنے گھر والوں میں سب سے پیچھے ایمان لائے، فقیہ، عابد صحابی ہیں، شام میں قیام فرمایا، ۳۲ھ میں دمشق میں وفات پائی، وہیں مدفون ہیں۔

۲۔ یعنی اٹل فیصلہ فرما چکا ورنہ رب تعالیٰ شغولیت اور فراغت سے پاک ہے اگرچہ رب تعالیٰ کا فیصلہ ہر قسم کا ہو چکا ہے مگر خصوصیت سے ان پانچوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ انسان کو ان کی فکر زیادہ رہتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان فکروں میں زندگی برباد کیوں کرتے ہو جو فیصلہ ہو چکا وہ ہو کر رہے گا۔

۳۔ کہ کیا کرے گا وہ کہاں اور کب مرے گا۔

۴۔ مضعج کے معنی ہیں پہلور کھنے کی جگہ یعنی خواہ گاہ، اثر، نشان، قدم کو کہتے ہیں یعنی کہاں رہے گا اور کہاں پھرے گا کہاں کہاں جائے گا اور کہاں دفن ہوگا یا دفن بھی نہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرماتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مسئلہ تقدیر میں بحث کرے گا اس سے قیامت میں اس کی باز پرس ہوگی! اور جو اس میں بحث نہ کرے گا اس سے پرسش نہ ہوگی! (ابن ماجہ)

۱۔ بطور عتاب کہ تو نے اس میں اپنا وقت ضائع کیوں کیا اور اس میں بحث کیوں کی؟ خیال رہے کہ لوگوں کو گمراہ کرنے یا ان کے دلوں میں شک ڈالنے کے لئے یا جو لوگ کم عقل ہوں ان کے سامنے مسئلہ تقدیر چھیڑنا جرم ہے وہی یہاں مراد ہے مگر اس مسئلے کی تحقیق کرنے، شک دفع کرنے کے لیے بحث کرنا حق اور باعثِ ثواب ہے۔ لہذا وہ صحابہ یا علماء معتبہ نہیں جنہوں نے اس مسئلہ پر گمراہوں سے مناظرے کیے یا کتابیں تصنیف کیں۔

۲۔ عوام کے لیے ضروری ہے کہ اس کو مانیں بحث نہ کریں، ہم ماننے کے مکلف ہیں نہ کہ بحث کے، یہی حکم رب تعالیٰ کے ذات و صفات کے مسئلے کا بھی ہے۔ شعر

پہچان گیا میں تری پہچان یہی ہے

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

روایت ہے ابن دہلی سے فرماتے ہیں میں ابی ابن کعبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شکوک پڑ گئے۔ مجھے کوئی حدیث سنائیے شاید اللہ میرے دل سے وہ دور فرمادے۔ فرمایا اگر اللہ تعالیٰ اپنے آسمانی اور زمینی بندوں کو عذاب دے تو وہ ان پر ظالم نہیں۔ اور اگر ان پر رحم فرمادے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے۔ اور اگر تم احد برابر سونا اللہ کی راہ میں خیرات کرو تو اللہ قبول نہ کرے گا، جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ گے اور یہ نہ جان لو کہ جو تمہیں پہنچا وہ تم سے بچ سکتا نہ تھا اور جو تم سے بچ گیا وہ تمہیں پہنچ سکتا نہ تھا۔

اور اگر تم اس کے سوا کسی اور عقیدے پر مرے تو دوزخ میں جاؤ گے فرماتے ہیں پھر میں عبداللہ ابن مسعود کے پاس گیا تو انہوں نے بھی یہ ہی فرمایا پھر میں حذیفہ ابن یمان کے پاس گیا تو انہوں نے بھی یہ ہی فرمایا پھر میں زید ابن ثابتؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱ آپ کا نام ابو عبداللہ یا ابو عبدالرحمان ہے، ابن فیروز دیلمی حمیری فارسی النسل ہیں، آپ کے والد فیروز نے اسود عسی کو قتل کیا جو مدعی نبوت تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض وفات شریف میں جب اس قتل کی خبر پہنچی تو فرمایا کہ اسے نیک بندے نے قتل کیا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۵۰ھ میں انتقال ہوا، دیلمی صحابی ہیں اور ان کے بیٹے ابو عبدالرحمن تابعی، دیلم ایک پہاڑ کا نام ہے۔

۲ آپ قراء صحابہ میں سے ہیں، انصاری ہیں، خزرجی ہیں، کاتب وحی رہے ہیں، ان چھ صحابہ میں سے ہیں جو حضور کے زمانہ پاک میں حافظ قرآن تھے۔ اور حضور نے آپ کی کنیت ابوالمنذر رکھی تھی اور عمر فاروق نے ابو طفیل، حضور آپ کو سید الانصار اور حضرت عمر سید المسلمین کہتے تھے، مدینہ منورہ میں خلافت فاروقی ۱۹ھ میں وفات پائی۔

۳ کہ جب ہر چیز لکھی جا چکی اور وہ ہو کے رہے گی تو شریعت کے احکام کس لیے ہیں اور سزا جزا کیوں ہے شاید یہ شبہات قدریوں کی صحبت سے پیش آئے ہوں۔

۴ اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی خدمت میں، جانا ان سے مسائل پوچھنا، اپنے شکوک نکالنا سنت صحابہ ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: "فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ"۔

۵ یعنی کیوں اور کیسے میں غور نہ کرو بلکہ یہ ایمان رکھو کہ رب مالک حقیقی ہے اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے۔ ہم بکری ذبح کر لیتے ہیں، درختوں کو کاٹ کر جلا لیتے ہیں، کہہہار ایک مٹی کو پیالہ بناتا ہے جو پانی میں رہے، دوسری کو ہانڈی جو آگ پر جلے، جب یہ کوئی ظالم نہیں، تو اگر رب تعالیٰ ہمیں بے قصور جہنم میں ڈال دے تو ظالم کیوں ہو؟ خیال رہے کہ یہ فرض گفتگو ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے: "إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ ۖ فَآنَا أَوْلُ الْعَبِيدِ" "ورنہ انبیائے کرام اور جن سے جنت کا وعدہ ہو چکا ان کا عذاب پانا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا رب کا شریک، رب تعالیٰ جھوٹ سے پاک ہے، یہاں صرف یہ فرمایا گیا کہ بفرض محال اگر انہیں عذاب دے تو بھی ظالم نہیں کہ ظالم وہ جو دوسرے کی ملک میں بلا وجہ تصرف کرے۔

۶ یعنی اگر سارے بندوں کفار مرتدین وغیرہم کو بخش دے تو یہ اس کا رحم ہے، یہ کلام بھی فرضی ہے ورنہ ابلیس، اس فرعون، ابو جہل وغیرہ کا جنتی ہونا ناممکن ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: "لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلْبِغَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ"۔



کے اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ تقدیر کا انکار کفر ہے اور منکر کافر اسی لیے بعض علماء نے قدریوں کو کافر کہا ہے۔ دوسرے یہ کہ کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں جیسے بے وضو کی نماز درست نہیں۔ تیسرے یہ کہ زمانہ صحابہ میں اس قسم کے مسائل چھڑ گئے تھے جن کی تردید صحابہ کبار کرتے تھے۔

۸ یعنی ہر مصیبت اور راحت رب تعالیٰ کے ارادہ سے ہے اسباب کچھ بھی ہوں لہذا یہ نہ کہو کہ اگر اسے بخار نہ آتا تو نہ مرتا، یا اگر میں فلاں کام کر لیتا تو بیمار نہ ہوتا، موت بھی رب کی طرف سے ہے اور بخار بھی، بیماری بھی رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ کام بھی۔

۹ آپ انصاری ہیں، کاتب وحی ہیں، علم فرائض کے بڑے عالم ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن کے جامع، عہد عثمانی میں مصحفوں میں قرآن کے ناقلین میں آپ بھی ہیں، ۵۶ سال کی عمر پر ۳۵ھ میں مدینہ پاک میں وفات پائی۔

۱۰ لہذا یہ حدیث مرفوع ہے اگرچہ ان تین صحابہ نے اس رفع کا اظہار نہ فرمایا۔

روایت ہے حضرت نافع سے کہ ایک شخص حضرت ابن عمر کے پاس آیا بولا کہ فلاں آپ کو سلام کہتا ہے ۲ فرمایا میں نے سنا ہے وہ بدعتی ہو گیا ۳ اگر واقعی وہ بدعتی ہو گیا تو اسے میرا سلام نہ کہنا ۴ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری امت میں یا اسی امت میں دھسنا، صورت بدلنا، پتھر برسنا ہوگا قدریوں میں اسے ترمذی، ابوداؤد، اور ابن ماجہ نے نقل کیا ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے ۵

۱ آپ نافع ابن سرجس دیلمی ہیں، سیدنا عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام، جلیل القدر تابعی ہیں۔ امام مالک اور دیگر آئمہ نے آپ سے روایتیں کیں، بڑے زاہد، عالم، متقی ہیں۔ عبداللہ ابن عمر کی اکثر روایتوں کے آپ بھی راوی ہیں، ۱۷ھ میں وفات ہوئی۔

۲ معلوم ہوا کہ کسی کے ذریعے سلام کہلا کر بھیجنا جائز ہے اب بھی بعض لوگ حاجیوں کے ذریعے حضور علیہ السلام کے روضہ انور پر سلام کہلاتے ہیں۔

۳ یعنی اس نے دین میں نیا عقیدہ ایجاد یا اختیار کیا ہے کہ تقدیر کا منکر ہو گیا ہے اور قدریہ بن گیا۔ معلوم ہوا کہ قدریہ مذہب بڑا پرانا ہے زمانہ صحابہ میں پیدا ہو چکا تھا۔

۴ یعنی میری طرف سے جواب سلام نہ پہنچانا۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بدعت سیدہ اُن بُرے عقائد کا نام ہے جو اسلام میں ایجاد کیے جائیں، جس بدعت یا بدعتی کی سخت برائیاں آئی ہیں اس سے یہی مراد ہے، دیکھو حضرت ابن عمر نے انکار تقدیر کے عقیدے کو بدعت فرمایا۔ دوسرے یہ کہ عہد صحابہ میں جو بدعتیں ایجاد ہوئیں وہ بھی بدعت ہیں کہ قدریہ مذہب اگرچہ اس خیر القرون میں نمودار ہوا مگر بدعت ہوا بدعت کے لئے خیر القرون کے بعد ہونا شرط نہیں، حضرت عمر فاروق نے تراویح کی باقاعدہ جماعت کو جو آپ نے ایجاد فرمائی تھی بدعت حسنہ فرمایا۔ تیسرے یہ کہ بدعتی بے دین کو نہ سلام کیا جائے نہ جواب سلام۔

۵ یعنی چند اسنادوں سے مروی ہے ایک اسناد سے حسن ہے، دوسری سے صحیح، تیسری سے غریب۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ نبی خدیجہ نے

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بچوں کے متعلق پوچھا جو زمانہ جاہلیت میں فوت ہو چکے تھے ۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دونوں آگ میں ہیں ۳۔ فرماتے ہیں جب حضور علیہ السلام نے ان کے چہرے میں غم کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ اگر تم ان کا ٹھکانہ دیکھتیں تو ان سے نفرت کرتیں ۴۔ انہوں نے عرض کیا اچھا آپ سے جو میرے بچے ۵۔ ہیں فرمایا وہ جنت میں ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اور انکی اولاد جنت میں ہے ۶۔ اور کفار اور ان کی اولاد دوزخ میں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد ان کے تابع ہے کے (احمد)

۱۔ آپ مسلمانوں کی پہلی ماں ہیں، نام شریف خدیجہ بنت خویلد ابن اسد ہے، قریشیہ ہیں، قطعی ابن کلاب میں حضور سے مل جاتی ہیں، اونٹا ہالہ ابن زرارہ کے نکاح میں تھیں، پھر عتیق ابن عاتر سے نکاح کیا، پھر چالیس سال کی عمر میں حضور کے نکاح میں آئیں، حضور نے سب سے پہلے انہیں سے نکاح کیا اور ان کی موجودگی میں کسی بیوی سے نکاح نہ فرمایا، سب سے پہلے آپ ہی حضور پر ایمان لائیں، حضور کی ساری اولاد بجز حضرت ابراہیم آپ ہی سے ہے۔ ۲۵ سال حضور کے نکاح میں رہیں ۶۵ سال کی عمر پا کر ہجرت سے چار سال پہلے مکہ معظمہ میں وفات پائی، جنت معلے کے دوسرے حصے میں دفن کی گئیں، قبر شریف زیارت گاہ خلق ہے، فقیر نے حاضری دی ہے۔

۲۔ گزشتہ خاندانوں سے ظہور اسلام سے پہلے۔

۳۔ کیونکہ ان کے باپ بھی مشرک تھے اور اے خدیجہ! اس وقت تم بھی مشرکہ تھیں لہذا نہ وہ خود مؤمن ہو سکے نہ ماں باپ کے تابع ہو کر جنتی۔ اس مسئلہ کی تحقیق اسی باب میں بارہا کی جا چکی۔ خیال رہے کہ یہ خبر نہیں ہے بلکہ بیان قانون ہے یعنی قانوناً تمہارے وہ بیٹے جہنمی ہونے چاہئیں لہذا یہ حدیث ان آیات سے منسوخ ہے جن میں فرمایا گیا کہ ہم بغیر جرم کسی کو عذاب نہیں دیتے۔ ۴۔ یعنی تمہیں ان سے مادری محبت اور ان کے عذاب پر غم جیسی تک ہے جب تک تم نے ان کا ٹھکانا دیکھا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنتی ماں باپ اور دوزخی اولاد میں قطعاً محبت نہ ہوگی، وہاں محبت رشتہ ایمان سے ہوگی نہ کہ رشتہ جان سے۔ ۵۔ طیب و طاہر و قاسم جو بچپن میں فوت ہو گئے، ظہور اسلام سے قبل۔

۶۔ یہ حدیث اس حدیث کی ناسخ ہے جس میں فرمایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے اپنے مقدرہ اعمال کے مطابق جنتی یا دوزخی ہیں۔

۷۔ اس آیت سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اگر ماں باپ میں سے کوئی مسلمان ہو تو بچہ مؤمن ہوگا۔ دوسرے یہ کہ بچہ ماں باپ کے ساتھ رہے گا، ماں باپ کو کئی نہ دی جائے گی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے تاقیامت ان کی اولاد کی روحیں نکلیں جنہیں اللہ پیدا فرمانے والا ہے اور ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے بیچ نور کی چمک دی۔ پھر انہیں آدم پر پیش فرمایا وہ بولے اے رب یہ کون ہیں فرمایا تمہاری اولاد۔ ان میں ایک شخص کو دیکھا تو ان کی آنکھوں کے درمیان کی چمک پسند آئی۔ بولے اے رب یہ کون ہے فرمایا حضرت داؤد بولے اے رب ان کی عمر کتنی مقرر فرمائی ہے فرمایا ساٹھ سال۔ عرض کیا مولا میری عمر میں سے چالیس سال انہیں بڑھادے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم کی عمر ماسوائے چالیس سال پوری ہوئی تو ان کی خدمت میں فرشتہ موت حاضر ہوا۔ آدم بولے کیا ابھی میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں فرمایا کہ وہ تم اپنے فرزند داؤد کو نہ دے چکے۔ حضرت آدم انکاری ہوئے اس لئے انکی اولاد انکار کرنے لگی۔ حضرت آدم بھول کر درخت سے کھا گئے لہذا ان کی اولاد بھولنے لگی حضرت آدم نے خطا کی تو انکی اولاد خطائیں کرنے لگی۔ (ترمذی)

۱۔ فطری نور یعنی فطرۃ سلیمہ کا نور چہرے پر نمودار ہوا، خیال رہے کہ سقط یعنی گرا ہوا حمل اس میں داخل نہیں کیونکہ اس میں روح پھونکی ہی نہ گئی، جس بچہ میں روح پھونکی جائے وہ دکھایا گیا، یہ تمام کارروائی حضرت آدم کو مطلع فرمانے کے لئے کی گئی، رب تعالیٰ تو ہمیشہ سے علیم وخبیر ہے۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام نے اپنی ساری اولاد کو دیکھ بھی لیا، پہچان بھی لیا اور ان کے انجام سے اطلاع بھی پالی کہ فلاں جنتی ہے فلاں دزدنی ہے۔

۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی چمکیں مختلف تھیں اور حضرت آدم کو داؤد علیہ السلام کی چمک پسند آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی چمک ہمارے حضور کی چمک سے زیادہ یا افضل ہو، حسن واقعی اور چیز ہے۔ پسند آنا کچھ اور لیلیٰ سے بڑھ کر حسینہ اور عورتیں موجودگی تھیں مگر عاشق کی آنکھ میں وہی مرغوب تھی۔ (اشعۃ المعات)

۴۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبولوں کو اپنے خاص علوم عطا فرماتا ہے کیونکہ مقدار عمر علوم خمسہ میں سے ہے جو رب العالمین نے سیدنا آدم کے پوچھنے پر بتادی۔

۵۔ آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی، آپ نے عرض کیا کہ میری عمر نو سو ساٹھ سال کر دے اور داؤد علیہ السلام کی عمر پورے سو سال، یہ دعا رب نے قبول فرمائی۔ معلوم ہوا کہ نبی کی دعا سے عمریں گھٹ بڑھ جاتی ہیں، ان کی شان تو بہت ارفع ہے شیطان کی

دعا سے اس کی عمر بڑھ گئی کہ اُس نے عرض کیا تھا "أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ" رب تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا: "فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ" (الایہ "فَإِنَّكَ" کی ف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادتی عمر اس کی دعا سے ہوئی، رہی وہی آیت کریمہ "إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ" وہ اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ آیت میں تقدیر مبرم یعنی علم الہی کا ذکر ہے، اور یہاں تقدیر معلق کی تحریر کا ذکر یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اختیار سے اپنی عمر کم و بیش نہیں کر سکتا، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کی دعا سے عمریں رب گھٹا بڑھا دیتا ہے۔ آخر عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ فرماتے تھے انہیں آپ کی دعا سے نئی عمریں مل جاتی تھیں سچ ہے دعا سے تقدیر پلٹ جاتی ہے۔

۱ یعنی جب آپ کے نو سو ساٹھ سال پورے ہوئے تو حضرت عزرائیل نے حاضر ہو کر آپ کو موت کا پیغام سنایا، معلوم ہوا کہ انبیاء کی وفات ہماری طرح جبراً نہیں ہوتی، بلکہ فرشتہ موت ظاہر ظہور خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور ان کی اجازت سے جان قبض کرتے ہیں ان کی وفات اختیاری ہے۔

۷ معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو اپنی عمر معلوم تھی کہ کل اتنی ہوگی یہ علوم خمسہ میں سے ہے یہ بھی معلوم ہوا انبیاء کرام کی وفات ان کی رضا سے سمجھا جھا کر ہوتی ہے۔ ہم سے ملک الموت کبھی حساب کتاب نہیں کرتے۔

۸ یعنی آدم علیہ السلام اپنا یہ عطیہ بھول گئے اس بنا پر کہا کہ مجھے اپنا یہ عطیہ دینا یاد نہیں، یاد کا انکار ہے نہ کہ دینے کا، رب کی خبر کا انکار کفر ہو جاتا ہے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں، انبیاء کرام کی بھول بھی رب کی طرف سے ہوتی ہے جس میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔

۹ یعنی آدم علیہ السلام سے درخت کی تعیین میں اجتہادی خطا ہوئیں اور سمجھے کہ رب نے خاص اس درخت کے پھل سے منع فرمایا ہے اور میں دوسرے درخت سے پھل کھا رہا ہوں حالانکہ ممانعت جنس درخت سے تھی۔ (مرقاۃ) یا وہ سمجھے کہ مجھے کھانے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ قریب جانے سے کچھ بھی ہو، ہوا دھوکہ ہی، وہی خطا اور نسیان آج تک انسانوں میں چلی آرہی ہے۔ اس حدیث میں یہ نہیں بتایا گیا کہ پھر فیصلہ کیا ہوا ظاہر یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو بھی ہزار سال عمر دی گئی اور داؤد علیہ السلام کو بھی سو برس، آپ کی زبان خالی نہ گئی، اگر آدم علیہ السلام ویسے ہی فرمادیتے کہ مجھے ہزار سال دنیا میں اور رہنا ہے تو آپ کی بات مان لی جاتی، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے واقعہ سے معلوم ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابودرداء سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو اسے داہنے کندھے پر دست قدرت لگایا جس سے سفید رنگ کی اولاد چیونٹیوں کی طرح نکالی اور ان کے بائیں کندھے پر مارا تو کالی اولاد کو نلے کی طرح نکالی پھر داہنے والوں کے متعلق فرمایا کہ یہ جنت کی طرف ہیں مجھے پرواہ نہیں بائیں کندھے والوں کے متعلق فرمایا یہ دوزخ کی طرف ہیں مجھے پرواہ نہیں۔ ۲ (احمد)

۱۔ یہ واقعہ کئی بار ہوا ایک بار میں ساری ذریت کی پیشانی میں نور فطری کی چمک تھی اس بار کفار بالکل سیاہ تھے اور مؤمن سفید، لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ (مرقاۃ) ان کے دل کا حال چہروں پر نمودار تھا ایسا ہی قیامت میں ہوگا کہ کفار کالے اور مؤمن سفید ہوں گے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ آدم علیہ السلام کی پشت میں تمام انسانوں کی روحیں اور اجزاء اصلیہ موجود تھے۔ داہنی طرف مؤمنوں کے اور بائیں طرف کافروں کے۔ دوسرے یہ کہ آدم علیہ السلام کو تمام جنتیوں اور دوزخیوں کا علم دیا گیا۔  
۲۔ یعنی مخلوق کے جنتی ہونے سے ہمارا کچھ نفع نہیں اور جہنمی ہونے سے کچھ نقصان نہیں خود ان کا ہی نفع نقصان ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں نہ اس سے کوئی پوچھ گچھ کر سکتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابی نضرہ سے ۱۔ کہ حضور کے صحابہ میں سے ایک صاحب جہنمیں ابو عبد اللہ کہا جاتا تھا ان کی بیمار پُرسی کے لیے ان کے دوست گئے وہ رو رہے تھے ۲۔ تو یہ حضرات بولے کیوں روتے ہو؟ کیا تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا تھا اپنی مونچھیں کٹاؤ پھر اس کے پابند رہو یہاں تک کہ مجھے ملوس وہ بولے ہاں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے اپنے داہنے ہاتھ میں ایک مٹھی لی اور دوسری دوسرے ہاتھ میں ۳۔ اور فرمایا کہ یہ اس کے لیے ہے اور یہ اس کے لیے ۴۔ اور مجھے پرواہ نہیں اور مجھے خبر نہیں کہ میں کون سی مٹھی میں تھا۔ (احمد)

۱۔ آپ نضرہ ابن منذر ابن مالک جوہدی ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں، خواجہ حسن بھری سے کچھ پہلے بصرہ میں ہوئے، ۱۰۰ھ میں وہیں وفات پائی۔

۲۔ موت کے خوف یا بیماری کی تکلیف سے نہیں بلکہ خوفِ خدا سے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے اس وقت یہ حالت اللہ کی خاص رحمت ہے ان صحابی کا نام معلوم نہ ہو سکا، ظاہر ہے کہ عیادت کرنے والے حضرات صحابہ کرام بھی تھے اور تابعین بھی۔

۳۔ یعنی اے صحابی رسول تمہیں آئندہ کا کیا کھٹکا ہے، تمہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو خوشخبریاں دے دی ہیں ایک یہ کہ تم جنتی ہو، دوسرے یہ کہ تم جنت میں حضور کے قرب کے مستحق ہو۔ خیال رہے کہ داڑھی بڑھانا اور مونچھ کتر وانا اتنا کہ اوپر گئے ہونٹ کا سارا کنارہ کھل جائے سنت مؤکدہ بلکہ واجب ہے اور اس کی پابندی جنتی ہونے اور حضور کے قرب ملنے کا ذریعہ ہے جیسے کہ ترکِ سنت کی عادت حضور علیہ السلام سے دوری کا سبب ہے۔

۴۔ دستِ قدرت کی ان مٹھیوں میں انسانوں کی روحیں تھیں، یہ حدیث متشابہات میں سے ہے، رب تعالیٰ مٹھی کے ظاہر معنی سے پاک ہے۔

۵۔ یعنی داہنی مٹھی والے جنت کے لیے ہیں، اور بائیں والے دوزخ کے لیے۔

۱۔ دہنی میں یا بائیں میں لہذا میں جنتی ہوں یا دوزخی، یہاں علم کی نفی نہیں، بلکہ درایت کی نفی ہے۔ درایت اٹکل اور قیاس سے جاننے کو کہتے ہیں۔ حضور کی بشارت سے ان کو اپنے جنتی ہونے کا علم یقینی حاصل ہو چکا تھا۔ آج صدیق اور فاروق کے جنتی ہونے پر ہمارا ایمان ہے، جو ان کے جنتی ہونے میں شک کرے وہ بے ایمان ہے۔ آپ کے جواب کا مقصد یہ ہے کہ اس مٹھیوں والی حدیث میرے سامنے ہونے کی وجہ سے میری نظر اس بشارت پر رہی ہی نہ تھی اس لیے میں رو رہا تھا۔ خیال رہے کہ ان صحابہ کا یا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف، خوفِ جلال ہے نہ کہ خوفِ عتاب، انہیں خدا کے وعدوں پر بے اعتباری نہ تھی جیسے وزیر اعظم کو دربار شاہی کی ہیبت ہوتی ہے، جو خدا کے وعدوں پر اعتماد نہ کرے وہ کافر ہے خوفِ جلالِ قوتِ ایمان کی دلیل ہے، موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے ایذا کا خوف تھا اگرچہ رب نے ان کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا لہذا اس حدیث سے مسئلہ امکانِ کذب ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے پشت آدم سے نعمان یعنی عرفات میں عہد لیا۔ اس طرح کہ ان کی پشت سے ساری اولاد نکالی انہیں حضرت آدم کے ساتھ چیونٹیوں کی طرح بکھیر دیا ۲۔ پھر ان کے آنسنے سامنے گفتگو فرمائی فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب بولے ہاں ہم گواہ ہیں ۳۔ کہ کہیں قیامت کے دن یہ کہہ دو کہ ہم اس سے غافل تھے یا کہہ دو کہ شرک تو صرف ہمارے باپ دادوں نے کیا ہم تو ان کے بعد کی پیداوار تھے تو کیا تو ہم کو جھوٹوں کے جرموں سے ہلاک فرماتا ہے ۴۔ (احمد)

۱۔ نعمان پہاڑ مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان سے شروع ہو کر عرفات تک پہنچتا ہے اس پہاڑ پر یہ واقعہ ہوا لہذا یہ حدیث بھی درست ہے کہ عرفات میں یہ عہد لیا گیا اور یہ بھی کہ طائف کے قریب لیا گیا۔  
 ۲۔ تاکہ آدم علیہ السلام سب کو جان پہچان لیں اور یہ معاہدہ سن لیں اور دیکھ لیں۔  
 ۳۔ رب اور بندوں کی یہ گفتگو بلا واسطہ اس طرح ہوئی کہ بندوں نے رب کو دیکھا جیسا کہ "قُبُلًا" سے معلوم ہوا، یہ اقرارِ ربوبیت سارے بندوں سے لیا گیا جن میں انبیاء، اولیاء، مؤمنین، کفار سب شامل تھے۔ حضور علیہ السلام کی اتباع کا عہد صرف انبیاء سے لیا گیا اور تبلیغ کا معاہدہ علمائے بنی اسرائیل سے، یہ تینوں عہد قرآن حکیم میں موجود ہیں۔  
 ۴۔ یعنی توحید سے تمہیں یہاں خبردار کر دیا گیا تم سے اس کا اقرار لیا گیا، اس کی یاد دہانی کے لئے انبیاء اور کتابیں بھیجی جائیں گی، لہذا اب کوئی بھی معذور نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ توحید ہر شخص پر لازم ہے اور کفار کے چھوٹے فوت شدہ بچے دوزخی نہیں۔

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد نکالی فرمایا انہیں جمع کیا انہیں جوڑے بنایا۔ پھر انہیں صورت دے دی ۲۔ تو وہ وہ بولے پھر ان سے

عہد میثاق لیا اور انہیں خود انکی ذات پر گواہ بنایا ۳۔ کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں بولے ہاں فرمایا میں تم پر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو اور تمہارے والد آدم کو گواہ بناتا ہوں ۴۔ کہیں قیامت میں کہہ دو کہ ہم کو خبر نہ تھی جان لو میرے سوانہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرانا ۵۔ عنقریب تم تک اپنے پیغمبر بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد میثاق یاد دلائیں گے ۶۔ اور تم پر اپنی کتابیں اتاروں گا ۷۔ بولے ہم اس کے گواہ ہیں کہ تو ہمارا رب ہمارا معبود ہے تیرے سوانہ کوئی ہمارا رب ہے نہ معبود ۸۔ پھر سب نے اس کا اقرار کیا ان پر آدم علیہ السلام کو انہیں دیکھنے کے لیے اٹھایا گیا ۹۔ تو آپ نے امیر فقیر حسین وغیرہ دیکھے ۱۰۔ تو عرض کیا اے رب تو نے اپنے بندوں میں برابر کیوں نہ کی فرمایا میں نے چاہا کہ شکر کیا جاؤں ۱۱۔ ان میں نبیوں کو چراغوں کی طرح دیکھا جن پر نور تھا ۱۲۔ ان سے دوسرا خصوصی عہد رسالت اور نبوت کے متعلق لیا گیا وہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا الخ عیسیٰ ابن مریم کے قول تک ۱۳۔ حضرت عیسیٰ بھی ان روحوں میں تھے انہیں بی بی مریم کی طرف بھیجا ابی سے خبر ملی کہ آپ حضرت مریم کے منہ سے داخل ہوئے ۱۴۔ (احمد)

۱۔ یعنی نر اور مادہ یا ان کی علیحدہ قسمیں کیسے کافر، مؤمن، منافق سب الگ الگ۔

۲۔ یعنی جس شکل و صورت پر دنیا میں ہوں گے وہی شکل انہیں دی گئی یا کافر کالے مؤمن سفید اور انبیاء نورانی بنائے گئے آدم علیہ السلام کی پہچان کے لیے۔

۳۔ ایک کو دوسرے پر گواہ یا ہر ایک کے اعضا کو اس کے نفس پر گواہ۔

۴۔ یعنی آسمان و زمین کی مخلوق کو یا خود آسمان و زمین کو دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ ان میں سے ہر چیز میں سمجھ بوجھ ہے۔ اب دریاؤں کے قطرے، زمین کے ذرے نیک و بد کو پہچانتے ہیں، قیامت میں زمین لوگوں کے اعمال کی گواہی دے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سارے انبیاء خصوصاً آدم علیہ السلام اپنی اولاد کے اعمال کی قیامت میں گواہی دیں گے، پتہ لگا کہ وہ حضرات ہماری ہر حرکت پر مطلع ہیں اس حدیث کی تفسیر وہ آیت ہے: "وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا"۔

۵ یعنی تمہارے لیے قیامت میں کوئی عذرباتی نہ چھوڑا تمہارے اس اقرار کے بھی صدہا گواہ ہیں اور دنیا کے سارے اعمال کے بھی بہت گواہ ہوں گے اب تم نہ یہ کر سکو گے کہ ہمیں یہ اقرار یاد نہ رہا تھا، نہ یہ کہ ہمیں خبر نہ تھی کہ ہماری ڈائری لکھی جا رہی ہے اور انبیائے کرام زمین آسمان ہمارے اعمال کو دیکھ کر ہمارے گواہ بن رہے ہیں۔

۶ رب نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا کہ از آدم علیہ السلام تا روز قیامت دنیا ایک آن نبوت سے خالی نہ رہی۔ خیال رہے کہ زمانہ نبی اور ہے زمانہ نبوت کچھ اور پیغمبر کی ظاہری زندگی کا زمانہ، زمانہ نبی ہے اور ان کے دین کی بقاء کا زمانہ، زمانہ نبوت ہے چنانچہ قیامت تک ہمارے حضور علیہ السلام کا زمانہ ہے۔

۷ انبیائے کرام کے ذریعے سے، یہاں کتب سے مراد کلام الہی ہے خواہ صحیفے ہوں یا باقاعدہ کتابیں، چنانچہ آسمان سے سو صحیفے آئے اور چار کتابیں اور کوئی زمانہ کلام الہی سے بھی خالی نہ رہا، کس نبی پر کتنے صحیفے نازل ہوئے، یہ ہماری تفسیر نعیمی میں دیکھیے۔

۸ مرقات میں فرمایا کہ یہاں شہادت بمعنی علم ہے یعنی ہم نے مشاہدے سے تیری ربوبیت اور معبودیت جان پہچان لی یا بمعنی گواہی یعنی ہم ایک دوسرے کے اس اقرارِ توحید پر گواہ بن گئے۔

۹ اس طرح کی آدم علیہ السلام نے اونچے مقام پر کھڑے ہو کر ان سب کو جھانک کر دیکھا اور ایک ایک کو پہچان لیا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام اپنی ساری اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں، پھر ہمارے حضور کے علم کا کیا پوچھنا، حضرت آدم کا علم مصطفوی کے سمندر کا قطرہ ہے۔

۱۰ غنی و فقیر سے مال، اعمال، ایمان سب کے غنی فقیر مراد ہیں یعنی آپ نے دل کے غنی و فقیر، کافر، متقی فاجر اور مال کے غنی و فقیر، مالدار و محتاج، شاہ و گدا، ایسے ہی خوبصورت اور بدصورت دیکھ لیئے۔ (مرقاۃ) خیال رہے کہ غنا اور فقر دل کے اوصاف ہیں، حسن و جمال صورت کے حالات، اللہ تعالیٰ نے اس دن تمام کی صورتوں پر ظاہری و باطنی حالات نمودار کر دیئے تھے جس سے آدم علیہ السلام بے تکلف ہر شخص کے ہر حال کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔ خیال رہے کہ حضور اس سے پہلے ہی یہ سب کچھ مشاہدہ فرما چکے تھے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔ کیوں نہ ہوتا کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے گواہ اعظم اور ساری مخلوق کے شاہد اکبر ہیں۔

۱۱ یعنی لوگوں کے حالات کا اختلاف ان کی شاکریت اور میری شکوریت کا ذریعہ ہے اس طرح کہ ہر شخص کو اپنے سے ادنیٰ کو دیکھ کر میرا شکر کرے کہ خدایا تیرا شکر ہے میں اس سے بہتر ہوں، مثلاً غنی فقیر کی محتاجی کو دیکھ کر سجدہ شکر کرے اور فقیر غنی کے الجھادے زیادتی حساب میں غور کرے تو شکر کرے۔ ایسے ہی حسین بدصورت کی قباحت کو دیکھ کر شکر کرے اور بدصورت حسن کی بلاؤں کو دیکھ کر حسن نہ ملنے پر شکر کرے، بادشاہ رعایا کی دست نگری کو دیکھے شکر کرے۔ اور رعایا بادشاہ کی فکروں، مختوں وغیرہ مصائب کو دیکھ کر شکر کرے، شکر اعلیٰ درجے کی عبادت بلکہ ساری عبادت کی اصل ہے۔

۱۲ نبی رسول سے عام ہے جس پر وحی آئے وہ نبی اور جن کو تبلیغ کا بھی حکم ہو وہ رسول، جو نبی شریعت بھی رکھتے ہوں وہ مرسل، نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں، رسول ۳۱۳، مرسل ۴ ہر رسول نبی ہے اس کا عکس نہیں، آدم علیہ السلام نے تمام انبیاء کو ان کی شانوں اور کمالوں کے ساتھ دیکھا، بعض مثل چراغوں کے، بعض لالٹین، بعض گیس، بعض بجلی، بعض چاند اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج کی طرح تھے، کسی کی روشنی چاند کی طرح جمالی تھی اور کسی کی دھوپ کی طرح جلالی، سُورج ان سب کو شامل ہے۔



۱۳ انبیائے کرام سے خصوصی عہد دو لیے گئے تھے: ایک ادائے رسالت اور تبلیغ نبوت کا عہد، اس عہد میں ہمارے حضور بھی شامل تھے اس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔ اور دوسرا نبی آخر الزمان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا، اس میں ہمارے حضور شامل نہ تھے سب سے پہلے ہمارے حضور پر ایمان لانے کا معاہدہ لیا گیا اس کا ذکر اس آیت میں ہے "ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ ۙ" الایہ۔

۱۴ یعنی تمام روحیں اپنے باپوں کی پشتوں میں واپس گئیں مگر عیسیٰ علیہ السلام کی روح حضرت مریم کے شکم میں آپ کی منہ شریف کے راستے داخل ہوئی کیونکہ آپ کی ولادت بغیر والد کے ہونے والی تھی۔

روایت ہے حضرت ابودراء سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کا تذکرہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو مان لو اور اگر یہ سنو کہ کوئی آدمی جبلی عادت سے بدل گیا تو نہ مانو وہ پھر اسی طرف لوٹ جائے گا جس پر پیدا ہوا۔ (احمد)

۱ کہ واقعاتِ عالم گذشتہ فیصلے کے مطابق ہو رہے ہیں یا اتفاقاً مگر یہ تذکرہ مناظرانہ رنگ میں نہ تھا بلکہ تحقیق کے لیے اسی لیے حضور اکرم سنتے رہے منع نہ فرمایا بلکہ ایک مسئلے کی وہ تحقیق فرمادی۔ معلوم ہو کہ علم کلام پڑھنا ممنوع نہیں، مسئلہ تقدیر میں جھگڑنا منع ہے جیسا کہ گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا۔

۲ خلاصہ مسئلہ یہ ہوا کہ واقعاتِ عالم گذشتہ فیصلے کے مطابق ہو رہے ہیں، اور وہ فیصلے اٹل ہیں جن کی تبدیلی ناممکن ہے۔ خیال رہے کہ انسان کی دو حالتیں ہیں ذاتی اور وصفی، وصفی حالات دن رات دن بدلتے رہتے ہیں۔ کافر مؤمن بن جاتے ہیں، فاسق متقی، بخیل سخی ہو جاتے ہیں، بزدل بہادر، کبھی بزرگوں کی صحبت سے، کبھی علم کی برکت سے، کبھی یوں ہی محض رب کی قدرت سے، مگر اصلی حالت کبھی نہیں بدل سکتی اگر کبھی عارضی طور پر بدل بھی گئی تو اسے بقانہ ہو گا آگ پر پانی گرم ہو جاتا ہے مگر وہاں سے ہٹتے ہی پھر ٹھنڈا ہو جاتا ہے یہاں اصلی حالت کا ذکر ہے۔ اور جبّت سے وہ خصلت مراد ہے جو علم الہی میں آچکی جس میں تغیر و تبدل ناممکن ہے۔

روایت ہے حضرت اُم سلمہ سے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو ہر سال اس زہریلی بکری کی تکلیف ہوتی ہے جو آپ نے (خیبر میں) کھالی تھی ۲ فرمایا مجھے اس کے سوا کچھ نہیں پہنچی جو میرے مقدر میں اس وقت لکھ دی گئی جب حضرت آدم اپنے خمیر میں تھے ۳ (ابن ماجہ)

۱ آپ کا نام ہند بنت ابی اُمیہ ہے، پہلے ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں، ۴ھ میں بیوہ ہوئیں اسی ۴ھ اواخر ماہ شوال میں حضور کے نکاح میں آئیں، ۵۹ھ میں مدینہ پاک میں وفات ہوئی، جنت البقیع میں دفن ہوئیں، ۸۴ سال عمر ہوئی، بہت صحابہ اور تابعین نے آپ سے احادیث روایت کیں۔

۲ کہ ایک یہودیہ نے خیبر میں دھوکہ سے بکری کا زہر آلودہ گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلادیا تھا بعض صحابہ نے بھی کھالیا جو شہید ہو گئے، خدا کے فضل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہے مگر ہر سال زہر کی تکلیف عود کرتی تھی حتیٰ کہ وفات کے وقت بھی اس زہر کا اثر نمودار ہو گیا تھا۔ ان شاء اللہ اس کا مفصل ذکر "باب المعجزات" میں آئے گا۔

۳ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اگر ہم خیبر نہ جاتے تو زہر نہ کھاتے خیبر جانا وہاں زہر کھالینا سب کچھ لکھا جا چکا تھا۔

## باب اثبات عذاب القبر

### عذاب قبر کا ثبوت

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ عذاب قبر کے متعلق چند مسائل یاد رکھنے چاہئیں: (۱) یہاں قبر سے مراد عالم برزخ ہے جس کی ابتداء ہر شخص کی موت سے ہے انتہا قیامت پر، عربی قبر مراد نہیں، لہذا جو مردہ دفن نہ ہو بلکہ جلادیا گیا، یا ڈبو دیا گیا، یا اُسے شیر کھا گیا اُسے بھی قبر کا حساب و عذاب ہے۔ (۲) عذاب قبر کا ثبوت بہت سی آیات اور بے شمار احادیث سے ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "يُنَبِّئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ" (الآیہ۔ فرماتا ہے: "أَعْرَفُوا فَأَدْخَلُوا نَارًا" اور فرماتا ہے: "النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا" یہ سب آیتیں عذاب قبر کے متعلق ہیں۔ دیکھو ہماری فہرست القرآن اور فتاویٰ نعیمیہ لہذا عذاب قبر کا منکر گمراہ ہے۔ (۳) قبر میں صرف ایمان کا حساب ہے حشر میں ایمان و اعمال دونوں کا۔ (۴) حساب قبر ہمارے حضور کے زمانہ سے شروع ہوا کچھلی امتوں میں نہ تھا نہ ان سے اپنے نبی کی پہچان کرائی جاتی تھی۔ (۵) حساب قبر آٹھ شخصوں سے نہیں ہوتا: نبی، شہید، جہاد کی تیاری کرنے والا، طاعون میں مرنے والا، طاعون میں صابر، چھوٹے بچے، جمعہ کے دن یارات میں مرنے والا، ہر رات سورہ ملک پڑھنے والا، مرض موت میں "قُلْ هُوَ اللَّهُ" پڑھنے والا۔ (شامی) (۶) حساب قبر اور ہے، عذاب قبر کچھ اور، بعض لوگ حساب قبر میں کامیاب ہوں گے، مگر بعض گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا، جیسے چغل خور اور گندا (۷) کافر کو عذاب قبر دائمی ہوگا گنہگار کو عارضی حتیٰ کہ بعض کا عذاب جمعہ کی شب آتے ہی ختم ہو جاتا ہے، اسی لیے بعد دفن سے شب جمعہ تک قبر پر تلاوت قرآن کرائی جاتی ہے۔ (۸) حشر کے بعد بندوں کو جنت یا دوزخ میں داخل فرما کر ثواب یا عذاب دیا جاوے گا، برزخ میں جنت دوزخ کا ثواب و عذاب قبر میں پہنچتا ہے جسم میت وہاں نہیں پہنچتا، لہذا دونوں عذابوں ثوابوں میں فرق ہے۔ (۹) عذاب قبر روح کو ہے جسم اُس کے تابع مگر حشر کے بعد والا عذاب و ثواب روح و جسم دونوں کو ہوگا

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے ۱۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا مسلمان سے جب قبر میں پوچھ گچھ ہوتی ہے تو وہ گواہی دے اٹھتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد اللہ کے رسول ہیں ۲۔ تو یہ ہی رب کا فرمان ہے کہ اللہ مؤمنوں کو مضبوط بات پر قائم رکھتا ہے دنیاوی زندگی میں اور

آخرت میں ۳ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت یہ ہے کہ فرمایا کہ یہ آیت عذابِ قبر کے متعلق نازل ہوئی ۴ مردے سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون تو وہ کہتا ہے میرا رب اللہ اور میرے نبی محمد ہیں ۵ (مسلم و بخاری)

۱۔ آپ کا نام براء کنیت ابو عمارہ ہے، انصاری حارثی ہیں، خندق اور غزوہ احد وغیرہ ۱۵ غزویوں میں حضور کے ساتھ رہے۔ عہد فاروقی میں کوفہ میں قیام فرمایا، ۲۴ھ میں "رے" آپ ہی نے فتح کیا، عہد مرتضوی میں جنگِ جمل صفین اور نہروان میں حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ تھے، کوفہ میں وفات ہوئی۔

۲۔ پوچھنے والے منکر نکیر دو فرشتے ہیں جو توحید و رسالت اور دین کا امتحان لیتے ہیں یہ جواب عام مؤمنوں کا ہے جو یہاں ارشاد ہوا، بعض عاشقِ جمالِ مصطفوی دیکھتے ہی اٹھ کر فدا ہو جاتے ہیں اور ایسا طواف کرتے ہیں جیسا پروانہ شمع کا یا حاجی کعبہ کا جیسا کہ بزرگوں کی تواریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے خواب میں لوگوں کو اپنے سوال کی تفصیل وجد انگیز طریقہ سے بتائی۔

۳۔ یہاں آخرت سے مراد قبر ہے یعنی قبر میں کوئی شخص اپنی کوشش سے کامیاب نہیں ہو سکتا محض رب کے کرم سے کامیابی ملے گی۔ یعنی مؤمنوں کو زندگی اور قبر میں کلمہ شہادت پر اللہ تعالیٰ ہی ثابت قدم رکھتا ہے ورنہ دنیا کے بہت سے حالات اور قبر کے سخت سوالات اُسے پھسلانے والے ہیں۔ قول ثابت سے مراد کلمہ طیبہ ہے چونکہ قبر میں صرف عقائد کا امتحان ہے اس لئے اعمال کا ذکر نہ ہوا۔

۴۔ یعنی قبر کے عذاب و ثواب کے ثبوت میں ورنہ یہ آیت مؤمنوں کے بارے میں آئی ہے جو عذابِ قبر سے محفوظ ہیں لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۵۔ دنیا میں امتحان کے سوالات پہلے چھپائے جاتے ہیں تاکہ کوئی جواب سوچ نہ لائے۔ ہمارے حضور نے اس امتحان کے سوالات بھی آؤٹ کر دیئے، ان کے جوابات بھی بتا دیئے، خدا کرے اس وقت اوسان ٹھکانے رہیں اور یہ بتائے ہوئے صحیح جوابات یاد آجائیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جو تلوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں ۲ پھر کہتے ہیں کہ تو ان صاحب کے متعلق کیا کہتا تھا یعنی محمد ۳ تو مؤمن کہہ دیتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۴ تب اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنا دوزخ کا ٹھکانا دیکھ جسے اللہ نے جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا ۵ تو وہ ان دونوں کو دیکھتا ہے ۶ لیکن منافق اور کافر اس سے کہا جاتا ہے کہ ان صاحب کے بارے میں کہتا تھا؟ ۷ وہ

کہتا ہے میں نہیں جانتا جو لوگ کہتے تھے وہی میں کہتا تھا ۸  
تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے نہ پہچانا قرآن نہ پڑھا ۹ اور  
لوہے کے ہتھوڑوں سے مار ماری جاتی ہے جس سے وہ ایسی  
چینیں مارتا ہے کہ سواہ جن و انس تمام قریبی چیزیں سنتی  
ہیں ۱۰ (مسلم و بخاری) الفاظ بخاری کے ہیں۔

۱۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مردے سنتے ہیں، مردوں کا سننا قرآنی آیات اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔ حضرت  
شعیب و صالح علیہما السلام نے عذاب یافتہ قوم کی نعشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا: "يَقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ" الایہ۔ رب فرماتا  
ہے: "وَسَأَلَ مَنْ ارْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا" یعنی اے محبوب! پچھلے پیغمبروں سے پوچھو، بلکہ ابراہیم علیہ السلام سے  
فرمایا گیا: "ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاتِيَنَّكَ سَعِيًّا" ذبح کیے ہوئے جانوروں کو پکارو دوڑتے ہوئے آجائیں گے، یہ حدیث سماع موتی کے لیے  
نص صریح ہے، ہمارے حضور علیہ السلام نے بدر میں مقتول کفار کی لاشوں پر کھڑے ہو کر ان سے کلام کیا۔ خیال رہے کہ مردے کا یہ  
سننا ہمیشہ رہتا ہے، اس لئے حکم ہے کہ قبرستان میں جا کر مردوں کو سلام کرو، حالانکہ نہ سننے والوں کو سلام کیا؟ جن آیتوں میں سماع  
موتی کی نفی ہے وہاں مردوں سے مراد دل کے مردے یعنی کافر ہیں، اور سننے سے مراد قبول کرنا ہے اسی لیے جہاں قرآن نے یہ  
فرمایا: "اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتِي" تم مردوں کو سنا نہیں سکتے، وہاں ساتھ میں یہ بھی فرمایا: "اِنْ تَسْمَعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ  
بِاٰيَاتِنَا" یعنی تم صرف مؤمنوں کو ہی سنا سکتے ہو جس سے معلوم ہوا کہ وہاں مردوں سے مراد کافر تھے۔ مرقات نے یہاں فرمایا کہ  
میت اپنے دینے والوں، نماز پڑھنے والوں، اٹھانے والوں اور دفن کرنے والوں کو جانتا پہچانتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ گنبدِ حضریٰ میں  
حضرت عمر کے دفن ہونے کے بعد پردے کے ساتھ اندر جاتی تھیں، اور فرماتی تھیں کہ میں عمر سے حیا کرتی ہوں، معلوم ہوا کہ میت  
دیکھتی بھی ہے، امام صاحب نے میت کے سننے میں توقف نہیں کیا بلکہ سننے کی نوعیت میں جیسا کہ اسی جگہ مرقات میں ہے۔ دوسرے  
یہ کہ بعد موت قوتیں بڑھ جاتی ہیں کہ ہزار ہا من مٹی میں دفن ہونے کے باوجود میت لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سن لیتی ہے تو جو  
انبیاء اور اولیاء زندگی میں مشرق و مغرب دیکھتے ہوں وہ بعد وفات فرش و عرش کی یقیناً خبر رکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر  
جمرات کو میت کی روح اپنے عزیزوں کے گھر پہنچ کر ان سے ایصالِ ثواب کی درخواست کرتی ہے (اشعۃ اللمعات باب زیارة القبور)  
معراج کی رات سارے نبی بیت المقدس میں اور پھر آنگا فانا آسمانوں پر موجود تھے یہ ہے روح میت کی رفتار۔

۲۔ اس عبارت سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حسابِ قبر سب لوگوں کے لوٹ آنے کے بعد شروع ہوتا ہے لہذا اگر کوئی شخص  
قبر پر ہی رہے تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ میت سے حساب نہ ہوگا اسی لیے بعض لوگ بعد دفن سے جمعہ کی شب تک قبر پر حافظ  
قرآن بٹھالیتے ہیں کہ شاید ان کی موجودگی کی وجہ سے حساب اور تلاوتِ قرآن کی برکت سے عذاب نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ منکر نکیر  
فرشتوں میں یہ طاقت ہے کہ بیک وقت ہزاروں جگہ جاسکتے ہیں، ہزار ہا قبروں میں ایک آن میں موجود ہو کر سب مردوں سے حساب  
کر لیتے ہیں اسی کو حاضر ناظر کہا جاتا ہے، لہذا اگر انبیاء اولیاء بیک وقت چند جگہ موجود ہوں تو کوئی قباحت نہیں اور نہ یہ عقیدہ شرک  
ہے۔ خیال رہے کہ منکر نکیر مردے میں روح ڈالتے ہیں جس سے وہ زندہ ہو کر بیٹھتا ہے اور کلام کرتا ہے مگر یہ زندگی ہمیں محسوس

نہیں ہو سکتی اور جنہیں جلا دیا گیا یا شیر کھا گیا ان کے اجزاء اصلہ سے روح متعلق کردی جاتی ہے اور اس سے حساب ہو جاتا ہے۔ حدیث میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ماں کے پیٹ میں فرشتہ بچہ بنا جاتا ہے، تقدیر لکھ جاتا ہے ماں کو خبر نہیں ہوتی عالم امر کی چیزیں ان آنکھوں سے نہیں دیکھی جاسکتیں۔

اس لیے "هَذَا الرَّجُلُ" کی تفسیر ہے جو حضور نے خود فرمائی کسی راوی کی تفسیر نہیں ورنہ وہ رسول اللہ یا نبی اللہ فرماتے۔ (مرقاۃ) اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حسابِ قبر حضور سے نہیں لیا گیا کیونکہ حضور ہی کی پہچان کا تو حساب ہے پھر آپ سے کیسے ہوتا۔ دوسرے یہ کہ قبر میں ہر مردے کو قریب سے حضور کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہذا سے معلوم ہوا، ہذا وہاں بولتے ہیں جہاں چیز نظر بھی آرہی ہو اور قریب بھی ہو۔ تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت سب کی قبور میں پہنچ سکتے ہیں، یا بیک وقت نظر آسکتے ہیں جیسے سورج کی شعاعیں بیک وقت لاکھوں جگہ موجود اور بیک وقت خود ہر جگہ سے نظر آتا ہے اس سے حاضر ناظر کا مسئلہ حل ہوا۔ چوتھے یہ کہ فرشتے خود حضور ہی کی زیارت کراتے ہیں نہ کہ آپ کے فوٹو کی کیونکہ فوٹو نہ رَجُل ہے، نہ اس فوٹو کا نام محمد ہے، نہ وہ فوٹو نبی ہے جیسے پتھر کو خدا کہنا شرک ہے ایسے ہی کسی فوٹو کو نبی بتانا بھی کفر ہے، عشاق اس دیدارِ قبر کی بنا پر موت کی تمنا کرتے ہیں اور عاشقوں کی موت کو عرس کہا جاتا ہے یعنی برات کا دن یا دولہا کی دید کی عید کا دن۔

یعنی جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا اس نے حضور کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو نورِ ایمانی سے پہچان لیتا ہے اور تڑپ کر پکارتا ہے کہ یہی وہ ہیں جن کا میں نے کلمہ پڑھا تھا۔ بعض عشاق کہہ بیٹھتے ہیں کہ میں نے عمر بھر ان کو رسول اللہ مانا، اب اُن سے پوچھو مجھے اپنا امتی کہتے ہیں یا نہیں جیسا کہ بعض صوفیاء کے کشف سے ثابت ہے۔

۵۔ اللہ نے ہر بندے کے دو ٹھکانے رکھے ہیں، ایک جنت میں ایک دوزخ میں کافر اپنے ٹھکانے پر بھی قبضہ کرتا ہے اور مؤمن کے دوزخی ٹھکانے پر بھی اور مؤمن جنت میں اپنا اور کافر کا جنتی ٹھکانہ سنبھالتا ہے رب فرماتا ہے: "وَأَوْرَثْنَا الْأَرْضَ" اور فرماتا ہے: "أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ"۔ یہاں زمین سے جنت کی زمین مراد ہے اور وراثت سے کافر کے حصہ کی ملکیت مراد ہے وہی اس حدیث کا مقصد ہے یعنی اگر تو جنابِ مصطفیٰ کو یہاں نہ پہچانتا تو دوزخ میں یہاں رہتا، یہ اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ مؤمن کی خوشی دو بالا ہو جائے۔

۶۔ یعنی میت اپنے قبر میں سے دوزخ و جنت کو آنکھوں سے دیکھتا ہے حالانکہ یہ دونوں اس کی قبر سے کروڑوں میل دور ہیں جب مردے کی دور بینی کا یہ عالم ہے تو اگر وہ ساری زمین اور زمین والوں کو دیکھے تو کیا بعید ہے، آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر امتی کے ہر حال کو دیکھ رہے ہیں۔ اور ان کی ہر بات سُن رہے ہیں اسی لئے ہر نمازی ہر جگہ سے انہیں نماز میں سلام کرتا ہے کہتا ہے "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ"۔

۷۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں یہ اشارہ حسیہ ہوتا ہے نہ کہ عقلیہ اور وہیہ یعنی فرشتے جمالِ محمدی دکھا کر پوچھتے ہیں محض ذہنی، وہی چیز کی طرف اشارہ نہیں کرتے کیونکہ کافر حضور سے خالی الذہن ہے اگر اس کے سامنے جمالِ محمدی نہ ہوتا تو وہ تعجب سے کہتا کسے پوچھتے ہو؟ یہاں تو کوئی بھی نہیں یہ حدیث حضور کے حاضر ناظر ہونے کی ایسی قوی دلیل ہے کہ منکرین سے ان شاء اللہ اس کا جواب نہ بنے گا، سورج بیک وقت لاکھوں آئینوں میں جلوہ گری کر سکتا ہے تو نبوت کا سورج بھی لاکھوں قبروں کو بیک وقت چمکا سکتا ہے۔

۸۔ اگرچہ کافر نے عمر بھر حضور کو دیکھا ہو مگر قبر میں نہ پہچان سکے گا جیسے ابو جہل، ابولہب وغیرہ کیونکہ وہاں حضور کی پہچان رشتہ ایمانی سے ہے، لطف تو یہ ہے کہ کافر وہاں اپنا کفر بھی بھول جائے گا، یہ نہ کہہ سکے گا کہ میں انہیں اپنے جیسا بشر یا بڑا بھائی یا جادو گر و مجنوں کہتا تھا، بلکہ گھبرا کر کہے گا کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے انہیں کیا کہا تھا جو اور لوگ کہتے تھے وہی میں نے بھی کہا ہوگا۔

۹۔ "تَلْکَیْت" اصل میں تَلْکَوتَ تھادِرِیْت کی وجہ سے اس کی "و" بھی "ی" سے بدل گئی یعنی ان کی نبوت پر تو عقلی دلائل بھی قائم تھے، ان کے معجزات وغیرہ اور نقلی دلائل بھی آیاتِ قرآنیہ۔ تو نے زندگی میں نہ تو انہیں عقل سے پہچانا، نہ قرآن کے ذریعہ مانا، نہ علماء کی پیروی کی۔ ظاہر یہ ہے کہ گفتگو سارے ہی کافروں اور منافقوں سے ہے، اس میں کسی تاویل وغیرہ کی ضرورت نہیں۔

۱۰۔ یعنی چونکہ جن و انس ایمان اور شرعی احکام کے مکلف ہیں اور ایمان بالغیب چاہیے اس لیے قبر کا عذاب اور کافر مردے کی چیخ و پکار ان دونوں سے مخفی رکھی گئی تاکہ یہ غیب شہادت نہ بن جائے۔ ان کے علاوہ باقی تمام قریبی حیوانات بلکہ درخت و پتھر وغیرہ بھی یہ آواز سنتے ہیں۔ خیال رہے کہ ہر قبر میں سوال و جواب کرنے والے دو فرشتے جاتے ہیں تاکہ یہ گواہ بھی بن جائیں مگر ہتھوڑوں سے مارنے والے دوسرے فرشتے۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جب کوئی مرجاتا ہے تو صبح شام اس پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا رہتا ہے۔ اگر جنتی ہے تو جنت کا ٹھکانہ اور اگر دوزخیوں میں سے ہے تو دوزخ کا ٹھکانہ۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے تا آنکہ قیامت کے دن اللہ تجھے ادھر بھیجے گا۔  
(مسلم، بخاری)

۱۔ یہاں صبح و شام سے مراد ہمیشگی ہے یعنی میت قبر سے ہر وقت اپنے جنتی یا دوزخی ٹھکانے کو دیکھتا رہتا ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں اس کی تائید اس آیت سے ہے "النَّارُ یُعْرَضُونَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَعَشِیًّا"۔ (المرقاة)

۲۔ دیکھتا رہتا ہے اور قبر میں جنت کی خوشبوئیں، وہاں کی ٹھنڈی ہوائیں بلکہ وہاں کے پھل بھی آتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی کافر کی قبر میں کہ دوزخ کی لُو، وہاں کی بدبو اور سانپ بچھو قبر میں پہنچتے رہتے ہیں۔ خیال رہے کہ قبر میں جنت کا آرام یا دوزخ کی تکلیف پہنچ جاتی ہے مگر جسم کا جنت میں ثواب کے لیے پہنچنا بعد قیامت ہوگا۔ ہاں شہداء کی رُو حیں مرتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہیں جسماں داخلہ ان کا بھی بعد قیامت ہے۔

۳۔ خیال رہے کہ مؤمن کی روح قبر میں یا کسی اور مقام پر قید نہیں ہوتی بلکہ بعض ارواح تو تمام عالم میں چکر لگاتی ہیں جیسا کہ مرقاة وغیرہ میں ہے مگر ہیڈ کوارٹر قبر ہی ہوتی ہے اور تعلق وہاں سے ہر وقت رہتا ہے۔ جیسے سونے کی حالت میں سیلابی روح کا تعلق جسم سے، اسی لیے زیارت قبور کی جاتی ہے اور وہاں میت کو ایصالِ ثواب اور عرض و معروض کیا جاتا ہے۔ "هَذَا مَقْعَدُكَ" سے یہی مراد ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ ایک یہودی

عورت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی ۱ اور اس نے عذاب قبر کا ذکر کیا ۲ اور آپ سے عرض کیا اللہ تمہیں عذاب قبر سے بچائے تب حضرت عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب قبر کے متعلق پوچھا ۳ آپ نے فرمایا ہاں عذاب قبر حق ہے ۴ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے کبھی نہ دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز پڑھی ہو اور عذاب قبر سے رب کی پناہ نہ مانگی ہو ۵ (مسلم، بخاری)

۱ ملنے یا کسی اور کام کے لیے نہ کہ محبت وغیرہ کی بنا پر مسلمہ عورت کا بدکار عورتوں سے پردہ لازم ہے نہ کہ کافرہ عورتوں سے لہذا قول فقہاء اس حدیث کے خلاف نہیں۔

۲ کیونکہ توریت شریف میں پڑھا تھا یا اپنے پادریوں سے سنا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ بھی عذاب قبر کے قائل ہیں جو مسلمان اسلام کا دعویٰ کر کے اس کا انکار کرے وہ ان سے بھی بدتر ہے تمام آسمانی کتب میں اس کا ذکر تھا معتزلہ روافض اور اس زمانہ کے بعض نئی روشنی کے دلدادہ اس کے انکاری ہیں۔

۳ کیونکہ اب تک آپ کو اس کی خبر نہ تھی اور یہود کی بات پر اعتبار نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی بتائی بات پر اعتبار نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی تصدیق علماء اسلام سے نہ ہو جائے۔

۴ کہ تمام آسمانی دین اس کے قائل ہیں۔ خیال رہے کہ کفار کا عذاب قبر کسی صورت سے دفع نہیں ہو سکتا۔ مگر گنہگار مؤمنوں کا یہ عذاب سبزہ کی تسبیح، بزرگوں کی دعا، ایصالِ ثواب وغیرہ سے ختم یا کم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر کھجور کی ترشاخیں گاڑیں، اب قبروں پر پھول ڈالنے گھاس اگانے کا بھی یہی منشاء ہے۔

۵ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے، اس سے پہلے آہستہ دعا مانگتے تھے، یہ دعا امت کی تعلیم کے لیے ہے تاکہ لوگ سیکھ لیں ورنہ انبیائے کرام سے نہ سوال قبر ہے نہ عذاب ان کی برکت سے لوگوں کے عذاب دور ہوتے ہیں۔

روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے ۱ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے باغ میں اپنے خنجر پر سوار تھے ۲ اور ہم حضور کے ساتھ تھے کہ اچانک آپ کا خنجر بدکا ۳ قریب تھا کہ آپ کو گرا دیتا ناگاہ وہاں پانچ چھ قبریں تھیں حضور نے فرمایا کہ ان قبروں کو کوئی پہچانتا ہے؟ ۴ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں حضور نے فرمایا یہ کب مرے عرض کیا زمانہ شرک میں ۵ تب حضور نے فرمایا کہ یہ گروہ ۱ اپنی قبروں میں عذاب دیئے جاتے ہیں ۲ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم دفن کرنا چھوڑو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ

اس عذاب سے کچھ تمہیں بھی سنا دے جو میں سن رہا ہوں۔ پھر ہماری طرف چہرہ کر کے فرمایا کہ دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو سب نے کہا ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں فرمایا عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو سب بولے ہم عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۹ فرمایا کھلے چھپے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو سب بولے ہم کھلے چھپے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۱۰ فرمایا دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو سب بولے کہ ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں (مسلم)

۱۔ آپ انصاری ہیں، مدنی ہیں، کاتب وحی، علم فرائض کے امام ہیں، آپ کے حالات پہلے ذکر کیئے جا چکے۔

۲۔ بنی نجار انصار کا ایک بڑا قبیلہ ہے، انہی کی چھوٹی بیچیاں ہجرت کے دن حضور کی تشریف آوری پر دفن بجاتی اور گالا کر خوشیاں مناتی تھیں۔

۳۔ عذاب قبر دیکھ کر معلوم ہوا کہ جس شخص پر حضور سوار ہو جائیں اس کی آنکھ سے نیبی جاب اٹھ جاتے ہیں کہ وہ قبر کے اندر کا عذاب دیکھ لیتا ہے، تو جس ولی پر حضور کا دست کرم پڑ جائے وہ عرش و فرش دیکھ لیتا ہے، خیال رہے کہ جانور قبر والو کی چیخ و پکار سن لیتے ہیں جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزر چکا، مگر عذاب قبر کا دیکھنا حضور کی برکت سے تھا ورنہ ہمارے گھوڑے دن رات قبروں پر گزرتے ہیں نہ بدکتے ہیں نہ اچھلتے ہیں۔

۴۔ یہ سوال اپنی بے علمی کی بنا پر نہیں کہ بلکہ دوسرے کی زبان سے یہ حالات سنوائے کیلئے ہیں، حضور اپنے صحابہ اور انکی قبروں کو پہچانتے ہیں، ہر ایک کے دفن میں شرکت فرماتے تھے، رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ حالانکہ رب تعالیٰ علیم و خبیر ہے حضور تو قبر کا عذاب ملاحظہ فرما رہے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ان سے بے خبر ہوں

۵۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے یا بعد آپ کا انکار کر کے، اس سے معلوم ہوا کہ ظہور اسلام سے پہلے جو مشرک ہو کر مر اسے بھی عذاب قبر ہوگا اور کفار کا عذاب کبھی ختم نہیں ہوتا نہ اس کے لیے دعائے مغفرت کی جائے، نہ ایصال ثواب وغیرہ، مردے کو کوئی دوا مفید نہیں، کافر کو کوئی دعا فائدہ مند نہیں۔ اسی لیے حضور نے ان کے لیے دعا بھی نہ فرمائی اور سبزہ وغیرہ بھی نہ ڈالا جیسا کہ گنہگاروں کی قبر پر کھجور کی شاخ گاڑی تھی جس کا ذکر آگے آئے گا۔ بعض مسلمان مشرکوں کو خوش کرنے کے لیے گاندھی کی سادھ پر پھول ڈالتے ہیں، سخت ناجائز ہے

۶۔ مشرکین و کفار کا امت یعنی جماعت جو دین یا زمانہ یا جگہ میں جمع ہو (مراۃ)

۷۔ پہلے گزر چکا کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے مشرکین ہند کے مردے جلادیئے جاتے ہیں انہیں بھی عذاب برزخ ہوتا ہے۔

۸۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب سارے مسلمانوں سے ہے نہ کہ صرف صحابہ سے بعض صحابہ اور اولیاء اللہ تو عذاب قبر کو سنتے اور دیکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب قبر ایسی دہشتناک چیز ہے کہ اگر عوام اسے دیکھ لیں تو دہشت سے دیوانے ہو جائیں، اور اپنے مردوں کو دفن کرنا بھول جائیں، یہ مطلب نہیں کہ دفن نہ کرنے سے عذاب نہیں ہوتا، لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں، کوئی کاززلہ دیکھ کر لوگوں کے ہوش اڑ گئے تھے اور بہت سے دیوانے ہو گئے تھے۔



۹ اگرچہ عذاب قبر پہلے ہے اور عذاب دوزخ بعد میں، لیکن چونکہ عذاب دوزخ سخت ہے اور عذاب قبر ہلکا کہ دوزخ میں آگ ہے اور قبر میں آگ کا اثر اس لیے دوزخ کا ذکر پہلے فرمایا اور قبر کا بعد میں۔

۱۰ کھلے فتنے بد اعمالیاں ہیں یعنی جسم کے گناہ اور چھپے فتنے بد عقیدتیاں، حسد، کینہ وغیرہ ہیں یعنی دل کے گناہ۔ مطلب یہ ہے کہ ان تمام برائیوں سے پناہ مانگو جو عذاب دوزخ یا عذاب قبر کا سبب ہیں چونکہ بظاہر یہ تکلیف دہ نہیں ہوتے اس لیے ان کا ذکر بعد میں کیا گیا۔  
۱۱ یہ دعا آئندہ نسلوں کی تعلیم کے لیے اور صحابہ کرام کے دلوں میں فتنہ دجال کی ہیبت قائم کرنے کے لیے ہے، ورنہ حضور کو علم تھا کہ صحابہ کے زمانہ میں نہ دجال آئے گا نہ اس کے فتنے۔

الفصل الثانی  
دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میت دفن کی جاتی ہے ۱ تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں ۲ ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے ۳ وہ کہتے ہیں کہ تو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ ۴ تو میت کہتا ہے یہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۵ تب وہ کہتے ہیں ہم تو جانتے تھے کہ یہ تو یہ کہے گا ۶ پھر اس کی قبر میں فراخی دی جاتی ہے ستر ۷ گز میں ۸ پھر اس کے لیے وہاں روشنی کردی جاتی ہے ۹ پھر اسے کہا جاتا ہے سو جا وہ کہتا ہے میں اپنے گھر جاؤں تاکہ انہیں یہ خبر دوں ۱۰ تو وہ کہتے ہیں دلہن کی طرح سو جا جسے اس کے پیارے خاوند کے سوا گھر کا کوئی نہیں جگاتا ۱۱ تا آنکہ اللہ اسے اس کی خواب گاہ سے اٹھائے گا اور اگر مردہ منافق ہو تو کہتا ہے کہ میں نے لوگوں سے کچھ کہتے سنا تھا اسی طرح میں بھی کہہ دیتا تھا میں نہیں پہچانتا ۱۲ تب وہ کہتے ہیں کہ ہم تو جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا ۱۳ پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ اس پر تنگ ہو جاؤ اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ مردے کی پسلیاں ادھر ادھر ہو جاتی ہیں ۱۴ پھر وہ قبر کے عذاب میں ہی رہتا ہے تا آنکہ اللہ اسے اس ٹھکانے سے اٹھائے ۱۵ (ترمذی)

۱۔ دفن کا ذکر اتفاقاً ہے۔ چونکہ عرب میں عام مردے دفن ہی ہوتے تھے اس لیے فرمایا گیا ورنہ جو مردہ دفن نہ بھی ہو بلکہ اسے جلا کر خاک کیا گیا ہو یا شیر و مچھلیاں کھا گئیں ہوں اس کے اجزائے اصلیہ سے روح متعلق کر دی جاتی ہے۔ اور سوال جواب ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ اجزاء دنیا میں بکھرے ہوں۔ (مرقات و لمعات وغیرہ)

۲۔ یہ دونوں فرشتے وہ ہیں جو حساب قبر پر مقرر ہیں یہ انسانی شکل بنا کر اس رنگ میں اس لیے آتے ہیں تاکہ ان کی ہیبت سے کفار تو گھبرا جائیں اور حیرانی سے جواب نہ دے سکیں اور مؤمن مطمئن رہیں اور با آسانی جواب دیں یہ گھبراہٹ اور اطمینان کافر و مؤمن میں فرق کرنے کے لیے ہے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نورانی مخلوق میں بیک وقت ہزار ہا جگہ موجود ہو جانے کی طاقت ہے، دو فرشتے ایک آن میں ہزار قبروں میں پہنچ جاتے ہیں، لہذا بعض اولیاء کا بیک وقت چند جگہ پایا جانا ممکن ہے۔ دوسرے یہ کہ جب نور شکل انسانی میں آئے تو جسم انسانی کے لوازمات اس میں پائے جائیں گے، فرشتے نور ہیں اور نور نہ کالا ہو نہ نیلا مگر جب شکل انسانی میں آئے تو ان کے پیرے کا رنگ کالا بھی ہو گیا، آنکھیں نیلی بھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاشی جب سانپ بیتی تو کھاتی پیتی بھی تھی "تَلَقَّفُ مَا يَأْكُفُونَ" ہر وقت فرشتے جب شکل انسانی میں آئے تو کھاتے پیتے بلکہ صحبت بھی کر سکتے تھے، اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ اگر حضور نور تھے تو کھاتے پیتے کیوں تھے؟

۳۔ ان لفظوں کے معنی ہیں اجنبی جس کو دیکھ کر گھبراہٹ ہو چونکہ میت نے انہیں کبھی دیکھا نہیں ہوتا ان کی شکل ہیبت ناک بھی ہوتی ہے اس لیے ان کا یہ نام ہے۔ شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ کافروں کے سوال کرنے والے فرشتوں کا یہ نام ہے۔ اور مؤمنوں کے متحنوں کا نام مبشر اور بشیر ہے مگر ناموں کا فرق ہے ذات ایک ہی ہے۔

۴۔ مرقاۃ میں فرمایا کہ شکل پاک مصطفیٰ ہر قبر میں جلوہ گر ہوتی ہے جیسے ہر آئینہ میں سورج۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ قبر سے روضۂ اطہر تک کے جاب اٹھا دیئے جاتے ہیں، جس سے میت بے تکلف جمالِ جہاں آرا کا نظارہ کرتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ مؤمن سے پھر یہ جمال تا قیامت غائب نہیں ہوتا، اسی لیے بعض عشاق موت کی تمنا کرتے ہیں حضور نے حضرت فاطمہ زہرا سے فرمایا کہ میرے اہل بیت میں پہلے تم مجھ سے ملو گی یا ازواج پاک سے فرمایا کہ تم میں جو زیادہ سخی ہو گی وہ مجھ سے پہلے ملے گی اس کا یہی مطلب ہے۔ خیال رہے کہ ان فرشتوں کا حضور انور کو راجل فرمانا تو بہن کے لیے نہیں کہ یہ کفر ہے بلکہ امتحان کی تکمیل کے لیے ہے کہ اگر وہ نبی یا رسول کہہ دیتے تو امتحان ہی کیا ہوتا۔

۵۔ قبر میں سوال بھی تین ہوتے ہیں اور جواب بھی تین، مگر یہاں سوال تو ایک فرمایا گیا جو سب کو جامع تھا۔ اور جواب تینوں کا توحید کا بھی، دین کا، اور رسالت کا بھی۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ بندہ حضور ہی کو دیکھتا ہے نہ کہ آپ کے فوٹو کو ورنہ یہ جواب عین کفر ہوتا۔ کیونکہ حضور کے فوٹو کو نبی کہنا ایسے ہی کفر ہے جیسے رب کے نام کا پتھر گھڑ کر اسے خدا کہنا۔

۱۔ یعنی یہ سوال جواب قانونی طور پر ہے ہم تیرے ایمان سے بے خبر نہ تھے۔ معلوم ہوا کہ فرشتے ہر شخص کی سعادت اور شقاوت، کفر و ایمان سے خبردار ہیں۔ ہمارے حضور جو علم الخلق ہیں ان کے علم کا کیا پوچھنا، مرقات میں فرمایا کہ فرشتے مؤمن میت کی پیشانی میں نور ایمان کی شعاع عبادت کا اثر اور سعادت کی علامتیں دیکھتے ہیں۔ جیسے قیامت میں ہر شخص مؤمن و کافر کو پہچان لے گا رب فرماتا ہے: "يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌُ"۔

کے یعنی چار ہزار نوسو گز جو ستر کی ضرب ستر میں دینے سے حاصل ہے، یعنی ستر گز لمبی ستر گز چوڑی کل رقبہ چار ہزار نوسو، یہ بیان وسعت کے لیے ہے نہ کہ حصر کے لیے۔ بعض روایتوں میں ہے تاحد بصر وہ اس کی تفسیر ہے۔  
۸۔ یہ روشنی چاند سورج وغیرہ کی نہیں ہوتی بلکہ نورِ الہی یا نورِ مصطفوی کی جگمگاہٹ ہوتی ہے ممکن ہے کہ ایمان قلبی کا نور ہو تب بھی وہی ہے۔

۹۔ کہ میں کامیاب ہو گیا اور نہایت آرام سے ہوں۔ معلوم ہوا کہ میت اپنے گھر والوں کو پہچانتا ہے اور وہاں پہنچنے کی بھی طاقت رکھتا ہے کیونکہ وہ یہ نہیں کہتا کہ تم مجھے لے چلو یا سواری لاؤ بلکہ کہتا ہے میں جاتا ہوں اگرچہ اس کے گھر والے صدمہ کوس ہوں۔  
۱۰۔ مرقات میں فرمایا کہ یہاں سونے سے مراد آرام کرنا ہے یعنی یہ برزخِ زندگی آرام سے گزار کہ تجھ تک سوا خدا کی رحمت کے کوئی آفت یا بلا نہیں پہنچ سکے گی جیسے کہ عروس دلہن کے پاس دلہا کے سوا کوئی نہیں پہنچتا یہ نیند غفلت والی مراد نہیں، رب فرماتا ہے:- "مِرَزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ"۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول قبر میں جنتی روزی کھاتے ہیں، خوش و خرم رہتے ہیں اور دنیا کے لوگوں کی خبر رکھتے ہیں، اگر وہ سو گئے ہوتے تو پھل کیسے کھاتے، یہاں کی خبر کیسے رکھتے، نیز قبرستان میں پہنچ کر سلام کرنا سنت نہ ہوتا کیونکہ سوتوں کو سلام کرنا منع ہے لہذا اس حدیث سے وہابی دلیل نہیں پکڑ سکتے، یہ حدیث بزرگوں کے عرس کا ماخذ ہے چونکہ فرشتوں نے اس دن صاحبِ قبر کو عروس کہا ہے لہذا اس دن کا نام روزِ عرس ہے موت مؤمن کی شادی کا اور کافر کی گرفتاری کا دن ہے۔

۱۱۔ معلوم ہوا کہ دلی ایمان قبر میں ساتھ جائے گا نہ کہ زبانی اسلام۔ اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی۔

۱۲۔ کیونکہ لوح محفوظ ہمارے سامنے ہے، تیرا کفر پر مرنا ہمیں معلوم ہے، تیری پیشانی میں کفر کی تاریکی دیکھ رہے ہیں، یہ سوال جواب محض قانون کے لیے ہیں۔

۱۳۔ یعنی دائیں پسلیاں بائیں اور بائیں پسلیاں دائیں طرف لیکن اس کی یہ حالت ہماری حس سے بالا ہے اگر ہم کافر کی لاش دیکھیں تو ویسی ہی صحیح معلوم ہوگی۔ خیال رہے کہ اگر ایک ہی قبر میں کافر و مؤمن دفن ہو گئے تو وہ ہی قبر مؤمن کے لیے فراخ ہوگی اور کافر کے لیے تنگ، مؤمن کے لیے روشن اور کافر کے لیے اندھیری، مؤمن کے لیے ٹھنڈی کافر کے لیے گرم، اور مؤمن کے لیے مہکی ہوئی، کافر کے لیے بدبودار جیسے ایک بستر میں دو آدمی سو رہے ہوں ایک اچھی اور دل خوش کن خواب دیکھے، دوسرا پریشان کن اور ہیبت ناک خواب دیکھے، بستر ایک ہے مگر دونوں کی حالتیں مختلف، خواب بزرخ کی ایک تمثیل ہے، خواب اکثر خیال ہوتی ہے۔ بزرخ میں حقیقت ہوگی، پسلیاں فرمانا سمجھانے کے لیے ورنہ جن کفار کی پسلیاں راہ بنا دی گئیں یا جانوروں نے ہضم کر لیں ان کی روح پر بھی تنگی ایسی ہی ہوگی اس کے لیے قبر ایک ٹکڑہ ہے۔

۱۴۔ یعنی قیامت تک معلوم ہوا کہ کافر کا عذاب کسی تدبیر سے بھی ختم یا ہلکا نہیں ہو سکتا، گنہگار مؤمن کا عذاب قبر بزرگوں کے قدم، زندوں کے ایصالِ ثواب وغیرہ سے ہلکا ہو جاتا ہے۔

روایت ہے براء ابن عازب سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں۔ پھر اس سے کہتے ہیں تیرا رب کون؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے پھر کہتے ہیں تیرا دین کیا

وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے ۲ پھر وہ کہتے ہیں یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے تو وہ کہتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں فرشتے کہتے ہیں۔ تجھے یہ کیسے معلوم ہوا ۳ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا، اسے سچا جانا ۴ یہ ہی اس آیت کی تفسیر ہے۔ "يُنَبِّئُكَ اللَّهُ" الایہ۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے ۵ لہذا اس کے لیے جنت کا بستر بچھاؤ اسے جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو پس کھول دیا جاتا ہے فرماتے ہیں کہ اس تک جنت کی ہوا اور وہاں کی خوشبو آتی ہے ۶ اور تاحد نظر قبر میں فراخی کردی جاتی ہے ۷ رہا کافر حضور نے اس کی موت کا ذکر فرمایا ۸ فرمایا کہ اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں پھر وہ اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا ۹ پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا ۱۰ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے ۱۱ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا ۱۲ تب پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ یہ جھوٹا ہے ۱۳ لہذا اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھاؤ آگ کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھول دو فرمایا پھر اس تک وہاں کی گرمی اور لو آتی ہے ۱۴ فرمایا اس پر اس کی قبر تنگ ہو جاتی ہے۔ حتی کہ وہاں اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں ۱۵ پھر اس پر اندھے بہرے فرشتے مسلط ہوتے ہیں ۱۶ جن کے پاس لوہے کے ہتھوڑے ہوتے ہیں اگر ان سے پہاڑ کو مارا جائے تو وہ بھی مٹی ہو جائے اس سے اسے مارتے ہیں ایسی مار جس سے جن و انس کے سوا پورب کچھم کی مخلوق سنتی ہے ۱۷ جس سے وہ مٹی ہو جاتا ہے پھر اس میں روح لوٹائی

جانی ہے ۱۸۔ (احمد، ابوداؤد)

۱۔ خیال رہے کہ لیٹے ہوئے کا بیٹھنا جلوس ہے اور کھڑے ہوئے بیٹھنا قعود کبھی مجازاً ایک کو دوسرے کے معنی میں استعمال کر لیتے ہیں یہاں حقیقی معنی میں ہے۔ یہاں بٹھالنا بھی غیر حسی ہے، مردے خانہ میں کافر کی لاشیں ہمارے سامنے پڑی رہتی ہیں مگر فرشتے اسے بٹھال کر امتحان لے کر عذاب میں گرفتار کر جاتے ہیں اور ہمیں پتہ بھی نہیں لگتا ہمارے سامنے سونے والا بدخوابی میں تکلیف پارہا ہے گھبرا رہا ہے مگر ہمیں خبر نہیں۔

۲۔ یہ سوال جواب سب عربی زبان میں ہوتے ہیں بعد موت سب کی زبان عربی ہو جاتی ہے۔ (مرقاۃ) لیکن مردہ اپنی زندگی کی زبان بھی سمجھتا ہے۔ ہمارے حضور زندگی شریف میں تمام زبانیں جانتے ہیں حتیٰ کہ لکڑی و پتھر کی زبانیں، جانور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فریادیں کرتے تھے اور اب بھی ہر زبان سے واقف ہیں، حضور کے روضہ پر ہر فریادی اپنی زبان میں عرض و معروض کرتا ہے وہاں ترجمہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔

۳۔ یہ سوال خوشی کا ہے یعنی اسے بندے اس نازک موقعہ پر تو نے انہیں کیسے پہچان لیا اور تو امتحان میں کامیاب کیسے ہو گیا؟  
۴۔ یعنی بلا واسطہ میں نے قرآن شریف خود دیکھا یا علماء کے ذریعہ اس سے عقائد اور اعمال حاصل کیئے لہذا یہ جواب علماء کے لیے بھی درست ہے اور جاہلوں کے لیے بھی، اس جواب سے معلوم ہوا کہ قبر میں حضور کی پہچان ایمانی رشتہ سے ہوگی خواہ حضور کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔ خیال رہے کہ مؤمن ایک لحاظ سے حضور سے قرآن کو جانتا ہے اور دوسرے لحاظ سے قرآن سے حضور کو پہچانتا ہے۔

۵۔ عبدی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام رب کا ہے۔ جسے بندہ آج پہلی بار اپنے کان سے سنتا ہے اس کلام کو سن کر جو خوشی بندے کو ہوتی ہے وہ بیان نہیں ہو سکتی، سچا ہے کہ یہ معنی ہیں کہ دنیا میں بھی سچا رہا اور آج بھی سچ بولا۔

۶۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ قبر میں جنت کی نعمتیں پہنچتی ہیں مگر بندہ وہاں نہیں پہنچتا، بندے کا جنت میں پہنچنا حشر کے بعد ہوگا۔  
۷۔ یہ حدیث سترہ گز فراخی کی تفسیر ہے۔

۸۔ کہ کس مصیبت سے اس کی جان نکلتی ہے، نیز اسے دنیا چھوٹنے کا صدمہ، عذاب کے فرشتوں کی ہیبت، آئندہ عذاب کا ڈر سب جمع ہو جاتے ہیں۔ مؤمن کو اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔

۹۔ معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے دنیا میں حضور سے رشتہ غلامی نہ جوڑا۔ اگرچہ وہ توحید کے قائل رہے مگر قبر میں توحید وغیرہ سب کا سب بھول جائیں گے کیونکہ یہ جو اب ہر کافر کا ہوگا۔ دہریہ ہو یا مشرک ہو یا شیطانی توحید والا موحد۔

۱۰۔ یعنی اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ دنیا میں میں نے اسلام کے سوا کون سا دین اختیار کیا تھا کیونکہ سارے کفر شیطانی دین ہیں، جن کی بنیاد نفسانی ہے، مرتے ہی شیطان ساتھ چھوڑ گیا نفس ٹوٹ گیا۔ جب جڑ ہی کٹ گئی شاخیں کیسے باقی رہیں۔

۱۱۔ معلوم ہوا کہ کافر میت کو بھی حضور کا دیدار کرایا جاتا ہے مگر وہ پہچان نہیں سکتا کیونکہ ان کی پہچان بصارت سے نہیں ہوتی بلکہ دل کی بصیرت سے ہوتی ہے۔ نابینا صحابہ نے حضور کو دیکھ لیا آنکھ والے کافر حضور کو نہ دیکھ سکے، بصارت سرمہ سے تیز ہوتی ہے، بصیرت مقبولین کے آستانوں کی خاک سے۔

۱۲۔ اس جواب سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر اور بڑا بھائی کہنے کو ایمان سمجھتے ہیں اگر اس سے ایمان مل جاتا تو یہ کافر کہہ سکتا تھا کہ یہ ایک بشر ہیں یا میرے بھائی ہیں، بشریت مصطفوی پہچاننے پر نجات نہیں نجات کے پہچاننے پر نجات ہے بشریت تو ابو جہل بھی مانتا تھا۔

۱۳ کیونکہ یہ کہتا ہے کہ میں انہیں جانتا ہی نہیں حالانکہ زندگی میں انہیں جادو گر، شاعر، اپنے جیسا بشر، بڑا بھائی کہتا تھا اور یہاں کہتا ہے میں جانتا ہی نہیں جس کو واقعی حضور کی نبوت کی اطلاع نہ پہنچی ہو اس کے لیے صرف عقیدہ توحید کافی ہے اور اس سے یہ سوال جواب بھی نہیں، نیز حضور کی نبوت مشرق و مغرب میں پھیل چکی اب جو دانستہ اس سے غافل رہے وہ بھی مجرم ہے اور لا ادری کہنے میں جھوٹا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں عبدی نہ فرمایا کیونکہ یہ لفظ رحمت کا ہے اور کفر مستحق لعنت۔

۱۴ یعنی آگ کے شعلے دھواں بلکہ وہاں کے سانپ بچھو بھی اور گرم ہوا بھی بعض قبروں میں یہ چیزیں دیکھی بھی گئیں، اللہ کی پناہ۔  
۱۵ یہ تنگی بھی تاقیامت رہتی ہے جیسے کہ گرمی اور آگ۔

۱۶ ان عذاب کے فرشتوں کا نام زبانیہ ہے اندھے بہرے سے مراد سخت دل بے رحمی اور لاپرواہی ہے کہ اس کی تکلیف دیکھ کر رحم نہیں کرتے آہ و بکاہ سن کر کان نہیں دھرتے۔ (اشعۃ) ورنہ اندھا بہرہ ہونا عیب ہے جس سے فرشتے پاک ہیں۔ رب قیامت میں کافر سے فرمائے گا "كَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْصَلُونَ" حالانکہ رب بھول سے پاک ہے۔

۱۷ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں جن و انس سے عوام مراد ہیں مقبولین یہ آہ و بکاہ سنتے بھی ہیں بلکہ عذاب قبر دیکھتے بھی ہیں۔

۱۸ یعنی جیسے دنیا میں سخت تکلیف میں جان نکل جاتی تھی ایسے ہی وہاں بھی ہوگا کہ ہتھوڑے کی ہر چوٹ پر جان نکلے گی پھر ڈالی جائے گی اسی لیے قیامت میں کافر عرض کریں گے "رَبَّنَا أَمَتْنَا اثْنَتَيْنِ وَ أَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ" خدایا تو نے ہمیں بار بار موت و زندگی دی، اس آیت میں اثنتین سے بار بار مراد ہے جیسے "ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ"۔ غرض کہ یہ آیت اس حدیث کی تفسیر ہے اس آیت کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں۔

روایت ہے حضرت عثمان سے کہ آپ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ عرض کیا گیا کہ آپ جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اس سے روتے ہیں تو فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں سے پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات پا گیا تو بعد والی منزلیں اس سے آسان تر ہیں۔ اور اگر اس سے ہی نجات نہ پائی تو بعد والی منزلیں اس سے سخت ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے کوئی منظر نہ دیکھا مگر قبر اس سے زیادہ وحشت ناک ہے۔ اسے ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱۔ مردے کی یاد میں نہیں بلکہ قبر کی ہیبت میں اور عذاب قبر کے خوف سے اگرچہ آپ ہر قسم کے عذاب سے محفوظ تھے، زبان مصطفوی سے جنت کی بشارت پانچکے تھے، لیکن ہیبت دل میں موجود تھی جو ایمان کا تقاضا ہے جب محفوظین کا یہ خوف ہے تو ہم گنہگاروں کو کتنا

خوف چاہیے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں حضور کی بشارت پر یقین نہ تھا یا رب تعالیٰ کے جھوٹ کا احتمال تھا۔ رب نے فرمایا تھا: "مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ" اس کے باوجود آندھی دیکھ کر حضور کے چہرہ انور پر آثار خوف نمودار ہوتے تھے۔

۲ یعنی مرنے کے بعد قبر، حشر، میزان، پل صراط وغیرہ بہت سی منزلوں سے ہمیں گزرنا ہے لیکن تمام منزلوں کا پتہ قبر سے چل جاتا ہے۔ یہاں بچ گیا تو ان شاء اللہ آگے بھی محفوظ رہے گا بلکہ گنہگار مؤمن کے لیے قبر کا عارضی عذاب اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا جیسے کہ مراقا میں ہے۔ سبحان اللہ! مؤمن کے لیے وہ سختی بھی رحمت۔

۳ یعنی قبر کا دائمی عذاب کفار کے لیے ہے اس کے لیے حشر و پل صراط قبر سے زیادہ خطرناک ہے۔  
۴ یعنی دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت قبر کے معمولی عذاب سے بھی آسان ہے، عیش میں رہنے والے کافر کو قبر کی ایک گرم ہوادے کر پوچھیں گے کہ کیا تو نے کبھی عیش دیکھا تھا وہ کہے گا میں جانتا بھی نہیں کہ عیش کیا چیز ہے۔ دنیا میں مصیبت زدہ اپنے مال اولاد ساتھیوں کو دیکھ کر تسلی پالیتا ہے، قبر میں کسے دیکھے گا؟ یا مٹی کو یا عذاب کے فرشتوں کو۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں کچھ ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے دعائے مغفرت کرو پھر اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کہ اس سے اب سوالات ہو رہے ہیں ۲ (ابوداؤد)

۱ ہمارے ہاں رواج ہے کہ بعد دفن فوراً واپس نہیں ہوتے بلکہ قبر کے آس پاس حلقہ بنا کر کھڑے ہوتے ہیں کچھ پڑھ کر بخشے ہیں اور میت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے، یہ تمام نفل سنت ہیں، بعض جگہ بعد دفن قبر پر اذان بھی کہتے ہیں، یہ بھی اسی حدیث سے نکل سکتا ہے کہ اس میں مردے کو تلقین ہے اور اس کے ثبات قدمی کی کوشش ہے حدیث میں ہے: "لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ"۔

۲ یعنی ہونے ہی والے ہیں کیونکہ حساب قبر لوگوں کے لوٹنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندوں کی دعا سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے ایسے ہی ان کے صدقات و خیرات میت کو مفید ہیں۔ ابو امامہ کی روایت میں ہے کہ حضور ارشاد فرماتے ہیں دفن کے بعد قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر یہ کہو: فلاں ابن فلاں اپنا وہ کلمہ یاد کر جسے تو دنیا میں پڑھتا تھا۔ تیرا رب اللہ ہے، تیرا دین اسلام ہے، تیرے نبی محمد مصطفیٰ ہیں۔ (اشعۃ) مراقا نے فرمایا کہ قبر پر ختم قرآن کرنا مستحب ہے، بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ بعد دفن سرہانہ قبر پر سورہ بقرہ کا پہلا رکوع اور پانچویں رکوع پڑھنا مستحب ہے۔ شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ قبر پر قرآن پڑھنا بہت اعلیٰ ہے۔ اشعۃ میں ہے کہ اگر اس وقت دو چار فقہی مسائل بیان کر کے ثواب میت کو پہنچائے تو اچھا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر پر اس کی قبر میں ننانوے سانپ مسلط کیے جاتے ہیں۔ جو اسے قیامت تک نوچتے اور ڈستے رہیں گے ۲ اگر ان میں سے ایک سانپ زمین پر پھونک مار

دے تو کبھی سبزہ نہ اگائے ۳۔ اسے دارمی نے روایت کیا اور  
ترمذی نے بھی اسی کی مثل روایت کی انہوں نے ننانوے کی  
بجائے ستر فرمائے ۴۔

۱۔ تین زہر والے اڑھے کو کہتے ہیں چونکہ کافر اللہ کے ننانوے ناموں کا منکر تھا۔ اسی لئے اس پر ننانوے سانپ مقرر ہوئے نیز اللہ کی  
سور حمتیں ہیں ایک دنیا میں ننانوے مؤمنوں پر آخرت میں کافروں پر ان نعمتوں کے عوض سانپ مقرر ہوئے۔  
۲۔ گوشت نوچنا، زہر نہ پہنچانا نہس ہے اور دانت مار کر زہر چھوڑ دینا لہذا یعنی کوئی نوچے گا کوئی ڈسے گا۔  
۳۔ اس طرح کہ اس کی گرمی اور زہر کی وجہ سے مٹی پک جائے اور سبزے کے قابل نہ رہے آج جہاں ایٹم بم پڑا ہے وہاں کا علاقہ  
نا قابل کاشت ہو گیا۔

۴۔ ستر سے مراد بے شمار لینا یہ ننانوے کے خلاف نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں جب حضرت سعد ابن  
معاذ نے وفات پائی تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ  
ان کی طرف گئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز  
پڑھ لی اور وہ اپنی قبر میں رکھے گئے اور ان پر مٹی برابر  
کردی گئی تو شبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دراز تسبیح پڑھی  
ہم نے بھی تسبیح پڑھی پھر تکبیر کہی ہم نے بھی تکبیر کہی ۲۔  
عرض کیا گیا یا رسول اللہ! تسبیح پھر تکبیر کیوں کہی؟ فرمایا  
اس نیک بندے پر ان کی قبر تنگ ہو گئی تھی حتیٰ کہ اللہ نے  
کشادہ کردی ۳۔ (اسے احمد نے روایت کیا)

۱۔ آپ قبیلہ انصار میں اوس کے سردار ہیں، بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد مدینہ منورہ میں ایمان لائے، آپ کے ایمان سے عبد اشہل بھی ایمان  
لائے، حضور نے ان کا نام سید الانصار رکھا، جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضور کے ساتھ بدر و احد میں شریک رہے، خندق کے دن کندھے میں تیر لگا  
جس سے خون جاری ہوا اور نہ ٹھہرا ایک ماہ کے بعد ذیقعد ۵ھ میں وفات ہوئی، ۷۳ سال عمر ہوئی، حضور کے ہاتھوں جنت بقیع میں دفن  
ہوئے۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد دفن قبر پر تسبیح و تکبیر پڑھنا سنت ہے کہ اس سے غضب الہی دفع ہوتا ہے، لگی ہوئی آگ بجھ جاتی ہے۔ اس سے قبر پر اذا  
ن کا مسئلہ ماخوذ ہے کہ اس میں تکبیر بھی ہے اور تلقین بھی اور یہ دونوں سنت ہیں۔

۳۔ یہ تنگی قبر عذاب نہ تھی بلکہ قبر کا پیار تھا، قبر مؤمن کو ایسے دباتی ہے جیسے ماں بچے کو گود میں لے کر، مگر میت اس سے ایسی گھبراتی ہے جیسے  
ماں کے دبانے پر بچہ روتا ہے، اسی لئے حضور نے عبد صالح فرمایا، عذاب قبر کافر یا گنہگار کو ہوتا ہے، اگلی حدیث اس کی شرح ہے حضور کی برکت اور  
تکبیر و تہلیل کے ذریعہ یہ تنگی بھی دور ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر تسبیح و تکبیر میت کو مفید ہے، نیز پتہ لگا کہ حضور کی نگاہ اوپر سے قبر کے اندر



کا حال دیکھ لیتی ہے، آپ کے لیے کوئی شے آڑ نہیں۔ خیال رہے کہ حضور کے قدم کی برکت سے قبر کی مصیبتیں دور ہوتی ہیں، یہ تکبیر فرمانا ہم کو تعلیم دینے کے لیے ہے، کوئی گستاخ یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضور کے ہوتے ہوئے عذاب کیوں ہوا کیونکہ یہ عذاب تھا ہی نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ وہ ہیں جن کے لیے عرش بل گیا، اور ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے گئے۔ اور ان پر ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے ۲۔ بے شک چٹائے گئے چٹایا جاتا پھر اللہ نے ان کے لیے آسانی کردی ۳۔ (نسائی)

۱۔ یعنی سعد ابن معاذ کے لیے آسمان کے دروازے کھلے، وہاں کے فرشتوں نے ان کی روح کا استقبال کیا اور ان کی روح کے پچھنے پر عرش اعظم خوشی میں ہلا آسمان سے فرشتے اور رحمتیں اتریں۔ مراقہ میں فرمایا کہ مؤمنین کی ارواح جنت میں رہتی ہیں جو ساتویں آسمان کے اوپر ہیں۔

۲۔ اللہ کی رحمتیں لے کر یا ان کے جنازے میں شرکت کرنے کے لیے۔

۳۔ یہ عبارت گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ تنگی عذاب قبر نہ تھی بلکہ قبر کی رحمت تھی اور ان کے لیے وحشت، ہلی اپنے بچے کو بھی منہ میں دباتی ہے اور چوسے کو بھی مگر دونوں میں فرق ہے۔

روایت ہے اسماء بنت ابوبکر سے ۱۔ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کے لیے کھڑے ہوئے ۲۔ تو آپ نے فتنہ قبر کا ذکر فرمایا جس میں انسان مبتلا ہوتا ہے ۳۔ تو جب یہ ذکر کیا تو مسلمانوں نے چیخ ماری ۴۔ بخاری نے اسی طرح روایت کی نسائی نے یہ اور زیادہ کیا کہ ان کے درمیان چیخ حائل ہو گئی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھ سکوں جب شو تھما تو میں نے اپنے نزدیک آدمی سے کہا کہ اللہ تجھے برکتیں دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر کلام شریف میں کیا فرمایا؟ ۵۔ وہ بولے کہ حضور نے یہ فرمایا کہ مجھے وحی ہوئی ہے کہ تم اپنی قبروں میں فتنہ دجال کے قریب فتنہ میں مبتلا کیے جاؤ گے ۶۔

۱۔ آپ کا لقب ذات النطاقین ہے، عائشہ صدیقہ کی بڑی بہن، زبیر ابن عوام کی زوجہ، عبداللہ ابن زبیر کی والدہ، ابوبکر صدیق کی صاحبزادی ہیں، آپ اٹھارہویں مؤمنہ ہیں، مکہ معظمہ میں ایمان لائیں، عائشہ صدیقہ سے دس سال بڑی تھیں، آپ کے صاحبزادے عبداللہ ابن زبیر کو حجاج ابن یوسف نے سولی دی تھی۔ چوب سے آپ کی لاش اتارنے کے دس روز بعد حضرت اسماء کا انتقال ہوا کہ معظمہ میں دفن ہوئیں، یہ واقعہ ۳۷ھ میں ہوا۔

۲ مسجد نبوی شریف میں جہاں مردوں اور عورتوں کا اجتماع تھا مرد آگے تھے عورتیں پردے کے ساتھ پیچھے جیسا کہ اس زمانہ میں عام مروج تھا بلکہ عورتوں کو حکم تھا کہ وعظ کی مجالس میں شرکت کیا کریں تاکہ انہیں اپنے احکام و مسائل معلوم ہوں۔ خیال رہے کہ خطبہ اور وعظ کھڑے ہو کر کہنا سنت ہے۔ شامی میں ہے کہ خطبہ نکاح بھی کھڑے ہو کر پڑھا جائے۔

۳ قننہ قبر سے مراد وہاں کا امتحان ہے۔ الْمَرْءُ سے معلوم ہوا کہ حساب قبر صرف انسانوں سے ہے جنات یا جانوروں سے نہیں کیونکہ ان کے لیے نہ جنت ہے، نہ وہاں کی نعمتیں۔ کفار جن کے لیے صرف جہنم ہے جانوروں کے لیے دونوں میں کچھ نہیں، بلکہ مظالم کا بدلہ کرا کر انہیں مٹی کر دیا جائے گا اس کی تحقیق ہمارے فتویٰ میں دیکھو۔

۴ بیت سے گھبرا کر رو پڑے اور بے اختیاری چیخ نکل گئی، اس میں ریا کی گنجائش نہ تھی۔ خیال رہے کہ خوفِ الہی میں صرف آنسوؤں سے رونا بہت بہتر ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ" لیکن اگر بے اختیاری میں لوگوں کے سامنے چیخ نکل جائے تو بھی عبادت۔

۵ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ عورت اجنبی مرد سے ضرورتاً پردے میں رہ کر کلام کر سکتی ہے، بشرطیکہ سادی گھنٹو کرے آواز میں شیرینی اور لوچ نہ ہو، رب فرماتا ہے: "وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ" اور فرماتا ہے: "فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ"۔ دوسرے یہ کہ دعائیں دے کر کوئی بات پوچھنا بہتر ہے تاکہ مخاطب کو خوشی ہو، مؤمن کو خوش کرنا بھی عبادت ہے۔ تیسرے یہ کہ دینی باتوں میں ایک کی خبر بھی قبول ہے گواہیوں کی ضرورت نہیں۔

۶ یعنی قننہ قبر قننہ دجال کی طرح بڑا ہی خطرناک ہے جیسے دجال کی شر سے وہی بچے گا جسے اللہ بچائے، ایسے ہی حساب قبر میں وہی کامیاب ہوگا جسے اللہ کامیاب کرے، ان دونوں جگہ ثابت قدمی اپنی بہادری سے نہیں، دجال دعوائے خدائی کرے گا اور بہت لوگ اس کا اقرار کر لیں گے، قبر میں شیطان سامنے آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں، مجھے رب مان لے کامیاب ہو جائے گا، اس کی ذریت میت کے مرے ہوئے عزیزوں کی شکل میں آکر کہتی ہے کہ بیٹے اسے خدا مان لے، دیکھو اعلیٰ حضرت قُدَسَ سِرُّوہ کی کتاب ایذان الاجر اور ہماری کتاب "جاء الحق" اسی لیے قبر پر اذان کہہ دیتے ہیں تاکہ شیاطین دفع ہوں۔

روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب میت قبر میں داخل کی جاتی ہے تو اسے سورج ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ تو وہ آنکھیں ملتا ہوا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھ لوں ۲ (ابن ماجہ)

۱۔ یہ احساس منکر نکیر کے جگانے پر ہوتا ہے۔ خواہ دفن کسی وقت ہو چونکہ نماز عصر کی زیادہ تاکید ہے اور آفتاب کا ڈوبنا اس کا وقت جاتے رہنے کی دلیل ہے، اسی لئے یہ وقت دکھایا جاتا ہے۔

۲ یعنی اے فرشتو سوالات بعد میں کرنا عصر کا وقت جارہا ہے مجھے نماز پڑھ لینے دو۔ یہ وہی کہے گا جو دنیا میں نماز عصر کا پابند تھا، اللہ نصیب کرے اسی لیے رب فرماتا ہے: "حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ" تمام نمازوں کی خصوصاً عصر کی بہت

نگہبانی کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں جیسے جیوگے ویسے ہی مروگے اور جیسے مروگے ویسے ہی اٹھوگے۔ خیال رہے کہ مؤمن کو اس وقت ایسا معلوم ہوگا جیسے میں سوکر اٹھا ہوں نزع وغیرہ سب بھول جائے گا ممکن ہے کہ اس عرض پر سوال جواب ہی نہ ہوں اور ہوں تو نہایت آسان کیونکہ اس کی یہ گفتگو تمام سوالوں کا جواب ہو چکی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ مردہ قبر میں پہنچتا ہے پھر اپنی قبر میں بٹھایا جاتا ہے نہ گھبرایا ہوا نہ پریشان۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے تو کس دین میں تھا؟ وہ کہتا ہے اسلام میں تھا۔ پھر کہا جاتا ہے یہ کون صاحب ہیں؟ وہ کہتا ہے محمد رسول اللہ ہیں جو ہمارے پاس رب کی طرف سے نشانیاں لائے ہم نے ان کی تصدیق کی۔ تب کہا جاتا ہے کیا تو نے اللہ کو دیکھا ہے؟ وہ کہتا ہے کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ پھر دوزخ کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے وہ ادھر دیکھتا ہے کہ بعض بعض کو کچل رہی ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ ادھر دیکھو جس سے تجھے اللہ نے بچالیا۔ پھر جنت کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے تو وہ اس کی تروتازگی کی طرف اور جو اس میں ہے دیکھتا ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے تو یقین پر تھا اسی پر مرا اور ان شاء اللہ اسی پر اٹھے گا۔ ۹۔ برا آدمی اپنی قبر میں بٹھالا جاتا ہے حیران پریشان۔ اس سے کہا جاتا ہے تو کس دین میں تھا؟ وہ کہتا ہے مجھے نہیں خبر پھر کہا جاتا ہے یہ صاحب کون ہیں؟ وہ کہتا ہے میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا وہ میں نے بھی کہا تھا۔ تب اس کے سامنے جنت کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے وہ وہاں کی تروتازگی اور جو کچھ اس میں ہے دیکھتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے وہ دیکھ جو اللہ نے تجھ سے پھیر دیا پھر دوزخ کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے دیکھتا ہے کہ بعض بعض کو کچل رہا ہے پھر کہا جاتا ہے یہ ہے تیرا ٹھکانہ! تو شک پر تھا اس پر مرا اسی پر ان شاء اللہ اٹھے گا۔ ۱۰ (ابن ماجہ)

۱۔ یہ مؤمن کا حال ہوگا اسی اطمینان کی وجہ سے سوالات کا جواب آسانی سے دے گا وہ دنیا میں کافی گھبرا اور ڈر چکا اب اس کے اطمینان کا زمانہ آگیا۔

۲ یعنی زندگی میں بھی اسلام پر تھا اور اب بھی لیکن چونکہ سزا و جزا کا دار و مدار زندگی کے ایمان و اعمال پر ہے اس لیے یہاں اسی کا ذکر کیا گیا، بعض صالحین قبر میں تلاوت قرآن، بلکہ نماز بھی ادا کرتے ہیں مگر انہیں اس کا کوئی ثواب نہیں، لذات روحانی ہے، اسی لیے بزرگوں کی ارواح کو بھی نیکیوں کا ثواب بخشا جاتا ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ گنٹ کیوں فرمایا۔

۳ خیال رہے کہ اگرچہ اسلام میں توحید، رسالت اور سارے عقائد آگے تھے لیکن پھر بھی آخری سوال حضور کے بارے میں ہوتا ہے۔ کلمہ ختم ہو تو ان کے نام پر، نماز ختم ہو تو ان کے سلام پر، امتحان قبر ختم ہو تو ان کی پہچان پر، خاتمیت کا سہرا انہی کے سر ہے، ہر جگہ نجات انہی کے سہارے ہے۔

۴ یعنی تو جو کہتا ہے وہ اللہ کے پاس سے نشانیاں لائے کیا تو نے خدا کو انہیں نبی بنا کر بھیجتے، نشانیاں دیتے دیکھا تھا؟ وہ کہتا ہے کہ خود تو نہیں دیکھا، دیکھنے والے محبوب سے سنا تھا، مجھے ان کے کلام پر اپنی آنکھوں سے زیادہ اعتماد ہے، میری آنکھیں جھوٹی ہو سکتی ہیں ان کا کلام غلط نہیں ہو سکتا۔ خیال رہے کہ یہ گفتگو امتحان کے علاوہ ہے۔ فرشتے خوش ہو کر اس سے یہ باتیں کرتے ہیں۔

۵ دنیا میں ان آنکھوں سے۔ سبحان اللہ! جاہل مسلمان بھی مرتے ہی عقائد کا عالم بن جاتا ہے۔

۶ خیال رہے کہ مؤمن کو اس وقت دوزخ کی آگ نظر آتی ہے تکلیف بالکل نہیں پہنچاتی، کچلنے کا یہ مطلب ہے کہ اس قدر زیادہ آگ ہے گویا آگوں کی بھیڑ ہو گئی ہے کہ بعض بعض کو کچلے دیتی ہے۔

۷ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ دوزخ سے چپنا محض اپنے عمل سے نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے فضل سے ہے کہ اسی کے کرم سے قبر میں کامیابی ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر شخص کی جگہ جنت میں بھی ہے اور دوزخ میں بھی، مؤمن جنت میں اپنی جگہ بھی سنبھالتا ہے اور کافر کی بھی، مؤمن کو دوزخ کی جگہ پہلے دکھانا اسے زیادہ خوش کرنے کے لیے ہے۔

۸ صرف دیکھتا ہی نہیں بلکہ اس سے فائدہ بھی اٹھاتا ہے اور دوزخ کی کھڑکی فوراً بند کر دی جاتی ہے مگر یہ کھڑکی تا قیامت کھلی رہتی ہے۔

۹ یعنی دنیا میں تجھے اپنے عقائد کا علم یقین تھا جو سن کر حاصل ہوا، قبر میں ان سب چیزوں کو دیکھ کر عین یقین حاصل ہوا۔ اور بعد حشر وہاں پہنچ کر حق یقین نصیب ہوگا، یقین دائمی رہا اس کے مرتبوں میں ترقی ہوتی رہی یاد رکھو کہ جیسے جیو گے ویسے ہی مرو گے ان شاء اللہ فرمانا برکت کے لیے ہے نہ کہ شک کے لیے رب تعالیٰ نے فرمایا: "لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ"

۱۰ کیونکہ کافر دنیا میں خدا سے بے خوف رہا اب اس کا خوف شروع ہو گیا۔

۱۱ منافق نے فقط زبان سے لوگوں کی دیکھا دیکھی رسول اللہ کہہ دیا تھا، کافر اپنے دوستوں سے سن کر انہیں جادو گر وغیرہ کہتے تھے، غرض تسلی بخش جواب نہ دے سکے گا۔

۱۲ یہاں بھی گزشتہ تقریر یاد رہے کہ کافر جنت کو صرف دیکھتا ہے اس سے فائدہ بالکل نہیں اٹھاتا اور جنت کی کھڑکی فوراً بند بھی کر دی جاتی ہے یہ دکھانا زیادتی حسرت کے لیے ہے دوزخ کو دیکھتا بھی ہے اور اس کی گرمی سے تکلیف بھی پاتا ہے اور یہ کھڑکی کبھی بند بھی نہیں ہوتی۔

۳۱ عام کافروں کو اپنے دین پر جزم نہیں ہوتا، ذرا سی مصیبت میں دین چھوڑ دیتے ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "دَعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ" ہم نے ہندوؤں کو مسجدوں کے دروازہ پر نمازیوں کے جوتوں کی خاک چومتے دیکھا ہے، مشائخ کرام کے تلوؤں کو چومتے دیکھا ہے، اور جن خاص کافروں کو اپنے مذہب پر جزم اور اعتماد ہے وہ بھی یقین نہیں کھلاتا بلکہ جہل مرکب یعنی جھوٹی بات کو سچا جان لینا، نیز اس کا یہ اعتماد مرتے ہی ختم ہو جاتا ہے، اب اسے مرنے کے بعد سمجھ میں نہیں آتا کہ دین برحق کیا ہے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بہت سے کافروں کو اپنے مذہب پر یقین ہوتا ہے پھر حدیث کیونکہ صحیح ہوئی۔

### باب الاعتصام بالکتاب والسنة

#### قرآن و سنت مضبوطی سے پکڑنے کا باب

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ اعتصام عَضْمٌ سے بنا معنی منع اور روک۔ پاک و امنی کو اسی لیے عصمت کہتے ہیں کہ وہ گناہوں سے روک دیتی ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں مضبوط پکڑنا چھوٹنے اور بھاگنے سے روک لینا۔ اصطلاح شریعت میں حقانیت پر اعتقاد اور اس پر ہمیشہ عمل کرنے کو اعتصام کہا جاتا ہے۔ کتاب سے مراد قرآن شریف ہے اور سنت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے فرمان اور وہ افعال اور احوال ہیں جو مسلمانوں کے لیے قابل عمل ہیں، حضور کے یہ افعال شریعت کھلاتے ہیں اور احوال شریف طریقت۔ صوفیاء کے نزدیک حضور کے جسم شریف کے حالات شریعت ہیں، قلب کے حالات طریقت، روح کے احوال حقیقت، اور سر کے حالات معرفت، سنت ان سب کو شامل ہے۔ خیال رہے کہ حضور کی خصوصیات سنت نہیں لہذا نو بیویاں نکاح میں رکھنا، اونٹ پر طواف کرنا، منبر پر نماز پڑھانا وغیرہ اگرچہ حضور کے افعال کریمہ ہیں، لیکن ہمارے واسطے ناقابل عمل۔ ہر سنت حدیث ہے ہر حدیث سنت نہیں، اسی لیے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سنت فرمایا حدیث نہ فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي" یہ نہ فرمایا بِحَدِيثِي، نیز ہمارا نام بحمدہ تعالیٰ اہل سنت یعنی ساری سنتوں پر عامل اہل حدیث نہیں، کیونکہ ساری حدیثوں پر کوئی عمل نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی اہل حدیث ہو سکتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ شریعت کے دلائل چار ہیں قرآن، سنت، اجماع امت اور قیاس مجتہد، لیکن کتاب و سنت اصل اصول ہیں اور اجماع و قیاس ان کے بعد کہ اگر کوئی مسئلہ ان دونوں میں نہ مل سکے تو ادھر رجوع کرو، نیز قیاس قرآن و سنت کا مظہر ہے۔ اس لیے مصنف نے صرف کتاب و سنت کا ذکر کیا ان دونوں کا ذکر نہیں کیا ورنہ وہ دونوں بھی اشد ضروری ہیں۔ خلافت صدیقی اور فاروقی اجماع امت سے ہی ثابت ہے اور ان کا انکار کفر۔ باجرہ اور چاولوں میں سود حرام ہے مگر کتاب و سنت میں اس کا ذکر نہیں، قیاس سے حرمت ثابت ہے اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول و دوم میں دیکھو۔ کتاب و سنت سمندر ہے کسی امام کے جہاز میں بیٹھ کر اس کو طے کرو۔ کتاب و سنت طب ایمانی کی دوائیں ہیں کسی طبیب روحانی یعنی امام مجتہد کے مشورے سے انہیں استعمال کرو۔

روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی

ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایجاد کرے ہمارے دین میں وہ طریقہ جو اس دین سے نہیں وہ مردود ہے!

۱۔ یعنی وہ ایجاد کرنے والا مردود ہے یا اس کی یہ ایجاد مردود ہے۔ خیال رہے کہ امر سے مراد دین اسلام ہے اور مآ سے مراد عقائد، یعنی جو شخص اسلام میں خلاف اسلام عقیدے ایجاد کرے وہ شخص بھی مردود اور وہ عقائد بھی باطل۔ لہذا وافض، قادیانی، وہابی وغیرہ بہتر<sup>۲</sup> فرقے جن کے عقائد خلاف اسلام ہیں باطل ہیں۔ یا امر سے مراد دین ہے اور مآ سے مراد اعمال ہیں اور کیس منہ سے مراد قرآن و حدیث کے مخالف، یعنی جو کوئی دین میں ایسے عمل ایجاد کرے جو دین، یعنی کتاب و سنت کے مخالف ہوں جس سے سنت اٹھ جاتی ہو وہ ایجاد کرنے والا بھی مردود ایسے عمل بھی باطل جیسے اردو میں خطبہ و نماز پڑھنا، فارسی میں اذان دینا وغیرہ۔ اس کی تفسیر وہ حدیث ہے جو آگے آرہی ہے کہ جو کوئی بدعت ایجاد کرے تو اللہ سنت کو اٹھالیتا ہے۔ ہماری اس تفسیر کی بنا پر یہ حدیث اپنے عموم پر ہے اس میں کوئی قید لگانے کی ضرورت نہیں۔ مرقاۃ نے فرمایا کیس منہ سے معلوم ہوا کہ دین میں ایسے کام کی ایجاد جو کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو بری نہیں۔

روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حمد و صلوة کے بعد یقیناً بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ حمد مصطفیٰ کا طریقہ ہے! اور بدترین چیز دین کی بدعتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے! (مسلم)

۱۔ یہ کلام حضور نے وعظ میں خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا اسی لیے فرمایا **أَمَّا بَعْدُ** حدیث کے معنی مطلقاً بات اور کلام ہے، لہذا اس معنی سے قرآن بھی حدیث ہے اور لوگوں کے کلام بھی، مگر اصطلاح میں صرف حضور کے فرمان اور کام کو حدیث کہا جاتا ہے، یہاں لغوی معنی میں ہے۔ اللہ کا کلام تمام کلاموں پر ایسا ہی بزرگ ہے جیسے خود پروردگار اپنی مخلوق پر۔ ہدی کے معنی ہیں اچھی خصلت، حضور کی سیرت اچھی ہے کیونکہ رب کی طرف سے ہے، ہمارے کام اور کلام نفسانی اور شیطانی بھی ہوتے ہیں حضور کا ہر قول و فعل رحمانی ہے اسی لیے حضور کے کسی فعل پر اعتراض کفر ہے کہ وہ رب پر اعتراض ہے، لوگوں نے آپ کے ایک نکاح پر اعتراض کیا تو رب نے فرمایا: **ذَوِّجْنَا كَمَا** ہم نے تمہارا نکاح کرایا۔

۲۔ مُحَدَّث کے معنی ہیں جدید اور نوپید چیز، یہاں وہ عقائد یا برے اعمال مراد ہیں جو حضور کی وفات کے بعد دین میں پیدا کیے جائیں۔ بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز، رب فرماتا ہے: **بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**۔ اصطلاح میں اس کے تین معنی ہیں: (۱) نئے عقیدے اسے بدعت اعتقادی کہتے ہیں۔ (۲) وہ نئے اعمال جو قرآن و حدیث کے خلاف ہوں اور حضور کے بعد ایجاد ہوں۔ (۳) ہر نیا عمل جو حضور کے بعد ایجاد ہوا۔ پہلے دو معنی سے ہر بدعت بری ہے کوئی اچھی نہیں، تیسرے معنی کے لحاظ سے بعض بدعتیں اچھی ہیں بعض بری ہے، یہاں بدعت کے پہلے معنی مراد ہیں، یعنی برے عقیدے، کیونکہ حضور نے اسے ضلالت یعنی گمراہی فرمایا۔ گمراہی عقیدے سے ہوتی ہے عمل سے نہیں، بے نماز گنہگار ہے گمراہ نہیں، اور رب کو جھوٹا یا حضور کو اپنی مثل بشر سمجھنا بدعتیگی اور گمراہی ہے، اور اگر دوسرے معنی مراد ہوں تب بھی یہ حدیث اپنے اطلاق پر ہے کسی قید لگانے کی ضرورت نہیں، اور

اگر تیسرے معنی مراد ہوں یعنی نیا کام تو یہ حدیث عام مخصوص البعض ہے کیونکہ یہ بدعت دو قسم کی ہے: بدعت حسنہ اور سیدہ۔ یہاں بدعت سیدہ مراد ہے۔ بدعت حسنہ کے لیے کتاب العلم کی وہ حدیث ہے جو آگے آرہی ہے۔ "مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً" الحدیث، یعنی جو اسلام میں اچھ طریقہ ایجاد کرے وہ بڑے ثواب کا مستحق ہے، بدعت حسنہ کبھی جائز، کبھی واجب، کبھی فرض ہوتی ہے۔ اس کی نہایت نفیس تحقیق اسی جگہ مرقاۃ اور اشعۃ اللغات میں دیکھو، نیز شامی اور ہماری کتاب "جاء الحق" میں بھی ملاحظہ کرو۔ بعض لوگ اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جو کام حضور کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی، مگر یہ معنی بالکل فاسد ہیں، کیونکہ تمام دینی چیزیں، چھ کلمے، قرآن شریف کے ۳۰ پارے، علم حدیث اور حدیث کی اقسام اور کتب، شریعت و طریقت کے چار سلسلے، حنفی، شافعی، باقادی، چشتی وغیرہ، زبان سے نماز کی نیت، ہوائی جہاز کے ذریعہ حج کا سفر اور جدید سائنسی ہتھیاروں سے جہاد وغیرہ، اور دنیا کی تمام چیزیں پلاؤ، زردے، ڈاک خانہ، ریلوے وغیرہ سب بدعتیں ہیں جو حضور کے بعد ایجاد ہوئیں حرام ہونی چاہیے حالانکہ انہیں کوئی حرام نہیں کہتا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی بارگاہ میں تین شخص ناپسند ترین ہیں حرم میں بے دینی کرنے والا، اسلام میں جاہلیت کے طریقے کا متلاشی ۲۔ مسلمانوں کے خون ناحق کا جو یاں تاکہ اس کی خونریزی کرے ۳۔ (بخاری)	
---	--

۱۔ الحداد کے معنی ہیں میلان اور جھکنا۔ شریعت میں باطل کی طرف جھکنے والے کو ملحد کہتے ہیں۔ بد عقیدہ اور گنہگار دونوں ملحد ہیں، یعنی حدود مکہ مکرمہ میں گناہ کرنے والا یا گناہ پھیلانے والا یا بد عقیدگی اختیار کرنے والا یا رائج کرنے والا کہ اگرچہ یہ حرکتیں ہر جگہ ہی بری ہیں مگر حرم شریف میں بہت زیادہ بری کہ اس مقام کی عظمت کے بھی خلاف ہے اور جیسے حرم میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ایسے ہی ایک گناہ کا عذاب بھی ایک لاکھ ہے اسی لیے حضرت ابن عباس نے مکہ چھوڑ کر طائف میں قیام کیا۔

۲۔ یعنی مسلمان ہو کر مشرکانہ رسوم کو پسند کرے اور پھیلائے جیسے نوحہ، سینہ کو بی، فال نکالنا وغیرہ اس سے روافض کو عبرت چاہیے کہ انہوں نے جاہلیت کی رسموں کو عبادت سمجھ رکھا ہے۔

۳۔ یعنی مسلمان کو ظلماً قتل کرنا تو بڑا گناہ ہے قتل کی کوشش بھی بدترین جرم ہے۔ اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو بے قصور کو قتل کریں، کرائیں، مشورہ دیں اور قتل کے بعد قاتل کو ناحق چھڑانے کی کوشش کریں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ منکر کے سوا میری ساری امت جنت میں جائے گی۔ اعراض کیا گیا منکر کون ہے؟ فرمایا جس نے میری فرمانبرداری کی بہشت میں گیا جس نے میری نافرمانی کی منکر ہوا ۲۔ (بخاری)	
--	--

۱۔ یہاں امت سے مراد امت اجابت ہے جنہوں نے حضور کی تبلیغ کو قبول کر کے کلمہ پڑھ لیا ورنہ حضور کی امت دعوت تو ساری خلقت ہے۔

۲ انکار سے مراد عملی انکار ہے اور اس میں گنہگار مسلمان داخل ہیں اور جنت میں داخلے سے مراد اولیٰ داخلہ ہے، یعنی متقی مؤمن اولیٰ داخلہ کے مستحق ہیں، فاسق اس کے مستحق نہیں لہذا حدیث بالکل واضح ہے اور اگر انکار سے اعتقادی انکار مراد ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان جنت کا مستحق ہے کافر نہیں، مگر پہلے معنی زیادہ صحیح ہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ حضور کی بارگاہ میں فرشتے حاضر ہوئے جب کہ آپ سو رہے تھے تو بولے کہ تمہارے ان صاحب کی ایک کہادت ہے ان سے بیان کر دو ۲ تو بعض بولے کہ وہ سو رہے ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کی آنکھیں سو رہی ہیں اور دل شریف بیدار ہے ۳ تو بولے تمہارے ان محبوب کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص گھر بنائے وہاں دستر خوان رکھے اور بلانے والے کو بھیج دے تو جو اس بلانے والے کی بات مان لے وہ گھر میں آئے گا دستر خوان سے کھائے گا اور جو نہ مانے وہ نہ آئے نہ اس کے دستر خوان سے کچھ کھا سکے ۴ پھر بولے کہ اس کا مطلب بھی عرض کر دو تاکہ خوب سمجھ لیں ۵ تو بعض بولے کہ وہ سو رہے ہیں بعض نے کہا کہ آنکھیں سو رہی ہیں اور دل جاگتا ہے ۶ تو بولے کہ گھر تو ہے جنت اور بلانے والے ہیں محمد مصطفیٰ جو حضور کی اطاعت کرے وہ اللہ کا مطیع ہے اور جس نے حضور کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی ۸ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں میں طرہ امتیاز ہیں ۹ (بخاری)

۱۔ غالب یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت جابر سے خود حضور نے بیان فرمایا جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے۔ ملائکہ سے مراد فرشتوں کی بعض جماعت ہے جن میں حضرت جبریل و میکائیل بھی داخل ہیں۔ حضرت جبریل آپ کے سرہانے تھے اور میکائیل پائنتی، جیسا کہ اسی ترمذی میں ہے اور ہو سکتا ہے کہ حضرت جابر نے خود یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور یہ گفتگو اپنے کانوں سے سنی ہو جیسا کہ اسی ترمذی میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے ثابت ہے۔ صحابہ فرشتوں کو کبھی دیکھتے بھی تھے اور ان کا کلام بھی سنتے تھے۔ (مرقاۃ)

۲۔ تاکہ وہ سن کر اپنی امت کو پہنچادیں کیونکہ نبی کی خواب بھی وحی ہے۔

۳۔ یعنی بعض فرشتوں نے تو کہا کہ سوتے ہوئے کے سامنے گفتگو بیکار ہے۔ جاگنے کے بعد بیان کرنا مگر بعض نے جواب دیا کہ ان کی نیند اوروں کی سی نہیں۔ یہ سوتے میں بھی دوسرے جاگنے والوں سے زیادہ ہوش رکھتے ہیں۔ خیال رہے کہ فرشتوں کی یہ گفتگو بھی ہمیں سنانے کے لیے ہے تاکہ ہم نبی کی نیند کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں ورنہ اس مسئلے سے سارے فرشتے واقف ہیں۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ قوت قدسیہ والے سونے میں زیادہ قوی احساس رکھتے ہیں اسی لیے انبیاء کرام کی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا کہ وہ بے خبر نہیں



ہوتے، تقریب کی رات حضور کا فجر کے وقت نہ اٹھنا اور نماز قضا ہو جانا غفلت سے نہ تھا۔ بلکہ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کر کے نماز قضا کرادی تاکہ امت کو قضائے نماز کا احکام معلوم ہوں۔

۷۔ مادبہ ادب سے بنا، بمعنی کھانے کی دعوت جیسے معتبہ عتیب سے۔ اصطلاح میں عام کھانے کو مادبہ کہا جاتا ہے جیسے ولیمہ وغیرہ۔ اس تمثیل سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر عبادتیں کرنے والا نہ جنت میں جاسکتا ہے، نہ وہاں کی نعمتیں کھاسکتا ہے، نہ رب تعالیٰ اس سے راضی، کیونکہ "داعی الی اللہ" حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ اس کی مثالیں تو ملتی ہیں کہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مان کر بغیر اعمال لوگ جنتی ہو گئے، شروع اسلام میں معراج سے پہلے تیرہ برس تک کوئی عبادت نہ تھی صرف حضور علیہ السلام کو ماننا عبادت تھا اس وقت فوت ہونے والے مؤمن سب جنتی تھے، بارہا ایسا ہوا کہ برسوں کا کافر ایمان قبول کرتے ہی مر گیا جتنی ہوا، مگر ایسی مثال نہ ملے گی کہ حضور علیہ السلام کا انکار کر کے بقیہ عبادتیں کر کے کوئی جنتی ہو گیا ہو۔

۸۔ یعنی یہ خواب بھی وحی ہو، اور خواب کی تعبیر بھی وحی سے سمجھائی جائے ورنہ حضور کا سمجھنا اس بیان پر موقوف نہ تھا۔ ان کا دوبارہ یہ گفتگو فرمانا تاکید کے لیے ہے تاکہ کوئی مسلمان اس میں شک نہ کرے کہ نبی کی نیند غفلت کا باعث نہیں۔

۹۔ حضور مخلوق کو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "دَاعِيَا إِلَى اللَّهِ بِأَدْنِهِ" مگر چونکہ دیدار الہی جنت ہی میں ہوگا اس لیے حضور کو یہاں جنت کا داعی کہا گیا۔ لہذا یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں

۱۰۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے: "مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ سَبَّحَانَ اللَّهِ! عَجِيبٌ مَعْرَمٌ هُوَ فَظُّ اللَّهِ كَمَا مَطَّعَ حَضْرُوكَ مَطَّعٌ نَبِيٌّ بَلْكَ حَقِيقَةً خَدَاكَ كَمَا بَحَى مَطَّعٌ نَبِيٌّ، مگر حضور کا مطیع اللہ کا مطیع ہے۔ شیطان اللہ کا مطیع تو تھا نبوت کے انکار سے خدا کا مطیع نہ رہا۔

۱۱۔ یعنی کفر و ایمان، کافر و مؤمن میں فرق صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے ہے کہ ان ہی کا ماننے والا مؤمن ہے ان کا منکر کافر۔ توحید، جنت، دوزخ کا اعتقاد، فرشتوں کو مان لینا ایمان نہیں کہ شیطان ان سب کو مانتا تھا مگر کافر ہوا۔ اسی طرح قومیت برادری کا ایک یا الگ ہونا حضور کے دم سے ہے۔ حضور کا ماننے والا ہمارا ہم قوم ہے بھائی ہے، ہماری برادری ہے، اگرچہ کسی ملک کا ہو۔ حضور کا منکر نہ ہماری قوم نہ ہماری برادری نہ ہم وطن اگرچہ رشتہ میں سگا بھائی ہو۔ جس کا رشتہ حضور سے ٹوٹا اس کا رشتہ خلقت سے بھی ٹوٹا، خالق سے بھی، توریت شریف میں حضور کا نام "فارقلیط" ہے۔ حضرت مسیح نے حواریوں سے فرمایا تھا کہ میرے بعد فارقلیط آئے گا، یوحنا کی انجیل میں ہے کہ حضرت مسیح نے فرمایا کہ جب تک میں نہ جاؤں فارقلیط نہ آئے وہ آکر تمہیں غیب کی خبریں دے گا چھپے راز بتائے گا۔ (اشعۃ اللمعات و کتاب الوفاء باخبار المصطفیٰ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ تین ٹولے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیرویوں کی خدمت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوئے! جب انہیں عبادت کی خبر دی گئی تو غاباً انہوں نے اسے کچھ کم سمجھا ۲ تو بولے کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیانست رب تعالیٰ نے ان کی اگلی بچھلی سب لغزشیں بخش دیں ۳ لہذا ان میں ایک بولا کہ میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا

کروں گا ۴ دوسرا بولا میں ہمیشہ روزہ دار رہوں گا کبھی افطار نہ کروں گا ۵ تیسرا بولا کہ میں عورتوں سے الگ رہوں گا کبھی نکاح نہ کروں گا ۶ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا تم ہی وہ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا خبردار رہو کہ خدا کی قسم میں تم سب میں اللہ سے زیادہ ڈرنے والا اور خوف کرنے والا ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں بیویوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں ۷ (مسلم، بخاری)

۱۔ رھط دس سے کم کی جماعت کو کہا جاتا ہے، یہاں غالباً بمعنی فرد ہے، یعنی ۳ صحابہ حضرت علی، عثمان ابن مظعون اور عبد اللہ ابن رواحہ یا مقداد ابن اسود حضور کی رات کی عبادتوں کو معلوم کرنے کے لیے کسی بیوی پاک کے پاس حاضر ہوئے ورنہ دن کی عبادت تو وہ جانتے ہی تھے۔ (مرقاۃ)

۲۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ حضور ساری رات جاگتے ہی ہوں گے اور سوا عبادت کے کوئی کام نہ کرتے ہوں گے مگر بتایا یہ گیا کہ شب میں سوتے بھی ہیں، جاگتے بھی ہیں، اور جاگتے میں عبادت بھی کرتے ہیں، دنیاوی کام بھی تب انہیں یہ خیال گزرا۔  
۳۔ سبحان اللہ! کیا ادب ہے کہ اس کئی عبادت کو حضور کی عظمت شان کی دلیل بنایا اور یہ توجیہ کی کہ عبادت کی زیادتی گناہ معاف کرانے کے لیے چاہیے، حضور بے گناہ ہیں اگر بالکل عبادت نہ کریں تو بھی درست ہے۔ خیال رہے کہ یہ کلام قرآن کریم سے ماخوذ ہے: "لِيَعْفَرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ" اس آیت کی بہت توجیہیں کی گئی ہیں، مگر قوی بات یہ ہے کہ ذَنْب سے مراد لغزش ہے نہ کہ گناہ۔ عشق کہتا ہے کہ "ذَنْبِكَ" سے مراد امت کے گناہ ہیں، جن کا بخشناؤنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذمہ ہے، جیسے پیروی کرنے والا وکیل کہتا ہے کہ آج میرا مقدمہ ہے۔

۴۔ یعنی ہر رات تمام شب بیدار رہ کر۔

۵۔ سوا ممانعت کے پانچ دنوں کے شوال کی پہلی اور بقر عید کی دسویں، گیارہویں، بارہویں، تیرہویں تاریخ کہ ان میں روزے رکھنا حرام ہیں۔

۶۔ کہ نکاح ہی رب سے غفلت، دنیا میں چھٹنے کا ذریعہ ہے، اسی وجہ سے طلب معاش کی فکر ہوتی ہے۔

۷۔ سبحان اللہ! کیا نفیس تعلیم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم کو عیسائیوں اور سادھوؤں کی طرح تارک الدنیا نہ بنایا بلکہ دنیا کو دین بنایا کیونکہ حضور کا ہر کام سنت۔ لہذا افطار بھی سنت، رات کو تہجد پڑھنا اور سونا بھی سنت، نکاح کرنا، اولاد حاصل کرنا، دنیاوی کاروبار کرنا سبھی سنت اور عبادت ہے جس پر ثواب ملتا ہے۔ ان شاء اللہ! مؤمن کو ان سب کاموں پر ثواب ہے۔ اس جگہ مرقاۃ نے خوف صحابہ کا بہت بڑا قصہ بیان کیا ہے۔

۱ یعنی جو کسی سنت کو برا جانے وہ اسلام سے خارج ہے یا جو بلا عذر ترک سنت کا عادی ہو جائے وہ میرے پرہیزگاروں کی جماعت سے خارج ہے۔ لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ خیال رہے کہ نکاح اکثر سنت ہے کبھی فرض اور کبھی حرام بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نامرد کو نکاح منع ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر سنت پر عمل کی کوشش کرنی چاہیے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی کام کیا پھر اس کی اجازت ہو گئی مگر ایک گروہ نے اس سے پرہیز کیا یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے خطبہ پڑھا اور اللہ کی حمد کی پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان چیزوں سے بچتے ہیں جو میں کرتا ہوں اللہ کی قسم میں ان سب سے اللہ کو زیادہ جانتا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے خوف والا ہوں ۳ (مسلم، بخاری)

۱ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی مباح دنیوی کام کیا جس کی وجہ سے لوگوں کے لیے مباح ہی نہیں بلکہ سنت بن گیا۔ حدیث میں ذکر نہ ہوا کہ وہ کون سا کام تھا شاید روزے دار کے لیے بیوی کو بوسہ تھا یا سفر میں روزہ رمضان کا چھوڑنا۔ (مرقاۃ) ۲ یہ سمجھ کر کہ اگرچہ جائز یہ بھی ہے مگر اس کا نہ کرنا تقویٰ ہے حضور کا یہ فعل فقط بیان جواز کے لیے ہے۔ ۳ کہنا کہ نہیں تقویٰ اور پرہیزگاری میری اطاعت میں ملے گی جیسے رات کو خوف خدا میں رونا سنت اور عبادت ہے، ایسے ہی آرام سے سونا بھی سنت اور عبادت ہے کیونکہ دونوں میرے طریقے ہیں۔

روایت ہے رافع ابن خدیج سے ۱ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے اہل مدینہ کھجوروں کی شادی کرتے تھے ۲ تو فرمایا تم یہ کیا کرتے ہو وہ بولے ہم پہلے سے ایسا کرتے آئے ہیں فرمایا ممکن ہے کہ تم یہ نہ کرو تو اچھا ہو ۳ لوگوں نے یہ شادی چھوڑ دی پھل کم ہو گئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ واقعہ آپ سے عرض کیا ۴ تو فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں جب تم کو کسی دینی کام کا حکم دوں تو اسے لے لو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں بشر ہی ہوں ۵ (مسلم)

۱ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، حارثی ہیں، انصاری ہیں، غزوہ احد میں تیر لگا تھا، مگر زخم مہلک نہیں ہوا بھر گیا تھا۔ عبد الملک ابن مروان کے زمانہ میں وہ زخم پھر بہا، اسی سے آپ کی وفات ہوئی، سوا غزوہ بدر کے کہ اس وقت آپ بچے تھے باقی تمام غزوات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہے۔ چھبیس سال کی عمر پا کر ۳۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی وہیں دفن ہوئے۔

۲۔ اس طرح کہ زکھجور کی شاخ مادہ کھجور میں پیوند کر دیتے تھے جس سے پھل زیادہ اور اچھے ہوتے تھے ہمارے ہاں اسے درخت یا باغ کی شادی کہا جاتا ہے اس موقع پر باغ والے بڑی خوشی مناتے ہیں۔ خیال رہے کہ درختوں میں بھی نر اور مادہ ہیں بعض کو لوگ جانتے ہیں، بعض کو نہیں، نر درخت سے ہوا مس کر کے جب مادہ میں لگتی ہے تو اس سے پھل آتے ہیں۔ مرقاۃ میں فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی بچی مٹی سے کھجور کا درخت پیدا ہو گیا اس لیے اس میں نرمادہ کا اجتماع ضروری ہے۔

۳۔ کہ تم اس مشقت سے بچ جاؤ اور پھل بھی جو مقدر میں ہیں ملیں اور تمہیں توکل کا درجہ نصیب ہو۔

۴۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ان حضرات نے صبر سے کام نہ لیا بلکہ جلد ہی شکایت کردی اگر توکل کر کے کچھ روز نقصان برداشت کرتے تو بڑی برکت دیکھتے حضور کی رائے بھی مبارک ہے۔ خیال رہے کہ حضور باغ کے اس رمز سے بے خبر نہ تھے بلکہ انہیں توکل کا سبق دیا تھا بے خبری کیسے ہو سکتی ہے حضور اعلیٰ والا ولین والاخرین ہیں، کیسے ہو سکتا ہے کہ باغ والے تو اس چیز کو جانیں اور حضور نہ جانیں۔ یوسف علیہ السلام نے کبھی کاشکار ہی نہ کی تھی مگر بادشاہ مصر سے فرمایا: "فَمَا حَصَدْتُمْ فَذُرْوَةٌ فِي سُنْبُلَةٍ" گندم بھوسہ سے الگ نہ کرو تاکہ خراب نہ ہو اور قحط میں کام آئے۔ نیز آپ نے کبھی سلطنت نہ کی تھی مگر بادشاہ مصر سے فرمایا کہ مجھے خزانوں کا حاکم بنا دے۔ "إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ" میں سب کچھ جانتا ہوں، سب قحط والوں کو سنبھال لوں گا۔ جب یوسف علیہ السلام کے علم کا یہ عالم ہے تو ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس معمولی بات سے کیسے بے خبر ہو سکتے ہیں۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" میں دیکھو۔

۵۔ یعنی ہمارے فرمان دو قسم کے ہیں: شرعی احکام اور دنیوی رائے شریف۔ شرعی احکام لازم العمل ہیں کیونکہ وہاں نبوت اور نورانیت کا لحاظ ہے مگر رائے مبارک کا قبول کرنا مستحب ہے نہ ماننے کا بھی اختیار ہے لیکن بڑا یا حقیر جاننا اس کا بھی کفر ہوگا۔ یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے اور یہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ میرا کلام قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتا، یعنی رائے اور مشورے کیونکہ رائے میں حضور کی بشریت کی جلوہ گری ہے۔ خیال رہے کہ حضور کا اپنے کو بشر فرمانا آپ کا کمال ہے۔ ہم اگر یہ لفظ ابانت یا برابری کے دعویٰ سے کہیں تو کافر ہو جائیں گے۔ شیطان نبی کی حقارت کر کے اور انہیں بشر کہہ کر ہی کافر ہوا کہ کہا "مَا كُنْتُ لَأَسْجُدَ لِبَشَرٍ" یونس علیہ السلام نے اپنے کو ظالم کہا: "إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ" کوئی اور شخص نبی کو ظالم کہے تو خود ظالم ہو جائے، بادشاہ کہے میں آپ کا خادم ہوں اس کا کمال ہے لیکن اور کوئی کہے تو سزا پائے گا۔ خیال رہے کہ حکم اور مشورے کا فرق قرآن کریم میں موجود ہے فرماتا ہے: "أَقِيمُوا الصَّلَاةَ" (نماز قائم کرو) یہ حکم ہے جس کا تارک گنہگار ہے اور فرماتا ہے: "إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ" جب کسی کو وقت مقرر تک قرض دو تو لکھ لو، یہ قرآن کا مشورہ ہے جس پر عمل نہ کرنا گناہ نہیں، دنیاوی سلاطین بھی اپنی رعایا کو کبھی حکم دیتے ہیں کبھی مشورہ۔ احکام قرآنیہ میں رب تعالیٰ کی سلطنت اور قدرت کا ظہور ہے اور اس کے مشوروں میں رب کی رحمانیت کی جلوہ گری۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری اور جو کچھ مجھے اللہ نے دے کر
--

بھیجا اس کی کہات اس شخص کی سی ہے جس نے کسی قوم کے پاس آکر کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے۔ میں کھلا ڈرانے والا ہوں۔<sup>۲</sup> بچو بچو کہ اس کی قوم سے ایک ٹولہ نے اس کی بات مان لی اور اندھیرے منہ اٹھے اور بروقت نکل گئے تو بچ گئے۔<sup>۳</sup> اور ان کے ایک ٹولہ نے جھٹلا دیا وہ اسی جگہ رہے پھر سویرے ہی لشکر ان پر ٹوٹ پڑا انہیں ہلاک کر کے تہس نہس کر دیا۔<sup>۴</sup> یہ ہی اس کی مثال ہے جس نے میری اطاعت کی تو میرے لائے ہوئے کی اتباع کی اور اس کی جس نے میری نافرمانی کی اور میرے لائے ہوئے حق کو جھٹلا دیا۔ (مسلم و بخاری)

۱۔ یہ تشبیہ مرکب ہے پورے واقعہ کو پورے واقعہ کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے۔ اس شخص سے مراد وہ امین اور سچا آدمی ہے جس کی بات پر لوگوں کو اعتماد ہو۔ حضور کی سچائی ظہور نبوت سے پہلے ہی عام خاص میں مشہور ہو چکی تھی۔ اس تشبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دنیوی اخروی آنے والے عذابوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا اور آپ کی بشارت یا ڈرانا مشاہدے سے ہے۔ رب فرماتا ہے: "إِنَّا أَرَّسَلْنَاكَ شَاهِدًا"۔

۲۔ عرب میں دستور تھا کہ خطرناک دشمن کی اطلاع دینے والا اپنا کرتہ لاشخی پر ٹانگ کر لوگوں میں اعلان کرتا تھا کہ ہوشیار ہو جاؤ اسے نذیر عربیاں کہا جاتا تھا یعنی ننگا ڈرانے والا۔

۳۔ یعنی سننے والے دو ٹولہ بن گئے۔ ایک ٹولہ نے اس نذیر کا اعتبار کیا اور دشمن لشکر کے حملے سے قبل اندھیرے ہی بھاگ گئے یہ نفع میں رہے۔

۴۔ تو جیسے نجات و ہلاکت کا دار و مدار اس اعلان کرنے والے کی تصدیق یا تکذیب ہے ایسے ہی آخرت کے عذاب سے بچنے نہ بچنے کا مدار حضور کے ماننے اور نہ ماننے پر ہے۔ عذاب الہی گویا لشکر ہے، موت سے پہلے تو بھگت کر لینا گویا بروقت خطرناک جگہ سے نکل جانا ہے اور آخر تک گناہوں میں ڈٹا رہنا اور حضور کو جھٹلانا گویا خطرناک جگہ میں رہ کر دشمن کے ہاتھوں مارا جانا ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کہات اس شخص کی سی ہے۔ جس نے آگ روشن کی جب آگ نے ارد گرد کو چمکا دیا تو پتنگے اور یہ جو آگ میں گرا کرتے ہیں (جانور) اس میں گرنے لگے۔<sup>۲</sup> اور انہیں روکنے لگا اور وہ جانور اس پر غالب آئے جاتے ہیں آگ میں گرے جاتے ہیں۔<sup>۳</sup> چنانچہ میں تمہاری کمر پکڑ کر آگ سے بچاتا ہوں اور تم اس میں گرے

جاتے ہوئے یہ بخاری کی روایت ہے مسلم کی روایت اسی طرح ہے مگر اس کے آخر میں فرمایا کہ حضور نے فرمایا یہ میری تمہاری مثال ہے میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے بچا رہا ہوں آگ سے بھاگ آؤ مگر تم مجھ پر غالب آئے جاتے ہو اور اس میں گرے جاتے ہو۔ (مسلم و بخاری)

۱۔ یہ بھی تشبیہ مرکب ہے کہ ایک پورے واقعہ کو پورے واقعہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور یہاں کی الجھنوں کو دین کا ذریعہ بنانے کے لیے پیدا فرمایا مگر لوگوں نے انہیں غلط استعمال کر کے ہلاکت کا ذریعہ بنا لیا جیسے کوئی جنگل میں مسافروں کی ہدایت اور روشنی کے لیے آگ جلائے مگر پتنگے اسی آگ کو اپنی ہلاکت کا سامان بنا لیں، اور ہلاکت کو اپنی نجات سمجھیں۔

۲۔ چنانچہ دنیا کی لذتیں آگ ہیں اور ہم نا سمجھ بندے پتنگے کہ اس کو غلط استعمال کر کے اپنے کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔

۳۔ خیال رہے کہ تشبیہ میں آگ جلانے والا اور ہے اور بچانے والا اور۔ جن دونوں کو لفظ رجل شامل ہے ایسے ہی یہاں دنیا بنانے والا رب ہے اور اس کے غلط استعمال سے بچانے والے حضور ہیں۔

۴۔ حضور کا اپنی امت کو نرمی گرمی سے سمجھانا بچھانا گویا ان کی کمر پکڑ کر آگ سے روکنا ہے یہ روکنا تا قیامت رہے گا، علماء مشائخ کی تبلیغیں، غازیوں کے جہاد، حضور ہی کی تبلیغ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنی دانائی یا اپنی تجویز کردہ عقلی عبادتوں کے ذریعہ دوزخ سے نہیں بچ سکتا جب تک کہ حضور کی ہدایت کو قبول نہ کرے ورنہ ہندو، سادھو اور عیسائی راہب ترک دنیا کر کے عمر بھر عبادتیں کرتے ہیں مگر دوزخی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس ہدایت و علم کی مثال جو رب نے مجھے دے کر بھیجا اس بہت سی بارش کی طرح ہے ۱۔ جو کسی زمین میں پہنچی اس کا کچھ حصہ اچھا تھا جس نے پانی چوسا اور گھاس اور بہت چارہ اگادیا اور بعض حصہ سخت تھا ۲۔ جس نے پانی جمع کر لیا جس سے اللہ نے لوگوں کو نفع دیا کہ انہوں نے خود پیا پلایا اور کھیتی کی اور ایک دوسرے حصہ میں پہنچا جو چیٹل تھا کہ نہ پانی جمع کرے اور نہ گھاس اگائے ۳۔ یہ اس کی مثال ہے جو دینی عالم ہوا اور اسے اس چیز نے نفع دیا جو مجھے رب نے دے کر بھیجا اس نے سیکھا اور سکھایا ۴۔ اور اس کی مثال ہے جس نے اس پر سر نہ اٹھایا اور اللہ کی وہ ہدایت قبول نہ کی جو مجھے دے کر بھیجا گیا ۵۔ (بخاری و مسلم)

۱۔ اس سے اشارہ معلوم ہوا کہ علم اور ہدایت ایک نہیں کبھی علم ہوتا ہے، ہدایت نہیں ہوتی جیسے اس امت کے بے دین علماء، کبھی ہدایت نصیب ہو جاتی ہے بہت سالم نہیں ہوتا جیسے وہ عوام جو بے علم ہیں مگر ایمان دار ہیں کبھی علم اور ہدایت دونوں جمع ہو جاتے ہیں، جیسے علمائے دین ہیں۔ ہدایت علم سے افضل ہے، اسی لیے اس کا ذکر پہلے ہوا، علم کتابوں سے ملتا ہے ہدایت کسی کی نظر سے۔

۲۔ اس سے اشارہ معلوم ہوا کہ حضور کے یہاں علم اور فیضان کی کمی نہیں تمام دنیا فیض لے لے تو گھٹتا نہیں کوئی نہ لے تو بیکار پختا نہیں جیسے سورج کی روشنی اور بادلوں کا پانی۔

۳۔ "اَجَادِب" اَجْدَب کی جمع ہے، بمعنی وہ سخت زمین جو پانی کو چوس کر ختم نہ کر دے اسی لیے قحط کو جذب کہتے ہیں، یہاں مراد نشیبی زمینیں ہیں تالاب بن جاتے ہیں۔

۴۔ اس تشبیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور گویا رحمت کا بادل ہیں حضور کا ظاہری اور باطنی فیض اور نورانی کلام بارش۔ انسانوں کے دل مختلف قسم کی زمین۔ چنانچہ مؤمن کا دل قابل کاشت زمین ہے، جہاں عمل اور تقویٰ کے پودے اُگتے ہیں، علماء اور مشائخ کے سینے گویا تالاب ہیں اور اس خزینہ کے گنجینے ہیں جس سے تاقیامت مسلمانوں کے ایمان کی کھیتیں سیراب ہوتی رہیں گی۔ منافقین اور کفار کے سینے کھاری زمین ہیں نہ فائدہ اٹھائیں نہ پہنچائیں۔

۵۔ اس تشبیہ سے دو فائدے حاصل ہوئے: ایک یہ کہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر حضور سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، زمین کیسی اعلیٰ ہو اور کتنا ہی اچھا تخم بویا جائے، مگر بارش کی محتاج ہے، دین و دنیا کی ساری بہاریں حضور کے دم سے ہیں۔ شعر

شکر فیض تو چمن چوں کنداے لبر بہار کہ اگر خاور گر گل ہمہ پروردہ تست

دوسرے یہ کہ تاقیامت مسلمان علماء کے حاجت مند ہیں کہ ان کی کھیتوں کو پانی انہیں تالابوں سے ملے گا حضور کی رحمت انہی کے ذریعہ نصیب ہوگی۔

۶۔ اس میں اشارہ بتایا گیا کہ اگر بفرض مجال کسی کو حضور کی نبوت کی خبر ہی نہ پہنچے تو اسے عقیدہ توحید کافی ہے، خیال رہے کہ مشبہ بہ میں زمین کے تین حصے بیان فرمائے گئے مگر مشبہ میں انسان کی صرف دو جماعتوں کا ذکر ہوا کیونکہ علماء ہدایت میں عالی ہیں اور کفار گمراہی میں عالی، درمیانی لوگ یعنی صالح مؤمن خود سمجھ میں آجاتے ہیں اسی لئے ان کا ذکر نہ ہوا۔ خیال رہے کہ تالاب بہت سی قسم کے ہیں بڑے چھوٹے، بہت نافع کم نافع، بعض تالابوں سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں جیسے بھوپال کا تالاب، ایسے ہی علماء کے مختلف مراتب ہیں بعض مجتہدین ہیں جیسے چاروں امام، بعض کالمین ہیں، بعض راسخین ہیں، پھر ان میں بعض محدثین ہیں اور بعض مفسرین، یہ تشبیہ ان سب کو شامل ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تلاوت کی کہ وہ رب وہ ہے جس نے تم پر کتاب اتاری جس میں واضح آیات ہیں لے اور مایذ کو الایہ تک پڑھی فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم (اور مسلم میں ہے) لوگ انہیں دیکھو جو متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں تو یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ان سے بچو ۲ (مسلم و بخاری)

۱۔ یہاں محکم سے صریح اور واضح آیات مراد ہیں جیسا کہ تثنیہ کے تقابل سے معلوم ہو رہا ہے۔ اصطلاح اصول میں محکم وہ ہیں جن میں نہ تاویل کا احتمال ہو نہ نسخ کا اندیشہ جیسے ذات و صفات اور حضور کی نعت و صحابہ کے مناقب کی آیت۔

۲۔ یعنی جو آیتوں کی تاویلات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور فتنہ پھیلانے کے لیے ان کے فاسد معانی بیان کرتے ہیں ان کے دلوں میں کجی ہے ان سے دور بھاگو۔ خیال رہے کہ تثنیہ آیات دو قسم کی ہیں: ایک مشتبه المعنی جیسے "المر" وغیرہ مقطعات قرآنیہ جن کی معنی ہی سمجھ میں نہیں آتے۔ دوسرے مشتبه المراد جیسے "فَثَمَّ وَجْهَ اللَّهِ" وغیرہ آیات صفات ان دونوں قسم کی تثنیہات میں جرح و قدح اور فتنے کے لیے تاویلیں کرنا حرام ہیں لیکن مناسب تاویلیں اس زمانہ میں گناہ نہیں تاکہ لوگ غلط تاویلوں سے بچیں۔ حدیث میں پہلی قسم کے لوگ مراد ہیں اسی لیے قرآن کریم نے فرمایا: "ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ"۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کی طفیل بعض مقبولوں کو تثنیہات کا علم دیا، رب فرماتا ہے: "الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ" اپنے محبوب کو رحمان نے قرآن سکھایا ظاہر ہے کہ سارا ہی قرآن سکھایا جس میں تثنیہات بھی ہیں۔

روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں ایک دن دوپہری میں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دو شخصوں کی آوازیں سنیں جو کسی آیت میں جھگڑ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے کہ چہرہ میں غصہ معلوم ہوتا تھا فرمایا تم سے پہلے لوگ کتاب اللہ میں جھگڑوں کی وجہ سے ہی ہلاک ہو گئے! (مسلم)

۱۔ کتاب میں اختلاف کی تین صورتیں ہیں: (۱) قرآن کو اپنی رائے کے مطابق کرنے کی کوشش کرنا جیسے آج کل دیکھا جا رہا ہے۔ (۲) خود قرآن کی آیت میں اختلاف کہ یہ آیت کتاب اللہ ہے یا نہیں۔ (۳) قرآن کریم سے مسائل نکالنے میں اختلاف، پہلے دو قسم کے اختلاف حرام بلکہ کفر ہیں، تیسری قسم کا اختلاف عبادت ہے جو صحابہ کرام کے زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ یہ اختلاف آئمہ مجتہدین میں ہو سکتا ہے، یہاں پہلی دو قسم کے اختلاف مراد ہیں۔ اہل کتاب نے بھی آسمانی کتب میں اسی قسم کے اختلاف کیئے تھے۔

روایت ہے حضرت سعد بن ابی وقاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں میں بڑا مجرم وہ ہے جو کسی غیر حرام چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کرے ۲۔ اس کی پوچھ گچھ کی وجہ سے وہ چیزیں حرام کردی جاوے ۳۔ (بخاری و مسلم)

۱۔ آپ کا اسم شریف سعد بن ابی وقاص اور کنیت ابو اسحاق ہے، آپ کے والد کا نام مالک ابن وہیب ہے، اور کنیت ابو وقاص آپ زہری ہیں، قرشی ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، قدیم الاسلام ہیں۔ چنانچہ آپ تیسرے مسلمان ہیں، بوقت اسلام آپ کی عمر شریف سترہ برس تھی، بہت شاندار صحابی ہیں کہ حضور نے ان کے لیے فرمایا تم پر میرے ماں باپ فدا، تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے، بہت



بڑے مقبول الدعاء تھے، لوگ آپ کی بددعا سے بہت ڈرتے تھے، عہد فاروقی اور عثمانی میں کوفہ کے گورنر رہے، ستر برس سے زیادہ عمر پائی، ۵۵ھ میں مدینہ منورہ سے قریب مقام عقیق میں وصال ہوا، وہاں سے آپ کی میت شریف مدینہ منورہ لائی گئی، مروان ابن حکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ پاک کے قبرستان جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

۲۔ یہاں روئے سخن ان قبیل قال والوں کی طرف ہے جنہیں بلا ضرورت ہر بات کرید کرنے کی عادت ہوتی ہے ورنہ مسائل سیکھنے کے سوال اچھی چیز ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "فَسَلُّوا أَهْلَ الدِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" لہذا یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں اور پوچھ گچھ سے مراد نبی سے پوچھنا ہے کیونکہ حرام و حلال کے احکام اسی بارگاہ سے جاری ہوتے ہیں، جیسے حضور نے فرمایا کہ تم پر حج فرض ہے ایک صحابی نے پوچھا کیا ہر سال؟ فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال ہی فرض ہو جاتا۔ یہ ہیں مضر سوالات۔

۳۔ اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس سے شریعت میں خاموشی ہو وہ حلال ہے۔ حرام وہی ہے جسے شریعت منع کرے جیسا کہ لَمْ يُحْذَرْ سے معلوم ہوا، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا"۔ معلوم ہوا جس کی حرمت نہ ملے وہ حلال ہے مگر اس زمانہ میں بعض جملہ بلا دلیل ہر چیز کو حرام کہہ دیتے ہیں اور حلال ہونے کے لیے ثبوت مانگتے ہیں بناؤ کہاں لکھا ہے، میلاد شریف اور گیارہویں شریف حلال ہے خود نہیں بتاتے کہ حرام کہاں لکھا ہے انہیں اس حدیث اور آیت سے عبرت پکڑنی چاہیے۔ دوسرے یہ کہ کبھی زیادہ پوچھ گچھ پر رب کی طرف سے سختی ہو جاتی ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل گائے کے متعلق پوچھ گچھ کرتے رہے پابندیاں بڑھتی رہیں۔ تیسرے یہ کہ وظیفوں اور احکام میں خود پابندی نہ لگوائے، بلکہ ان کے اطلاق سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخری زمانہ میں جھوٹے دجال ہوں گے۔ جو تمہارے میں وہ احادیث لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمہارے باپ دادوں نے۔ ان کو اپنے سے اپنے کو ان سے دور رکھو وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (مسلم)

۱۔ دجال دجل سے بنا، بمعنی فریب اور دھوکا، دجال بڑا فریبی مکار و دھوکہ باز آخر زمانہ میں بڑا دجال نکلے گا اس سے پہلے چھوٹے دجال بہت ہوں گے۔

۲۔ اس میں اشارہ حدیث گھڑنے والوں کی طرف ہو رہا ہے۔ یہاں خطاب یا صرف صحابہ سے ہے یا قیامت تک کے علماء سے جنہیں حدیث کی واقفیت ہو اگر کوئی جاہل کسی مشہور حدیث کو نہ سنے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اعلان فرمایا تھا کہ ہم وہی حدیث قبول کریں گے جو زمانہ فاروقی میں شائع ہو چکی کیونکہ آپ کے زمانہ میں بعض چھپے منافقوں نے حضرت علی کے فضائل میں اور بعض نے ان کے خلاف بہت حدیثیں گھڑ لی تھیں جب ہی سے رفض و خروج کی بیماریاں مسلمانوں میں پھیلیں۔ معلوم ہوا کہ حدیث گھڑنا سخت جرم ہے اور گھڑنے والا سخت مجرم کہ حضور نے اسے دجال و کذاب فرمایا۔

۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ بد مذہبوں سے بچنا ضروری ہے کیونکہ ان کی صحبت دین و ایمان کے لیے خطرہ ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ اہل کتاب مسلمانوں کے سامنے عبرانی زبان میں توریت پڑھ کر عربی میں ترجمہ کرتے تھے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کو نہ سچا کہو نہ جھوٹا۔ یہ کہہ دو کہ ہم اللہ پر اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتارا گیا ہے۔<sup>۲</sup> (بخاری)

۱۔ یہاں توریت کی وہ آیتیں مراد ہیں جن کا سچ اور جھوٹ ظاہر نہ ہو ورنہ اگر اہل کتاب حضرت مسیح یا حضرت عزیر کی الوہیت کی آیتیں پیش کریں تو یقیناً جھوٹی کہی جائیں گی۔ منشاء حدیث یہ ہے کہ توریت و انجیل کچھ صحیح بھی تھیں، کچھ ملاوٹی بھی لہذا ہر آیت میں سچ جھوٹ کا احتمال تھا، اسی لئے احتیاطاً یہ حکم دیا گیا۔ خیال رہے کہ اب ان کتابوں کی ایک بھی اصلی آیت موجود نہیں یہ ترجمے کلام الہی نہیں ہیں۔

۲۔ تاکہ اصل کتاب کا انکار نہ ہو جائے اور نہ غیر کتاب کا اقرار۔ خیال رہے کہ یہ حکم اولاً تھا بعد میں تو حضور نے عمر فاروق جیسے صحابہ کو توریت پڑھنے سننے سے ہی منع فرمادیا اور فرمایا کہ میرے پاس کیا نہیں ہے جو تم توریت میں ڈھونڈتے ہو اگر موسیٰ علیہ السلام بھی موجود ہوتے تو میری پیروی کرتے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کے جھوٹا ہونے کو یہ ہی کافی ہے کہ ہر سنی بات بیان کر دے۔<sup>۱</sup> (مسلم)

۱۔ یعنی ہر ایسے غیرے کی ہر بات بغیر تحقیق کیے بیان کر دے۔ خصوصاً احادیث شریفہ ورنہ محدثین، فقہاء، علماء ان کی ہر بات پر عوام کو اعتماد کرنا پڑے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا" لہذا یہ حدیث فقہاء کے اس قول کے خلاف نہیں کہ دینی باتوں میں ایک کی خبر معتبر ہے، محدثین خبر واحد کا اعتبار کرتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے مجھ سے پہلے ایسا کوئی نبی نہ بھیجا جس کی امت میں سے کچھ لوگ ان کے خاص صاحب اسرار اور وہ صحابہ نہ ہوں جو ان کی سنت کولیں اور ان کے احکام کی پیروی کریں۔<sup>۲</sup> پھر ان کے بعد ایسے ناخلف ہوتے تھے جو کہتے وہ تھے جو کرتے نہ تھے اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہ تھا۔<sup>۳</sup> تو جو ان پر ہاتھ سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن اور جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن اور جو ان پر اپنے دل سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن۔<sup>۴</sup> اور اس کے سوا رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔<sup>۵</sup> (مسلم)

۱۔ حواری حور سے بنا ہے، بمعنی صفائی، خلوص، مدد چونکہ ان مخصوصین کے دل صاف تھے، خالص مؤمن تھے اور ان کے دین کے مددگار تھے، اسی لئے انہیں حواری کہا جاتا تھا، نیز عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کپڑا صاف کرنے والے دھو بی تھے۔

۲۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں شریعت اور تبلیغ والے نبی مراد ہیں جن کی باقاعدہ امتیں تھیں اور یہ اصحاب حواریوں کے علاوہ جماعت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب شریعت پیغمبر کو اللہ نے عام صحابی بھی بخشے اور خاص صاحب اسرار بھی ایسے ہی ہمارے حضور کے صحابہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں بعض خاص صاحب اسرار ہیں، جیسے خلفائے راشدین وغیرہم۔ لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض نبی وہ بھی ہیں جن کی بات کسی نے نہ مانی اور بعض وہ جن کی ایک دو آدمیوں نے ہی اطاعت کی۔

۳۔ یعنی ان صحابہ کے بعد ایسے بد عقیدہ اور بد عمل لوگ پیدا ہوتے تھے، ایسے ہی میرے صحابہ کے بعد بھی ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ حضور کے صحابہ بد عملی اور بد عقیدگی سے پاک رہے۔

۴۔ یعنی ایسے بد عقیدہ اور بد عمل لوگوں کی اصلاح تین جماعتیں تین طرح کریں: حکام طاقت سے کہ مجرموں کو سزائیں دیں، اہل علم زبان سے کہ انہیں وعظ کریں، عوام مؤمن دل سے کہ ان سے نفرت کریں اور دور رہیں تا قیامت یہ احکام جاری رہیں۔

۵۔ یعنی جو انہیں دل سے برا بھی نہ جانے ان کے عقیدوں سے راضی ہو وہ انہیں کی طرح بے ایمان ہے۔ اسی لیے علماء پر فرض ہے کہ اپنی زبان اور قلم سے مسلمانوں کو بیدنیوں سے نفرت دلائیں، ان کے عقائد بتائیں اور تردید کریں۔ خیال رہے کہ ضعیف ایمان کو رائی کے دانہ سے مثال دینا بیان کیفیت کے لیے ہے نہ کہ بیان مقدار کے لیے، کیونکہ ایمان مقداراً کم و بیش نہیں ہوتا، ہر مؤمن پورا مسلمان ہے آدھا اور چوتھائی مسلمان نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایت کی طرف بلائے اس کو تمام عالمین کی طرح ثواب ملے گا، اور اس سے ان کے اپنے ثوابوں سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو گمراہی کی طرف بلائے تو اس پر تمام پیروی کرنے والے گمراہوں کے برابر گناہ ہوگا اور یہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ کرے گا۔ (مسلم)

۱۔ یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صدقہ سے تمام صحابہ، آئمہ مجتہدین، علماء متقدمین و متاخرین سب کو شامل ہے، مثلاً اگر کسی کی تبلیغ سے ایک لاکھ نمازی بنیں تو اس مبلغ کو ہر وقت ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہوگا۔ اور ان نمازیوں کو اپنی اپنی نمازوں کا ثواب۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا ثواب مخلوق کے اندازے سے وراہ ہے، رب فرماتا ہے: "وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ" ایسے ہی وہ مصنفین جن کی کتابوں سے لوگ ہدایت پارہے ہیں قیامت تک لاکھوں کا ثواب انہیں پہنچتا رہے گا۔ یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى" کیونکہ یہ ثوابوں کی زیادتی اس کے عمل تبلیغ کا نتیجہ ہے۔

۲۔ اس میں گمراہوں کے موجدین مبلغین سب شامل ہیں تا قیامت ان کو ہر وقت لاکھوں گناہ پہنچتے رہیں گے۔ یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "وَعَلَيْهَا مَا كَتَسَبَتْ" کیونکہ یہ اس کے اپنے فعل یعنی تبلیغ شرکی سزا ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اسلام غریبی سے شروع ہوا اور جیسا شروع ہوا  
تھا ویسا ہی پھر ہو جائے گا غربا کو خوشخبری ہو (مسلم)

۱۔ غربت کے لفظی معنی ہیں تنہائی اور بیکسی، اسی لیے مسافر اور تنگ دست کو غریب کہا جاتا ہے کہ مسافر سفر میں اکیلا ہوتا ہے اور تنگ دست بیکس، یعنی اسلام کو پہلے تھوڑے لوگوں نے قبول کیا اور آخر میں بھی تھوڑے ہی لوگوں میں رہ جائے گا، یہ دونوں جماعتیں بڑی مبارک ہیں۔ الحمد للہ! تھوڑے مسلمان بہتوں پر غالب آتے رہے اور آتے رہیں گے، تھوڑا سونا بہت سے لوہے پر اور تھوڑا مشک بہت سی مٹی پر غالب ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ غریب مسکین لوگ اسلام پر قائم رہتے ہیں اکثر مالدار بھٹک جاتے ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقیناً ایمان مدینہ کی طرف ایسا سٹ آوے گا جیسے سانپ اپنے بل کی طرف (مسلم و بخاری) اور ہم حضرت ابوہریرہ کی حدیث ذرونی الخ کتاب الحج میں اور حضرت معاویہ وجابر کی حدیثیں لایزال من امتی الخ اور لایزال طائفة من امتی ان شاء اللہ باب ثواب هذه الامة میں بیان کریں گے ۲

۱۔ یہ آخر زمانہ میں ہوگا کہ مسلمان کو دنیا میں کہیں امن نہ ملے گا تو وہ اپنا ایمان بچانے کے لیے مدینے کی طرف بھاگیں گے، مدینہ پہلے بھی مسلمانوں کا جائے امن بنا اور آئندہ بھی بنے گا کیوں نہ ہو کہ یہاں دونوں عالم کے پناہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں غالباً یہ واقعہ دجال کے قریب ہوگا۔ سانپ سے تشبیہ دینے میں ادھر اشارہ ہے کہ جیسے سانپ کو کوئی پناہ نہیں دیتا ایسے ہی آخر زمانہ میں لوگ اسلام کو سانپ کی طرح تکلیف دہ سمجھیں گے۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ مدینہ پاک اسلام سے کبھی خالی نہ ہوگا۔

۲۔ یعنی وہ تینوں حدیثیں مصاحف میں یہاں ہی تھیں لیکن ہم نے مناسبت کی وجہ سے ان بابوں میں ذکر کیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ربیعہ جرشی سے ۱۔ فرماتے ہیں حضور کی خدمت میں آنے والا آیا اور حضور سے کہا گیا کہ مناسب ہے کہ آپ کی آنکھیں تو سوجائیں آپ کے کان سنتے اور دل سمجھتا رہے ۲ فرماتے ہیں کہ میری آنکھیں سو گئیں اور کان سنتے رہے دل سمجھتا رہا ۳ فرماتے ہیں مجھ سے کہا گیا کہ سردار نے گھر بنایا وہاں خوان تیار کیا اور بلانے والا بھیجا تو جس نے بلانے والے کی دعوت قبول کی وہ گھر میں آیا خوان سے کھایا اس سے سردار راضی ہوا ۴ اور جس نے منادی کی نہ مانی وہ نہ گھر میں آیا نہ اس نے خوان سے

کھایا آقا اس پر ناراض ہوئے ۵ فرمایا کہ اللہ سید ہے اور محمد  
بلانے والے گھر اسلام ہے اور خوانِ جنت لے (داری)

۱۔ آپ کا نام ربیعہ ابن عمرو ہے۔ یمن کے علاقہ میں مقام جرش کے رہنے والے ہیں، امیر معاویہ کے زمانہ میں ناسک کے مفتی رہے ہیں، ان کی صحابیت میں اختلاف ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں۔  
۲۔ یعنی حضور بیدار تھے، ایک فرشتہ نے آکر یہ عرض کیا ان کلمات سے حضور پر نیند طاری ہو گئی، پھر خواب میں وہ کلام ہوا جو آگے آ رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کے بعض کلمے ہم کو سلا دیتے ہیں، بعض کلمے ہم کو موت دیتے ہیں، صورت کی آواز سب کو زندہ کرے گی۔ حدیث اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں، یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کی نیند غفلت نہیں پیدا کرتی اسی لیے سونے سے آپ کا وضو نہیں جاتا اور آپ کی خواب وحی الہی ہے، فرشتہ نے سلا کر یہ گفتگو اسی لیے کی تاکہ پتہ لگے اور لوگ حضور کی خواب پر ایمان لائیں۔  
۳۔ یعنی فرشتے کی اس گفتگو کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں سو گیا جیسے ماں کی لوری سے بچے کو نیند آتی ہے یا بعض چیزوں کو دیکھنے سے غشی طاری ہو جاتی ہے۔

۴۔ یعنی منادی کی بات مان لینے سے تین فائدے ہوئے: گھر کی سیر، نعمتیں کھانا، بادشاہ کی خوشنودی، یہ ساری بہار اس منادی کے دم سے ہے۔  
۵۔ یعنی نہ ماننے والے کا دین بھی تباہ، دنیا برباد، کھانے سے محرومی رہی، بادشاہ کی مخالفت گلے پڑی۔

۶۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اللہ کو سید کہہ سکتے ہیں بمعنی مالک، مولیٰ۔ دوسرے یہ کہ کوئی شخص صرف اعمال سے خدا کو راضی نہیں کر سکتا جب تک کہ حضور کی غلامی نہ کرے۔ تیسرے یہ کہ صرف اسلام ہی ذریعہ نجات ہے۔ بعض جاہلوں نے کہا ہے کہ جس دین میں رہ کر نیکیاں کر لی جائیں نجات ہو جائے گی، وہ اس حدیث کے بھی خلاف ہے اور قرآن کے بھی، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ  
الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ" کیونکہ اس حدیث میں جنت کو اسلام میں دکھایا گیا ہے۔

روایت ہے حضرت ابو رافع سے افرماتے ہیں فرمایا رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی کو مسہری پر  
تکلیہ لگائے نہ پاؤں ۲ کہ اس کے پاس میرے احکام میں سے  
جس کا میں نے حکم دیا جس سے میں نے منع کیا کوئی حکم  
پہنچے اور وہ کہہ دے کہ ہم نہیں جانتے جو قرآن شریف میں  
پائیں گے ہم تو اس کی پیروی کریں گے ۳ اس حدیث کو احمد  
و ابوداؤد ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے  
دلائل نبوت میں۔

۱۔ آپ کا نام ابراہیم یا اسلم ہے، آپ حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں، آپ نسلاً قبیلگی ہیں، حضرت عباس کی ملک میں تھے، انہوں نے بطور  
نذرانہ حضور کی ملک میں دے دیا۔ جب حضرت عباس اسلام لائے تو انہوں نے ہی حضور کو آپ کے اسلام کی خبر دی، حضور نے اس  
خوشی میں ان کو آزاد کر دیا۔ آپ سوائے جنگ بدر کے باقی تمام غزوں میں حضور کے ساتھ رہے، خلافت مرتضوی میں وفات پائی  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (مرقاۃ واشعۃ اللغات)

۲ سبحان اللہ! یہ ہے میرے محبوب کی قوت نظر، انکار حدیث کے موقعوں پر یہ دو کلمے ہمیشہ فرمائے جاتے ہیں کیونکہ قرآنی فرقہ کا موجد عبد اللہ چکرا لوی ہے، جو چکرا لہ ضلع میانوالی پنجاب میں پیدا ہوا، یہ بہت مالدار اور لکڑا تھا۔ مَتَّكِيًا فرما کر اس کے لکڑا ہونے کی طرف اور "أَرِيكَتَهُ" فرما کر اس کی مالداری کی طرف اشارہ کر دیا گیا، یا یہ مطلب ہے کہ اس فرقہ کا موجد آرام طلب ہوگا، گھر میں رہے گا، علم دین حاصل کرنے کے لیے سفر نہ کرے گا، صرف قرآن کے ترجمے دیکھ کر یہ کہے گا۔ چنانچہ عبد اللہ! چکرا لوی اور اس کی ساری ذریت کا یہی حال ہے غرض کہ یہاں یا ظاہری عیوب کا ذکر ہے یا باطنی کا۔

۳ نہیں جانتے کا مقصد ہے نہیں مانتے یعنی ہم قرآن کے سوا حدیث وغیرہ کے قائل نہیں، قرآن میں سب کچھ ہے پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔ عبد اللہ چکرا لوی اور اس کی ذریت کے یہی الفاظ ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ! "مَا وَجَدْنَا" فرما کر کیسا نفیس اشارہ فرمایا کہ اگرچہ قرآن تو کامل ہے مگر انسان کا پانا ناقص، قرآن میں سب کچھ ہے مگر ملے گا اسے جسے میں نکال کر دوں، ہر شخص سمندر سے موتی حاصل نہیں کر سکتا موتی نکلتے سمندر سے ہیں مگر ملتے جوہری کی دکان پر ہیں اس أَفْصَحَ الْفُصْحَاءِ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو لفظوں میں ان کے دلائل مع تردید بتا دیئے۔

روایت ہے حضرت مقدم ابن معد یکر ب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ ہو کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کا مثل بھی ۲ خبردار قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا اپنی مسہری پر کہے ۳ کہ صرف قرآن کو تھام لو اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو اور جو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو، حالانکہ رسول اللہ کا حرام فرمایا ہوا ویسا ہی حرام ہے جیسا کہ اللہ کا حرام فرمودہ ۵ دیکھو تمہارے لیے نہ تو پلاؤ گدھا حلال ہے اور نہ کو کیلی والا درندہ جانور نہ عہد والے کافر کی گئی ہوئی چیز مگر جب اس کا مالک اس سے لاپرواہ ہو جائے ۶ اور جو کسی قوم کے پاس مہمان جائے ان پر اس کی مہمانی ہے اگر مہمانداری نہ کریں تو وہ اپنی مہمانی کی بقدر ان سے وصول کر لے ۷ اسے ابو داؤد نے روایت کیا دارمی نے بھی اسی طرح اور ابن ماجہ نے حرم اللہ تک۔

۱ آپ صحابی ہیں، قبیلہ بنی کنذہ سے تعلق رکھتے ہیں، کنذی وفد کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، ۸ھ میں سام میں وفات پائی ۹۱ سال عمر ہوئی۔

۲ یعنی حدیث شریف جو قرآن کی طرح وحی الہی ہے اور اسی کی طرح واجب الاتباع۔ اس حدیث کی تائید قرآن شریف کی اس آیت سے ہے: "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" کتاب تو قرآن حکیم ہے اور حکمت حدیث شریف۔ خیال رہے کہ قرآن شریف کی عبارت بھی وحی ہے اور مضامین بھی مگر حدیث شریف کا مضمون وحی ہے الفاظ حضور کے اپنے اسی لیے الفاظ حدیث پر قرآن کے احکام

جاری نہیں کہ اس کی تلاوت نماز میں نہیں ہو سکتی، بے وضو اسے چھوسکتا ہے۔ اسی لیے قرآن کو وحی منلو کہتے ہیں اور حدیث کو غیر منلو۔ مرقاۃ میں ہے کہ جبریل امین حدیث کو بھی لے کر اترتے تھے، اس کی تحقیق کے لیے ہماری کتاب "ایک اسلام" دیکھو۔  
 ۳۔ یہ کلمہ "الاکا منکرین" حدیث پر اظہار غضب کے لیے ہے اسی لیے ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف کے ہوتے ہوئے قیاس جائز نہیں، حدیث ضعیف کو قیاس قوی پر ترجیح ہے اگرچہ اس منکر حدیث کی پیدائش ۱۳ سو برس کے بعد ہوئی مگر حضور کی نگاہوں سے قریب تھا اس لیے یُوشکَ فرمایا، شَبَعَانٌ (پیٹ بھرا) میں اس کی مالداری اور مسہری میں اس کا لنگڑا ہونا بتایا گیا۔

۴۔ یعنی اپنی تحقیق پر اعتماد کرو، صاحب قرآن سے الگ ہو جاؤ یہ بکو اس ہی تمام بے دینوں کی جڑ ہے۔

۵۔ یعنی حرام قطعی واجب الترتک اسی لیے صحابہ کرام حضور کے فرمان پر قرآن کی طرح عمل کرتے تھے ہم پر جیسے نماز فرض ہے ایسے ہی نماز کی تعداد اور مقدار یعنی پانچ نمازیں اور ہر نماز میں مقرر رکعات فرض ہیں ہم جو کبھی حدیث کو ظنی کہتے ہیں اس کی وجہ اسنادیں ہیں۔ جنہوں نے خود حضور سے حدیثیں سنیں ان کے لیے قرآن کی طرح قطعی تھیں، دیکھو صدیق اکبر نے حدیث کی بنا پر حضور کی میراث تقسیم نہیں کی حالانکہ تقسیم میراث حکم قرآنی ہے۔

۶۔ یعنی منکرین حدیث کو چاہیے کہ گدھا بھی کھائیں، کتے بلوں پر بھی ہاتھ صاف کریں، پڑی ہوئی چیز بھی قبضہ میں کر لیا کریں، کیونکہ انہیں قرآن نے حرام نہیں کیا بلکہ حدیث نے کیا ہے۔ ان شاء اللہ اس کا جواب قیامت تک ان سے نہ بنے گا۔

مسئلہ: پڑی ہوئی چیز جو ملے اس کے مالک کو تلاش کر کے پہنچادی جائے مسلمان کی ہو یا کسی ذمہ والے کافر کی، حربی کافر کا مال جو بغیر دھوکہ دہی کے ملے حلال ہے جب مالک کے ملنے سے مایوسی ہو جائے تو خیرات کردی جائے اور اگر اٹھانے والا غریب ہو تو خود استعمال کرے۔ اس کے بقیہ مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔

۷۔ یعنی یہ مسئلہ بھی قرآن میں نہیں ہے حدیث میں ہے۔ خیال رہے کہ اس زمانہ میں دیہاتی کفار سے یہ عہد لیا جاتا تھا کہ اگر لشکر اسلام یا کوئی مسلمان تمہارے گاؤں پر گزرے تو تم اسے ایک دو وقت کا راشن دینا۔ اس معاہدے کے ماتحت لشکر اسلام کو اپنا راشن ان سے وصول کرنے کا حق تھا، حدیث میں اسی کا ذکر ہے اب بھی بعض ہنگامی حالات میں لشکر یا پولیس کا خرچ اہل شہر پر ڈال دیا جاتا ہے۔ اس جملے کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں مگر یہ تفسیر زیادہ قوی ہے اس صورت میں یہ حدیث غیر منسوخ ہے اب بھی اگر کفار سے یہ معاہدہ ہو جائے تو ان پر اس کی پابندی لازم ہوگی۔

روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے افرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرما کر فرمایا کیا تم میں سے کوئی چھڑ کھٹ پر تکیہ لگا کر یہ گمان کر سکتا ہے کہ اللہ نے بجز ان چیزوں کے کوئی چیز حرام نہ کی جو قرآن میں ہیں آگاہ رہو کہ بخدا میں نے احکام دیئے وعظ فرمائے اور بہت چیزوں سے منع کیا جو قرآن کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہیں ۳۔ یقیناً اللہ نے تمہارے لیے یہ مباح نہ کیا کہ کتابوں کے گھروں میں بلا اجازت گھس جاؤ اور نہ ان کی عورتوں کو مار پیٹ اور نہ ان کے پھل کھانا جب وہ اپنے

ذمہ کے حقوق تمہیں ادا کریں ۴۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا  
اس حدیث کی اسناد میں اشعث ابن شعبہ مصیعی ہے جس  
میں کلام کیا گیا ہے۔

۱۔ آپ صحابی ہیں، آپ کے والد ساریہ کی کنیت ابو نجیح تھی، حضرت عرباض اصحاب صفہ میں سے ہیں، شوقِ الہی اور خوفِ الہی اپنے  
دل میں بہت رکھتے تھے، شام میں قیام کیا اور ۷۷ھ میں وہیں وفات پائی، آپ سے ۳۱ احادیث مروی ہیں، حمص میں آپ کا مزار ہے۔  
۲۔ اس میں خطاب صرف صحابہ سے نہیں بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے، کیونکہ عہد صحابہ سے قریباً ۱۳ سو برس تک منکر حدیث  
کوئی نہیں ہوا یہ بیماری چودھویں صدی میں پھیلی، اور یہ سوال تعجب کے لیے ہے یعنی تعجب ہے کہ تم میں بعض ایسے بے وقوف بھی  
پیدا ہوں گے جو ایسے واہیات عقائد رکھیں گے۔

۳۔ یعنی میرے دیئے ہوئے احکام اور میری حلال و حرام کی ہوئی چیزیں، مقدار میں قرآنی احکام اور قرآنی حلال و حرام سے کہیں زیادہ  
ہیں، دیکھ لو قرآن کریم نے صرف سُور کا گوشت حرام کیا کہ فرمایا "وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ" سُور کی کلیجی، گردے، ہڈی، بھیجہ اس کے علاوہ  
کتا، بلا حدیث نے ہی حرام کیا اسی طرح تمام احکام کا حال ہے حدیث کا انکار کر کے ان چیزوں کی حرمت کہاں سے ثابت کی جائے گی۔  
۴۔ یعنی جب ذمی اہل کتاب جزیہ (ٹیکس) ادا کر دیں تو نہ تم ان کے گھروں میں جا سکتے ہو، نہ ان کا مال کھا سکتے ہو، نہ انہیں سزا دے سکتے  
ہو۔ یہ مسئلہ بھی قرآن میں نہیں ہے، میں ارشاد فرما رہا ہوں اہل کتاب کی قید اس لیے لگائی کہ مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہیں کیا  
جاتا، انہیں مسلمان ہی ہونا پڑے گا۔ خیال رہے کہ اگر ذمی جزیہ دینے سے انکار کر دیں تو وہ حربی ہو جائیں گے، پھر ان کی جلداد، سامان  
حکومت اسلامیہ ضبط اور انہیں قید کر سکتی ہے اس لیے جزیہ دینے کی قید لگائی گئی۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ ایک دن ہمیں رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر ہماری طرف چہرہ کیا  
اور نہایت ہی بلیغ و عظم فرمایا جس سے اشک رواں ہو گئے دل  
ڈر گئے ۱۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ شاید یہ  
الوداعی وعظ ہے ۲۔ لہذا کچھ وصیت فرمادیں حضور نے فرمایا  
کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، سلطان کی سننے، فرماں برداری  
کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ حبشی غلام ہی ہو ۳۔ کیونکہ  
میرے بعد تم میں سے جو جیئے گا وہ بڑا اختلاف دیکھے گا ۴۔  
لہذا تم میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت  
مضبوط پکڑو ۵۔ اسے دانت سے مضبوط پکڑ لو نئی باتوں سے  
دور رہو کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے ۶۔  
اسے احمد، ابو داؤد اور ترمذی وابن ماجہ نے روایات کیا لیکن  
ان دونوں نے نماز کا واقعہ ذکر نہ کیا۔



۱۔ یوں تو حضور کے تمام وعظ ہی موثر ہوتے تھے لیکن خصوصیت سے یہ وعظ بہت پر تاثیر تھا۔ جس میں عشق خدا، خوف ذات کبریا کا دریا موجیں مار رہا تھا۔ عشق سے آنسو بہے اور خوف سے دل ڈرے، بلوغ سے پر تاثیر مراد ہے۔

۲۔ یعنی حضور کی وفات قریب ہے، اور آپ ایسی باتیں فرما رہے ہیں جیسی رخصت ہوتے وقت کی جاتی ہیں گویا آپ اپنی امت کو چھوڑ کر جا رہے ہیں اور آخری نصیحتیں کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ! صحابہ کرام کی ذکاوت کے قربان۔ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حضور کی وفات قریب تھی اس لیے ان کے کلام کی تردید نہ فرمائی گئی بلکہ خواہش پوری کردی گئی، پتہ لگا کہ حضور اپنے وقت وفات کو جانتے ہیں اور یہ ایسا جامع کلام ہے کہ سارے احکام اس میں آگئے۔ تَقْوَى اللّٰهِ میں سارے دینی احکام اور سلطان کی اطاعت میں سارے سیاسی احکام شامل ہیں۔

۳۔ یعنی اگر تمہارا امیر کلا حبشی غلام ہو تب بھی اس کی اطاعت کرو اس کا نسب و شکل نہ دیکھو اس کا حکم سنو۔ خیال رہے کہ خلافت قریش سے خاص ہے مگر امارت ہر مسلمان کو مل سکتی ہے، لہذا یہ حدیث کے خلاف نہیں "الْخِلَافَةُ لِلْقُرَيْشِ" نیز امیر کی اطاعت انہی احکام میں ہوگی جو خلاف شرع نہ ہوں، نیز اس کی اطاعت امیر بن جانے کے بعد ہوگی۔ یزید امیر بنا ہی نہ تھا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسے حاکم مانا ہی نہیں۔ لہذا آپ کا عمل اس حدیث کے خلاف نہیں، امیر بنانا اور ہے اور امیر بن چکنے کے بعد اطاعت کرنا کچھ اور۔

۴۔ سیاسی اختلاف بھی اور مذہبی بھی۔ چنانچہ خلافت عثمانیہ کے آخر میں لوگوں میں سیاسی اختلاف پیدا ہو گیا اور خلافت حیدری میں سیاسی اختلاف کے ساتھ مذہبی اختلاف بھی رونما ہو گیا کہ جبریہ، قدریہ، رافضی، خارجی پیدا ہو گئے۔ خیال رہے کہ خدا کے فضل سے صحابہ میں دینی اختلاف نہ ہوا، سارے صحابہ حق پر رہے، حضور کا یہ کلمہ بہت جامع ہے اور آپ کی یہ پیشین گوئی ہو بہو صحیح ہوئی۔

۵۔ ہر سنت لائق اتباع ہے مگر ہر حدیث لائق اتباع نہیں، حضور کے خصوصیات، منسوخ احکام اور اعمال حدیث ہیں مگر سنت نہیں اسی لیے یہاں حدیث کو پکڑنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ سنت کو۔ الحمد للہ! ہم اہل سنت ہیں دنیا میں اہل حدیث کوئی نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام کے اعمال و افعال بھی لغوی معنی سے سنت ہیں یعنی دین کا اچھا طریقہ اگرچہ ان کی ایجادات بدعت حسنہ ہیں، عمر فاروق نے جماعت کی باقاعدہ تراویح کو جو آپ نے جاری کی تھی بدعت فرمایا کہ کہا نَعَمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ آپ کا وہ کلام اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ وہ شرعاً بدعت ہے لغتاً سنت اور مسلمانوں کے واسطے لازم العمل۔ خیال رہے کہ تمام صحابہ ہدایت کے تارے ہیں، خصوصاً خلفائے راشدین۔ لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ "أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ" تمام صحابہ کی پیروی باعث نجات ہے۔

۶۔ یہاں نئی چیز سے مراد نئے عقیدے ہیں جو اسلام میں حضور کے بعد ایجاد کیے جائیں، اس لیے کہ یہاں اسے گمراہی کہا گیا۔ گمراہی عقیدہ میں ہوتی ہے نہ کہ اعمال میں لہذا یہ حدیث اپنے عموم پر ہے۔ چنانچہ قادیانی، چکرالوی، رافضی و خروج یہ تمام بدعات اور گمراہی ہیں اور اگر اس سے نئے اعمال مراد لیے جائیں تو یہ حدیث عام مخصوص منہ البعض ہے، یعنی ہر بری بدعت گمراہی ہے۔ بدعت حسنہ کبھی مباح، کبھی مستحب، کبھی واجب اور کبھی فرض بھی ہوتی ہے۔ حدیث کی کتب اور قرآن کے پارے بدعت ہیں مگر اچھے ہیں۔ اس کی تحقیق پہلے کی چابکی ہے۔

روایت ہے عبد اللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک خط کھینچا پھر فرمایا کہ یہ

اللہ کا راستہ ہے! پھر اس کے دائیں بائیں اور لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں جن میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے جو ادھر بلا رہا ہے! اور یہ آیت تلاوت فرمائی: "أَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ"  
"الایہ اسے احمد، نسائی اور دارمی نے روایت کیا۔

۱۔ سبحان اللہ! کیا نفیس تعلیم ہے، دین حق کو قرآن شریف میں صراط مستقیم فرمایا گیا یعنی سیدھا راستہ جو نہایت آسانی سے رب تک پہنچا دے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خط کھینچ کر اس کی مثال دکھادی۔ یہاں سبیل اللہ سے مراد سچے اعتقاد اور نیک اعمال ہیں۔ خیال رہے کہ شریعت اور طریقت کے چاروں سلسلے حنفی شافعی یا قادری، چشتی وغیرہ ایک ہی طریقہ ہیں جنہیں اہل سنت کہا جاتا ہے کیونکہ انکے عقائد یکساں ہیں۔ اعمال میں فروعی اختلاف جیسا صحابہ کا آپس میں اختلاف ہوا کرتا تھا۔ یہ کعبہ ایمان کے چار راستے ہیں، یا سمندر نبوت تک پہنچنے والے چار دریا ان کے علاوہ دیگر مذاہب ٹیڑھے راستے ہیں کہ وہ عقائد میں مختلف ہیں۔  
۲۔ یہاں شیطان سے مراد یا تو ان مذاہب کے موجد ہیں جیسے قادیانیت کے لیے غلام احمد اور چکرالویت کے لیے عبداللہ، یا ان دینوں کے مبلغین یا اس سے مراد خود ابلیس ہی ہے۔ قرآن نے سرکش جنات اور گمراہ کن انسانوں کو شیاطین فرمایا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے کے تابع نہ ہو! اسے شرح سنہ میں روایت کیا ہے۔ نووی نے اپنی چہل حدیث میں ۲ فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے جسے ہم نے صحیح اسناد سے کتاب الحج میں روایت کیا۔

۱۔ یعنی مؤمن وہ ہے کہ جس کا عمل میرے احکام کو پسند کرے اور اس کے علاوہ کو ناپسند۔ لائے ہوئے میں حدیث و قرآن کے سارے احکام داخل ہیں کیونکہ یہ سب رب کی طرف سے آئے اور ایمان سے مراد اصل ایمان ہے اور واقعی جو کوئی کسی دینی چیز کو برا جانے وہ کافر ہے اور اس صورت میں حدیث پر نہ کوئی اعتراض ہے اور نہ کسی تاویل کی ضرورت، کوئی گنہگار، فاسق، بدکار گناہوں کو اچھا اور نیکیوں کو برا نہیں سمجھتا، اسی وجہ سے وہ مؤمن رہتا ہے اگرچہ فاسق ہو۔

۲۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو کوئی میری امت تک چالیس حدیثیں پہنچا دے قیامت میں اس کی بخشش ہوگی، اسی لیے علماء محدثین نے چہل حدیثیں لکھیں۔ امام نووی شارح مسلم نے بھی چالیس جمع فرمائیں جس کا یہاں ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت بلال ابن حارث مزنی سے! فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو میری مردہ سنت کو جو میرے بعد فنا کردی گئی زندہ کرے! اسے ۲ اسے ان

تمام کی برابر ثواب ہوگا جو اس پر عمل کریں اس کے بغیر کہ ان عاملوں کے ثواب سے کچھ کم ہو سکتا ہے اور جو گمراہی کی بدعت ایجاد کرے جس سے اللہ رسول راضی نہیں ہو سکتا اس پر ان سب کی برابر گناہ ہوگا جو اس پر عامل ہوں اور یہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ کرے گا اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۱۔ آپ صحابی ہیں، ۵۰ھ میں وفد مدینہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے، ۸۰ سال کی عمر پر آپ ۶۰ھ میں وفات پائی، مدینہ منورہ کے پاس مقام ستغری میں قیام تھا۔  
۲۔ یعنی جس سنت کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہو اس پر خود بھی عمل کرے اور دوسرے کو بھی عمل کی رغبت دلائے جیسے زمانہ موجودہ ہیں داڑھی رکھنا۔

۳۔ کیونکہ یہ اللہ کا بندہ اس سنت کے زندہ کرنے میں لوگوں کے طعن اور مذاق برداشت کرتا ہے، سنت کی خاطر سب سختیاں جھیلتا ہے، لہذا بڑا غازی ہے۔ جو بھلائی کے موجد کو ثواب ملتا ہے وہی بھلائی کے پھیلانے والے کو۔  
۴۔ یہاں بدعت موصوف ہے اور ضلالت صفت اور جب نکرہ نکرے کی صفت ہو تو تخصیص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یہاں ضلالت کی قید بدعت حسنہ کو نکالنے کے لیے ہے۔ (مرقاۃ) یعنی بری بدعتوں کا موجد مجرم ہے جیسے اردو میں نماز و اذان یا اور تمام خلاف سنت کام۔ اور اچھی بدعتوں کا موجد ثواب کا مستحق ہے جیسے علم صرف و نحو کے موجد، اسلامی مدرسے، عرس بزرگان، میلاد شریف اور گیارہویں شریف اور گیارہویں شریف کی مجالس کے موجد، اس کی بحث پہلے گزر چکی یہ حدیث تقسیم بدعت کی اصل ہے اس کا ذکر "کتاب العلم" میں بھی آئے گا۔

اور ابن ماجہ نے کثیر ابن عبداللہ ابن عمرو سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا۔

۱۔ کثیر ابن عمرو بائناق راوی ضعیف ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ بہت جھوٹا آدمی تھا اس کے دادا عمرو ابن عوف صحابی ہیں، قدیم الاسلام ہیں انہی کے بارے میں یہ آیت کریمہ اتزی "تَوَلَّوْا وَاَعَيْنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ" آپ مدینہ منورہ میں رہے اور حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی، جنگ بدر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے۔

روایت ہے حضرت عمرو بن عوف سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دین حجاز کی طرف ایسا سمٹ آوے گا جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف اور دین حجاز سے ایسا بندھ جاوے گا جیسے پہاڑی بکری پہاڑ کی چوٹی سے یقیناً دین غریب ہی شروع ہوا اور جیسا شروع ہوا ویسا لوٹے گا لہذا غربا کو خوشخبری ہو یہ غربا وہ ہیں جو میرے

بعد میری سنت کو درست کریں گے جسے لوگوں نے بگاڑ دیا  
ہوگا ۳ (ترمذی)

۱ یعنی آخری زمانہ میں مسلمانوں کو حجاز کے سوا کہیں پناہ نہ ملے گی اس لیے سب یہاں ہی جمع ہو جائیں گے۔ حجاز عرب کا وہ صوبہ ہے جس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، طائف وغیرہ ہیں۔ خیال رہے کہ اولاً مسلمان حجاز میں پناہ لیں گے اور پھر وہاں بھی امن نہ پائیں گے تو مدینہ منورہ میں سمٹ آئیں گے، لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ دین مدینہ میں سمٹ آئے گا، مدینہ منورہ ہی میں نبوت کا آفتاب غروب ہوا اور یہاں سے ہی اس کی کرنیں یعنی شریعت غائب ہو گئی۔

۲ کہ پہاڑی بکریاں دن بھر ہر جگہ پھرتی ہیں اور شام کو اپنے تھان یعنی پہاڑ کی چوٹی پر باندھ دی جاتی ہیں، جہاں وہ درندوں سے محفوظ رہتی ہیں۔ حجاز خصوصاً مدینہ منورہ اسلام کا تھان ہیں اس میں اشارہ یہ فرمایا گیا کہ اسلام حرمین شریفین سے کبھی نہ نکلے گا اور سب مسلمانوں کا تعلق اس سے قائم رہے گا، جیسے سانپ کا تعلق اپنے سوراخ سے اور بکری کا تعلق اپنے تھان سے ہر وقت رہتا ہے۔ اس کا وہ مطلب نہیں جو براہین قاطعہ وغیرہ نے سمجھا کہ وہاں اسلام قیامت کے قریب پہنچے گا اس سے پہلے دنیا میں اور جگہ اسلام ہوگا حجاز یا مدینہ منورہ میں نہ ہوگا۔

۳ اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔ یہ بھی قریب قیامت ہی ہوگا کہ جیسے پہلے تھوڑے مسکین لوگوں نے اسلام قبول کیا ایسے ہی قریب قیامت تھوڑے غریب ہی اسلام پر قائم رہ جائیں گے وہ اگلے غریب بھی مبارک تھے اور یہ پچھلے بھی مبارک ہوں گے۔ باقی دنیا میں کفر ہی کفر ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام میں جو نیا فرقہ نکلے اور اس کے ماننے والے تھوڑے ہوں وہی حق پر ہوں جیسا کہ قادیانیوں اور وہابیوں نے سمجھا۔ آگے حدیث آرہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہو۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت پر بعینہ ویسے حالات آئیں گے جیسے بنی اسرائیل پر آئے جیسے جوتی کی جوتی سے برابر۱۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ زنا کیا تو میری امت میں بھی وہ ہوگا جو ایسا کرے گا ۲ یقیناً بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جاوے گی ۳ سوا ایک ملت کے سب دوزخی لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ ایک کون فرقہ ہے فرمایا وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں ۴ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۱ سبحان اللہ! اس مطلع الغیوب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی صحیح خبر دی اور کیسی نفیس تشبیہ سے سمجھایا کہ جیسے داہنے پاؤں کی جوتی بائیں پاؤں کی جوتی سے لمبائی، چوڑائی، شکل و صورت میں یکساں ہوتی ہے ایسے ہی میری امت کے ظاہری و باطنی حالات، عقائد و اعمال بنی اسرائیل کی طرح ہو جائیں گے۔

۲۔ یہ اعمال کی برابری کا ذکر ہے کہ بدتر سے بدتر گناہ بھی میری امت کے اندر پایا جائے گا۔ ہم نے دیکھا کہ انگریزوں کی داڑھیاں منڈیں، مونچھیں بڑھیں، مسلمانوں کی بھی ایسی ہی شکل بن گئی، پھر انگریزوں نے ناک کے نیچی مونچھ مکھی کی طرح رکھی مسلمان بھی اس ہی پر عامل ہو گئے۔ پھر دور آیا کہ داڑھی کے ساتھ مونچھ کی بھی بالکل صفائی ہو گئی، تو مسلمان بھی ایسے ہی ہو گئے۔ اگر کوئی انگریز ناک کٹالیتا تو یقیناً مسلمانوں میں صد ہاناک کٹ جاتے۔ یہ اسی حدیث کا ظہور ہے۔

۳۔ اس طرح کہ بنی اسرائیل کے سارے ۷۲ فرقے گمراہ ہو گئے مگر مسلمانوں میں ۷۲ فرقے گمراہ ہوں گے اور ایک ہدایت پر۔ خیال رہے کہ جیسے بعض بنی اسرائیل نبیوں کے دشمن ہیں ایسے ہی مسلمانوں میں بعض فرقے دشمن سید الانبیاء ہیں اور جیسے بعض بنی اسرائیل انبیاء کو خدا کا پیٹا مان بیٹھے مسلمانوں میں بھی بعض جاہل فقیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عین خدا، جز خدا مانتے ہیں۔ غرض اس حدیث کا ظہور یوں پوری طرح ہو رہا ہے۔

۴۔ یعنی میں اور میرے صحابہ ایمان کی کسوٹی پر ہیں جس کا ایمان ان کا سا ہو وہ مؤمن ماسوائے بے دین۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "فَإِنَّ أَمْنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا"۔ خیال رہے کہ مآ سے مراد عقیدے اور اصول اعمال ہیں نہ کہ فروعی افعال، یعنی جن کے عقائد صحابہ کے سے ہوں اور ان کے اعمال کی اصل عہد صحابہ میں موجود ہو وہ جتنی ورنہ فروعی اعمال آج لاکھوں ایسے ہیں جو زمانہ صحابہ میں نہ تھے ان کے کرنے والے دوزخی نہیں۔ صحابہ کرام حنفی، شافعی یا قادری نہ تھے ہم ہیں۔ انہوں نے بخاری مسلم نہیں لکھی تھی، مدرسہ اسلامی نہ بنائے تھے، ہوائی جہازوں اور راکٹوں سے جہاد نہ کئے تھے۔ ہم یہ سب کچھ کرتے ہیں لہذا یہ حدیث وہابیوں کی دلیل نہیں بن سکتی کہ عقائد وہی صحابہ والے ہیں اور ان سارے اعمال کی اصل وہاں موجود ہے۔ غرضیکہ درخت اسلام عہد نبوی میں لگا عہد صحابہ میں پھلا پھولا قیمت تک پھل آتے رہیں گے کھاتے رہو بشرطیکہ اسی درخت کے پھل ہوں۔

اور احمد و ابوداؤد میں معاویہ کی روایت سے یہ ہے کہ بہتر دوزخی اور ایک جنتی ہے اور وہ بڑا گروہ (جماعت مسلمین) ہے۔ میری امت میں ایسی قومیں نکلیں گی جن میں بدعت ایسی سرایت کر جائیں گی جیسے دیوانہ کتے کا زہر کاٹے ہوئے ہیں کہ جس کی کوئی رگ اور جوڑ سرایت کئے نہیں پختا۔

۱۔ اس میں بتایا گیا کہ جنتی ہونے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے: سنت کی پیروی اور جماعت مسلمین کے ساتھ رہنا۔ اسی لیے ہمارے مذہب کا نام اہل سنت و الجماعت ہے۔ جماعت سے مراد مسلمانوں کا بڑا گروہ ہے جس میں فقہاء، علماء، صوفیاء اور اولیاء اللہ ہیں۔ الحمد للہ! یہ شرف بھی اہلسنت ہی کو حاصل ہے، سوا اس فرقہ کے اولیاء اللہ کسی فرقہ میں نہیں۔ خیال رہے کہ یہ ۷۳ کا عدد اصولی فرقوں کا ہے کہ اصولی فرقہ ایک جنتی اور ۷۲ جہنمی۔ چنانچہ اہل سنت میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی ایسے ہی اشاعرہ یا تردید سے سب داخل ہیں کہ عقائد سب کے ایک ہی ہیں اور ان سب کا شمار ایک ہی فرقہ میں ہے۔ ایسے ہی بہتر ناری فرقوں کا حال ہے کہ ان میں ایک ایک فرقے کے بہت ٹولے ہیں۔ مثلاً ایک فرقہ روافض کے بہت ٹولے ہیں، بارہ

امائے چھ امامائے تین دیگر فرقوں کا حال ہے۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اسلامی فرقے کئی سو ہیں۔ اس کی تفصیل مرقاۃ وغیرہ میں دیکھو۔

۲ یعنی برے عقیدے اور بدعتیں ان کے خیالات و اعمال میں چھا جائیں گے۔ خیال رہے کہ حضور نے سانپ کاٹے کی تشبیہ نہ دی کیونکہ اس کا زہر دل یا دماغ پر پہنچتے ہی موت واقع ہو جاتی ہے۔ وہ اوروں کو نہیں کاٹتا مگر دیوانہ کتا کا کاٹنا ہو اعرصہ تک زندہ رہتا ہے جسے یہ کاٹ لے اسے بھی اپنے جیسا کر لیتا ہے۔ یہی بدمذہبوں کا حال ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقیناً اللہ میری امت کو یا فرمایا امت محمد مصطفیٰ کو گمراہی پر متفق نہ ہونے دے گا۔ جماعت پر اللہ کا دست کرم ہے ۲ جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہی جائے گا۔ (ترمذی)

۱۔ یہاں امت سے امت اجابت مراد ہے یعنی حضور پر ایمان لانے والے لوگ یہ حدیث کچھلی حدیث کی گویا تفسیر ہے، یعنی اگرچہ میری امت میں بنی اسرائیل سے زیادہ فرقے ہوں گے، لیکن فرقہ یہ ہے کہ وہ سارے گمراہ ہو گئے تھے، یہ امت ساری گمراہ نہ ہوگی بلکہ قیامت تک ایک فرقہ اس میں حق پر رہے گا۔ یہ اس امت کی خصوصیت ہے۔ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ مسلمانوں کا اجماع برحق ہے جس پر سارے علماء اولیاء متفق ہو جائیں وہ مسئلہ ایسا ہی لازم العمل ہے جیسے قرآن کی آیت۔ اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے: "وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ" یعنی جو مسلمانوں کے راستہ کے علاوہ کوئی اور راہ چلے گا ہم اسے دوزخ میں بھیجیں گے۔ اجماع امت کا حجت ہونا یہ بھی اس امت کی خصوصیت ہے۔ معلوم ہوا کہ خلافت شیخین برحق ہے۔ ۲ دست کرم سے مراد حفاظت، مدد اور رحمت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جماعت کو غلطی اور دشمنوں کی ایذا سے بچائے گا۔ ان پر سیکنہ اتارے گا وغیرہ۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ کیونکہ جو الگ رہا وہ الگ ہی آگ میں جائے گا ۲ اسے انس کی حدیث سے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۱ یعنی ہمیشہ وہ عقیدے اختیار کرو جو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ہوں یہ حدیث منصوص اور غیر منصوص سارے احکام کو شامل ہے۔ آیات و احادیث کے جو معنی مسلمانوں کی بڑی جماعت نے سمجھے ہیں وہی حق ہیں۔ آج اگر کوئی نئے معنی بتائے تو جھوٹا ہے۔ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی صلوة و زکوٰۃ کے معنی مروجہ نماز اور صدقہ ہیں جو کہے کہ خاتم النبیین کے معنی اصلی نبی، صلوة و زکوٰۃ سے کچھ اور مراد لے یہ غلط ہے، ایسے ہی مسلمانوں کا بڑا گروہ میلاد، فاتحہ، عرس وغیرہ کو اچھا سمجھتا ہے واقعی یہ کام اچھے ہیں، اگر کچھ لوگ انہیں حرام کہیں جھوٹے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ رب فرماتا ہے: "لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ" حضور فرماتے ہیں تم زمین میں اللہ کے گواہ رہو۔ یہ سب حدیثیں اسی مشکوٰۃ شریف میں

آئیں گی۔ لہذا جس کام کو عام علماء، صلحاء اور عوام مسلمین اچھا جائیں وہ اچھا ہی ہے۔ خیال رہے کہ بڑی جماعت سارے مسلمانوں کی معتبر ہے نہ کہ کسی خاص جگہ اور خاص وقت کی۔ لہذا اگر کسی بستی میں ایک سنی ہے سب بدمذہب تو وہ ایک ہی سواد اعظم ہوگا کیونکہ وہ صحابہ سے اب تک کی جماعت کے ساتھ ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ اجتہادی مسائل میں سواد اعظم کا اعتبار نہیں ایک مجتہد جمہور مجتہدین کی مخالفت کر سکتا ہے اور اس کی اتباع جائز ہے۔ اس کی پوری بحث مرقاۃ وغیرہ میں دیکھو۔ یاد رکھو کہ بعض بد عملیوں میں عام مسلمان پھنس جاتے ہیں جیسے زمانہ موجود میں داڑھی منڈانا لیکن وہ سبھی اسے برائی سمجھتے ہیں اور وہ گناہ سمجھ کر اس کو کرتے ہیں۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ داڑھی منڈانا بڑی جماعت کا عمل ہے۔

۲ یعنی جس نے مسلمانوں کی بڑی جماعت کے خلاف عقیدے اختیار کئے تو جماعت تو جنت میں جائے گی اور یہ دوزخ میں۔ یہ حدیث تا قیامت بدمذہبیت سے بچنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اگر مسلمان اس پر کاربند رہیں تو چھوٹے چھوٹے فرقے خود ہی ختم ہو جائیں گے۔

روایت ہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے بچے اگر تم یہ کر سکو کہ صبح اور شام ایسے گزارو کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے کھوٹ (کینہ) نہ ہو تو کرو۔ پھر فرمایا کہ اے میرے بچے یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت سے محبت کرے اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی)

۱ یعنی مسلمان بھائی کی طرف سے دنیوی امور میں صاف دل ہو، سینہ کینہ سے پاک ہو، تب اس میں انوار مدینہ آئیں گے۔ دھندلا آئینہ اور میلا دل قابل عزت نہیں مگر کفار سے عداوت اصل ایمان ہے۔ رب فرماتا ہے: "لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ" ایسے ہی فاسق مسلمانوں کی بدکاری سے ناراض ہونا عبادت ہے۔ لہذا حدیث صاف ہے۔

۲ یعنی جیسے اعمال میں سنتوں کی پابندی باعث ثواب ہے، ایسے ہی دل صاف رکھنا، اچھے اخلاق ہونا بھی سنت ہے۔ جس سے قرب رسول اللہ حاصل ہوگا۔ فسوس کہ اکثر لوگ یہاں پھسل جاتے ہیں۔ اتباع سنت کا دعویٰ ہوتا ہے مگر سینے کینوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ اللہ اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے میری امت کے بگڑتے وقت میری سنت کو مضبوط تھاما تو اسے سوشہیدوں کا ثواب ہے۔

۱ کیونکہ شہید تو ایک بار تلوار کا زخم کھا کر پار ہو جاتا ہے مگر یہ اللہ کا بندہ عمر بھر لوگوں کے طعنے اور زبانوں کے گھاؤ کھاتا رہتا ہے، اللہ اور رسول کی خاطر سب کچھ برداشت کرتا ہے، اس کا جہاد جہاد اکبر ہے جیسے اس زمانہ میں داڑھی رکھنا سود سے بچنا وغیرہ۔

روایت ہے حضرت جابر سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی جب حضور کی خدمت میں حضرت عمر آئے فرمایا کہ ہم یہود کی کچھ باتیں سنتے ہیں جو ہمیں بھلی لگتی ہیں کیا حضور اجازت دیتے ہیں کہ کچھ لکھ بھی لیا کریں فرمایا کیا تم یہود اور عیسائی کی طرح حیران ہوا میں تمہارے پاس روشن و صاف شریعت لایا ۲ اور اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا ۳ اسے احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱۔ کہ قرآن و سنت کو اپنے لیے کافی نہیں سمجھتے اس لیے دوسروں کے پاس علم و ہدایت لینے جاتے ہو جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابیں چھوڑ کر پادریوں اور جوگیوں کی پیروی شروع کر دی۔ یہ حدیث دین و ہدایت کے متعلق ہے جو کوئی اسلام کو کافی نہ سمجھے وہ بے ایمان ہے۔ دنیاوی چیزیں ہر جگہ سیکھی جاسکتی ہیں۔ اس کے لیے وہ حدیث ہے کہ کلمہ حکمت مسلمانوں کی گئی دولت ہے جہاں سے ملے لے لو۔ لہذا حدیث متعارض نہیں۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بے دینوں کے رسالے پڑھتے اور بد مذہبوں کے جلسوں میں جانے سے احتیاط نہیں کرتے۔ فاروق اعظم جیسے مؤمن کو اہل کتاب کے علماء کی صحبت سے منع فرمایا دیا۔ ۲۔ جس میں نہ کوئی کمی ہے نہ کوئی پوشیدگی پھر اور طرف کیوں جاتے ہو۔

۳۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سارے نبیوں سے حضور کی اتباع کا عہد لے لیا تھا: "لَتَتَّوَّبُنَّ إِلَيْهِمْ وَلَتَنْصُرُنَّهُ" پھر تم ان کی امت سے میرے ہوتے ہوئے ہدایت لینے کیوں جاتے ہو۔ آفتاب کے ہوتے چراغوں سے روشنی نہیں لی جاتی۔ آج مسلمان اپنے کو بھول گئے اسی لئے دوسری قوموں کے اخلاق اور امانت داری کی تعریفیں کرتے ہیں۔ یہ ہماری جیب کے گرے ہوئے موتی ہیں جو اوروں نے اٹھائے۔

۱۔ روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پاک و حلال کھائے سنت پر عمل کرے اور لوگ اس کے فتنوں سے محفوظ رہیں وہ جنت میں جائے گا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کل بہت سے ایسے لوگ ہیں فرمایا میرے بعد والے زمانوں میں بھی ہوں گے ۲۔ ترمذی

۱۔ یہ حدیث درست عبادات اور معاملات کی جامع ہے۔ دو لفظوں میں دونوں جہاں سنبھال دیئے گئے۔ "فِي سُنَّةٍ" میں اشارہ بتایا گیا کہ کسی سنت کو معمولی نہ سمجھے حتیٰ کہ بیٹھ کر پانی پینا، راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا۔ کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچالیتا ہے۔ اہل سنت فرما کر بتایا کہ مسلمان کے اخلاق ایسے پاکیزہ ہوں کہ لوگوں کو قدرتی طور پر اس کی طرف سے امن ہو کہ یہ تکلیف نہیں پہنچاتا۔ ۲۔ یعنی میرا فیضان صرف اس زمانہ سے خاص نہیں بلکہ تاقیامت میری امت میں ایسے پرہیزگار ہوتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ یہ امت نیکیوں سے خالی نہ ہوگی ہاں جس قدر زمانہ دور ہوگا ایسے ہی لوگ کم ہوں گے۔ الحمد للہ! حضور کی یہ پیشین گوئی بالکل درست ہوئی۔



روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جو احکام شریعہ کا دسواں حصہ چھوڑ دے تو وہ ہلاک ہو جائے پھر وہ زمانہ آوے گا کہ جو احکام کے دسویں حصے پر عمل کرے نجات پاوے گا! (ترمذی)

۱۔ خیال رہے کہ یہاں احکام سے مراد تبلیغ اور سنن و نوافل وغیرہ ہیں نہ کہ فرائض و واجبات، یعنی آج چونکہ تبلیغ اور ساری نیکیوں کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں اب کچھ بھی چھوڑنا اپنا قصور ہے۔ آخر زمانہ میں رکاوٹیں بہت ہوں گی اس وقت آج کے لحاظ سے دسواں حصہ پر عمل کرنا بڑی بہادری ہوگی۔ لہذا حدیث صاف ہے اس پر یہ اعتراض نہیں کہ اب ایک ہی نماز اور ہزاروں حصہ زکوٰۃ اور رمضان کے تین روزہ کافی ہیں یا یہ مناسبت مجموعی احکام کے لحاظ سے ہے۔ چنانچہ آج اسلامی جہاد قضاء کے احکام پر پورا عمل ناممکن ہے ہم چور کے ہاتھ نہیں کاٹ سکتے، زانی کو سنگسار نہیں کر سکتے وغیرہ۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی قوم ہدایت پر رہنے کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر اس میں جھگڑے پیدا ہو گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی کہ وہ لوگ آپ کے لیے مثال نہیں بیان کرتے مگر جھگڑنے کے لئے بلکہ وہ قوم جھگڑا لو ہے!

۱۔ یعنی جو لوگ سچے دین سے بھٹک جاتے ہیں وہ اپنے باطل دین کو پھیلانے کے لیے تعصب، عناد اور جھگڑوں سے کام لیتے ہیں کیونکہ رب کی طرف سے ان کی مدد نہیں ہوتی جیسا کہ آج بھی بے دینوں کے طرز عمل سے ظاہر ہے کہ وہ قرآن و حدیث کو زبردستی اپنے موافق کرنا چاہتے ہیں خود اس کے موافق نہیں ہوتے جو آیت پیش فرمائی گئی ہے اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب آیت کریمہ: "إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ" نازل ہوئی یعنی اے کافر! تم اور تمہارے سارے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں تو کفار نے حضور سے عرض کیا کہ پھر تو حضرت عیسیٰ اور عزیز علیہا السلام بھی دوزخی ہوئے کہ ان کی بھی اہل کتاب نے پوجا کی تھی۔ تب یہ آیت اتری اور تب ہی حضور نے یہ ارشاد فرمایا یعنی یہ کفار جانتے ہیں کہ مابے عقل چیزوں کے لیے آتا ہے پھر وہ انبیاء کرام اس میں کیسے داخل ہوں گے مگر پھر بھی کج بخشی کرتے ہوئے اپنی ہانکے جاتے ہیں۔ آج اس کی مثالیں بہت دیکھنے میں آرہی ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو! ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا! ۲۔ ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تھی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کر دی ۳۔ پس گرجوں اور دیروں میں

انہی کے بقایا لوگ ہیں انہوں نے خود ترک دنیا ایجاد کی ہم  
نے ان پر لازم نہ کی تھی (ابوداؤد)

۱ یعنی اپنے پر غیر ضروری عبادتیں لازم مت کرلو جیسے ہمیشہ کے روزے یا ساری رات جاگنا اور شرعی مباحات کو حرام مت کرلو جیسے نکاح اور لذیذ نعمتوں سے پرہیز کرنا۔ حلال سے بچنے کا نام تقویٰ نہیں حرام سے بچنے کا نام پرہیزگاری ہے بعض لوگ گوشت سے بچتے ہیں غیبت نہیں چھوڑتے۔

۲ جیسے کوئی عمر بھر روزے، شب بیداری کی نذر مان لے اب یہ دونوں نذر کی وجہ سے فرض ہو گئے کہ نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ اس قسم کی نذروں سے بچو۔ لہذا حدیث واضح ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور کے بعد کوئی نبی آئے گا جس کے ذریعہ وہ سختیاں فرض ہو جائیں گے

۳ جیسے کہ بنی اسرائیل کو ایک موقع پر گائے ذبح کرنے کا حکم دیا وہ جیسی گائے بھی ذبح کر لیتے کافی تھا مگر وہ موسیٰ علیہ السلام سے پوچھتے ہی رہے کہ اس کا رنگ، کیا، عمر کتنی وغیرہ وغیرہ جوابات آتے رہے، سختیاں بڑھتی گئیں، یا جیسے عیسائی پادریوں نے اپنے لیے ترک دینا کو عبادت بنا لیا پھر وہ نبھا نہ سکے بلکہ حرام کاریوں میں مبتلا ہو گئے۔

۴ یعنی یہود و نصاریٰ پر راہب یا ن بنارب کا حکم نہ تھا۔ انہوں نے خود جوش عقیدت میں ایجاد کیا کہ عورتیں بی بی مریم کے نام پر کنواریاں اور مرد عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر کنواریے گرجوں میں رہنے لگے پھر ان کنواریوں کے اجتماع سے جو نتیجہ نکلا ظاہر ہے دیکھو کتاب "ازبلا" اس آیت و حدیث سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ بدعت حسنہ کے ایجاد پر ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ان راہبوں کے متعلق جنہوں نے اپنے عہد نبھادیئے ثواب کا وعدہ کیا کہ فرمایا: "فَاتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسِقُونَ"۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن پانچ قسموں پر اترا۔ حلال حرام محکم اور متشابہ ۲ اور مثالیں لہذا حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام مانو محکم پر عمل کرو اور متشابہ پر ایمان لاؤ۔ مثالوں سے عبرت پکڑو۔ یہ مصابیح کے الفاظ ہیں اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا جس کی عبارت یوں ہے کہ حلال پر عمل کرو اور حرام سے بچو اور محکم کی اتباع کرو۔

۱ بطریق اجمال ان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جیسے "أَحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ" یا "وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ" ان دو آیتوں میں اجمال طور پر سارے حلال و حرام کا ذکر آ گیا ہے۔

۲ محکم کے اصطلاحی معنی ہیں ناقابل نسخ آیات مگر یہاں کھلی اور واضح آیتیں مراد ہیں کہ اس کے مقابل متشابہ فرمایا گیا۔ متشابہ: وہ آیات ہیں جن کے معنی یا مراد سمجھ میں نہ آسکیں۔ امثال سے گزشتہ امتوں کے قصے یا مثالیں مراد ہیں۔

۳۔ کہ جو کچھ متشابہ کی مراد ہے حق ہے ہمیں اگرچہ اس پر اطلاع نہیں۔  
۴۔ کہ گزشتہ قوموں پر جن وجوہ سے عذاب آئے وہ تم چھوڑ دو۔ اس سے قیاس شرعی کا ثبوت ہوا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ  
جس کا ہدایت ہونا ظاہر اس کی تو پیروی کرو ایک وہ جس کا  
گمراہی ہونا ظاہر اس سے بچو ایک وہ جو مختلف ہے اسے اللہ  
کے حوالے کرو (احمد)

۱۔ یعنی احکام شرعیہ تین طرح کے ہیں: بعض یقینی اچھے جیسے روزہ، نماز وغیرہ۔ بعض یقیناً بُرے جیسے اہل کتاب کے میلوں، ٹھیلوں میں  
جانا، ان سے میل جول کرنا۔ اور بعض وہ ہیں جو ایک اعتبار سے اچھے معلوم ہوتے ہیں اور ایک اعتبار سے برے۔ مثلاً وہ جن کے حلال و  
حرام ہونے کے دلائل موجود ہیں جیسے گدھے کا جوٹھا پانی جسے شریعت میں مشکوک کہا جاتا ہے یا جیسے قیامت کے دن کا تقرر اور کفار  
کے بچوں وغیرہ کا حکم۔ چاہیے یہ کہ حلال پر بے دھڑک عمل کرے حرام سے ضرور بچے اور مشتبہات سے احتیاط کرے۔ اس حدیث کا  
مطلب یہ نہیں کہ ایک حلال چیز کو کوئی شخص اپنی رائے سے حرام کہہ دے تو وہ شے مشتبہ بن جائے گی۔ تمام مسلمان میلاد و عرس  
وغیرہ کو حلال جانیں اور ایک آدمی اسے حرام جانے تو یہ چیزیں مشتبہ نہ ہوں گی بلکہ بلا دلیل حرام کہنے والے کا قول رد ہوگا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت معاذ بن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے جیسے  
بکریوں کا بھیڑیا الگ اور دور اور کنارے والی کو پکڑتا ہے۔ تم  
گھائیوں سے بچو۔ جماعت مسلمان اور عوام کو لازم پکڑو۔ (احمد)

۱۔ شاذّہ: وہ بکری ہے جو اپنی ہم جنسوں سے متنفر ہو اور گلے سے دور رہے۔ قاصیہ: وہ جو متفرق تو نہ ہو چرنے کے لیے ریوڑ سے الگ  
ہو جائے۔ ناحیہ: وہ جو ریوڑ سے الگ تو نہ ہو مگر کنارے کنارے چلے۔ خلاصہ: تشبیہ یہ ہے کہ دنیا ایک جنگل ہے جس میں ہم لوگ مثل بکریوں  
کے ہیں، شیطان بھیڑیا ہے جو ہر وقت ہماری تاک میں ہے، جو جماعت مسلمان سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آگیا۔  
۲۔ شَعَابُ شُعْبَةٍ کی جمع ہے، دو پہاڑیوں کے درمیان تنگ راستہ کو شعبہ کہتے ہیں، جہاں کیڑوں، مکوڑوں، ڈاکوؤں چوروں بلکہ جنات کا بھی خطرہ  
رہتا ہے، یہاں مسلمانوں کے وہ فرقے مراد ہیں جو اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں۔

۳۔ یعنی وہ عقائد اختیار کر لو جو عامۃ المسلمین کے ہوں کہ اسی جماعت میں اولیاء اللہ بھی ہیں، جھوٹی جماعتوں اور فرقوں سے الگ رہو۔ اس کی  
تفسیر گزشتہ حدیث ہے کہ بڑے گروہ کی پیروی کرو اور وہ حدیث کہ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ الحمد للہ! ہمیشہ  
سے اہل سنت کی اکثریت رہی ہے اور ہے، عام مسلمان مقلد ہیں، بزرگوں کے معتقد ہیں، میلاد شریف فاتحہ کو اچھا جانتے ہیں، ان کے علاوہ ساری

جماعتیں مل کر بھی اہل سنت سے آدھی بھی نہیں لہذا اہل سنت ہی برحق ہیں جو ان سے بے گناہ شیطان کا شکار ہوگا۔ اس کی تفسیر پہلے بھی گزر گئی۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت سے بالشت بھر بچھڑا اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے اتار دی! (احمد و ابوداؤد)

۱۔ یعنی جو ایک ساعت کے لیے اہل سنت والجماعت کے عقیدے سے الگ ہو یا کسی معمولی عقیدے میں بھی ان کا مخالف ہو تو آئندہ اس کے اسلام کا خطرہ ہے، بکری وہی محفوظ رہتی ہے جو میخ سے بندھی رہے۔ مالک کی قید سے آزاد ہو جانا بکری کی ہلاکت ہے۔ مسلمانوں کی جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسی ہے جس میں ہر سنی بندھا ہوا ہے یہ نہ سمجھو کہ فرض کا انکار ہی خطرناک ہے، کبھی مستحبات کا انکار بھی ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔ سیدنا عبداللہ ابن سلام نے صرف اونٹ کے گوشت سے چپنا چاہا تھا کہ رب نے فرمایا: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوتَ الشَّيْطَانِ"

روایت ہے حضرت مالک ابن انس سے مرسل فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں دو چیزیں وہ چھوڑی ہیں جب تک انہیں مضبوط تھامے رہو گے گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت ۲۔ یہ روایت موطا میں ہے۔

۱۔ محدثین کے نزدیک مرسل وہ حدیث ہے جس میں صحابی کا ذکر نہ ہو، تابعی یہ کہہ دیں کہ حضور نے فرمایا۔ مگر فقہاء کے نزدیک وہ حدیث بھی مرسل ہے جس میں تابعی اور صحابی دونوں چھوٹ گئے ہوں تبع تابعی فرمادیں کہ حضور نے یہ فرمایا۔ یہاں فقہی مرسل مراد ہے کیونکہ امام مالک تابعی نہیں تبع تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں حضور نے ارشاد فرمایا۔

۲۔ کتاب اللہ سے قرآن کریم کی غیر منسوخ آیات مراد ہیں۔ سنت سے وہ حدیثیں مراد ہیں جو امت کے لیے قابل عمل ہیں، منسوخ آیتیں اور حدیثیں اور ایسے ہی حضور کے خصوصیات پر عمل ناممکن ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین کے اصل اصول قرآن و سنت ہیں چونکہ حضور کے زمانہ میں اجماع ناممکن تھا اور قیاس مجتہدین کتاب و سنت سے ملحق ہے کہ اگر آیت پر قیاس ہے تو وہ قیاس قرآن سے ملحق اور اگر سنت پر ہے تو سنت سے ملحق، اس لیے ان دونوں کا یہاں ذکر نہ ہوا، نیز اماموں کی تقلید کتاب و سنت سمجھنے کے لیے ہے انہیں چھوڑنے کے لیے نہیں، لہذا یہ حدیث غیر مقلدوں کی دلیل نہیں بن سکتی جب وہ حضرات حدیث سمجھنے کے لیے علم صرف و نحو، لغت و ادب سے مدد لیتے ہیں تو اگر ہم بھی اس کے لیے فقہ سے مدد لیں تو کیا حرج ہے۔ اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول میں دیکھو۔

روایت حضرت غضیف بن حارث ثمالی ۱ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی قوم بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اسی قدر سنت اٹھالی جاتی ہے ۲ لہذا

سنت کو پکڑنا بدعت کی ایجاد سے بہتر ہے ۳ (احمد)

۱۔ آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے، ابن حبان نے کتاب الثقات میں فرمایا کہ غضیف فرماتے ہیں کہ حضور کے زمانہ میں پیدا ہوا اور لڑکپن میں آپ سے مصافحہ اور بیعت کی اگر یہ روایت صحیح ہے تو آپ صحابی ہیں شمالہ قبیلہ بنی ازد کی ایک شاخ ہے جس سے آپ تعلق رکھتے ہیں اس لیے شمالی کہے جاتے ہیں۔

۲۔ یہ حدیث ان تمام حدیثوں کی تفسیر ہے جس میں بدعت کی برائیاں آئیں یعنی بری بدعت وہی عمل ہے جو سنت کے خلاف ایجاد کیا جائے جس پر عمل کرنے سے سنت چھوٹ جائے۔ مثلاً عربی میں خطبہ نماز و اذان سنت ہے، اب اردو میں ادا کرنا اس سنت کو مٹا دے گا کہ اردو میں اذان دینے والا عربی میں نہ دے سکا۔ ایسے ہی سر ڈھک کر پاخانے جانا سنت ہے ننگے سر پاخانے جانے والا اس سنت میں عمل نہ کرے گا، ہر بری بدعت کا یہی حال ہے، معمولی بدعت چھوٹی سنت کو مٹا دے گی اور بڑی بدعت بڑی سنت کو۔ "مثلاً" سے یہی مراد ہے بدعت حسنہ سنت کو مٹاتی نہیں بلکہ کبھی سنت کو رائج کرتی ہے۔ دیکھو علم دین سکھانا سنت ہے اب اس کے لیے کتابیں چھاپنا، مدرسہ بنانا، وہاں تعلیم کے نصاب اور کورس بنانا اگرچہ بدعت ہیں مگر سنت کے معاون نہ کہ مخالف، بزرگوں کی یادگاریں قائم کرنا سنت ہیں، اب اس کے لیے میلاد شریف کی محفلیں، عرسوں کی مجالس قائم کرنا اس کی معاون ہیں نہ کہ مخالف۔ اسی جگہ مرقاۃ نے فرمایا کہ بدعت حسنہ سنت سے ملتی ہے۔

۳۔ یہاں خیر شر کے مقابلے میں ہے، یعنی بری بدعتیں ایجاد کرنا بُرا اور اس کے مقابل سنت پر عمل کرنا اچھا کہ سنت پر نور ہے اور بری بدعت میں تاریکی، یہ مطلب نہیں کہ بری بدعتیں بھی ٹھیک ہیں مگر سنتیں اچھی۔

روایت ہے حضرت حسان سے ۱۔ فرمایا کوئی قوم اپنے دین میں بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اللہ تعالیٰ اسی قدر ان کی سنت اٹھا لیتا ہے ۲ پھر اسے تاقیامت ان میں نہیں واپس کرتا ۳ (داری)

۱۔ آپ کا نام شریف حسان ابن ثابت، کنیت ابوالولید ہے، انصاری ہیں، خزرجی ہیں، شعرائے عرب کے تاج ہیں، حضور کے محبوب شاعر ہیں اور مدح گو و نعت خوان مصطفیٰ ہیں۔ آپ ہی کے لیے حضور اپنی مسجد میں منبر بچھواتے تھے جس پر کھڑے ہو کر آپ اشارے کرتے ہوئے حضور کے نعتیہ قصیدے پڑھتے تھے، آپ کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی، جن میں سے ساٹھ سال کفر میں گزرے اور پھر ساٹھ سال اسلام میں۔ ۴۰ھ سے کچھ پہلے خلافت حیدری میں وفات ہوئی رضی اللہ عنہ۔ ان شاء اللہ! تاقیامت سارے نعت گو و نعت خوان حضرت حسان کے جھنڈے تلے ہوں گے "يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمْمِهِمْ"۔

۲۔ اس کی شرح ابھی گزر گئی۔ دین کی قید سے معلوم ہوا کہ بدعت سیدہ ہمیشہ دین ہی میں ہوگی، دنیوی ایجادات کو بدعت سیدہ نہیں کہا جائے گا۔ جس قدر برائیاں بدعت کی آئی ہیں وہ سب اس بدعت کی ہیں جو دین میں ہو اور سنت کو مٹانے والی اور اگر دین سے مراد عقائد ہیں جیسا کہ ظاہر ہے تو حدیث بالکل صاف ہے۔

۳۔ یعنی جس قوم میں بری بدعتوں کی عادت پڑ گئی تو پھر انہیں سنت کی طرف لوٹنے کی توفیق نہیں ملتی، سنت درخت ہے اور یہ بدعتیں اس کا پھاوڑا جب درخت جڑ سے اکھیر لیا جائے پھر نہیں لگتا۔

روایت ہے حضرت ابراہیم ابن میسرہ سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی یقیناً اس نے اسلام ڈھانے پر مدد دی ۲ اسے بہت ہی نے شعب الایمان میں مرسلماً روایت کیا۔

۱ آپ تابعی ہیں، طائف شریف کے رہنے والے ہیں، متقی پرہیزگار ہیں لہذا یہ حدیث مرسل ہے کہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں۔  
۲ یہاں بدعت سے مراد دینی بدعت ہے اور صاحب بدعت بے دین شخص اور توقیر سے اس کی بلا ضرورت تعظیم مراد ہے۔ ضروریات کی معافی ہے یعنی بے دینوں کی تعظیم اسلام کو ویران کرنا ہے کہ ہماری تعظیم سے عوام کے دل میں ان کی عقیدت پیدا ہوگی جس سے وہ ان کا شکار ہو جائیں گے جیسے مسلمانوں کی تعظیم ثواب ہے، ایسے ہی بے دین کی توہین ثواب کہ وہ دشمن ایمان ہے۔ "باب القدر" میں گزر چکا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نے ایک قدریہ مذہب رکھنے والے کے سلام کا جواب نہ دیا وہ عمل اس حدیث کی تفسیر ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں جس نے قرآن سیکھا پھر اس کی اتباع کی ۱ اللہ اسے دنیا میں گمراہی سے بچائے گا اور قیامت کے دن سخت عذاب سے محفوظ رکھے گا ۲ ایک روایت میں ہے کہ فرماتے ہیں جو قرآن کی پیروی کرے گا وہ دنیا میں گمراہ اور آخرت میں بدبخت نہ ہوگا پھر یہ آیت تلاوت کی کہ جو میری ہدایت کی اتباع کرے وہ نہ گمراہ ہو اور نہ بد نصیب ۳ (رزین)

۱ یعنی قرآن پڑھنا سکھایا، اسے حفظ کیا، یا اس کے احکام سیکھے، یا علم تجوید، یہ کلمہ ہر قسم کے قرآنی علم کو شامل ہے۔ خیال رہے کہ فقہ، اصول فقہ اور حدیث سیکھنا بھی بالواسطہ قرآن ہی سیکھنا ہے۔ ان شاء اللہ اس پر بھی اجر ہے۔  
۲ یعنی احکام قرآن پر صحیح عمل کیا حدیث اور فقہ کی روشنی میں لہذا اس سے چکڑالوی دلیل نہیں پکڑ سکتے۔  
۳ معلوم ہوا کہ علمائے دین اور خدام قرآن کی دنیا بھی کامیاب ہے اور آخرت بھی مگر یہ وہی لوگ ہیں جنہیں قرآن کی صحیح فہم اور اس پر صحیح عمل نصیب ہو چکڑالویوں کی طرح محض عقل سے قرآن سمجھنے والا گمراہ ہوگا۔ رب فرماتا ہے: "يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَ يَهْدِي بِهِ كَثِيرًا"۔

۴ خیال رہے کہ جیسے اس حدیث کی بنا پر ہم سنت رسول اللہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتے اور فقط قرآن پر کفایت نہیں کر سکتے ایسے ہی پچھلی ہدایت کی بنا پر جس میں کتاب و سنت کا ذکر ہے ہم فقہ اور قیاس مجتہدین سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اس سے اہل حدیث حضرات کو عبرت پکڑنی چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے سیدھے راستے کی مثال قائم فرمائی ۱ اور

اس راستہ کے دو طرفہ دو دیواریں ہیں جن میں کھلے ہوئے دروازے ہیں دروازوں پر پردے لٹکے ہیں راستہ کے کنارے پر پکارنے والا کہہ رہا ہے کہ راستہ پر سیدھے چلے جاؤ ٹیڑھے نہ ہونا اس کے اوپر ایک منادی بھی ہے جو پکارتا ہے جب کوئی بندہ ان میں سے کوئی دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو داعی کہتا ہے ہائے افسوس اسے نہ کھول اگر کھولے گا تو اس میں گھس جائے گا پھر اس کی تفسیر یوں فرمائی کہ راستہ تو اسلام ہے ۳ اور کھلے ہوئے دروازے اللہ کے محرمات ہیں ۴ اور لٹکے ہوئے پردے اللہ کی حدیں ہیں ۵ اور راستے کے کنارے پر پکارنے والا قرآن ہے اور اس کے اوپر بلانے والا اللہ کا واعظ ہے جو ہر مؤمن کے دل میں ہوتا ہے ۶ اسے رزین نے روایت کیا۔

۱۔ یہ حدیث قدسی ہے، کیونکہ یہ مضمون قرآن شریف میں نہیں آیا، حضور پر وحی ہوا جسے حضور نے رب تعالیٰ کی نسبت سے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا اسی کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔ سیدھے راستے سے مراد نبوت کا راستہ ہے رب تک پہنچانے والا۔ اب وہ قرآنی راستہ ہے کہ کوئی شخص اب دین موسوی یا عیسوی میں رہ کر رب تک نہیں پہنچ سکتا پرانی جنتری گمراہ کرتی ہے۔

۲۔ سبحان اللہ! کیا پیاری تمثیل ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں سچ اور جھوٹ، نقل و اصل ملے ہوئے ہیں مگر ان میں امتیاز کرنے کے لیے رب نے بڑے انتظامات فرمادیئے ہیں۔ ڈیری فارم کا دودھ اور خالص دودھ دونوں سفید ہیں، ولایتی اور دیسی سونا دونوں پیلے ہیں، اصلی اور نقلی گھی دونوں یکساں ہیں مگر قدرت نے ان میں فرق کرنے کے لیے کسوٹی اور دوسرے آلے پیدا فرمادیئے ہیں۔ ایسے ہی یہاں نقلی نبی بھی ہیں، نقلی دین بھی، نقلی کتابیں بھی، نقلی مولوی، بلکہ نقلی خدا بھی کیونکہ دنیا امتحان گاہ ہے ان میں فرق کے لیے رب نے وہ انتظامات فرمائے جو آگے آرہے ہیں۔

۳۔ کہ اس کے بغیر خدا رسی ناممکن ہے رب فرماتا ہے: "وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ"۔

۴۔ جنہیں رب نے جرم قرار دیا جیسے ارتداد، چوری، زنا وغیرہ لہذا یہ کلمہ بد عقیدگی بد عملی سب کو شامل ہے۔

۵۔ جس سے آگے بڑھنا جرم ہے اس سے مراد رب تعالیٰ کے احکام اور ممانعتیں ہیں بلکہ بعض جرموں پر سزائیں ہیں جیسے ارتداد پر قتل، زنا پر رجم، چوری پر ہاتھ کاٹنا۔

۶۔ یعنی رب نے داخلی اور خارجی دو واعظ عطا فرمائے ہیں، خارجی واعظ قرآن ہے اور داخلی واعظ وہ فرشتہ جو مؤمن کے دل میں اچھے خیال اور برائیوں سے نفرت پیدا کرتا رہتا ہے۔

احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت نواس ابن سمرعان سے نقل فرمایا یوں ہی ترمذی نے انہیں سے لیکن

ترمذی نے کچھ مختصر روایت فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں! جو سیدھی راہ جانا چاہے وہ وفات یافتہ بزرگوں کی راہ چلے ۲ کہ زندہ پر فتنہ کی امن نہیں ۳ وہ بزرگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں جو اس امت میں بہترین ۴ دل کے نیک علم کے گہرے اور تکلف میں کم تھے ۵ اللہ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور اپنے نبی کا دین قائم رکھنے کے لیے چن لیا ان کی بزرگی مانو ان کے آثار قدم پر چلو بقدر طاقت ان کے اخلاق و سیرت کو مضبوط پکڑو کہ وہ سیدھی ہدایت پر تھے  
(۷۰۰/۱)

۱۔ یہ حدیث موقوف ہے نہ کہ مرفوع یعنی حضرت ابن مسعود صحابی کا اپنا فرمان ہے صحابی کے قول و فعل حدیث موقوف کہلاتے ہیں حضور کا قول و فعل حدیث مرفوع۔

۲۔ یہ ترجمہ نہایت اعلیٰ ہے اشعۃ اللمعات نے اسی کو اختیار فرمایا اس میں تابعین سے خطاب ہے یعنی تا قیامت جو کوئی سیدھی راہ چلنا چاہے وہ صحابہ کی پیروی کرے خود قرآن و حدیث سے استنباط مسائل پر قناعت نہ کرے اسی لیے مجتہدین آئمہ صحابہ کے پیرو ہیں اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے کہ میرے صحابہ تارے ہیں جن کی پیروی کرو ہدایت پا جاؤ گے اور قرآن کریم کی یہ آیت "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" خدایا ہمیں ان کی راہ چلا جن پر تو نے انعام کیا سب سے بڑے انعام والے صحابہ ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں زندوں سے مراد غیر صحابہ ہیں اور وفات پانے والوں سے سارے صحابہ زندہ ہوں یا وفات یافتہ۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے چونکہ اس وقت اکثر صحابہ وفات پا چکے تھے اس لیے ایسا فرمایا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ مرے ہوئے کافروں کی اتباع کرنی چاہیے، زندہ اولیاء، علماء بلکہ صحابہ کی بھی اتباع درست نہیں۔ مرقاۃ نے فرمایا یہ کلام حضرت ابن مسعود نے انکساراً فرمایا ورنہ اس وقت آپ اور تمام زندہ صحابہ قابل اتباع تھے۔

۳۔ یہاں زندہ سے موجودہ تابعین مراد ہیں کیونکہ صحابہ سے اللہ رسول کا وعدہ جنت ہو چکا ہے رب نے فرمایا: "وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ الْجَنَّاتِ وَأَنزَلَنَّا إِلَيْهِمُ الْمَنَّانَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْوَسِيلَةُ وَأُولَٰئِكَ لَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَأُولَٰئِكَ فِيهَا مُقَدَّمُونَ" اور فرمایا "أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْوَسِيلَةُ وَأُولَٰئِكَ لَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَأُولَٰئِكَ فِيهَا مُقَدَّمُونَ" جس سے پتہ لگا کہ رب نے صحابہ کے لیے ایمان لازم کر دیا یا ان کے دلوں میں کفر اور فسق سے نفرت پیدا فرمادی خصوصاً حضرت ابن مسعود کو تو جنت کی بشارت دی جا چکی تھی۔ خیال رہے کہ مرتد صحابی نہیں رہتا، ارتداد سے صحابیت ختم ہو جاتی ہے۔



۴ یعنی جن کی وفات ایمان پر ہو چکی ان کی صحابیت پختہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام اولیاء و علماء ایک صحابی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے، پھول کی صحبت میں تل مہک جاتا ہے، حضور کی صحبت میں دل کیوں نہ مہکے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "امیر معاویہ" میں دیکھو، پھر بعض صحابہ بعض سے افضل ہیں، رب فرماتا ہے: "لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ" الا یہ - فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ بعد کو ایمان لانے والے صحابہ سے افضل ہیں۔ خیال رہے کہ صحابی وہ ہے جو بحالت ایمان و ہوش حضور کو دیکھے اور ایمان پر خاتمہ ہو۔

۵ سبحان اللہ! یہ صحابہ کی صفات ہیں کہ وہ ہر طرح حضور کے مطیع، سارے علوم کے جامع، بناوٹ دکھلاوے سے پاک، ان میں سے ہر ایک مفسر، محدث، فقیہ، قاری، صوفی اور فرائض دان تھے۔ اس کے باوجود ننگے پاؤں پھیر لیتے تھے، فرش خاک پر سو رہتے تھے، معمولی کھانوں پر گزارا کر لیتے تھے، بے علم فتوے دینے پر جرات نہ کرتے تھے، بدن کے فرشی تھے، روح کے عرشی، ظاہر میں خلق کے ساتھ تھے، باطن میں خالق کے پاس گودڑی میں لپٹے ہوئے لعل تھے۔

۶ حضور کی صحبت اکیر کی تاثیر رکھتی ہے اگر ان میں کچھ بھی خرابی ہوتی تو رب اپنے حبیب کو ان کے ساتھ نہ رکھتا، مہربان باپ اپنے عزیز بیٹے کے لیے اچھے یا تلاش کرتا ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کی صحبت کے لیے اچھے صحابہ چنے، نیز موتی اچھے ڈبے میں رکھا جاتا ہے، رب نے قرآن کی امانت اچھے سینوں میں رکھی، وہی حضرات قرآن و حدیث کے جامع، وہی ہم تک دین پہنچانے والے ہیں، رب نے ان کو ایمان کی کسوٹی بنایا کہ فرمایا "أَمِنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا" اے صحابہ! جو تم جیسا ایمان لائے گا وہ ہدایت پائے گا۔ خیال رہے کہ حضور نے مخلصین و منافقین کی چھانٹ خود کردی تھی سورہ توبہ کے نزول کے بعد منافق چھٹ گئے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے فرماتا ہے: "حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ"۔

۷ جیسے اللہ کی اطاعت بغیر حضور کی پیروی ناممکن، ایسے ہی حضور کی پیروی بغیر صحابہ کی اتباع ناممکن ہے۔ حضور آئینہ خدا نما ہیں اور صحابہ آئینہ رسول نما، سبحان اللہ! جب حضرت ابن مسعود جیسے عظیم الشان مؤمن صحابہ کی ایسی تعریف کر رہے ہیں تو ان کی افضلیت میں کسے کلام ہو سکتا ہے، صحابہ کا انکار حقیقت میں حضور کے فیض کا انکار ہے کہ نعوذ باللہ حضور نے ۲۳ سال کی تبلیغ میں صرف چار پانچ صحابی بنائے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تورات کا نسخہ لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ تورتی کا نسخہ ہے حضور خاموش رہے آپ پڑھنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور بدلنے لگا ابو بکر بولے کہ تمہیں رونے والیاں روئیں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کا حال نہیں دیکھتے ۲ تب حضرت عمر نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور دیکھا تو بولے میں اللہ اور رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ہم اللہ کی ربوبیت اسلام کے دین

ہونے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے راضی ہیں ۳ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضے میں محمد مصطفیٰ کی جان ہے اگر حضرت موسیٰ آج ظاہر ہو جاویں اور تم ان کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے ۴ اور میری نبوت پاتے تو میری پیروی کرتے ۵ (داری)

۱۔ یہ خاموشی ناراضی کی تھی کہ حضرت عمر بیہود کے پاس کیوں جاتے ہیں اور توریت میں کیا ڈھونڈتے ہیں لیکن حضرت عمر سمجھے کہ یہ خاموشی اجازت کی ہے اس لیے پڑھنا شروع کر دیا لہذا فاروق اعظم کے اس فعل پر کوئی اعتراض نہیں خطا اجتہادی معاف ہے۔  
۲۔ بات یہ تھی کہ حضرت عمر کے ساتھ کاغذ تھے اور آپ پڑھنے میں مشغول تھے۔ حضرت صدیق اکبر چہرہ انور کو دیکھ رہے تھے، صدیق اکبر کا یہ کلام دعائے موت کے لیے نہ تھا بلکہ محاورہ عرب کے مطابق اظہار غضب کے لیے تھا، آپ کی یہ ناراضی اس لیے تھی کہ حضرت فاروق کا یہ فعل حضور کی تکلیف کا باعث تھا نفس کے لیے نہ تھی حضور کے لیے تھی، لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ آپس میں بغض رکھتے تھے۔

۳۔ حضرت فاروق اعظم ہمیشہ حضور کو راضی کرنے کے لیے یہ کلمات ہی عرض کرتے تھے جس میں اپنی وفا داری کا اظہار ہے یعنی ہماری یہ خطا معاذ اللہ سرکش کی بنا پر نہیں ہم تو پرانے آستانہ بوس ہیں بندہ بے زر ہیں۔

۴۔ یعنی گمراہ ہو جاؤ گے اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اب تاقیامت ہدایت حضور کی پیروی میں منحصر ہے اگر اصلی توریت و انجیل مل جائے بلکہ خود توریت و انجیل والے نبی تشریف لے آئیں تب بھی ہدایت حضور ہی کے پاس ملے گی پچھلی آسمانی کتب پہلے ہدایت تھیں اب نہیں، چاند تارے اور چراغ رات کو روشنی دیتے ہیں دن میں نہیں، جوان آدمی گھٹی اور ماں کے دودھ سے زندہ نہیں رہ سکتا۔ دوسرے یہ کہ قرآن و سنت کے سوا اور کتابوں سے ہدایت حاصل کرنا، انہیں پڑھنا ممنوع ہے۔ تیسرے یہ کہ کوئی شخص اپنے ایمان پر اعتماد نہ کرے، ہر کتاب نہ پڑھے، ہر ایک کا وعظ نہ سنے، جب حضرت عمر جیسے صحابی کو توریت جیسی کتاب پڑھنے سے روک دیا گیا تو ہم کس شمار میں ہیں۔ ایمان کی دولت چوراہے میں نہ رکھو، ورنہ چوری ہو جائے گی۔

۵۔ یعنی بظاہر زندہ ہوتے ورنہ حقیقتاً تو وہ زندہ ہیں۔ (مراقاة) کیونکہ ان کا دین منسوخ ہو چکا اسی لیے معراج کی رات سارے نبیوں نے ہمارے حضور کے دین کی نماز اقتدائے حضور میں ادا کی، موسیٰ علیہ السلام حضور علیہ السلام کے پاس پہنچ کر توریت کے احکام جاری نہ فرمائے اگرچہ توریت باقی تھی مگر حضرت حضور پر جاری نہ تھی۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا۔ اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور اللہ کا کلام بعض بعض کو منسوخ کرتا ہے ۲

۱۔ یعنی حدیث سے قرآن کی آیت تلوادہ منسوخ نہیں ہو سکتی حکم بہت سی آیتیں احادیث سے منسوخ ہیں، چنانچہ حدیث "لا وصیة للوارث" سے وارث کے لیے جواز وصیت ثابت کرنے والی آیات منسوخ ہیں۔ ایسے ہی حضور کا فرمانا کہ انبیاء کی میراث نہیں بٹی، حضور کے حق میں آیات میراث کی ناسخ ہے، سجدہ تعظیمی کا جواز قرآن سے ثابت ہے مگر حدیث سے منسوخ یا یہاں کلامی سے مراد حضور کے اجتہادات ہیں یعنی میرا اجتہادی کلام حکم قرآنی کو منسوخ نہیں کرے گا لہذا حدیث واضح ہے۔

۲۔ خیال رہے کہ نسخ کی چار صورتیں ہیں: قرآن کا قرآن سے نسخ، جیسے کفار پر نرمی کی آیتیں آیات جہاد سے منسوخ ہیں، حدیث کا حدیث سے نسخ جیسے زیارۃ قبور ازروئے حدیث پہلے منع تھی پھر حدیث ہی نے اس کو جائز کیا، فرماتے ہیں "الاکافر وروہا" قرآن کا نسخ حدیث سے، جیسے سجدہ تحیت حدیث کا نسخ قرآن سے، جیسے بیت المقدس کا قبلہ ہونا حدیث سے تھا اس کا نسخ قرآن سے ہوا کہ رب نے فرمایا: "وَجُوهَاكُمْ شَطْرَةَ"۔ اس کی پوری تحقیق ہماری "تفسیر نعیمی" پارہ سوم میں دیکھو۔

اور روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہماری بعض حدیثیں بعض کو قرآن کی طرف منسوخ کرتی ہیں!

۱۔ یعنی جیسے آیات کی ناسخ ہیں ایسے ہیں بعض احادیث بعض کی۔ خیال رہے کہ نسخ کے معنی ہیں بیان علت نہ کہ تبدیلی یعنی ناسخ یہ بیان کرتا ہے کہ منسوخ حکم کی مدت آج تک تھی جیسے طبیب کا اپنا نسخہ بدلنا۔

روایت ہے حضرت ابی ثعلبہ خشنی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے کچھ فرائض لازم فرمائے انہیں ضائع نہ کرو ۲۔ کچھ محرمات حرام کیے ان کی حرمت نہ توڑو ۳۔ کچھ حدیں مقرر کیں ان سے آگے نہ بڑھو ۴۔ کچھ چیزوں سے (بغیر بھولے) خاموشی کی ان سے بحث نہ کرو ۵۔ ان تینوں حدیثوں کو وار قطنی نے روایت کیا۔

۱۔ آپ کا نام جرثوم ابن ناشر ہے، قبیلہ بنی قریظہ کے خاندان خشن سے متعلق ہیں، آپ جلیل القدر صحابی ہیں، بیعت الرضوان میں حاضر تھے۔ آپ کی وجہ سے آپ کی قوم اسلام، لائے شام میں قیام فرمایا، ۵ھ میں وفات پائی آپ سے چالیس احادیث مروی ہیں۔  
۲۔ یعنی فرض اعمال قرآن سے ثابت ہوں یا حدیث سے ان پر ضرور پابندی کرو، نیز اخلاص سے ادا کرو۔ خیال رہے کہ فرض وہ ہے جس کا ثبوت بھی یقینی ہو اور طلب بھی یقینی اس کا تارک فاسق ہے اور منکر کافر۔

۳۔ اس طرح کہ حرام کے قریب بھی نہ جاؤ کرنا تو کجا۔

۴۔ یعنی حلال و حرام کی حدود کو نہ توڑو، نمازیں پانچ فرض ہیں۔ چار یا چھ نہ مانو، زکوٰۃ مال کا (۴۰) چالیسواں حصہ فرض ہے، کم و بیش پر عقیدہ مت رکھو، چار عورتوں تک کا نکاح جائز پانچویں کو حلال چوتھی کو حرام نہ سمجھیں وغیرہ۔

۵ یعنی بعض چیزوں کی حلت و حرمت صراحتاً قرآن یا حدیث میں مذکور نہیں ان کی بحث میں نہ پڑو وہ مباح ہیں عمل کیے جاؤ ان کے بارے میں رب فرماتا ہے: "عَفَى اللَّهُ عَنْهَا" حضور فرماتے ہیں جس سے خاموشی ہو وہ معاف ہے جیسا کہ "کتاب الاطعمہ" میں آئیگا۔ (ازمرقاۃ وغیرہ)

## کتاب العلم

### علم کی کتاب

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱ یعنی علم سیکھنے اور سکھانے کے فضائل۔ علم سے شرعی علم مراد ہے، یعنی قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ۔ خیال رہے کہ علم نور الہی ہے جو بندہ کو عطا ہوتا ہے، اگر بشر سے حاصل ہو تو کبھی سکھاتا ہے ورنہ لدنی، لدنی کی بہت سی قسمیں ہیں: وحی، الہام، فراست وغیرہ۔ وحی انبیاء سے خاص ہے، الہام اولیاء اللہ سے، فراست ہر مؤمن کو بقدر ایمان نصیب ہوتی ہے۔ فراست والہام وہی معتبر ہے جو خلاف شرع نہ ہو، خلاف شرع ہو تو وسوسہ ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ سے لوگوں کو پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ اور بنی اسرائیل سے حکایات لو کوئی حرج نہیں ۲ جو عمداً مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے ۳ (بخاری)

۱ آیت کی لغوی معنی ہیں علامت اور نشان، اس لحاظ سے حضور کے معجزات، احادیث، احکام، قرآنی آیات سب آیتیں ہیں۔ اصطلاح میں قرآن کے اس جملے کو آیت کہا جاتا ہے جس کا مستقل نام نہ ہو، نام والے مضمون کو سورۃ کہتے ہیں۔ یہاں آیت سے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی جسے کوئی مسئلہ یا حدیث یا قرآن شریف کی آیت یاد ہو وہ دوسرے کو پہنچادے، تبلیغ صرف علماء پر فرض نہیں ہر مسلمان بقدر علم مبلغ ہے اور ہو سکتا ہے کہ آیت کی اصطلاحی معنی مراد ہوں اور اس سے آیت کے الفاظ معنی، مطلب، مسائل سب مراد ہوں یعنی جسے ایک آیت حفظ ہو اس کے متعلق کچھ مسائل معلوم ہوں لوگوں تک پہنچائے۔ تبلیغ بھی بڑی اہم عبادت ہے۔

۲ یعنی ان سے قصے، خبریں، مثالیں سنو اور لوگوں سے بیان کرو، جب کہ وہ اسلام کے خلاف نہ ہوں۔ خیال رہے کہ بنی اسرائیل سے خبریں لینے کی اجازت ہے توریت و انجیل کے احکام لینے کی ممانعت، کیونکہ ان کتابوں کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں نہ کہ خبریں۔ لہذا یہ حدیث حضرت عمر فاروق کی اس روایت کے خلاف نہیں جس میں حضور نے انہیں توریت پڑھنے سے منع فرمادیا کیونکہ وہاں احکام لینے جارہے تھے لہذا دونوں حدیثیں محکم ہیں کوئی منسوخ نہیں۔

۳ یعنی جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا دوزخی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث گھڑنا گناہ کبیرہ بلکہ کبھی کفر بھی ہے کیونکہ اس میں جھوٹ بھی ہے اور دین میں فتنہ پھیلانا بھی، بعض جاہل صوفیوں نے نماز تہجد اور قرآنی سورتوں کے فضائل میں کچھ حدیثیں گھڑیں وہ اس

سے عبرت پکڑیں۔ خیال رہے کہ حدیث موضوع (گھڑی ہوئی) اور ہے، حدیث ضعیف کچھ اور، حدیث ضعیف فضائل اعمال میں معتبر ہے، حدیث موضوع کہیں معتبر نہیں، اسی لیے محدثین نے خدمت حدیث میں اپنی عمریں صرف کر دیں۔ الحمد للہ! ان کوششوں سے موضوع حدیثیں چھٹ گئیں۔ خیال رہے کہ یہاں عمداً کی قید ہے اگر کوئی بے خبری میں موضوع حدیث بیان کر جائے تو گنہگار نہیں۔  
نوٹ: یہ حدیث متواتر ہے۔ ۶۲ صحابہ سے منقول ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں، اس حدیث کے سوا کسی حدیث میں عشرہ مبشرہ جمع نہیں ہوئے۔ (مرقاۃ)

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب اور مغیرہ ابن شعبہ سے  
۱۔ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو میری  
طرف سے ایسی بات نقل کرے جسے جھوٹ جانتا ہے تو وہ  
جھوٹوں میں سے ایک ہے ۲۔ (مسلم)

۱۔ سمرہ قبیلہ بنی نزار سے ہیں، انصار کے حلیف ہیں، بہت احادیث کے حافظ ہیں، ۵۹ھ میں بصرے میں وفات پائی۔ حضرت مغیرہ بنی ثقیف سے ہیں، خندق کے سال اسلام لائے، ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئے، امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم رہے، ستر سال عمر ہوئی، ۵۰ھ کوفہ میں وفات ہوئی۔

۲۔ یعنی حدیث گھڑنا بھی گناہ اور دیدہ و دانستہ موضوع حدیث بیان کرنا بھی گناہ، بلکہ جس حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا گمان غالب ہو اسے بھی بیان نہ کرے فقط موضوعیت کا وہم کافی نہیں، ہاں اس کی موضوعیت بتا کر ذکر کرنا جائز ہے تاکہ لوگ بچیں۔

روایت ہے حضرت معاویہ سے ۱۔ فرماتے ہیں فرمایا رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جس کا بھلا چاہتا ہے اسے دین  
کا فقیہ بنا دیتا ہے ۲۔ میں بانٹنے والا ہوں اللہ دیتا ہے ۳۔  
(بخاری، مسلم)

۱۔ آپ کا نام شریف معاویہ ابن ابوسفیان ابن حرب ابن امیہ ابن عبدالشمس ابن عبدمناف ہے، آپ پانچویں پشت یعنی عبد المناف میں حضور سے مل جاتے ہیں، آپ کی والدہ ہند بنت عتبہ ابن ربیعہ ابن عبدالشمس ابن عبدمناف ہیں۔ آپ صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے، مگر فتح مکہ کے دن اسلام ظاہر کیا۔ حضور کے سالے ہیں، کاتب وحی ہیں، عہد فاروقی میں شام کے حاکم بنے، چالیس سال وہاں کے ہی حاکم رہے، امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے آپ کے حق میں خلافت سے دست برداری فرما کر صلح فرمائی۔ آپ کی وفات ۴ رجب ۶۰ھ لقمہ کی بیماری سے ہوئی ۷۸ سال عمر پائی، آپ کے پاس حضور کا تہبند، چادر شریف، قمیض مبارک اور کچھ بال و ناخن شریف تھے وصیت کی تھی کہ مجھے اس لباس شریف میں کفن دینا اور میرے منہ اور ناک میں ناخن اور بال شریف رکھ دینا، آپ کے پورے حالات شریف ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔

۲۔ یعنی اسے دینی علم، دینی سمجھ اور دانائی بخشا ہے۔ خیال رہے کہ فقہ ظاہری شریعت ہے اور فقہ باطنی طریقت اور حقیقت یہ حدیث دونوں کو شامل ہے۔ اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوئے: ایک یہ کہ قرآن و حدیث کے ترجمے اور الفاظ رٹ لینا علم دین نہیں، بلکہ انکا سمجھنا علم دین ہے۔ یہی مشکل ہے اسی کے لئے فقہاء کی تقلید کی جاتی ہے اسی وجہ سے تمام مفسرین و محدثین آئمہ مجتہدین کے مقلد

ہوئے اپنی حدیث دانی پر نازاں نہ ہوئے رب فرماتا ہے: "مَنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" وہاں حکمت سے مراد فقہ ہی ہے۔ قرآن و حدیث کے ترجمے تو ابوجہل بھی جانتا تھا۔ دوسرے یہ کہ حدیث و قرآن کا علم کمال نہیں، بلکہ ان کا سمجھنا کمال ہے۔ عالم دین وہ ہے جس کی زبان پر اللہ اور رسول کا فرمان ہو اور دل میں ان کا فیضان، فیضان کے بغیر فرمان بیکار ہے، جیسے بجلی کی پاور کے بغیر فننگ بیکار۔

۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین و دنیا کی ساری نعمتیں علم، ایمان، مال، اولاد وغیرہ دیتا اللہ ہے باٹنے حضور ہیں جسے جو ملا حضور کے ہاتھوں ملا، کیونکہ یہاں نہ اللہ کی دین میں کوئی قید ہے نہ حضور کی تقسیم میں۔ لہذا یہ خیال غلط ہے کہ آپ صرف علم باٹنے ہیں ورنہ پھر لازم آئے گا کہ خدا بھی صرف علم ہی دیتا ہے۔ خیال رہے کہ حضور کی دین یکساں ہے مگر لینے والوں کے لینے میں فرق ہے۔ بجلی کا پاور یکساں آتا ہے مگر مختلف طاقتوں کے بلب بقدر طاقت پاور کھینچتے ہیں۔ پھر جیسا بلب کا شیشہ ویسا اس کا رنگ حنفی شافعی ایسے ہی قادری چشتی ہیں مختلف رنگ کے مگر سب میں پاور ایک ہی ہے ایک ہی سمندر سے تمام دریا بنے مگر راستوں کے لحاظ سے ان کے نام الگ الگ ہو گئے ایسے ہی قادری چشتی وغیرہ ان سینوں کے نام ہیں جن سے یہ فیض آ رہا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح مختلف کانیں ہیں! جو کفر میں اعلیٰ تھے وہ اسلام میں بھی اعلیٰ ہیں جب کہ عالم بن جائیں ۲ (مسلم)

۱۔ یعنی صورت میں تمام انسان یکساں مگر سیرت، اخلاق اور صفات میں مختلف جیسے ظاہری زمین یکساں اس میں کانیں مختلف، نیک سے نیکی ظاہر ہوگی اور بد سے بدی۔

۲۔ یعنی جو زمانہ کفر میں عمدہ اخلاق، بہترین صفات کی وجہ سے اپنے قبیلوں کے سردار تھے جب وہ مسلمان ہو کر علم سیکھ لیں تو مسلمانوں میں سردار ہی رہیں گے، اسلام سے عزت بڑھتی ہے گھٹتی نہیں۔ وہ لوگ اسلام سے پہلے کچھڑ میں لتھڑے ہوئے لعل تھے۔ مسلمان ہو کر عالم بنے، دھل کر صاف ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نو مسلموں کو حقیر جاننا بہت برا ہے۔ اور کفار کا سردار مسلمان ہو کر مسلمانوں کا سردار ہی رہے گا اسے گرایا نہ جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کے سوا کسی میں رشک جائز نہیں! ایک شخص جسے اللہ مال دے تو اسے اچھی جگہ خرچ پر لگا دے دوسرا وہ شخص جسے اللہ علم دے تو وہ اس سے فیصلے کرے اور لوگوں کو سکھائے ۲ (بخاری، مسلم)

۱۔ کسی نعمت والے پر جلنا اور اس کی نعمت کا زوال، اپنے لیے حصول چاہنا حسد ہے، جو بہت بڑا عیب ہے جس سے شیطان مارا گیا مگر دوسروں کی سی نعمت اپنے لیے بھی چاہنا غبطہ (رشک) ہے حسد مطلقاً حرام ہے، غبطہ دو جگہ جائز ہے یہاں حسد بمعنی غبطہ ہے۔

۲ یعنی مالدار سخی جسے خدا اچھے کاموں میں خرچ کرنے کی توفیق دے ایسے ہی بافیض عالم دین جس کے علم سے لوگ فائدہ اٹھائیں قابل رشک ہے۔ سبحان اللہ! بعض علماء کے علم اور بعض سخیوں کے مال سے لوگ تاقیامت فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فقیر کی اس کتاب سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے۔ (آمین)

خیال رہے کہ نیکی کی تمنا کرنے والا ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت میں نیکیوں کے ساتھ ہی ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ سوائے تین اعمال کے ایک دائمی خیرات یا وہ علم جس سے نفع پہنچتا رہے یا وہ نیک بچہ جو اس کے لیے دعا خیر کرتا رہے ۲ (مسلم)

۱ انسان سے مراد مسلمان ہے عمل سے مراد نیکیوں کا ثواب، جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض مقبول قبر میں نماز و قرآن پڑھتے ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے کیونکہ ان اعمال پر ثواب نہیں اسی لئے ہی مردے زندوں سے ثواب بخشنے کی تمنا کرتے ہیں جیسا کہ روایات میں ہے کیونکہ ثواب زندگی کے اعمال پر ہے۔

۲ یہ تین چیزیں جن کا ثواب مرنے کے بعد خواہ مخواہ پہنچتا رہتا ہے کوئی ایصال ثواب کرے یا نہ کرے۔ صدقہ جاریہ سے مراد اوقاف ہیں جیسے مسجدیں، مدرسے، وقف کیے ہوئے باغ جن سے لوگ نفع اٹھاتے رہتے ہیں، ایسے ہی علم سے مراد دینی تصانیف، نیک شاگرد جن سے دینی فیضان پہنچتے رہیں۔ نیک اولاد سے مراد عالم عامل بیٹا۔ مرثیہ نے فرمایا کہ یَدُ عُوَا کی قید ترغیبی ہے یعنی بیٹے کو چاہیے کہ باپ کو دعائے خیر میں یاد رکھے حتیٰ کہ نماز میں ماں باپ کو دعائیں پہلے دے بعد میں سلام پھیرے ورنہ اگر نیک بیٹا دعا بھی نہ کرے ماں باپ کو ثواب ملتا رہے گا۔ خیال رہے کہ یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے قیامت تک ثواب ملتا ہے یا فرمایا گیا کہ نمازی کو ہمیشہ ثواب ملتا رہتا ہے کیونکہ وہ سب چیزیں صدقہ جاریہ ہیں یا نافع علم میں داخل ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی مسلمان کو دنیاوی تکلیف سے رہائی دے تو اللہ اس سے روز قیامت کی مصیبت دور کرے گا اور جو کسی تنگی والے پر آسانی کرے اللہ دین و دنیا میں اس پر آسانی فرمائے گا ۲ اور جو مسلمانوں کی پردہ پوشی کرے اللہ دین و دنیا میں اس کی پردہ پوشی کرے گا ۳ اللہ بندہ کی مدد پر رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد پر رہے ۴ جو تلاش علم میں کوئی راستہ طے کرے تو اس کی برکت سے اللہ اس پر جنت کا راستہ آسان کر دے گا ۵ اور کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں قرآن پڑھنے اور آپس میں قرآن سیکھنے

سکھانے کے لیے نہیں جمع ہوئی ۶۔ مگر ان پر دل کا چین اترتا ہے اور انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے گھیر لیتے ہیں ۷ اور اللہ اسے اس جماعت میں یاد کرتا ہے جو اس کے پاس ہے ۸ جسے عمل پیچھے کر دے اسے نب نہیں بڑھا سکتا ۹ (مسلم)

۱۔ یعنی تم کسی کی فانی مصیبت دفع کرو اللہ تم سے باقی مصیبت دفع فرمائے گا، تم مؤمن کو فانی دنیوی آرام پہنچاؤ اللہ تمہیں باقی آخروی آرام دے گا، کیونکہ بدلہ احسان کا احسان ہے۔ یہ حدیث بہت جامع ہے کسی مسلمان کے پاؤں سے کاٹنا نکالنا بھی ضائع نہیں جاتا، حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف قیامت ہی میں بدلہ ملے گا بلکہ قیامت میں بدلہ ضرور ملے گا اگرچہ کبھی دنیا میں بھی مل جائے۔

۲۔ یعنی جو مقروض کو معافی یا مہلت دے، غریب کی غربت دور کرے تو ان شاء اللہ دین و دنیا میں اس کی مشکلیں آسان ہوں گی۔ مرثاۃ میں فرمایا کہ اس حکم میں مؤمن کافر سب شامل ہیں۔ کافر مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرنے پر بھی ثواب مل جاتا ہے بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک رنڈی نے پیاسے کتے کو پانی پلا کر جان بچائی اللہ نے اسے اسی پر بخش دیا۔

۳۔ یا تو اس طرح کہ ننگے کو کپڑے پہنائے یا ایسے کہ اس کے چھپے ہوئے عیب ظاہر نہ کرے بشرطیکہ اس ظاہر نہ کرنے سے دین یا قوم کا نقصان نہ ہو ورنہ ضرور ظاہر کر دے، کفار کے جاسوسوں کو پکڑوائے، خفیہ سازش کرنے والوں کے راز کو طشت ازبام کرے، ظلمت قتل کی تدبیر کرنے کی مظلوم کو خبر دے دے، اخلاق اور ہیں معاملات اور سیاسیات کچھ اور۔

۴۔ یہ الفاظ بہت جامع ہیں جس میں دین و دنیا کی ساری امدادیں شامل ہیں۔ امداد بدن سے ہو یا علم یا مال وغیرہ سے۔  
۵۔ یعنی جو علم دین سیکھنے یا دینی فتویٰ حاصل کرنے کے لیے عالم کے گھر جائے سفر کر کے یا چند قدم تو اس کی برکت سے اللہ دنیا میں اس پر جنت کے کام آسان کرے گا، مرتے وقت ایمان نصیب کرے گا، قبر و حشر کے حساب میں کامیابی اور پل صراط پر آسانی عطا فرمائے گا۔ جنت کے راستے میں سب چیزیں داخل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم کے لئے سفر کرنا بہت ثواب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام طلب علم کے لئے خضر علیہ السلام کے پاس سفر کر کے گئے، حضرت جابر ایک حدیث کے لیے ایک ماہ کا سفر طے کر کے عبداللہ ابن قیس کے پاس پہنچے۔ (مرثاۃ)

۶۔ یہاں اللہ کے گھر سے مراد مسجدیں، دینی مدرسے اور صوفیاء کی خانقاہیں ہیں، جو اللہ کے ذکر کے لئے وقف ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے عبادت خانے اس سے خارج ہیں کہ وہاں تو مسلمان کو بلا ضرورت جانا ہی منع ہے۔ درس قرآن سے مراد قرآن شریف کی تلاوت۔ تجوید احکام سیکھنا ہیں لہذا اس میں صرف، نحو، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ کے درس شامل ہیں۔ جیسا کہ مرثاۃ وغیرہ میں ہے، اسی لیے تلاوت کے بعد درس کا علیحدہ ذکر فرمایا۔

۷۔ سیکھنے اللہ کی ایک مخلوق ہے جس کے اترنے سے دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے، کبھی ابر کی شکل میں نمودار ہوتی ہے اور دیکھی بھی جاتی ہے، اس کی برکت سے دل سے غیر خدا کا خوف جاتا رہتا ہے۔ رحمت سے خالص رحمت مراد ہے جو بوقت ذکر ذکر کو ہر طرف سے گھیرتی ہے۔ فرشتوں سے سیاحین فرشتے مراد ہیں جو ذکر کی مجلسیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں ورنہ اعمال لکھنے والے اور حفاظت کرنے والے فرشتے ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جہاں مجمع کے ساتھ ذکر اللہ ہو رہا ہو وہاں یہ تین رحمتیں اترتی



ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تنہا ذکر سے جماعت کامل کر ذکر کرنا افضل ہے، جماعت کی نماز کا درجہ زیادہ کہ اگر ایک کی قبول سب کی قبول۔

۸ یعنی فرشتوں کی جماعت۔ اس کی شرح وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رب کو اکیلے یاد کرے رب بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہے، جو جماعت میں یاد کرے رب اسے فرشتوں میں یاد کرتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" اس رب کی یاد کا اثر یہ پڑتا ہے کہ مخلوق اس بندے کو یاد کرنے لگتی ہے، بزرگوں کے مزارات پر زائرین کا ہجوم وہاں ذکر اللہ کی دھوم اسی یاد کا نتیجہ ہے۔

۹ یعنی نسب کی شرافت عمل کی کمی کو پورا نہ کرے گی۔ شعر

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

کیا تمہیں خبر نہیں کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں کتے بٹوں کو جگہ تھی مگر ان کے کافر بیٹے کنعان کے لئے جگہ نہ تھی۔ مقصد یہ کہ شریف النسب اعمال سے لاپرواہ ہو جائیں، یہ منشاء نہیں کہ شرافت نسب کوئی چیز نہیں اس کی تحقیق ہمارے رسالہ "الکلام القبول فی طہارت نسب الرسول" میں دیکھو مومن کو نسب الرسول ضرور فائدہ دے گا۔ تمام دنیا کی عورتیں حضرت فاطمہ زہرا کے قدم پاک کو نہیں پہنچ سکتیں، رب نے بنی اسرائیل سے فرمایا: "أَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ" بنی اسرائیل کے تمام عالم پر افضل ہونے کی یہی وجہ تھی کہ وہ اولاد انبیاء ہیں لہذا یہ حدیث کسی آیت کے خلاف نہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلے جس کا فیصلہ قیامت میں ہوگا وہ شہید ہے۔ اسے لایا جائے گا تب رب اس سے اپنی نعمتوں کا اقرار کرائے گا فرمائے گا کہ اس شکر یہ میں کیا عمل کیا ۲ عرض کرے گا تیری راہ میں جہاد کیا تاکہ شہید ہو گیا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے تو اس لیے لڑائی کی تھی کہ تجھے بہادر کہا جاوے وہ کہہ لیا گیا ۳ پھر حکم ہوگا تو اسے منہ کہ بل کھینچا جائے گا یہاں تک کہ آگ میں پھینک دیا جائے گا ۴ اور وہ جس نے علم سیکھا سکھایا اور قرآن پڑھا اسے لایا جائے گا اپنی نعمتوں کا اقرار کرایا جائے گا وہ اقرار کر لے گا فرمائے گا تو نے شکر یہ میں عمل کیا کیا عرض کرے گا علم سیکھا سکھایا تیری راہ میں قرآن پڑھا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے اس لیے علم سیکھا کہ تجھے عالم کہا جاوے ۵ اس لیے قرآن پڑھا تھا کہ قاری کہا جاوے وہ کہہ لیا گیا پھر حکم ہوگا اوندھے منہ کھینچا جاوے گا حتیٰ کہ آگ میں پھینک دیا جاوے گا ۶ اور وہ

مرد جسے اللہ نے وسعت دی اور ہر طرح کا مال بخشا اسے لایا جائے گا نعمتوں کا اقرار کرائے گا یہ کر لے گا فرمائے گا تو نے شکر یہ میں کیا عرض کیا عرض کرے گا میں نے کوئی ایسا راہ نہ چھوڑا جہاں خرچ کرنا تجھے پیارا ہو مگر وہاں تیرے لیے خرچ کیا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے یہ سخاوت اس لیے کی تھی کہ تجھے سخی کہا جاوے وہ کہہ لیا گیا پھر حکم ہوگا تو اسے اوندھے منہ گھیٹا جائے گا پھر آگ میں جھونک دیا جائے گا (مسلم)

۱۔ یہ اولیت اضافی ہے نہ کہ حقیقی یعنی ریاکاروں میں سے پہلے ریاکار شہید کا فیصلہ ہوگا۔ لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ پہلے حساب نماز کا ہوگا یا پہلے ظلماً قتل کا حساب ہوگا۔ عبادت میں نماز، معاملات میں قتل، ریا میں ایسے شہید کا فیصلہ پہلے ہے۔ شہید سے وہ مراد ہے جو اللہ کی راہ میں مارا گیا۔

۲۔ یعنی میں نے تجھے اندرونی بیرونی کروڑوں نعمتیں دیں تو نے کون سی نیکی کی۔ معلوم ہوا کہ نیکیاں رب کے انعام کا شکر یہ بھی ہیں۔ یعنی تیرے جہاد اور شہادت کا عوض یہ ہو گیا کہ لوگوں نے تیری واہ واہ کر دی کیونکہ تو نے اسی نیت سے جہاد کیا تھا نہ کہ خدمت اسلام کیلئے۔ معلوم ہوا کہ اگر غازی میں اخلاص ہو تو لوگوں کی واہ واہ سے ثواب کم نہیں ہوگا۔ یہ تو رب کی طرف سے دنیوی انعام ہے۔ صحابہ کرام اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں جہاں میں واہ واہ ہو رہی ہے۔ خیال رہے کہ فقط غنیمت یا ملک حاصل کرنے کیلئے جہاد کرنے کا انجام بھی یہی ہے۔ جہاد صرف اللہ رسول کی رضا کے لئے چاہئے۔

۳۔ یعنی نہایت ذلت کے ساتھ، مرے ہوئے کتے کی طرح ٹانگ سے گھیٹ کر کنارہ جہنم سے نیچے پھینکا جائے گا۔ جہنم کی گہرائی آسمان و زمین کے فاصلہ سے کروڑوں گنا زیادہ ہے اللہ کی پناہ۔

۴۔ تیری یہ ساری محنت خدمت دین کے لئے نہ تھی بلکہ علم کے ذریعہ عزت اور مال کمانے کی تھی وہ تجھے حاصل ہو گئے، ہم سے کیا چاہتا ہے، اسی حدیث کو دیکھتے ہوئے، بعض علماء نے اپنی کتابوں میں اپنا نام بھی نہ لکھا اور جنہوں نے لکھا ہے وہ ناموری کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کی دعا حاصل کرنے کے لئے۔

۵۔ معلوم ہوا کہ جیسے اخلاص والی نیکی جنت ملنے کا ذریعہ ہے ایسے ہی ریا والی نیکی جہنم اور ذلت حاصل ہونے کا سبب۔ اس جگہ چار مسئلے یاد رکھنے چاہئیں: ایک یہ کہ یہاں ریاکار شہید، عالم اور سخی ہی کا ذکر ہوا اس لئے کہ انہوں نے بہترین عمل کیئے تھے جب یہ عمل ریا سے برباد ہو گئے تو دیگر اعمال کا کیا پوچھنا، ریا کے حج و زکوٰۃ اور نماز کا بھی یہی حال ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض ریاکار وہ ہیں جو ریا ہی کے لئے نیکیاں کرتے ہیں اگر ان کی تعریف نہ ہو تو نیکی کرتے ہی نہیں، بعض وہ ہیں کہ ریا کے لئے اچھی طرح عمل کریں تہائی میں معمولی، بعض وہ ہیں جو خلوت و جلوت میں عمل یکساں کریں مگر نام نمود سے خوش ہوں، یہاں پہلی قسم کا ریاکار مراد ہے، دوسری دو قسم کے ریاکار اصل نیکی کا ثواب پائیں گے مگر ناقص۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث میں قانون اور رب کے عدل کا ذکر ہے فضل دوسری چیز ہے، رب فرماتا ہے: "فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ" لہذا یہ حدیث معافی کی آیات و احادیث کے خلاف نہیں۔ شعر:

عدل کرے تو تھر تھر کانپیں اونچی شانوں والے فضل کرے تو بخشے جانویں مجھ جیسے منہ کالے چوتھے یہ کہ مؤمن کی یہ ساری سزائیں تنہائی میں ہوں گی، علانیہ نہیں، اللہ اسے ذلت اور رسوائی سے بچائے گا، ذلت و رسوائی صرف کافروں کے لیے ہوگی جیسا کہ آیت قرآنیہ سے ثابت ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ریا کے خوف سے عمل نہ چھوڑ دے عمل کیے جائے کبھی اخلاص بھی نصیب ہو ہی جائے گا۔ مکھیوں کے ڈر سے کھانا نہ چھوڑ دو۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ علم کھینچ کر نہ اٹھائے گا کہ بندوں سے کھینچ لے بلکہ علماء کی وفات سے علم اٹھائے گا۔ حتیٰ کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے جن سے مسائل پوچھے جائیں گے وہ بغیر علم فتویٰ دیں گے گمراہ ہوں گے گمراہ کریں گے ۲ (بخاری، مسلم)

۱۔ یہ حدیث کا تہمتہ ہے جس میں فرمایا گیا کہ قریب قیامت علم اٹھ جائیگا، جہالت پھیل جائے گی، یعنی اس کے اٹھنے کا ذریعہ نہ ہوگا کہ لوگ پڑھا ہوا بھول جائیں گے، بلکہ علماء وفات پاتے رہیں گے اور بعد میں دوسرے علماء پیدا نہ ہوں گے جیسا کہ اب ہو رہا ہے کہ ایک خلقت انگریزی کے پیچھے پھر رہی ہے، دین رسول اللہ یتیم ہو کر رہ گیا۔ علم سے علم دین مراد ہے۔

۲۔ پیشوا سے مراد قاضی، مفتی، امام اور شیخ ہیں جن کے ذمے دینی کام ہوتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ دینی عہدے جاہل سنبھال لیں گے اور اپنی جہالت کا اظہار ناپسند کریں گے۔ مسئلہ پوچھنے پر یہ نہ کہیں گے کہ ہمیں خبر نہیں بلکہ بغیر علم گھڑ کر غلط مسئلے بتائیں گے اس کا انجام ظاہر ہے۔ بے علم طبیب مریض کی جان لیتا ہے اور جاہل مفتی اور خطیب ایمان برباد کرتے ہیں۔

روایت ہے حضرت شقیق سے ۱۔ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود ہر جمعرات کو وعظ فرماتے تھے ۲ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے ابو عبدالرحمن میری تمنا یہ ہے کہ آپ روزانہ وعظ فرماتے فرمایا مجھے اس سے رکاوٹ یہ ہے کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ تمہیں ملال میں ڈال دوں میں تمہارا ویسے ہی لحاظ رکھتا ہوں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا وعظ میں لحاظ رکھتے تھے ملال کے خوف سے ۳ (بخاری، مسلم)

۱۔ آپ کا نام شقیق ابن ابی سلمہ ہے، کنیت ابو وائل ہے، قبیلہ نبی اسد سے ہیں، عظیم الشان تابعی ہیں، حضور کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کر سکے اکابر صحابہ سے ملاقات کی، جیسے حضرت عمر سیدنا ابن مسعود کے خاص ساتھیوں میں سے ہیں۔ حجاج ابن یوسف کے زمانہ میں وفات پائی رضی اللہ عنہم۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کے لئے دن اور وقت مقرر کرنا شرک یا حرام نہیں سنت صحابہ ہے۔ اسی لیے اب دینی مدرسوں کی امتحان و تعطیل کے لئے دن اور مہینے اور تعلیم کے لئے اوقات مقرر کیے جاتے ہیں لہذا میلاد شریف، فاتحہ، عرس وغیرہ کے لئے دن مقرر کرنا جائز ہیں اسے حرام کہنا غلطی ہے۔ مرقاۃ نے اسی جگہ فرمایا کہ حضرت ابن مسعود نے جمعرات کو وعظ کے لئے اس لیے منتخب

کیا کہ یہ دن جمعہ کا پڑوسی ہے اس کی برکت جمعہ تک پہنچے گی۔ بعض لوگ ہر جمعرات کو میلاد شریف اور مُردوں کی فاتحہ کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

۳ یعنی روزانہ وعظ سے تم اتنا جاؤ گے اور یہ ذوق شوق جاتا رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتنا لمبا وعظ بھی نہ کہا جائے کہ لوگ گھبرا جائیں تاکہ علم و وعظ کی بے قدری نہ ہو۔

۴ یعنی حضور بھی ہمیں ہر وقت اور ہر روز وعظ نہیں سناتے تھے تاکہ ہم اتنا نہ جائیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو عالم یا شیخ لوگوں کے سامنے ہر دم اللہ اللہ ہی کرے وہ مکار ہے۔ حضور کی مجلس پاک میں دنیوی تذکرے بھی ہوتے تھے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی لفظ بولتے تو اسے تین بار دہراتے تاکہ سمجھ لیا جائے۔ اور جب کسی قوم پر تشریف لاتے اور انہیں سلام فرماتے تو تین بار سلام کرتے ۲۔ (بخاری)

۱ لفظ سے مراد پوری بات ہے، یعنی مسائل بیان کرتے وقت ایک ایک مسئلہ تین تین بار فرماتے تاکہ لوگوں کے ذہن میں اتر جائے ہر کلام مراد نہیں۔ اسی لیے صاحب مشکوٰۃ اس حدیث کو "کتاب العلم" میں لائے۔

۲ ایک سلام اجازت حاصل کرنے کا، دوسرا ملاقات کا، تیسرا رخصت کا، لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور بوقت ملاقات ایک سلام کرتے تھے کیونکہ وہاں صرف ملاقات کا سلام مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں داخلے کی اجازت کے لئے شور نہ مچائے، بہت دروازہ نہ پیٹے، بلکہ صرف یہ کہے السلام علیکم آجاؤں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آنے اور جانے والا سلام کرے اگرچہ بڑا ہو۔

روایت ہے حضرت ابو مسعود انصاری سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کہ میرا اونٹ تھک رہا ہے مجھے سواری دیجئے فرمایا میرے پاس نہیں ۲۔ ایک نے کہا یا رسول اللہ میں اسے وہ آدمی بتاتا ہوں جو اسے سواری دے دے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھلائی پر رہبری کرے اسے کرنے والے کی طرح ثواب ہے ۳۔ (مسلم)

۱ آپ کا نام عقبہ ابن عمرو ہے، کنیت ابو مسعود انصاری ہے، بدری ہیں، یعنی غزوہ بدر میں شریک ہوئے یا اس بستی میں کچھ روز رہے، عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک تھے، کوفہ میں قیام رہا، خلافت علی مرتضیٰ میں وفات ہوئی۔

۲ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ضرورت کے وقت مانگنا جائز ہے خصوصاً حضور سے مانگنا ہر ایک کے لئے فخر ہے۔ دوسرے یہ کہ جب چیز موجود نہ ہو تو سائل کو انکار کرنا بخل نہیں۔ حضور خلق الہی میں بڑے سخی اور داتا ہیں لیکن اس وقت منع فرمانا اظہار مسئلہ کے لئے ہے کہ قرض لے کر سخاوت نہ کرو۔ وہ جو روایات میں ہے کہ حضور نے کبھی "نہ" نہیں فرمایا۔ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ موجود چیز سے منع نہیں فرمایا یا یہ نہیں فرمایا کہ تجھے نہیں دیں گے لہذا احادیث متعارض نہیں۔

۳ یعنی نیکی کرنے والا، کرانے والا، بتانے والا، مشورہ دینے والا سب ثواب کے مستحق ہیں لہذا تمہیں بھی ثواب ملے گا۔

روایت ہے حضرت جریر سے ۱ فرماتے ہیں کہ ہم صبح سویرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ آپ کی خدمت میں ایک قوم آئی جو ننگی اور کبھل پوش تھی تلواریں گلے میں ڈالے تھے ۲ ان میں عام بلکہ سارے ہی قبیلہ مضر سے تھے ان کا فاقہ دیکھ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا ۳ لہذا اندر تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے حضرت بلال کو حکم دیا انہوں نے اذان و تکبیر کہی پھر نماز پڑھی پھر خطبہ فرمایا ۴ ارشاد فرمایا اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا آخر آیت رقیباً تک ۵ اور وہ آیت تلاوت فرمائی جو سورہ حشر میں ہے اللہ سے ڈرو ہر شخص غور کرے کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیجا ۶ انسان اپنے دینار درہم اپنے کپڑے گندم و جو کے صاع میں سے خیرات کرے حتیٰ کہ فرمایا کھجور کی کھانپ ہی سہی ۷ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری تھیلی لائے جس کے وزن سے ان کا ہاتھ تھکا جاتا تھا بلکہ تھک ہی گیا ۸ پھر لوگوں کا تانتا بندھ گیا حتیٰ کہ میں نے کھانے کپڑے کے ڈھیر دیکھے ۹ تا آنکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور دیکھا کہ چمک رہا ہے گویا سونے کی ڈلی ہے ۱۰ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے اپنے عمل اور ان کے عملوں کا ثواب ہے جو اس پر کار بند ہوں ان کا ثواب کم ہوئے بغیر اور جو اسلام میں بُرا طریقہ ایجاد کرے اس پر اپنی بد عملی کا گناہ ہے اور ان کی بد عملیوں کا جو اس کے بعد ان پر کار بند ہوں اس کے بغیر ان کے گناہوں سے کچھ کم ہو ۱۱ (مسلم)

۱ آپ کا نام جریر ابن عبد اللہ بکلی ہے، مشہور صحابی ہیں، نہایت حسین اور خوش اخلاق تھے، عمر فاروق آپ کو یوسف علیہ السلام سے تشبیہ دیتے تھے، حضور کی وفات کے سال اسلام لائے۔ بعض روایات میں ہے کہ وفات شریف سے چالیس دن پہلے ایک زمانہ کوفہ میں رہے (مقام قرقیسیا میں)، ۱۵ھ میں وفات ہوئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۲ یعنی غربت کی وجہ سے ان کے پاس سوائے ایک کبیل کے تن ڈھکنے کو کوئی کپڑا نہ تھا اس کے باوجود غزوے اور جہاد کے شوقین تھے کہ تلواریں ہر ایک کے پاس تھیں۔

۳ یعنی ان کی فقیری سے خاطر اقدس کو بہت ملال پہنچا جس کے آثار چہرہ انور پر نمودار ہوئے کیوں نہ ہو، بے نواؤں فقیروں کے غم خوار جو ہیں، ہم غریبوں پر وہ رنج نہ کریں تو کون کرے۔ شعر

من از بے نوائی نیم روئے زرد  
غم بے نواایاں رُخم زرد کرد

یہ اس آیت کی تفسیر ہے "عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ"۔

۴ یہ وعظ لوگوں کو خیرات پر رغبت دینے کے لئے تھا، اس وقت دولت خانہ اقدس میں کچھ ہوگا نہیں۔

۵ یہ آیت حسب موقعہ تلاوت فرمائی، یعنی سارے امیر و فقیر بھائی ہیں کہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ امیر کو چاہیے کہ فقیر کی مدد کرے۔ مرقاہ میں اس جگہ ہے کہ حضرت حوّا کے بیس بار میں چالیس بچے ہوئے بیس لڑکے بیس لڑکیاں۔

۶ یعنی قیامت کے لئے نیک اعمال خصوصاً صدقہ و خیرات کیا کرو۔

۷ کیونکہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں خیرات کی مقدار نہیں دیکھی جاتی بلکہ دینے والے کا اخلاص۔ اس سے معلوم ہوا کہ غریب آدمی اپنی ضروریات میں سے کچھ خیرات کرے تو ثواب کا مستحق ہے، بشرطیکہ بال بچوں اور اہل حقوق کا حق نہ مارے اور بعد میں خود بھی بھیک نہ مانگے۔

۸ یعنی تھیلی میں اتنا غلہ تھا جو انصاری سے برداشت نہ ہو سکا اور زیادتی بوجھ کے سبب تھیلی ہاتھ سے گر گئی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ جو یا گندم وغیرہ کا بڑا تھیلا ہوگا جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کہ بارگاہ نبوی میں اس وقت غلے اور کپڑے کے ڈھیر لگے۔ بعض شارجین نے لکھا کہ وہ ہمیانی تھی جس میں درہم و دینار بھرے ہوئے تھے مگر یہ خلاف ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ یہ انصاری سب سے پہلے یہ خیرات لائے پھر ان کو دیکھ کر دوسرے حضرات اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وہ تعریف فرمائی جو آگے بیان ہو رہی ہے۔

۹ جو ان فقراء پر تقسیم کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ چونکہ ان مساکین کی پوری جماعت تھی اسی لئے اتنا صدقہ کیا گیا۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بوقت ضرورت چندہ کرنا جائز ہے۔ دوسرے کہ مسجد میں دوسروں کے لیے سوال جائز ہے۔ جن احادیث میں مسجد میں مانگنے کی ممانعت ہے وہاں اپنے لیے مانگنا مراد ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۱۰ فقراء کی حاجت روائی اور صحابہ کی خیرات پر خوشی کی وجہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور جو اللہ اور رسول کو راضی کرنا چاہے وہ فقیروں کی حاجت پوری کرے۔ خیال رہے کہ جس چاندی کے ٹکڑے پر سونے کا ملمع کر دیا جائے یا جس چمڑے یا کپڑے پر طلائی کام کر دیا جائے اسے عربی میں مذبذبہ کہتے ہیں۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔

۱۱ یعنی موجد خیر تمام عمل کرنے والوں کے برابر اجر پائے گا لہذا جن لوگوں نے علم فقہ، فن حدیث، میلاد شریف، عرس بزرگاں، ذکر خیر کی مجلسیں، اسلامی مدرسے، طریقت کے سلسلے ایجاد کئے انہیں قیامت تک ثواب ملتا رہے گا۔ یہاں اسلام میں اچھی بدعتیں ایجاد کرنے کا ذکر ہے نہ کہ چھوڑی ہوئی سنتیں زندہ کرنے کا، جیسا کہ اگلے مقابلے سے معلوم ہو رہا ہے اس حدیث سے بدعت حسنہ کے خیر ہونے کا اعلیٰ ثبوت ہوا۔

۱۲ یہ حدیث ان تمام احادیث کی شرح ہے جن میں بدعت کی برائیاں آئیں۔ صاف معلوم ہوا کہ بدعت سیدہ بری ہے اور ان احادیث میں یہی مراد ہے۔ یہ حدیث بدعت کی دو قسمیں فرما رہی ہیں، بدعت حسنہ اور سیدہ، اس میں کسی قسم کی تاویل نہیں ہو سکتی ان لوگوں

پر افسوس ہے جو اس حدیث سے آنکھیں بند کر کے ہر بدعت کو برا کہتے ہیں حالانکہ خود ہزاروں بدعتیں کرتے ہیں۔ بدعت کی تحقیق اور اس کی تقسیم پچھلے باب میں گزر چکی۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی ظلماً قتل نہیں کیا جاتا مگر اس کے خون ناحق میں حضرت آدم کے پہلے فرزند کا حصہ ضرور ہوتا ہے کہ اسی نے پہلے ظلماً قتل ایجاد کیا۔ (بخاری، مسلم) ہم حضرت معاویہ کی حدیث لایزال الخ، اس امت کے باب میں ان شاء اللہ العزیز بیان کریں گے ۲

۱ یعنی قابیل جس نے اپنے بھائی ہابیل کو اپنی بہن عقلیہ کے عشق میں ظلماً قتل کیا۔ خیال رہے کہ غیر مستحق قتل کو قتل کرنا ظلماً قتل ہے۔ قاتل، مرتد، زانی، مفسد وغیر ہم جو شرعاً واجب القتل ہیں انہیں حاکم کا قتل کرنا ثواب ہے۔  
۲ یعنی یہ حدیث مصابیح میں اسی جگہ تھی مگر ہم نے مناسبت کے لحاظ سے اس باب میں بیان کی۔

الفصل الثانی  
دوسری فصل

روایت ہے کثیر ابن قیس سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو درداء کے ساتھ دمشق کی مسجد میں بیٹھا تھا۔ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور بولا کہ اے ابودرداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ سے آپ کے پاس صرف ایک حدیث کے لیے آیا ہوں مجھے خبر لگی ہے کہ آپ حضور سے وہ روایت فرماتے ہیں ۱ اس کے سوا اور کسی کام کے لیے نہ آیا ۳ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو تلاش علم کرتے ہوئے کوئی راہ طے کرے تو اللہ اسے بہشت کے راہوں سے کوئی راہ چلائے گا ۴ اور بے شک فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے پر بچھاتے ہیں ۵ یقیناً عالم کے لیے آسمانوں اور زمین کی چیزیں اور پانی میں مچھلیاں دعائے مغفرت کرتی ہیں ۶ اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں شب میں چاند کی فضیلت سارے تاروں پر ہے اور علماء نبیوں کے وارث ہیں ۷ پیغمبروں نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہ بنایا انہوں نے صرف علم کا وارث بنایا تو جس نے علم اختیار کیا اس نے پورا حصہ لیا ۹ اسے احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ترمذی نے

ان کا نام قیس ابن کثیر بتایا۔

۱۔ دمشق شام کا دار الخلافہ ہے۔ کثیر ابن قیس تابعی ہیں، حضرت ابوالدرداء کے صحبت یافتہ ہیں۔

۲۔ ظاہر یہ ہے کہ اس طالب علم نے متن حدیث سن لیا تھا اس شوق میں یہاں آئے کہ صحابی کے منہ سے سنوں تاکہ برکت اور زیادتی یقین حاصل ہو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے متن حدیث نہیں سنا تھا جملگ پتہ لگا تھا کہ حضرت ابوالدرداء فلاں بارے میں حدیث بیان فرماتے ہیں۔ چونکہ مدینہ کے معنی مطلقاً شہر کے ہیں اس لیے مدینۃ الرسول فرمایا، یعنی مدینہ منورہ سے آیا ہوں۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ طلب علم کے لیے سفر بزرگوں کی بلکہ نبیوں کی سنت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام طلب علم کے لئے بہت دراز سفر کر کے حضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے۔ دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط الرسول کہہ سکتے ہیں، جب کہ علامت سے معلوم ہوا کہ یہاں حضور مراد ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے: "يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ" اور فرماتا ہے: "مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ" اسے ناجائز کہنا بے دلیل ہے۔

۳۔ یعنی سوا حدیث سننے کے اور کسی دینی دنیوی غرض کے لئے سفر نہیں کیا۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ سوائے تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں، حالانکہ خود نوکری تجارت وغیرہ کے لئے سفر کرتے رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی ملاقات، زیارت قبور وغیرہ کے لئے سفر جائز ہے۔ جیسا کہ شامی وغیرہ میں ہے اور ان شاء اللہ "باب المساجد" میں ممانعت سفر کی حدیث کے ماتحت بھی پوری تحقیقات کردی جائے گی، نیز اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

۴۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ وہ حدیث نہیں ہے جس کے سننے کے لیے وہ صاحب حاضر ہوئے تھے بلکہ ان کی ہمت افزائی اور انکے سفر کی قبولیت کی بشارت کے لئے یہ حدیث سنائی۔ مطلب یہ ہے کہ جو مسئلہ پوچھنے، علم پڑھنے، حدیث سننے وغیرہ کے لئے سفر کر کے یا بغیر سفر تھوڑا راستہ طے کر کے جائے تو اسے دنیا میں نیک اعمال کی توفیق ملے گی جو جنت ملنے کا سبب ہیں یا آخرت میں پل صراط پر گزر آسان ہوگی اور جنت میں سہولت سے پہنچے گا۔ امام شافعی فرماتے ہیں: کہ علم دین کی طلب نفلی نماز سے افضل ہے کہ یہ فرض ہے وہ نفل۔ (مرقاۃ)

۵۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں حقیقی معنی ہی مراد ہیں کہ جب طالب علم علم میں مشغول ہوتا ہے تو اس کا کلام سننے کے لیے ملائکہ نیچے اتر آتے ہیں اور گفتگو سنتے ہیں جیسا تلاوت قرآن کے موقع پر یا قیامت میں طالب علم کے قدموں کے نیچے فرشتے اپنے پر بچھائیں گے یا مطلب یہ ہے کہ طالب علم کے لیے ملائکہ نیا زمندی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کی مشقتوں کو آسان کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَاحْفَظْ لَهُمَا جَنَاحَ الدَّلِّ" اسی جگہ مرقاۃ نے اس کے متعلق عجیب واقعات بیان فرمائے ہیں۔

۶۔ یعنی علمائے دین کے لیے چاند، سورج، تارے اور آسمانی فرشتے ایسے ہی زمین کے ذرے، سبز یوں کے پتے اور بعض جن و انس اور تمام دریائی جانور مچھلیاں وغیرہ دعائے مغفرت کرتے ہیں، کیونکہ علمائے دین کی وجہ سے دین باقی ہے اور دین کے بقا سے عالم قائم ہے، علماء کی ہی برکتوں سے بارشیں ہوتی ہیں اور مخلوق کو رزق ملتا ہے، حدیث شریف میں ہے "بِهِمْ يُنْظَرُونَ وَبِهِمْ يُدْرَقُونَ"۔ علماء کے اٹھنے سے اسلام اٹھ جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی، علماء دنیا کا تعویذ ہیں۔ (مرقاۃ واشعۃ) خیال رہے کہ علماء میں علمائے شریعت بھی داخل ہیں اور علمائے طریقت بھی بلکہ کوئی شخص علم کے بغیر ولی اللہ نہیں بنتا، اللہ جاہلوں کو ولی نہیں بناتا، فرماتا ہے: "إِنَّمَا

يَحْشَى اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ"۔ (از مرقاۃ)



کے عالم سے مراد وہ عالم ہے جو صرف ضروری اعمال پر قناعت کرے اور بجائے نوافل کے علمی خدمات انجام دے۔ عابد سے وہ شخص مراد ہے جو صرف اپنے ضروری مسائل سے واقف ہو اور اپنے اوقات نوافل میں گزارے۔ بے دین اور فاسق عالم اور نراجاہل عابد اس گفتگو سے خارج ہے۔ خیال یہ چاند آفتاب سے نور لے کر رات میں سارے عالم کو جگمگادیتا ہے، ایسے ہی عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لے کر دینی روشنی پھیلا دیتے ہیں۔ تارے خود نور ہیں مگر چاند نور بخشنے والا۔ عابد اپنے لیے اور عالم عالم کے لیے کوشش کرتے ہیں، عابد اپنی کمبلی بچاتا ہے، عالم طوفان سے لوگوں کا جہاز نکال لے جاتا ہے۔ لازم سے متعدی افضل۔

۸ سبحان اللہ! جب مورث اتنے اعلیٰ تو وارث کیسے شان دار ہوں گے۔ مرقاة نے فرمایا کہ علمائے مجتہدین رسولوں کے وارث ہیں اور علمائے غیر مجتہدین نبیوں کے، لفظ علماء و انبیاء ان دونوں کو شامل ہے۔ خیال رہے کہ علمائے اسلام حضور کے وارث اور چونکہ حضور تمام نبیوں کی صفات کے جامع ہیں لہذا علماء سارے انبیاء کے وارث ہوئے۔

۹ خیال رہے کہ بعض انبیاء تارک الدنیا تھے جنہوں نے کچھ جمع نہ کیا جیسے حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام اور بعض نے بہت مال رکھا۔ جیسے حضرت سلیمان و داؤد علیہما السلام لیکن کسی نبی کی مالی میراث نہ تھی، ان کا چھوڑا ہوا مال دین کے لیے وقف ہوتا ہے اور تاقیامت علماء ان کے وارث، اسی لیے علماء کو وارثین انبیاء کہا جاتا ہے۔

روایت ہے ابو امامہ باہلی سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں کا ذکر ہوا جن میں سے ایک عابد دوسرا عالم ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی عابد پر ضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے اونٹنی پر ۲ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمان و زمین والے حتیٰ کے چیونٹیاں اپنے سوارخوں میں اور مچھلیاں (پانی میں) صلوة بھیجتے ہیں لوگوں کو علم دینی سکھانے والے پر ۳ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ ان سے خاص مرد مراد نہیں بلکہ عمومی سوال ہے، یعنی اگر دو آدمیوں میں سے ایک عالم اور ایک عابد ہو تو درجہ کس کا زیادہ ہوگا، عالم و عابد کے معنی ہم پہلے بیان کر چکے۔

۲۔ یہ تشبیہ بیان نوعیت کے لئے نہ کہ بیان مقدار کے لئے، یعنی جس قسم کی بزرگی مجھ کو تمام مسلمانوں پر حاصل ہے اس قسم کی بزرگی عالم کو عابد پر یعنی دینی بزرگی نہ کہ محض دنیاوی، اگرچہ ان دونوں بزرگیوں میں کروڑ ہا فرق ہیں۔ بادشاہ کو رعایا پر سلطنت کی، مالدار کو فقیر پر مال کی، جتھے والے کو بے کس پر قوت کی، حسین کو بدشکل پر جمال کی بزرگی حاصل ہے۔ مگر یہ بزرگیاں، دنیوی اور فانی ہیں، نبی کو مخلوق پر دینی بزرگی حاصل ہے، جو ابد الابد تک قائم ہے، ایسے ہی عالم کو جاہل پر، آج سکندر کو کسی فقیر پر ملکی بزرگی نہیں، مگر امام ابو حنیفہ کو تمام مقلدین پر بے پناہ عظمت اب بھی حاصل ہے۔ خیال رہے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبیوں پر اور درجہ کی بزرگی ہے، صحابہ پر اور درجہ کی، اولیاء و علماء پر اور درجہ کی، عوام پر اور درجہ کی، اَذْنٰی کُمّ میں اس آخری درجہ کی طرف اشارہ

ہے۔ فرماتے ہیں: "وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ" رب تعالیٰ فرماتا ہے: "مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ" اس آیت میں نور الہی کی مثال نور چراغ سے دی گئی حالانکہ چراغ کے نور کو اس نور سے کیا نسبت؟ ایسے ہی یہ بھی تمثیل ہے۔

۳ ملائکہ سے حاملین عرش فرشتے اور اہل سلوٰت سے باقی فرشتے مراد ہیں۔ اللہ کی صلوة سے اس کی خاص رحمت اور مخلوق کی صلوة سے خصوصی دعائے رحمت مراد ہے، ورنہ عام رحمتیں اور عام دعائیں سارے مسلمانوں کے لیے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهٗ" اور فرماتا ہے: "وَ يَسْتَعْفِرُونَ لِلَّذِينَ اٰمَنُوْا" الخ۔ لہذا یہ حدیث نہ تو قرآن کے خلاف ہے اور نہ اس سے یہ لازم آیا کہ علماء حضور کے برابر ہو جائیں کیونکہ حضور پر بھی رب تعالیٰ صلوة بھیجتا ہے اور علماء پر بھی۔

اور دارمی نے حضرت مکحول سے مرسل نقل کیا اور دو شخصوں کا ذکر نہ کیا اور فرمایا کہ عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنیٰ شخص پر پھر آیت تلاوت فرمائی کہ اللہ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں اور حدیث آخر کی بیان کی۔	
---	--

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ تمہارے تابع ہیں اور بہت لوگ اطراف زمین سے تمہارے پاس دینی فقہ کیکنے آئیں گے جب وہ آئیں تو انہیں بھلائی کی وصیت کرو۔ (ترمذی)	
---	--

۱۔ اس میں خطاب صحابہ خصوصاً ان کے علماء سے ہے، یعنی تاقیامت مسلمان تمہارے اخلاق، افعال کی پیروی کریں گے کیونکہ تم نے بلا واسطہ مجھ سے فیض لیا ہے، شریعت میرے اقوال ہیں، طریقت میرے افعال، حقیقت میرے احوال، تم نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے۔ خیال رہے کہ لفظ تابعی اس حدیث سے لیا گیا یعنی صحابہ کے کامل تبعین۔ (مرقاۃ)

۲۔ یعنی بڑے بڑے کامل لوگ تمہاری شاگردی کرنے مدینہ منورہ کی طرف کھینچے ہوئے آئیں گے تو تم انہیں بے تامل علم سکھانا، عمل کی رغبت دینا یا میں تم کو ان کی خدمت کی وصیت کرتا ہوں اسے قبول کرو پہلے معنی اشعہ نے اور دوسرے مرقاۃ نے لیے۔ معلوم ہوا کہ دینی طلباء کی خدمتیں کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ وہ حضور کے مہمان ہیں اسی لیے اکثر علماء اپنے دینی شاگردوں کی بہت خدمت کرتے اور کراتے تھے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علمی بات عالم کی اپنی گم شدہ چیز ہے جہاں پائے وہ ہی اس کا حقدار ہے۔ اسے ترمذی وابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب	
---	--

ہے اور ابراہیم ابن فضل راوی حدیث میں ضعیف مانا جاتا ہے۔

یعنی سمجھ دار آدمی جس سے اچھی اور دینی بات سنے اس سے ہی لے لے، یہ نہ دیکھے کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ دیکھے کیا کہہ رہا جیسے کہ اپنی گئی چیز جس کے پاس سے ملے لی جاتی ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہ کون ہے اور کیسا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں کلمہ حکمت سے مراد اسلامی اور فقہی مسئلہ ہے۔ یعنی اگر دین کی بات فاسق آدمی کہہ رہا ہے قبول کر لو لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق کو تورات پڑھنے سے منع فرمادیا کیونکہ توریت کے منسوخ احکام اب کلمہ حکمت تھے ہی نہیں۔ اسی طرح اب مسلمانوں کو کفار کی دینی تصنیفات دیکھنے کی اجازت نہیں ان کے پاس کلمہ حکمت ہی نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فقیہ شیطان پر مزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے! (ترمذی اور ابن ماجہ)

۱۔ حدیث شیطان سے بچنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ خیال رہے کہ یہاں عالم سے وہ عالم مراد ہے جس پر اللہ کا فضل ہو اسی لیے فقیہ فرمایا گیا عالم نہ فرمایا گیا، یعنی دین کی صحیح سمجھ رکھنے والا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے! اور نااہل پر علم پیش کرنے والا ایسا ہے جیسے سُوروں کو موتی جوہرات اور سونے کے ہار پہنانے والا! اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور تہذیب نے شعب الایمان میں مسلمہ تک نقل فرمایا اور فرمایا کہ اس حدیث کا متن تو مشہور ہے اس کی اسناد میں ضعف ہے اور بہت طریقہ سے روایت کیا گیا جو سب ضعیف ہیں ۳

۱۔ مسند امام ابو حنیفہ میں "وَمُسْلِمَةٍ" ہے یعنی ہر مسلمان مرد عورت پر علم سیکھنا فرض ہے، علم سے بقدر ضرورت شرعی مسائل مراد ہیں۔ لہذا روزے نماز کے مسائل ضروریہ سیکھنا ہر مسلمان پر فرض، حیض و نفاس کے ضروری مسائل سیکھنا ہر عورت پر، تجارت کے مسائل سیکھنا ہر تاجر پر، حج کے مسائل سیکھنا حج کو جانے والے پر عین فرض ہیں۔ لیکن دین کا پورا عالم بننا فرض کفایہ کہ اگر شہر میں ایک نے ادا کر دیا تو سب بری ہو گئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کے آفات شیطانی اثرات وغیرہ کا جاننا بھی ہر مسلمان کو ضروری ہے تاکہ ان سے بچ سکے۔

۲۔ یہاں علم سے مراد دقیق و باریک مسائل اور گہرے علمی نکات ہیں جنہیں عوام نہ سمجھ سکیں، یعنی وہ عالم جو عوام کے سامنے غیر ضروری اور باریک پیچیدہ مسائل یا قابل شرح آیات و احادیث پیش کرے وہ ایسا ہی بے وقوف ہے جیسے موتیوں کا ہار سُوروں کو پہنانے والا کہ جملہ ایسی چیزیں سن کر انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اسی لیے سیدنا علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے ان کی عقل کے لائق کلام کرو ورنہ وہ اللہ اور رسول کو جھٹلا دیں گے اور اس کا وبال تم پر ہوگا۔

یعنی یہ حدیث بہت سی ضعیف اسنادوں سے مروی ہے لہذا قوی ہے کیونکہ کثرت اسناد ضعیف کو حسن بنا دیتی ہے۔ (مرقاۃ وغیرہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہوتیں اچھے اخلاق اور نہ دینی فقہ (ترمذی)

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ منافق سے مراد منافق اعتقادی ہے نہ کہ عملی، یعنی دل کا کافر زبان کا مؤمن اور خوش خلقی سے مراد اخلاق محمدی اور دینی فقہ سے دین کی سچی سمجھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نفاق کے ساتھ نہ دینی اخلاق جمع ہوں نہ دینی علم، منافق اسلامی اخلاق سے بھی محروم اور دین سے بھی، کیونکہ یہ نور ہیں ظلمت کے ساتھ کیسے جمع ہو جائیں رب تعالیٰ فرماتا ہے: "لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ" "دل کے گندے قرآن کو چھو بھی نہیں سکتے ان کا یہ حال ہے۔ شعر

بِخَارِ آگیا پر بخاری نہ آئی

کتابیں پڑھیں دینداری نہ آئی

امام شافعی فرماتے ہیں "فَإِنَّ الْعِلْمَ نُورٌ مِّنْ إِلَهِ" وَإِنَّ النُّورَ لَا يُعْطَى لِعَاصٍ "علم و اخلاق بقدر تقویٰ ملتے ہیں۔ گندے گھر میں بادشاہ نہیں آتا اور گندے دل میں حضور کے اخلاق اور حضور کا علم نہیں سماتے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تلاش علم میں نکلا وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں ہے ۱

۱ یعنی جو کوئی مسئلے پوچھنے کے لیے اپنے گھر سے، یا علم کی جستجو میں اپنے وطن سے علماء کے پاس گیا وہ بھی مجاہد فی سبیل اللہ ہے، غازی کی طرح گھر لوٹنے تک اس کا سارا وقت اور ہر حرکت عبادت ہوگی، گھر آجانے کے بعد یہ ثواب ختم ہو جائے گا، پھر عمل اور تبلیغ کرنے کا ثواب شروع ہوگا۔ لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ علم صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب بعد موت بھی ملتا رہتا ہے۔

روایت ہے حضرت سبخرہ ازدی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے تلاش علم کی تو یہ تلاش اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہوگی ۲۔ اسے ترمذی و دارمی نے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف الاسناد ہے ابوداؤد راوی کو ضعیف کہا گیا ۳

۱ صحیح یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں، کنیت ابو عبد اللہ ہے، ازدا بن غوث کی اولاد سے ہیں، آپ سے صرف ایک یہی حدیث منقول ہے۔  
۲ طالب علم سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، جیسے وضو، نماز، وغیرہ عبادات سے۔ لہذا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ طالب علم جو گناہ چاہے کرے، یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیت خیر سے علم طلب کرنے والوں کو گناہوں سے نیچنے اور گزشتہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی توفیق دیتا ہے۔

سے یہ ابوداؤد اور ہیں سلیمان ابن اشعث سجستانی نہیں جن کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف ہے ان کا نام نفع ابن حارث ہے، کوفہ کے رہنے والے ہیں، ہمدان کے قاضی تھے اور نابینا تھے، حدیث میں ضعیف مانے جاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن خیر کے سننے سے کبھی سیر نہ ہوگا تا آنکہ اس کی انتہا جنت ہو جائے! (ترمذی)

۱۔ یعنی علم دین کی حرص ایمان کی علامت ہے، جتنا ایمان قوی اتنی ہی یہ حرص زیادہ، بڑے بڑے علماء علم پر قناعت نہیں کرتے۔ صوفیاء فرماتے ہیں "أُظْلَبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ إِلَى الدَّخْلِ" یعنی گہوارہ سے قبر تک علم سیکھو۔ اس حدیث میں علم کے حریص کو جنت کی بشارت ہے۔ ان شاء اللہ علم دین کا متلاشی مرتے ہی جنتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ کسی کو اپنے خاتمہ کی خبر نہیں سوا عالم دین کے کہ ان کے لیے حضور نے وعدہ فرمایا کہ اللہ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے علم دین دیتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس سے علمی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا ہے پھر اسے چھپائے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائے گی! (احمد، ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ عن انس)

۱۔ یعنی اگر کسی عالم سے دینی ضروری مسئلہ پوچھا جائے اور وہ بلاوجہ نہ بتائے تو قیامت میں وہ جانوروں سے بدتر ہوگا کہ جانور کے منہ میں چمڑے کی لگام ہوتی ہے اور اس کے منہ میں آگ کی لگام ہوگی۔ خیال رہے کہ یہاں علم سے مراد حرام، حلال، فرائض و اجبات وغیرہ تبلیغی مسائل ہیں جن کا چھپانا جرم ہے۔ عالم پر شرعی مسئلہ بتانا ضروری ہے نہ کہ لکھنا لہذا مفتی فتوے لکھنے کی اجرت لے سکتا ہے۔ خصوصاً وہ فتویٰ جن پر مقدمے چلتے ہیں اور مفتی کو کچھریوں میں حاضری دینی پڑتی ہے۔ رب فرماتا ہے: "وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ"۔

روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اس لیے علم طلب کرے تاکہ علماء کا مقابلہ کرے یا جملاء سے جھگڑے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرے تو اسے اللہ آگ میں داخل کرے گا! (ترمذی، ابن ماجہ عن ابن عمر)

۱۔ آپ انصاری ہیں، خزرجی ہیں، عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک تھے، اسلام کے نامور شعراء میں سے ہیں، آپ غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اس پر آپ کا بایکٹ کیا گیا، پھر کچھ عرصہ بعد آپ کی اور آپ کے دو ساتھیوں ہلال ابن امیہ اور مرارہ ابن ربیعہ کی توبہ قبول ہوئی۔ رب فرماتا ہے: "وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا" آپ آخر میں نابینا ہو گئے تھے، ۷۷ سال عمر ہوئی، ۷۵ھ میں وفات پائی۔

۱ یعنی جو دینی علم دین کے لئے نہ سیکھے بلکہ عزت یا مال حاصل کرنے یا دین میں فساد پھیلانے کے لئے سیکھے تو اول درجہ کا جہنمی ہے۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو قرآن کا ترجمہ دیکھ کر اور چار حدیثیں پڑھ کر آئمہ مجتہدین اور علماء دین کے منہ آنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نیت خیر عطا فرمائے۔ خیال رہے کہ علماء کا مناظرہ اور ہے مقابلہ کچھ اور، مناظرہ میں تحقیق حق مقصود ہوتی ہے، مقابلہ میں اپنی بڑائی کا اظہار، بوقت ضرورت مناظرہ اچھا ہے مقابلہ برا، یہاں مقابلہ کی برائی مذکور ہے۔ مناظرے آئمہ مجتہدین بلکہ صحابہ کرام میں بھی ہوئے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی وہ علم سیکھے جس سے اللہ کی رضا ڈھونڈی جاتی ہے صرف اس لیے کہ اس سے دنیاوی سامان حاصل کرے۔ وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱ یہ حدیث گزشتہ احادیث کی شرح ہے جس میں فرمایا گیا کہ علم دین رضائے الہی کے لیے حاصل کرو اسے صرف دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ دنیا کے سامان سے روپیہ پیسہ بھی مراد ہے اور دنیوی عزت و جاہ بھی۔ مراقبہ نے فرمایا کہ علم دین کے ذریعے دنیا حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ دنیا اصل مقصود ہو اور علم دین محض اس کا وسیلہ یہ سخت برا ہے وہی یہاں مراد ہے۔ دوسرے یہ کہ علم دین سے دین ہی مقصود ہو مگر سبکا دنیا بھی حاصل کی جائے تاکہ فراغت سے خدمت دین ہو سکے یہ ممنوع نہیں، کیونکہ اب دین مقصود ہے اور دنیا اس کا وسیلہ۔ فقیر عالم کا وعظ دلوں میں موثر نہیں ہوتا۔ حضرات خلفائے راشدین نے خلافت پر تنخواہیں لیں۔ جہاد کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر فقط غنیمت کے لئے کرتا ہے تو برا اور اگر تبلیغ دین کے لئے ہے اور غنیمت و ملک اس کا وسیلہ ہے تو اچھا ہے۔

۲ یعنی اوگا اگرچہ ریاکاری کی سزا بھگت کرنا حضور کی شفاعت کے ذریعہ معافی ہو جائے گی۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس بندے کو ہرا بھرا رکھے جو میرا کلام سنے اسے یاد رکھے خیال رکھے اور پہنچا دے۔ کیونکہ بہت سے فقہ اٹھانے والے خود غیر فقیہ ہیں اور بہت لوگ اپنے سے بڑے فقیہ تک فقہ اٹھاتے ہیں۔ مسلمانوں کا دل تین چیزوں پر خیانت نہیں کرتا۔ اللہ کے لیے عمل خالص کرنا۔ مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کی جماعت کو لازم پکڑنا۔ کیونکہ ان کی دعا ماسوا کو شامل ہے۔ اسے شافی اور بیہتی نے مدخل میں روایت کیا

۱۔ یہ حدیث تاقیامت محدثین کو شامل ہے، یعنی اللہ تعالیٰ حافظ اور مبلغ حدیث کو دنیا میں پھلا پھولا رکھے اور آخرت میں اس کا چہرہ ترو تازہ رکھے اور اس زمرے میں داخل کرے "وَجُودُهُ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرَةٌ" حضور کی یہ دعا قبول ہے خدام حدیث بفضلہ تعالیٰ دین و دنیا میں شاد و آباد ہیں جیسا کہ تجربہ بتا رہا ہے۔ حدیث کا ذکر کرنا حفظ ہے اور یاد رکھنا بھول نہ جانا دعاء، بعض محدثین قرآن کی طرح حدیث بھی یاد کرتے ہیں۔

۲۔ اس حدیث میں صراحتاً فرمایا گیا کہ محدث براہ راست حدیث پر عمل نہ کرے ورنہ دھوکا کھائے گا بلکہ مجتہد فقیہ پر پیش کرے اس کی تقلید کر کے اس کے بتائے ہوئے مطالب پر عمل کرے۔ فقیہ روحانی طبیب ہے اور محدث روحانی عطار (پنساری)۔ عطار اپنی دکان کی دوائیں حکیم سے پوچھ کر ہی استعمال کرتا ہے اسی لیے قریباً سارے محدثین مقلد ہیں۔ اسی حدیث پر عامل ہیں اسی سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو چندہ ریشوں کے تراجم پڑھ کر تقلید سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ قرآن وحدیث کے سمندر میں خود چھلانگ نہ لگاؤ کسی امام کے جہاز میں بیٹھ کر پار کرو۔ فقہ سے مراد وہ حدیث ہے جس سے شرعی احکام مستنبط ہو سکیں۔ سرکار کا مقصد شریف یہ ہے کہ بہت دفعہ ایسا ہوگا کہ میری حدیث یاد کرنے والے مسائل استنباط نہ کر سکیں گے اور جنہیں حدیث پہنچے گی ان میں استنباط کی قدرت نہ ہوگی، لہذا محدث حدیث کو قید نہ کریں بلکہ فقہاء تک پہنچائیں۔ خیال رہے کہ حدیث کا مبداء حضور کی ذات اقدس ہے اور منتہی فقیہ پر پہنچ کر ہی ختم ہوتا ہے۔

۳۔ اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ عَلَّے بمعنی (ب) ہے، یعنی جس دل میں ان تین عملوں میں سے کوئی عمل آجائے تو اس دل میں خیانت، کینہ، حسد نہیں رہتا۔ دوسرے یہ کہ عَلَّے اپنے ہی معنی میں ہے یعنی مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ ان تین کاموں میں کوتاہی نہیں کرتا۔ پہلے معنی زیادہ قوی ہیں یہ تین چیزیں دلی بیماریوں کی دوائیں ہیں۔

۴۔ کہ نیک اعمال نہ دنیا حاصل کرنے کے لئے کرے نہ جنت پانے اور دوزخ سے بچنے کے لیے، محض رب کی رضا کے لیے کرے، جب رب راضی ہو جائے سب کچھ حاصل ہے۔

۵۔ اس طرح کہ بقدر طاقت مسلمانوں کی مدد کرے جو اپنے لیے پسند نہ کرے ان کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ عقائد اور نیک اعمال میں ان کے ساتھ رہے، خلوت پر جلوت کو ترجیح دے، اسی لیے اسلام نے جمعہ و عیدین وغیرہ میں جماعت فرض کی۔

۶۔ یعنی جماعت مسلمین کی دعا لوگوں کو گمراہی، شیطان کے فریب سے محفوظ رکھتی ہے، جماعت سے الگ رہنے والا ان کے دعا سے محروم ہے۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی دعا حفاظتی قلعہ ہے۔

احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے زید ابن ثابت سے روایت کیا مگر ترمذی اور ابوداؤد نے "ثَلَاثٌ لَا يَغْلُ" الخ کا ذکر نہ کیا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ اسے ہرا بھرا رکھے جو ہم سے کچھ سنے۔ پھر جیسا سنے ویسا ہی

پہنچا دے ۲ کیونکہ بہت سے پہنچائے ہوئے سننے والے سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں اسے ترمذی ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور دارمی نے ابودرداء سے۔

۱۔ یعنی مجھ سے یا میرے صحابہ سے میرا یا ان کا کوئی قول یا عمل سنے۔ لہذا حدیث چار قسم کی ہوئی حضور کا قول اور فعل، صحابہ کا قول اور فعل۔ اسی لیے مَنَّا جَمْع اور شَیْئًا نکرہ ارشاد ہوا۔

۲۔ اس طرح کہ مضمون نہ بدلے یا حدیث کے الفاظ میں فرق نہ پیدا ہو۔ خیال رہے کہ ابن عمر، مالک ابن انس، ابن سیرین وغیرہم کے نزدیک حدیث کی روایت بالمعنی حرام ہے، کیونکہ بسا اوقات لفظ کے بدلنے سے معنی بدل جاتے ہیں اور راوی کو خبر نہیں ہوتی اور امام حسن، شعبی، نخعی و مجاہد وغیرہم کے نزدیک روایت بالمعنی جائز کہ راوی حدیث کے الفاظ اس طرح بدل دے کہ معنی نہ بدلیں۔ پہلے قول میں احتیاط ہے دوسرے میں گنجائش، بہتر یہی ہے کہ الفاظ بھی نہ بدلیں۔ دیکھئے حضرت وائل ابن حجر نے نماز کی آمین کے بارے میں فرمایا "مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ" بعض راویوں نے اسے "رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ" سے روایت کیا۔ وہ سمجھے کہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں مگر بعد والوں کو دھوکہ لگا کہ شاید اس کے معنی ہیں بلند آواز سے آمین کہی، حالانکہ اس کا ترجمہ تھا کہ آمین کھینچ کر الف کے مد کے ساتھ کہی، روایت بالمعنی میں یہ خطرے ہیں اس لیے فرمایا کہ جیسی سنے ویسی پہنچائے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حدیث روایت کرنے سے بچو سوا ان کے جن کو تم جانتے ہو۔ کیونکہ جو عداً مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ آگ کا بنا لے ۲ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۱۔ یقین سے یا گمان غالب سے کہ وہ میری حدیث ہے، لہذا حدیث متواتر اور مشہور بے دھڑک روایت کرو اور حدیث ضعیف کا ضعف بیان کر کے اور حدیث موضوع کو ہاتھ مت لگاؤ۔ ہاں لوگوں کو بچانے کے لیے یہ بتا سکتے ہو کہ یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے اسی بنا پر بعض محدثین نے حتی الامکان حدیث ضعیف کی روایت ہی نہ کی، جیسے امام بخاری و مسلم اور بعض نے روایت تو کی مگر بیان ضعیف لازم کر لیا، جیسے امام ترمذی۔ غرض کہ حدیث میں بڑی احتیاط چاہیے۔ مرقاة نے فرمایا کہ تحریر پر اعتماد کر کے روایت حدیث جائز ہے۔

۲۔ اگرچہ ہر ایک پر جھوٹ باندھنا بہتان اور گناہ ہے، مگر حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا بہت گناہ ہے کہ اس سے دین بگڑتا ہے۔ مَتَّعِدًا کی قید سے معلوم ہوا کہ خطا پر پکڑ نہیں، اگر کسی حدیث کے موضوع ہونے کی خبر نہ ہوئی اور روایت کردی تو مجرم نہیں۔

اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود اور جابر سے نقل فرمایا اور "اتقوا الحدیث" الخ کا ذکر نہ کیا۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ



علیہ وسلم نے کہ جو قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانہ آگ سے بنائے اور ایک روایت میں ہے کہ جو قرآن میں بغیر علم کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانہ آگ سے بنائے ۲ (ترمذی)

۱۔ یعنی قرآن کی تفسیر بالرائے کرنے والا جہنمی ہے۔ خیال رہے کہ قرآن کی بعض چیزیں نقل پر موقوف ہیں، جیسے شان نزول، نسخ منسوخ، تجوید کے قواعد انہیں رائے سے بیان کرنا حرام ہے، وہی یہاں مراد ہے۔ اور بعض چیزیں شرعی عقل سے بھی معلوم ہو سکتی ہیں، جیسے آیات کے علمی نکات، اچھی اور صحیح تاویلیں، پیدا ہونے والے اعتراضات کے جوابات وغیرہ ان میں نقل لازم نہیں۔ غرض کہ قرآن کی تفسیر بالرائے حرام ہے اور تاویل بالرائے علمائے دین کے لیے باعث ثواب، یا اس کی تحقیق ہمارے کتاب "جاء الحق" اور مرقاۃ میں اسی مقام پر دیکھو، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ"۔ معلوم ہوا کہ قرآن میں تدر و تفکر کا حکم ہے۔

۲۔ اس میں اشارہ فرمایا کہ علماء کو قرآنی تاویلات کی اجازت ہے جہاں کو یہ بھی حرام۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو فقط ترجمہ قرآن سے غلط مسئلے مستنبط کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ حدیث و قرآن کے فقط ترجمے بغیر فقہ کی روشنی کے عوام کے لئے زہر قاتل ہیں۔

روایت ہے حضرت جناب سے ۱۔ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو قرآن میں اپنی رائے سے کہے پھر ٹھیک بھی کہہ دے تب بھی خطا کر گیا ۲ (ترمذی و ابوداؤد)

۱۔ آپ کا نام جناب ابن عبد اللہ ابن سفیان علفی بَجَلِی ہے۔ علف قبیلہ بجل کا ایک بطن ہے، مشہور صحابی ہیں۔ عبد اللہ ابن زبیر کی وفات کے چار سال بعد وفات ہوئی۔

۲۔ یعنی اگر عالم قرآن کی رائے سے تفسیر کرے، یا جاہل رائے سے تاویل کرے اور اتفاقاً وہ تفسیر و تاویل درست ہو تب بھی دونوں گنہگار ہوں گے، کیونکہ انہوں نے ناجائز کام کیا اور ممکن ہے کہ آئندہ اس پر دلیر ہو کر غلطی بھی کر جائیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ تفسیر قرآن کے لئے عالم کو پندرہ علموں میں پوری مہارت چاہیے تب وہ قرآن کو ہاتھ لگائے، ایسا عالم اگر تاویل قرآن میں غلطی بھی کرے تب بھی ثواب پائے گا، مجتہد کی خطا پر ایک ثواب ہے اور صحت پر دو، جیسا کہ آئندہ احادیث میں آئے گا۔ تفسیر و تاویل کا فرق ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔ تفسیر میں یقین ہوتا ہے جو نقل پر موقوف ہے، تاویل میں ظن غالب۔ خیال رہے کہ قرآن کی وہ تاویل جو نقل کے خلاف ہو حرام ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن میں جھگڑنا کفر ہے ۱ (احمد و ابوداؤد)

۱۔ یعنی آیات قرآنیہ کے معانی میں ایسا جھگڑنا کرنا جس سے لوگ شک میں مبتلا ہو جائیں قریباً کفر ہے، کیونکہ لوگوں کے کفر کا ذریعہ ہے یا تشابہات کی تاویلوں میں جھگڑنا کفرانِ نعت ہے، یا قرآنی آیات اور آیات کی متواتر قراءتوں میں یہ جھگڑنا کرنا کہ یہ کلام الہی ہیں یا نہیں کفر ہے۔ یا قرآن کو اپنی رائے کے مطابق بنانے میں جھگڑنا کہ ہر ایک اپنی رائے اور ایجاد کردہ مذہب کے مطابق اس کا ترجمہ

یا تفسیر کرے یہ کفر ہے۔ بہر حال حدیث بالکل واضح ہے اور اسے مفسرین اور مجتہدین کے اختلاف سے کوئی تعلق نہیں وہ جھگڑا نہیں بلکہ تحقیق ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو قرآن میں جھگڑا کرتے سنا تو فرمایا کہ اس حرکت سے تم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے کہ انہوں نے بعض کتاب کو بعض سے ٹکرایا ۳ کتاب اللہ تو اس لیے اتنی ہے کہ بعض بعض کی تصدیق کرے لہذا تم بعض کو بعض سے جھگڑاؤ نہیں ۴ جس قدر کتاب جانو کہو جو نہ جانو اسے عالم کے سپرد کرو ۵ (احمد، ابن ماجہ)

۱۔ پہلے بیان کیا جا چکا کہ آپ کا نام عمرو ابن شعیب ابن محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص صحابی ہیں اور ان کے بیٹے محمد تابعی، اگر جِدَّہ کی ضمیر عمرو کی طرف لوٹے تو یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ عمرو کے دادا محمد تابعی ہیں، اور اگر شعیب کی طرف لوٹے تو یہ حدیث متصل ہے، کیونکہ شعیب کے دادا عمرو ابن عاص صحابی ہیں غرض کہ مَدُّس ہے۔ (ازمرقاة)

۲۔ اس طرح کہ ایک شخص اپنا قول ایک آیت سے ثابت کر رہا ہے اور دوسرا اس کے خلاف، دوسری آیت سے جس سے سننے والے کو شبہ پیدا ہو، کہ قرآنی آیتیں یکساں نہیں ان میں سخت تعارض و اختلاف ہے جیسے ایک کہے کہ خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے رب فرماتا ہے: "قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ" اور دوسرا کہے کہ نہیں خیر رب کی طرف سے ہے شر ہماری طرف سے رب فرماتا ہے: "مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ" یہ ہے قرآن میں جھگڑا جو حرام بلکہ کبھی کفر ہے۔

۳۔ یعنی تعارض دکھایا یہ عیسائی و یہودی وغیرہ تھے جو توریت و انجیل کی آیتوں میں مطابقت نہ کر سکے بہت سے فرتے بنا بیٹھے اور ہر فرقہ ان کتابوں کی بعض آیات سے دلیل پکڑنے لگا، اللہ محفوظ رکھے۔

۴۔ کتاب اللہ سے مراد قرآن شریف ہے یاساری آسمانی کتب پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں یعنی قرآنی آیات آپس میں مخالف نہیں بلکہ یکساں ہیں، اگر تعارض معلوم ہو تو ہماری سمجھ کا قصور ہے یا ہم تاریخ سے بے خبر ہیں ناخ منسوخ کو نہیں پہچانتے یا ہم آیتوں کے معانی کو صحیح نہ سمجھے۔

۵۔ سبحان اللہ! کیا نفیس تعلیم ہے کہ جاہل قرآن کی تفسیر کو ہاتھ نہ لگائے جب بے علم مریض کا علاج نہیں کرتا، انجن کی مشین کو ہاتھ نہیں لگاتا بلکہ نا تجربہ کار حجام سر نہیں مونڈتا، تو ہر بے خبر تفسیر قرآن کو کیوں ہاتھ لگائے۔

لطیفہ: کسی نے ایک عالم سے کہا کہ قیامت کا دن کتنا بڑا ہے قرآن اسے ایک ہزار سال کا بھی کہتا ہے اور پچاس ہزار سال کا بھی، حدیث نے تو غضب ہی کر دیا وہ فرماتی ہے کہ چار رکعت نماز پڑھنے کے بقدر ہوگا نہ قرآن کا اعتبار نہ حدیث کا العیاذ باللہ! عالم نے فرمایا کہ قرآن و حدیث صحیح ہیں تیری سمجھ غلط وہ دن ایک ہزار برس کا ہے لیکن کفار کو تکلیف کی وجہ سے پچاس ہزار سال کا اور مؤمن کو

راحت کی وجہ سے دس منٹ کا محسوس ہوگا جیسے ایک ہی رات بیمار کو لمبی تندرست کو چھوٹی اور جو محبوب کے پاس گزارے اسے منٹوں کی محسوس ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن سات طریقوں پر اترا ۱۔ ان میں سے ہر آیت کا ظاہر بھی ہے باطن بھی ۲۔ اور ہر ظاہر و باطن کی ایک حد ہے جہاں سے اطلاع ہے ۳۔ (شرح سنہ)

۱۔ طریقوں سے مراد یا تو عربی لغتیں ہیں، چونکہ عرب میں سات قبیلے فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے، قریش، ثقیف، طے، ہوازن، مذیل، یعنی، تمیم اور ان کی زبانوں کا آپس میں کچھ اختلاف تھا جیسے دہلی اور لکھنؤ والوں کی اردو میں قدرے فرق ہے۔ نزول قرآن قریش کی زبان میں ہوا جو دوسرے قبیلوں پر بھاری تھی۔ اسی لئے ان کو اجازت دی گئی کہ اپنی اپنی زبانوں میں تلاوت کریں۔ زمانہ نبوی میں عام تلاوت قریشی زبان میں ہوتی تھی۔ مگر بعض لوگ دوسری قرأتوں میں بھی تلاوت کرتے تھے۔ حضور کے پردہ فرمانے کے بعد یہ اختلاف فساد کا باعث بننے لگا، عہد عثمانی میں جب قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کیا گیا تو لغت قریش کو ملحوظ رکھا گیا جس میں قرآن کا نزول ہوا تھا باقی قرأتیں ختم کردی گئیں تاکہ مسلمانوں میں یہود و نصاریٰ کا سا اختلاف نہ ہو اس میں قرآن کی تبدیلی نہ تھی بلکہ فتنہ کا دفع کرنا تھا جیسے "فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٍ" میں لفظ اف لغت قریش میں الف کے پیش ف کے شد اور زیر و تنوین سے ہے دیگر لغتوں میں الف کے زر یا زیر ف کا زر یا زیر بغیر تنوین شد اور بغیر شد کے ہے معنی ایک ہیں لفظوں میں اتنا اختلاف یا اس سے مراد سات قرأتیں ہیں "يَا مَالِكِ مَلِكِ صَلَاتِكَ يَوْمَ الدِّينِ" وغیرہ، یا مطلب یہ ہے کہ سات معانی پر اترا امر، نبی، مثالیں، قصے، وعدے، وعیدیں اور نصیحتیں یا سات چیزیں لے کر اترا، عقائد، احکام، اخلاق، حرام، حلال، محکم، متناہ اور بھی اس کی بہت تفسیریں کی گئیں ہیں۔

۲۔ یعنی قرآن کی ہر آیت کی ظاہر مراد بھی ہے اور باطنی بھی، ظاہری مراد اس کا لفظی ترجمہ ہے باطنی مراد اس کا منشاء اور مقصد، یا ظاہر شریعت ہے اور باطن طریقت، یا ظاہر احکام ہیں اور باطن اسرار، یا ظاہر وہ ہے جس پر سب علماء مطلع ہیں اور باطن وہ ہے جس سے صوفیائے کرام خبردار ہیں، یا ظاہر وہ جو نقل سے معلوم ہو باطن وہ جو کشف سے معلوم ہو جیسے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ" اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اپنے قریبی کافروں پر لوہے کی تلوار وغیرہ سے جہاد کرو باطن یہ ہے کہ قریبی کافر اپنے نفس امارہ پر مجاہدے کی تلوار اور اعانت یار سے جہاد کرو۔

۳۔ حد مطلع وہ پہاڑ کی چوٹی یا اونچا ٹیلہ ہے۔ جہاں سے دور تک چیزیں دیکھی جاسکیں یعنی قرآن کے ظاہر و باطن معلوم کرنے کے علیحدہ مقامات ہیں۔ چنانچہ اس کا ظاہر علماء سے اور باطن مشائخ سے معلوم ہوتا ہے یا ظاہر قال سے، باطن حال سے، یا ظاہر نحو سے باطن فنا اور محو سے، یا ظاہر کتابوں سے باطن کسی کی نظر سے۔ شعر

علم و حکمت از کتب دین از نظر  
رُوئے دل را جانب دلدار کن

دین مجو اندر کتب اے بے خبر  
صد کتاب و صد ورق ورنار کن

غرضکہ جیسے قرآن کے ظاہر کے الفاظ میاں جی سے، تجوید قاری سے، حفظ حافظ سے، معانی عالم سے، احکام مجتہد سے سیکھے جاتے ہیں، ایسے ہی اس کے اسرار مشائخ سے حاصل کئے جائیں۔ ہر ایک کا حد مطلع علیحدہ ہے۔ خیال رہے کہ مشائخ وہ حضرات ہیں جو شریعت و طریقت کے جامع ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے ہوں، آپ کے دین کے سچے مبلغ ہوں۔ وہ جاہل صوفی جو فقط میراثی ولی بنے بیٹھے ہیں فاسق و فاجر ہیں وہ مراد نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم تین ہیں ظاہر آیتیں ثابت و مضبوط سنت ان کے برابر فریضہ اجوان کے سوا ہیں وہ زیادتی ہے ۲۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱ یعنی علم دین ان چیزوں کا جاننا ہے احکام کی غیر منسوخ آیتیں مع تفصیل اور صحیح غیر منسوخ حدیثیں اجماع امت اور قیاس جو کتاب و سنت کی طرح واجب العمل ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں فریضہ سے مراد علم فرائض (میراث) نہیں کہ وہ کتاب و سنت میں آگیا بلکہ فقہ ہی مراد ہے۔ عادلہ بمعنی عدیل و مثل۔ (مرقاۃ واشعہ)

۲ یعنی ان تین کے علاوہ باقی علوم علم دین نہیں بلکہ زائد یا فضول ہیں۔ خیال رہے کہ صرف و نحو وغیرہ قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے ہیں اور اصول فقہ و اصول حدیث وغیرہ ان علوم کے خدام جو ان کو اپنا مقصود بنالے بڑا بے وقوف ہے۔ شعر۔

علم دین فقہ است تفسیر و حدیث  
ہر کہ جوید غیر ازیں باشد خبیث

روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے افرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قصہ گوئی نہیں کرتے مگر حاکم یا محکوم یا متکبر ۲۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۱ آپ مشہور صحابی ہیں جنگ خیبر میں حضور کے ساتھ فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجعی کا پرچم آپ کے ہاتھ میں تھا شام میں رہے اور ۳۷ھ میں وہیں وفات ہوئی۔

۲ اصطلاح میں سیاسی لیکچر اور عام خطابوں کو قصہ کہا جاتا ہے جس میں احکام شرعیہ کی تبلیغ ہوا سے وعظ نصیحت کہتے ہیں۔ آج کل کے عام مروجہ وعظ قصے ہیں اور واعظین قاص، یعنی سیاسی لیکچر یا بادشاہ کرتے ہیں، یا ان کے ماتحت حکام، یا سیاسی متکبر لیڈر قوم میں اپنا وقار بڑھانے کے لئے، علماء کا یہ کام نہیں، علماء کا وعظ شرعی احکام کا چشمہ اور تبلیغ کا منبع ہونا چاہیے یہ حدیث ہدایت کا گنجینہ ہے۔

اور داری نے حضرت عمرو ابن شعیب سے انہوں نے اپنے والد اور انہوں نے اپنے دادا سے اور ان کی روایت میں مختال کی بجائے ریاکار ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بے علم فتویٰ دے اس کا گناہ فتویٰ لینے والے پر ہے اور جو اپنے بھائی کو کسی چیز کا مشورہ

یہ جانتے ہوئے دے کہ درستی اس کے علاوہ میں ہے اس  
نے اس کی خیانت کی ۲ (ابوداؤد)

۱۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ جو شخص علماء کو چھوڑ کر جاہلوں سے مسئلہ پوچھے اور وہ غلط مسئلہ بتائیں تو پوچھنے والا بھی گنہگار ہوگا کہ یہ عالم کو چھوڑ کر اس کے پاس کیوں گیا نہ یہ پوچھتا نہ وہ غلط بتاتا اس صورت میں اُفتیٰ بمعنی استفتیٰ ہے۔ دوسرے یہ کہ جس شخص کو غلط فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتوے دینے والے پر ہے اس صورت میں پہلا اُفتیٰ مجہول ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بے علم کو مسئلہ شرعی بیان کرنا سخت جرم ہے۔

۲۔ یعنی اگر کوئی مسلمان کسی سے مشورہ حاصل کرے اور وہ دانستہ غلط مشورہ دے تاکہ وہ مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو وہ مشیر پکا خائن ہے خیانت صرف مال ہی میں نہیں ہوتی، راز، عزت، مشورے تمام میں ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم نے معتموں سے منع فرمایا ۱ (ابوداؤد)

۱۔ یعنی عوام پر فقہی معنی پیش کرنا اور انہیں حل نہ کرنا یا علماء کا ایک دوسرے کو ذلیل کرنے اور اپنی فوقیت ظاہر کرنے کے لئے شرعی معنی پوچھنا ناجائز ہے کہ یہ مؤمن کی ایذا کا سبب ہے۔ طالب علموں سے ان کا ذہن تیز کرنے کے لئے استاد کا فقہی معنی پوچھنا بالکل جائز ہے۔ جیسے یہ پوچھنا کہ وہ کون سا سفر ہے جس میں قصر نہیں، یا وہ کون سی صورت ہے کہ نمازی اپنے گھر میں وقتی نماز قصر پڑھے، یا وہ کون سی صورت ہے کہ نماز پڑھی جائے تو نہ ہو بعد میں خود بخود ہو جائے، یا وہ کون بزرگ ہیں جن کی اپنی عمر چالیس سال، بیٹے کی ایک سو بیس سال، اور پوتے کی نوے سال اور تینوں بیک وقت زندہ ہیں، اس قسم کے بہت سے معنی علامہ شامی وغیرہ نے ارشاد فرمائے، اس سے ذہن تیز کرنا مقصود ہے نہ کہ کسی کو ذلیل کرنا۔

روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم میراث اور قرآن سیکھو اور  
لوگوں کو سکھاؤ کہ میری وفات ہونے والی ہے۔ ۱ (ترمذی)

۱۔ یعنی میں تم میں ہمیشہ رہوں گا نہیں، میری وفات سے پہلے قرآن حکیم کے سارے احکام خصوصاً علم میراث مجھ سے سیکھ لو اور تمہارے بعد والے تم سے، چونکہ علم میراث سے عدل و انصاف قائم ہے تمام علوم کا تعلق زندگی سے ہے اور اس کا تعلق موت سے، نیز قرب قیامت یہ علم دنیا سے اٹھ جائے گا، اسی لئے خصوصیت سے اس کے سیکھنے کی تاکید فرمائی۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ سرکار نے آسمان کی طرف  
نگاہ اٹھائی پھر فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے جب علم لوگوں سے  
اٹھالیا جائے گا حتیٰ کہ کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے ۱ (ترمذی)

۱۔ علم سے علم دین مراد ہے اور یہ واقعہ قیامت کے قریب ہوگا جب مال بڑھ جائے گا، علم دین گھٹ جائے گا بلکہ فنا ہو جائے گا کہ علماء وفات پا جائیں گے اور پیدا نہ ہوں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کی نگاہ صدہا سال بعد آنے والے واقعات کو بھی ملاحظہ فرما لیتی ہے، ان کے لئے معدوم موجود کھلی چھپی سب چیزیں یکساں ہیں۔ کہ فرما رہے ہیں لُھَذَا اَوَانٌ جیسے ہم خیال اور خواب میں اگلے

کچھلی چیزیں شکلوں میں دیکھ لیتے ہیں۔ بادشاہ مصر نے آنے والے قحط کے سال گائے اور بایلوں کی شکل میں خواب دیکھے، انبیاء ان کے طفیل سے بعض اولیاء کی نگاہیں ہمارے خواب و خیال سے زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں شعر

اب بلکہ قبل از زادن تو ساہبا  
مراترا بیند بچندیں حالہا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں دوزخیوں کے وہ عذاب ملاحظہ فرمائیے جو بعد قیامت ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ لوگ تلاش علم کرتے ہوئے اونٹوں کی سینہ کوبی کریں گے تو مدینہ کے ایک عالم سے بڑا کوئی عالم نہ پائیں گے۔<sup>۱</sup> اسے ترمذی نے روایت کیا اور جامع ترمذی میں ہے کہ ابن عمینہ نے فرمایا کہ وہ مالک ابن انس ہیں اور ایسے ہی عبدالرزاق سے روایت ہے۔<sup>۲</sup> اسحاق ابن موسیٰ نے فرمایا کہ میں نے ابن عمینہ کو سنا وہ فرماتے ہیں کہ وہ عمری زاہد ہیں ان کا نام عبدالعزیز ابن عبد اللہ ہے۔<sup>۳</sup>

۱ یعنی یہ قول ان کا اپنا نہیں بلکہ حضور کا فرمان ہے۔ حدیث مرفوع ہے موقوف نہیں۔

۲ یعنی میرے بعد قریب ہی لوگ تلاش علم میں ہر طرف سفر کریں گے اور مدینہ منورہ میں ایک ایسا عالم ہوگا کہ اس کے مقابلے میں اس وقت مدینہ میں بھی کوئی عالم نہ ہوگا چہ جائیکہ اور جگہ۔

۳ یعنی ان دو بزرگوں کی رائے ہے کہ اس عالم سے مراد حضرت امام مالک ہیں کہ آپ امام مذہب ہیں امام شافعی کے استاد ہیں۔ خیال رہے کہ یہ اس وقت کے لحاظ سے ہے ورنہ امام مالک سے پہلے حضرات امام اعظم ابوحنیفہ وغیرہم بڑے بڑے علماء گزرے۔

۴ آپ کا نام عبد اللہ ابن حفص ابن عاصم ابن خطاب ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اشعۃ اللغات نے فرمایا کہ یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا جب کہ علم دین مدینہ منورہ میں محدود ہو جائے گا۔ واللہ اعلم!

روایت ہے انہی سے میری دانست میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا یٰھینئاً اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو برس پر ایک مجدد بھیجتا رہے گا جو ان کا دین تازہ کرے گا۔ (ابوداؤد)

۱ یہ کلام کسی نیچے کے راوی کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے یہ حدیث حضور سے روایت کی۔ ان کا خود اپنا قول نہیں۔

۲ یعنی اس امت کی یہ خصوصیت ہے کہ یوں تو اس میں ہمیشہ ہی علماء اور اولیاء ہوتے رہیں گے لیکن ہر صدی کے اول یا آخر میں خصوصی مصلحین پیدا ہوتے رہیں گے جو سنتوں کو پھیلائیں گے، بدعتوں کو مٹائیں گے، غلط تاویلوں کو دور کریں گے، صحیح تبلیغ کریں گے۔ خیال رہے کہ اس حدیث کی بنا پر بہت لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق مجدد گنائے ہیں۔ کہ پہلی صدی میں فلاں، دوسری میں فلاں، بہت مفسدوں نے بھی اپنے آپ کو مجدد کہا، مرزا غلام احمد قادیانی پہلے مجدد ہی بنا تھا پھر نبی۔ حق یہ ہے کہ اس سے نہ کوئی

خاص شخص مراد ہے نہ کوئی خاص جماعت، کبھی اسلامی بادشاہ، کبھی محدثین، کبھی فقہاء، کبھی صوفیاء، کبھی اغنیاء، کبھی بعض حکام دین کی تجدید کریں گے، کبھی ایک، کبھی ان کی جماعتیں جو دین کی یہ خصوصی خدمت کرے وہی مجدد ہے، جیسے ایک زمانہ میں حضرت سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اسلام سے اکبری بدعات کو دور فرمایا اور جیسے قطب الوقت حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ یا اس زمانہ میں عالم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کہ انہوں نے اپنی زبان اور قلم سے حق و باطل کو چھانٹ کر رکھ دیا۔

روایت ہے حضرت ابراہیم ابن عبدالرحمان عذری سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس علم کو ہر پچھلی جماعت میں سے پرہیزگار لوگ اٹھاتے رہیں گے ۲ جو غلو والوں کی تبدیلیاں اور جھوٹوں کی دروغ بیانیوں اور جاہلوں کی ہیر پھیر اس سے دور کرتے رہیں گے ۳ اسے بیہقی نے مدخل میں مرسلہ روایت کیا ۴ ہم حضرت جابر کی حدیث "فَأَنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ" الخ ان شاء اللہ تعالیٰ "باب التیمم" میں ذکر کریں گے۔

۱۔ عذری بنی خزافہ کا ایک قبیلہ ہے جو عذرہ ابن سعد کی اولاد میں ہے، غالباً یہ صحابی ہیں اور اگر تابعی ہیں تو یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ صحابی کا نام رہ گیا۔

۲۔ اس میں نبی بشارت ہے کہ تاقیامت میرے دین میں علمائے خیر پیدا ہوتے رہیں گے۔ جو علم دین کو پڑھتے پڑھاتے اور تبلیغ کرتے رہیں گے۔ خیال رہے کہ گزشتہ صالحین کو سلف اور پچھلوں کو خلف کہا جاتا ہے لہذا ہر جماعت صالحین اگلوں کے لحاظ سے خلف اور پچھلوں کے لحاظ سے سلف ہے۔

۳۔ یعنی مسلمانوں میں بعض جاہل علماء کی شکل میں نمودار ہو کر قرآن و حدیث کی غلط تاویلیں اور معنوی تحریفیں کر دیں گے وہ مقبول جماعت ان تمام چیزوں کو دفع کرے گی۔ الحمد للہ! آج تک ایسا ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہوگا۔ دیکھ لو علمائے دین کی سرپرستی نہ حکومت کرتی ہے نہ قوم لیکن پھر بھی یہ جماعت پیدا ہو رہی ہے اور خدمت دین برابر کر رہی ہے۔ بَارَكَ اللهُ فِيهِمْ!

۴۔ معلوم ہوا کہ ابراہیم ابن عبدالرحمن تابعی ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت حسن سے ۱ مرسل فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے موت اس حال میں آئے کہ وہ اسلام زندہ کرنے کے لیے علم سیکھ رہا ہو ۲ تو جنت میں اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک درجہ ہوگا ۳ (داری)

۱۔ فن حدیث میں جب حسن مطلق بولا جائے تو اس سے خواجہ حسن بصری مراد ہوتے ہیں۔ آپ کے والد کا نام ابو سعید ہے، وہ زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، ان کے والد یسار کو رنج بنت نظیر نے آزاد کیا تھا، خواجہ حسن بصری مدینہ منورہ میں عہد فاروقی میں فاروق اعظم کی شہادت سے دو سال پہلے پیدا ہوئے، حضرت عمر فاروق نے اپنے دست مبارک سے ان کی تحنیک (یعنی پہلا پیہہ) کی۔ آپ کی والدہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی لونڈی تھیں، بارہا حضرت ام سلمہ نے ان کی والدہ کی غیر موجودگی میں ان کو اپنا شیر مبارک پلایا ہے، اسی کی برکت سے آپ اتنے بڑے عالم اور امام وقت ہوئے، شہادت عثمان کے بعد بصرے آگئے تھے، آپ نے بہت صحابہ سے ملاقات کی ہے، اپنے وقت کے امام بڑے متقی پرہیزگار تھے۔ رجب ۱۰ھ میں مقام بصرہ میں آپ کا وصال ہوا وہاں مدفون ہیں، آپ کی قبر شریف زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ (اکمال) فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔

۲۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ طالب علم ہے جو عالم دین نہ بن سکا پہلے ہی موت آگئی جب اس کی یہ فضیلت ہے تو علمائے دین کا کیا پوچھنا یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عالم دین ہیں مگر علم سے سیر نہیں ہوتے ہمیشہ مطالعہ کتب صحبت علماء سے اپنا علم بڑھاتے رہتے ہیں اور ہمیشہ اپنے کو طالب علم سمجھتے رہتے ہیں اور یہ سب کچھ خدمت دین کی نیت سے کرتے ہیں۔

۳۔ یعنی انہیں انبیاء سے بہت قرب نصیب ہو گا کہ اعلیٰ علیین میں وہ حضرات ان کے نیچے یہ علماء کیونکہ یہ دنیا میں وارثین انبیاء تھے۔ خیال رہے کہ بعض مؤمن جنت میں انبیاء کے ساتھ رہیں گے۔ رب فرماتا ہے: "فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ" الایہ مگر یہ ہمراہی ایسی ہوگی جیسے بادشاہ کے خدام خاص اس کے ساتھ کوٹھی میں رہتے ہیں کہ یہ بادشاہ نہیں بن جاتے ایسے ہی یہ حضرات نبی کے درجہ پر نہ ہوں گے بلکہ خادم خاص لہذا حدیث اور آیات قرآنی بالکل واضح ہیں۔

روایت ہے انہی سے مرسلًا فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو شخصوں کے بارے میں پوچھا گیا جو بنی اسرائیل میں تھے ایک تو عالم تھا ۲ جو صرف فرائض پڑھتا تھا پھر بیٹھ جاتا تھا۔ لوگوں کو علم سکھاتا ۳ اور دوسرا دن کو روزہ رکھتا رات بھر عبادت میں کھڑا رہتا ۴ ان دونوں میں بہتر کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عالم جو صرف فرض نماز پڑھ کر بیٹھ جاتا پھر لوگوں کو علم دین سکھاتا اس کی بزرگی اس عابد پر جو دن کو روزہ اور رات کو قیام کرتا ۵ ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنیٰ پر ۶ (دارمی)

۱۔ خواجہ حسن بصری صحابی کا ذکر یا تو اس لیے چھوڑتے ہیں کہ حدیث کے راوی بہت صحابہ ہوتے ہیں کس کس کا نام لیں یا اس لیے کہ انہیں حدیث کی صحت پر یقین ہوتا ہے۔ غرض کہ ان جیسے بزرگوں کا ارسال معتبر ہے اور ان کی مرسل روایتیں مقبول۔ (ازمرقاۃ)

۲۔ یعنی اس کا علم عبادت پر غالب تھا اور زیادہ اوقات علمی خدمات میں گزرتے تھے، جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ یا تو ان دو شخصوں کے واقعے عرب میں مشہور تھے یا حضور نے ہی بیان فرمائے ہوں گے۔

۳۔ علم سے علم دین مراد ہے خواہ پڑھاتا تھا یا دینی کتب تصنیف کرتا تھا یا دونوں کام۔



یعنی صائم الدھر اور قائم اللیل تھا شاید ان کے دین میں یہ جائز ہوگا، اسلام میں سال میں پانچ روزے حرام ہیں شوال کی پہلی اور بقرعید کی دسویں سے تیرھویں تک۔

۵۔ جواب میں اتنی دراز عبادت کا فرمانا عالم کی شان لوگوں کے ذہن نشین کرانے کے لئے ہے ورنہ اتنا کافی تھا کہ پہلا دوسرے سے افضل ہے۔

۱۔ اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ یہ مثال نوعیت کے بیان کے لئے ہے، یعنی جس قسم کی بزرگی مجھ کو تم پر حاصل ہے اس قسم کی بزرگی عالم کو عابد پر ہے جیسے رب نے فرمایا: "مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوَةٍ" الایہ، لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ عالم نبی کے برابر ہو جائے۔ خیال رہے کہ علم دین یا فرض عین ہے یا فرض کفایہ اور زیادہ عبادت نفل ہے، نیز عالم کا نفع مخلوق کو ہے اور عابد کا نفع صرف اپنے کو، لہذا عالم عابد سے افضل ہے۔ آدم علیہ السلام عالم تھے، فرشتے لاکھوں سال کے عابد مگر سجدہ عابدوں نے عالم کو کیا۔

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عالم دین بہت اچھا ہے اگر اس کی ضرورت پڑے تو نفع پہنچادے اگر اس سے بے پرواہی ہو تو اپنے کو بے نیاز رکھے! (رزین)

۱۔ یعنی نہ متکبر بنے نہ محتاج لوگوں کی ضرورت پر دل و جان سے حاضر ہو جائے اور جب لوگ اسے نہ چاہیں ان پر نہ گرسے، امیر غریب کے دروازے پر بہتر، مگر غریب امیر کے دروازے پر برا۔ مرقاۃ میں ہے کہ عابد باعمل کا چرچہ ملکوت میں ہوتا ہے، فرشتے اسے عظیم کہتے ہیں یعنی بڑا آدمی۔ خیال رہے کہ جس عالم میں تین باتیں جمع ہوں وہ زمانہ کا سردار ہوگا علم دین کامل، قناعت اور استغناء اعمال صالحہ۔

روایت ہے حضرت عکرمہ سے ۱۔ کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ لوگوں کو ہفتہ میں ایک دفعہ وعظ سناؤ اگر نہ مانو دو دفعہ اگر بہت ہی کرو تو تین بار اس قرآن سے لوگوں کو اتنا نہ دو ۲۔ میں تمہیں ایسا ہرگز نہ پاؤں کہ تم کسی قوم پر پہنچو جو اپنی کسی بات میں مشغول ہوں تو وعظ شرع کر کے ان کی بات کاٹ دو کیونکہ تم انہیں اتنا دو گے بلکہ خاموش رہو جب وہ خود عرض کریں تو انہیں حدیث سناؤ کہ وہ شوق رکھتے ہوں ۳۔ اور خیال رکھنا کہ دعا میں قافیہ دار عبارت سے بچنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو ایسا نہ کرتے ہوئے پایا ۴۔ (بخاری)

۱۔ آپ کا نام عکرمہ کنیت ابو عبداللہ، بربر کے رہنے والے ہیں، حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں، مکہ مکرمہ کے فقیہ ترین تابعی ہیں، آپ کی وفات ۷۰ھ میں ہوئی اسی ۸۰ سال عمر پائی۔ (انمال) عکرمہ ابن ابوجہل اور ہیں جہاں عکرمہ مطلق آتا ہے وہاں آپ ہی مراد ہوتے ہیں۔

۲۔ یعنی روزانہ وعظ نہ سناؤ ہفتہ میں ایک یا دو یا تین بار سناؤ، پھر بھی اتنی دیر وعظ نہ کہو کہ لوگ سیر ہو جائیں بلکہ ان کا شوق باقی ہو کہ ختم کردو۔ سبحان اللہ! کیا نفیس ٹریننگ ہے ان حضرات کی مجلسیں گویا نارمل اسکول بھی تھیں جن میں سیکھنا سکھانا سب بتایا جاتا تھا۔ اس سے بلا ضرورت چار چار گھنٹے وعظ کہنے والے واعظین عبرت پکڑیں۔ خیال رہے کہ یہ ارشاد وہاں ہے جہاں لوگ اکتاتے ہوں لیکن اگر شائق ہیں تو نہ روز وعظ کرنا برانہ دیر تک، مدرسوں میں تعلیم القرآن کے درس روزانہ ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فجر سے مغرب تک وعظ فرمایا، عالم کو چاہیے کہ لوگوں کے شوق کا اندازہ رکھے۔

۳۔ یہ دوسری نصیحت ہے جس پر واعظ کو کار بند رہنا چاہیے کہ جہاں لوگ کلام یا کام میں مشغول ہوں تو انکے کلام و کام بند نہ کردو۔ وعظ شروع نہ کر دو کہ اس صورت میں اگرچہ وہ کچھ نہ کہیں مگر دل میں تکلیف محسوس کریں گے، نیز اس میں علم اور عالم کی اہانت بھی ہے۔ اس سے وہ واعظین عبرت پکڑیں جو تیز لاؤڈ سپیکروں پر آدھی آدھی رات تک تقریریں کر کے مزدوروں، بیماروں کو پریشان کرتے ہیں، ساری بستی کو جگاتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ پھر عوام حکومت کو درخواستیں دیتے ہیں جس پر دفعہ ۱۳۳ نافذ کی جاتی ہے۔ کتنی بڑی ذلت اور علم کی توہین ہے اگر یہ واعظین اسی فرمان پر عمل کرتے تو یہ نوبت کیوں آتی۔ حکام اور افسران خود ان سے علم سیکھنے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

۴۔ یعنی دعاؤں میں بتکلف مقفی عبارت مت استعمال کرو کیونکہ خشوع و خضوع نہ رہے گا دھیان اچھی عبادت بنانے پر رہے گا اس بارگاہ عالی پر مجزو نیاز دیکھا جاتا ہے نہ کہ زبان کی ادبیت۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر دعائیں مقفے ہیں، مگر یہ تکلف سے نہیں بنائی گئیں بلکہ اس افصح الفصحاً کی زبان مبارک سے بے تکلف اور بے بناوٹ ادا ہوئی ہیں، لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں یہاں تکلف کی ممانعت ہے۔ شعر

اس کی دل کش بلاغت پہ لاکھوں سلام

اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود

بے تکلف ملاحت پہ لاکھوں سلام

بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود

اچھی اچھی اشارت پہ لاکھوں سلام

میٹھی میٹھی عبارت پہ شیریں درود

روایت ہے حضرت وائلہ ابن اسقع سے افرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو علم طلب کرے پھر پا بھی لے تو اسے ثواب کا دوہرا حصہ ہے لیکن اگر نہ پاسکے تو اسے ثواب کا اسیسرا حصہ ہے (دارمی)

۱۔ آپ قبیلہ بنی لیث سے ہیں، غزوة تبوک کے موقع پر اسلام لائے، تین سال حضور کی خدمت کی، اہل صفہ سے تھے، حضور کے بعد اوائی بصرے میں پھر شام کی بستی بلاط میں رہے جو دمشق سے تین کوس دور ہے۔ سو سال کی عمر میں بیت المقدس میں وفات پائی، وہیں دفن ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔

۲۔ ایک علم طلب کرنے کا، دوسرا پالینے کا کیونکہ یہ دونوں عبادتیں ہیں۔

۳۔ یا تو زمانہ طالب علمی میں مرجائے تکمیل کا موقع نہ ملے یا اس کا ذہن کام نہ کرے مگر وہ لگا رہے تب بھی ثواب پائے گا۔ جیسے مجتہد اگر صحیح اجتہاد کرے تو دوبرا ثواب اور اگر غلطی کرے تو ایک اجر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اعمال و نیکیاں مومن کو بعد موت بھی پہنچتی رہتی ہیں ان میں سے وہ علم ہے جسے یکھا گیا اور پھیلایا گیا۔ اور نیک اولاد جو چھوڑ گیا۔ یا قرآن شریف جس کا وارث بنا گیا۔ یا مسجد یا مسافر خانہ جو بنا گیا۔ یا نہر جو جاری کر گیا یا خیرات جسے اپنے مال سے اپنی تندرستی و زندگی میں نکال گیا۔ کہ یہ چیزیں اسے مرے بعد بھی پہنچتی رہتی ہیں۔ (ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان)

۱۔ زبان سے یا قلم سے کہ اپنے کامل شاگرد اور بہترین تصنیفات چھوڑیں، جب تک مسلمان ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے، اسے ثواب پہنچتا رہے گا۔

۲۔ خواہ اولاد کو نیک بنا کر گیا یا اس کے مرنے کے بعد اولاد نیک ہو گئی دونوں صورتوں میں اسے ثواب ملتا رہے گا۔

۳۔ اس طرح کہ اپنے ہاتھ سے قرآن لکھ کر یا خرید کر چھوڑ گیا اسی حکم میں تمام دینی کتب ہیں۔

۴۔ کوشش سے یا اپنے پیسہ یا اپنے ہاتھ سے، اسی حکم میں مدرسے اور خانقاہیں بھی ہیں۔

۵۔ تندرستی کی اس لیے قید لگائی کہ مرض الموت میں خیرات کرنے کا آدھا ثواب ہے کیونکہ اس وقت خود اپنے کو مال کی حاجت نہیں رہتی اس میں تمام صدقہ جاریہ آگئے جیسے کنویں کھدوانا، نلکے لگوانا، ہسپتال بنا جانا وغیرہ۔

۶۔ بعض تا قیمت بعض اس سے کم، جس قدر صدقہ کا بقا اسی قدر اس کا اجر۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے مجھے وحی فرمائی کہ جو تلاش علم میں ایک راہ چلا تو میں اس پر جنت کا ایک راہ آسان کردوں گا۔ اور جس کی دو پیاری چیزیں میں لے لوں تو اس کو جنت دوں گا۔ اور علم کی زیادتی عبادت کی زیادتی سے بہتر ہے۔ کارخانہ دین کا نظام پرہیزگاری ہے۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱۔ بطریق الہام یا بذریعہ حضرت جبریل کہ مضمون رب کی طرف سے الفاظ حضور کے اسی کو وحی عَیْبُو مَتْلُو کہتے ہیں۔ حدیث قدسی اور قرآن میں یہی فرق ہے کہ قرآن کی عبارت اور مضمون سب رب کی طرف سے ہے۔

۲ یعنی جو کسی ذریعہ سے علم طلب کرے خواہ اس کے لیے سفر کرے یا دینی کتابوں کا مطالعہ رکھے وغیرہ اسے دنیا میں عبادت معرفت وغیرہ جنت کے راستوں کی توفیق ملے گی یا قیامت میں اسے پل صراط سے گزرنا، جنت میں پہنچنا آسان ہوگا۔ مراقا نے فرمایا کہ علم کے بغیر جنت کے تمام دروازے بند ہیں، علم دین ان دروازوں کی چابی ہے۔

۳ یعنی میں جس کی آنکھیں بیکار کر کے نابینا کر دوں اور وہ اس پر صابر شاکر رہے تو اس صبر پر جنت ملے گی۔ معلوم ہوا کہ دنیوی تکالیف خدا کی رحمتوں کا ذریعہ ہیں بشرط صبر۔

۴ یعنی علم کی تھوڑی زیادتی عبادت کی بہت سی زیادتی پر افضل ہے۔ (اشعری)

۵ خیال رہے کہ زہد اور تقویٰ سے ورع افضل ہے۔ حرام، شبہات، طمع اور ریا سے بچنا ہر قسم کی عبادت کرنا ورع ہے۔ صرف حرام سے بچنا تقویٰ، غیر متقی آدمی اپنے دین کا انتظام قائم نہیں رکھ سکتا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رات میں ایک گھڑی علم کا درس تمام رات بیداری سے افضل ہے! (دارمی)

۱ ایسے ہی دن میں کچھ دیر علم کا مشغلہ تمام دن کی عبادت سے افضل ہے۔ عبادت سے نفلی عبادت مراد ہیں یہ مطلب نہیں کہ فرائض چھوڑ کر علم سیکھے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم دین کی نیند بھی عبادت ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن سے فقہ سیکھنا افضل۔ ان دونوں کا ماخذ یہ حدیث ہے اس کی وجہ ہم بارہا بیان کر چکے عالم تھوڑی عبادت پر جاہل کی بڑی عبادت سے زیادہ ثواب حاصل کر لیتا ہے۔

لطیفہ: ایک بزرگ پٹنہ سے حج بیت اللہ کے لیے پایادہ ہر پانچ قدم پر دو نفل پڑھتے چلے، دس سال میں گجرات پہنچے ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اگر آپ ہوائی جہاز سے ایک رات میں مکہ معظمہ پہنچ جاتے اور اتنے نوافل وہاں پڑھتے تو ہر رکعت پر ایک لاکھ کا ثواب پاتے۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں دو مجلسوں پر گزرے! تو فرمایا کہ یہ دونوں بھلائی پر ہیں مگر ایک مجلس دوسری سے بہتر ہے! لیکن یہ لوگ اللہ سے دعا کر رہے ہیں اس کی طرف راغب ہیں اگر چاہے انہیں دے چاہے نہ دے! لیکن وہ لوگ فقہ و علم خود سیکھ رہے ہیں ناواقفوں کو سکھا رہے ہیں وہ ہی افضل ہیں! میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں پھر آپ انہیں میں تشریف فرما ہوئے! (دارمی)

۱ یعنی مسجد نبوی شریف میں صحابہ کی دو جماعتیں دو گوشوں میں تھیں، ایک گوشہ میں ایک جماعت نوافل و تلاوت وغیرہ عبادت کر رہی تھی، دوسرے گوشہ میں دوسری جماعت علمی گفتگو اور سیکھے سبق کی تکرار کر رہی تھی، حضور نے ان دونوں کو ملاحظہ فرمایا۔

۲ یعنی مجلس علم مجلس عبادت سے افضل ہے اسکی وجہ آگے آرہی ہے۔

سے عابدوں کی محنت اپنی ذات کے لیے ہے جس کی قبولیت اور ثواب یقینی نہیں کیونکہ یہ اللہ کے کرم پر موقوف ہے اس نے ان چیزوں کا وعدہ نہیں فرمایا۔ اس حدیث میں معتزلہ کا کھلا ہوا رد ہے کہ وہ عبادت کا ثواب واجب اور ضروری جانتے ہیں۔ خیال رہے کہ آیت کریمہ "ادْعُونِي أَسْتَجِبْ" کے معنی یہ ہیں کہ تم مجھے پکارو میں جواب دوں گا یا تم مجھ سے دعا کرو ثواب دوں گا قبولیت دعا کا وعدہ نہیں، لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

یعنی اپنے لیے کچھ نہیں مانگتے دین پھیلا رہے ہیں انکی خدمت یقینی قابل قدر ہے۔ خیال رہے کہ بے عمل عالم اس اندھے چراغ والے کی طرح ہے جو اپنے چراغ سے خود فائدہ نہ اٹھائے مگر لوگ فائدہ اٹھالیں لیکن غیر مقبول عبادت بالکل ہی بیکار جس سے کسی کو فائدہ نہیں، لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں بے عمل عالم ایسا ہی ہے جیسے بیمار طبیب اوروں کا علاج کر دے۔

۵۔ سبحان اللہ! مجلس علم کیسی بابرکت ہے اب بھی سرکار علماء ہی میں تشریف فرما رہتے ہیں انہیں مجلس علم میں ڈھونڈو۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اول درجہ کے عابد بھی ہیں لیکن حضور کی عبادت عملی تعلیم ہے۔ لہذا آپ نماز پڑھتے ہوئے بھی معلم ہیں اور حضور کی تشریف آوری کا اصل مقصد تعلیم ہے رب فرماتا ہے: "وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ"۔

روایت ہے حضرت ابو درداء سے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اس علم کی حد کیا ہے جہاں انسان پہنچے تو عالم ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو میری امت پر چالیس احکام دین کی حدیثیں حفظ کرے اسے اللہ فقیر اٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کا شفع و گواہ ہوں گا!

۱۔ اس حدیث کے بہت پہلو ہیں: چالیس حدیثیں یاد کر کے مسلمان کو سنانا، چھاپ کر ان میں تقسیم کرنا، ترجمہ یا شرح کر کے لوگوں کو سمجھانا، راویوں سے سن کر کتابی شکل میں جمع کرنا، سب ہی اس میں داخل ہیں۔ یعنی جو کسی طرح دینی مسائل کی چالیس حدیثیں میری امت تک پہنچا دے تو قیامت میں اس کا حشر علمائے دین کے زمرے میں ہوگا اور میں اس کی خصوصی شفاعت اور اس کے ایمان اور تقویٰ کی خصوصی گواہی دوں گا ورنہ عمومی شفاعت اور گواہی تو ہر مسلمان کو نصیب ہوگی۔ اسی حدیث کی بنا پر قریباً تمام محدثین نے جہاں حدیثوں کے دفتر لکھے وہاں علیحدہ چہل حدیث جسے "اربعینہ" کہتے ہیں جمع کیں۔ امام نووی اور شیخ عبدالحق دہلوی کی اربعینات مشہور ہیں۔ فقیر نے بھی اپنی کتاب "سلطنت مصطفیٰ" میں چالیس حدیثیں جمع کی ہیں۔

روایت ہے انس بن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم جانتے ہو کہ بڑا سخی کون ہے عرض کیا اللہ رسول جانیں! فرمایا اللہ تعالیٰ بڑا جواد ہے ۲ پھر اولاد آدم میں میں بڑا سخی داتا ہوں ۳ اور میرے بعد بڑا سخی وہ شخص ہے جو علم سیکھے پھر اسے پھیلانے ۴ وہ قیامت میں اسیلا امیر یا فرمایا ایک جماعت ہو کر آئے گا ۵

۱۔ یہ صحابہ کا ادب ہے کہ نہ تو "لا" کہانہ "بلی" کہ ہاں جانتے ہیں تاکہ حضور پر پیش قدمی نہ ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو اللہ سے ملا کر ذکر کرنا اور دونوں ہستیوں کے لیے ایک ہی صیغہ لانا جائز ہے رب فرماتا ہے: "أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ" لہذا یہ کہہ سکتے ہیں اللہ رسول علیم وخبیر ہیں۔ اللہ رسول نے غنی کر دیا، اللہ رسول بھلا کریں وغیرہ۔

۲۔ مجاورۃ عرب میں عموماً سخی اسے کہتے ہیں جو خود بھی کھائے اوروں کو بھی کھلائے۔ جوآد وہ جو خود نہ کھائے اوروں کو کھلائے اسی لیے اللہ تعالیٰ کو سخی نہیں کہا جاتا ہے۔ سخی کے مقابل بخیل ہے جو خود کھائے اوروں کو نہ کھلائے۔ جوآد کا مقابل مُبْسِكٌ ہے جو نہ کھائے نہ کھانے دے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام دنیوی اخروی نعمتیں دنیا کے لیے ہیں اس کے لیے نہیں۔

۳۔ یہ ارشاد فخرًا نہیں شکرًا ہے حضور ساری خلقت سے بڑے سخی ہیں چونکہ انسان اشرف المخلوق ہے اس لیے اس کا ذکر فرمایا حضور جوآد الہی کے مظہر ہیں، رب کی ساری ظاہری و باطنی نعمتیں حضور کے ہاتھوں غلق کو ملتی ہیں۔ خود فرماتے ہیں اللہ دیتا ہے میں بانٹنے والا ہوں، اس حدیث میں اللہ تعالیٰ اور حضور کی سخاوتیں بغیر قید ذکر ہوئیں ہیں اور ظاہر ہے کہ سخی وہی ہوگا جو مالک بھی ہو لہذا حضور مالک کوئین ہیں۔

۴۔ یہاں رتبہ کے بعدیت مراد ہے نہ کہ زمانہ کی، لہذا اس میں صحابہ کرام اور تاقیامت علماء داخل ہیں، یعنی میری سخاوت کے بعد عالم دین کا درجہ ہے کہ مال کی سخاوت سے علم کی سخاوت افضل ہے اور کیوں نہ ہو کہ حضور ابر رحمت ہیں، علمائے دین اس کا تالاب۔ خیال رہے کہ علماء کی سخاوت میں علم کی قید ہے حضور کی سخاوت بے قید، علم پھیلانا خواہ درس تدریس کے ذریعہ ہو یا تصنیف کے ذریعہ۔

۵۔ یعنی اس دن عالم دین امام ہوگا اور سارے عابد نمازی شہید وغیرہ اس کے ماتحت کیونکہ جس نے جو نیکی کی عالم کے بتانے سے کی یا ایک عالم کو سارے مسلمانوں کے برابر ثواب ملے گا سب کے حج جہاد وغیرہ میں اس کا حصہ ہوگا یہ مطلب ہے امت واحدا ہونے کا، رب فرماتا ہے: "إِنَّ أَجْرَهُمْ كَانَ أُمَّةً"۔

روایت ہے انہی سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو حرلیص سیر نہیں ہوتے ایک علم کا حرلیص جو اس سے سیر نہیں ہوتا اور دنیا کا حرلیص اس سے سیر نہیں ہوتا۔ یہ تینوں حدیثیں بیہتی نے شعب الایمان میں روایت کیں اور فرمایا کہ امام احمد نے ابوالدرداء کی حدیث کے بارے میں فرمایا کہ لوگوں میں اس کا متن مشہور ہے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں ۲۔

۱۔ حرص کے معنی ہیں ہمیشہ زیادتی کی خواہش، دنیاوی حرص بری ہے دینی حرص اچھی، عالم کو علم سے کبھی سیری نہیں ہوتی یہ اللہ کی نعمت ہے، رب فرماتا ہے: "قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا" دنیا دار دنیا سے سیر نہیں ہوتا، جیسے جَلَدَنْدَهْر کا بیمار پانی سے۔ خیال رہے کہ یہ سب اپنے لیے ہیں، حضور امت کے لیے یہ ان سے لے کر سیر نہیں ہوتے حضور دے کر سیر نہیں ہوتے، رب فرماتا ہے: "حَرِيْبُصٌ عَلَيَّكُمْ" لفظ ایک ہے معنی علیحدہ۔

۲ امام نووی نے اپنی چہل حدیث میں فرمایا کہ ابوالدرداء کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے جو ساری ضعیف ہیں مگر اسنادوں کی کثرت اور علماء کے قبول کر لینے کی وجہ سے حدیث قوی ہوگی، کیونکہ تعدد اسناد سے ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ نیز فضائل اعمال میں حدیث ضعیف مقبول ہے۔ (ازمرقاۃ واشعۃ المعات)

روایت ہے حضرت عون سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا حضرت عبداللہ ابن مسعود نے کہ دو حریص سیر نہیں ہوتے علم والا اور دنیا والا مگر دونوں برابر نہیں ۲ علم والا تو اللہ کی رضا مندی بڑھا لیتا ہے اور دنیا والا سرکشی میں بڑھ جاتا ہے ۳ پھر حضرت عبداللہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی خبردار ہو یقیناً انسان سرکشی کرتا ہے اس لیے کہ اپنے کو بے پرواہ جانتا ہے فرماتے ہیں اور دوسرے کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں اللہ سے علماء ہی ڈرتے ہیں ۴ (داری)

۱ آپ تابعی ہیں آپ نے حضرت ابن عباس، ابن مسعود، ابومریرہ سے روایتیں لیں اور آپ سے امام زہری اور امام ابوحنیفہ نے روایتیں لیں۔

۲ مَنَّهُمْ مَنَّهُمْ سے ہے بمعنی کھانے کی زیادہ رغبت، یعنی طالب علم اور طالب دنیا حریص دونوں ہیں مگر انجام میں فرق ہے۔  
۳ صوفیاء کی اصطلاح میں دنیا وہ ہے جو رب سے غافل کرے۔ منافقوں کی نماز دنیا تھی اور عثمان غنی کا مال عین دین، وہی یہاں مراد ہے۔ لہذا حضرت سلیمان، عثمان غنی اور امام ابوحنیفہ جیسے مالداروں کو دنیا دار نہیں کہا جاسکتا، ان کا مال رضائے رحمان کا ذریعہ ہے۔  
۴ یعنی یہ میں محض اپنے رائے سے نہیں کہتا بلکہ رب تعالیٰ نے دنیا دار کے مال کو زیادتی طغیان اور عالم کے علم کو زیادتی رحمت کا سبب بتایا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کے کچھ لوگ علم دین سیکھیں گے اور قرآن پڑھیں گے کہیں گے کہ ہم امیروں کے پاس جائیں ان کی دنیا لے آئیں اپنا دین بچالائیں ۱ لیکن ایسا نہ ہو سکے گا جیسے ببول کے درخت سے کانٹے ہی چنے جاتے ہیں ایسے ہی امیروں کے قرب سے (محمد ابن صباح نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ) خطائیں ہی چنی جائیں گی ۲ (ابن ماجہ)

۱ یعنی بعض علماء و قاری صاحبان بلا ضرورت طمع نفسانی کی خاطر اور مال و عزت حاصل کرنے کے لیے فاسق مالداروں اور حکام کے پاس جانا آنا و نشست و برخاست رکھیں گے محض دنیا کی غرض سے۔

۲ ہماری شرح سے معلوم ہو گیا کہ امیروں سے فاسق اور بے دینی امیر مراد ہیں ان کے پاس علماء کا آنا جانا دین کے لیے خطرناک ہے کہ وہ ان سے اپنی مرضی کے مطابق غلط فتوے حاصل کرتے ہیں جیسے کہ آج دیکھا جا رہا ہے کہ فاسق مالدار انتخاب کے موقعوں پر ووٹوں کے لیے عالموں اور پیروں کو ناجائز استعمال کر لیتے ہیں۔ دین دار امیروں کے پاس دینی فائدے کے لیے علماء کا جانا جائز بلکہ بڑا فائدہ مند ہے۔ یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے افسر مال رہے، آپ کی برکت سے عزیز کو ایمان اور دنیا کو قحط سے امان مل گئی۔ قاضی امام یوسف ہارون رشید بادشاہ کے قاضی القضاة رہے، آپ کی برکت سے بادشاہ کو تقویٰ نصیب ہوا اور دنیا علم سے مالا مال ہو گئی۔ یہ واقعات اس حدیث کے خلاف نہیں، محمد ابن مسلمہ فرماتے ہیں کہ پاخانہ پر بیٹھنے والی مکھی امیروں اور حاکموں کے دروازہ پر جانے والے عالم و قاری سے اچھی ہے کہ وہ نجاست لے کر آتی ہے اور یہ دین دیکر اور ظلم لیکر آتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ اگر علماء علم محفوظ رکھتے اور اسے اہل ہی پر پیش کرتے ۲ تو اس کی برکت سے اپنے زمانہ والوں کے سردار ہو جاتے ۳ مگر انہوں نے علم دنیا داروں کے لیے خرچ کیا تاکہ اس سے ان کی دنیا کمائیں اس سے وہ ان پر ہلکے ہو گئے ۴ میں نے تمہارے نبی کو فرماتے سنا کہ جو تمام غموں کو ایک آخرت کا غم بنا لے اللہ اسے دنیا کے غموں سے کافی ہوگا اور جسے دنیا کے غم ہر طرف لیے پھریں تو اللہ اس کی پروا بھی نہ کرے گا کہ کون سے جنگل میں ہلاک ہوا ۵ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۱ یعنی علم کو ذلت اور اہانت سے بچاتے اس طرح کہ خود طمع اور لالچ میں دنیا داروں کے دروازے پر دھکے نہ کھاتے کہ عالم کی ذلت سے علم کی ذلت ہے اور علم کے بے حرمتی دین کی ذلت ہے۔  
۲ یعنی قدر دانوں اور شریف الطبع لوگوں کو علم سکھاتے۔

۳ اس طرح کہ بادشاہ ان کے قدموں کے نیچے اور ان کے احکام ان کے قلموں کے نیچے ہوتے ہیں رب کا وعدہ ہے: "وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ"

۴ معلوم ہوتا ہے کہ تابعین میں لالچی اور حریص عالم پیدا ہو چکے تھے، جنہیں دیکھ کر صحابہ یہ فرما رہے ہیں۔

۵ سبحان اللہ! تجربہ بھی اس حدیث کی تائید کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو دو غم اور دو فکریں نہیں دیتا، جس دل میں آخرت کا غم و فکر ہے ان شاء اللہ اس میں دنیا کا غم و فکر نہیں آتا دنیاوی تکلیفیں اگر آ بھی جائیں تو دل ان کا اثر نہیں لیتا۔ کلورا فارم سنگھا دینے سے آپریشن کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ غم آخرت نصیب کرے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیہی کلورا فارم سو گئے ہوئے تھے جس کی وجہ سے کربلا کی مصیبتیں خندہ پیشانی سے جھیل گئے۔

اور بیہتی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے جہاں



سے روایت کی مَنْ جَعَلَ اِلٰہِ رُوَایْتِ هِیَ۔

روایت ہے حضرت اعمش سے! فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم کی آفت بھول جانا ہے اور اس کی بربادی یہ ہے کہ نااہل پر بیان کرو ۲۔ اسے دارمی نے مرسلًا روایت کیا۔

۱۔ آپ کا نام سلیمان، کنیت ابو محمد اسدی ہیں، کوفی ہیں، عظیم الشان تابعی ہیں، حضرت انس بن مالک سے ملاقات کی ہے، تیرہ سو ۳۰۰ حدیثیں آپ سے منقول ہیں، ۷۰ سال جماعت کی تکبیر اولیٰ سے نماز پڑھی، امام حسین کی شہادت کے دن پیدائش ہے، ۱۴۸ھ میں وفات ہوئی۔ آپ کو سید المحدثین کہا جاتا ہے لیکن مائل برنض تھے۔ (اشعة الملعات)

۲۔ یعنی جیسے مال و صحت بعض آفتوں سے برباد ہو جاتے ہیں ایسے ہی علم بھولنے سے برباد ہو جاتا ہے لہذا عالم کو چاہیے کہ علم کا مشغلہ رکھے، کتب بینی چھوڑ نہ دے، حافظہ کمزور کرنے والی عادتوں اور چیزوں سے بچے۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ چھ چیزیں حافظہ کمزور کرتی ہیں۔ چوہے کا جوٹھا کھانا، جوں پکڑ کر زندہ چھوڑ دینا، ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنا، علق گوند چبانا، کھٹا سیب کھانا، سیب کے چھلکے چبانا۔ (نوٹ) جو کوئی بعد نماز داہنا ہاتھ سر پر رکھ کر اکیس بار یا "قَوِّمُ" پڑھ کر دم کر لیا کرے ان شاء اللہ اس کا حافظہ قوی ہوگا۔ خیال رہے کہ یہاں نااہل سے وہ لوگ مراد ہیں جو علم کی باریکیاں سمجھ نہ سکیں یہ لوگ علم پڑھ کر دنیا میں فساد ہی پھیلائیں گے جیسا کہ آج مشاہدہ ہو رہا ہے۔

روایت ہے حضرت سفیان سے! کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب سے ۲ فرمایا کہ اہل علم کون لوگ ہیں فرمایا جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں فرمایا کہ علماء کے دل سے علم کس چیز نے نکال دیا فرمایا لالچ نے ۳۔ (دارمی)

۱۔ آپ کا نام سفیان ابن سعید ہے، قبیلہ ثور کے ہیں، کوفی ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں، آئمہ مجتہدین اور قطب عالمین میں سے ہیں ۹۹ھ میں پیدا ہوئے، ۱۶۱ھ میں بصرے میں وفات پائی۔

۲۔ آپ کا لقب کعب احبار ہے، توریت کے بڑے عالم تھے، بنی اسرائیل کے سردار تھے، حضور کا زمانہ پایا مگر دیدار نہ ہوا، عہد فاروقی میں اسلام لائے، حضرت عمر، صہیب و عائشہ صدیقہ سے روایتیں لیں خلافت عثمانیہ میں ۳۲ھ میں مقام حمص میں وفات پائی وہیں دفن ہوئے شاندار تابعی ہیں۔

۳۔ حضرت کعب احبار نے یہ دونوں باتیں غالباً توریت شریف سے دیکھ کر بیان فرمائیں۔ حضرت فاروق اعظم نے ہی پوچھا تھا کہ توریت میں کسے عالم کہا گیا ہے۔ علم نکل جانے سے مراد ہے علم کے انوار کا نکل جانا طمّاعی عالم حق بیان نہیں کر سکتا جیسا آج دیکھا جا رہا ہے۔

روایت ہے حضرت احوص ابن حکیم سے! وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے برائی کی بابت پوچھا ۲ تو فرمایا کہ مجھ سے برائی کی بابت نہ پوچھو بھلائی کے متعلق پوچھو تین بار فرمایا ۳ پھر فرمایا آگاہ رہو کہ بدترین شریر برے علماء ہیں اور اچھوں سے اچھے بہترین علماء ہیں ۴ (دارمی)

۱۔ تابعی ہیں، حضرت انس، عبداللہ ابن یسر سے ملاقات کی ہے، روایات میں ضعیف ہیں، ان کے والد حکیم ابن عمیر صحابی ہیں۔  
 ۲۔ یعنی گناہ اور اس کے اسباب کیا ہیں اور اس سے بچنے کا ذریعہ کیا۔ خیال رہے کہ نیکیاں کرنے کے لیے جاننا چاہئیں اور گناہ بچنے کے لیے، علماء فرماتے ہیں کہ کفریات بیکھنا فرض ہے تاکہ ان سے بچے۔  
 ۳۔ یعنی صرف برائیاں ہی نہ پوچھا کرو بھلائیاں بھی پوچھا کرو۔  
 ۴۔ کیونکہ عالم کے بگڑنے سے عالم بگڑ جاتا ہے اور عالم کے سنبھلنے سے عالم سنبھل جاتا ہے۔ عالم مسلمانوں کے جہاز کا کپتان ہے، تریگا سب کو لے کر اور ڈوبے گا تو سب کو لے کر، آج جتنے فرقے مسلمانوں میں بنے سب علماء سوء کی مہربانی سے اور اس کے باوجود اسلام اصلی رنگ میں موجود ہے علمائے خیر کی برکت سے۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدتر درجہ والا وہ عالم ہے جس کے علم سے نفع حاصل نہ کیا جائے! (دارمی)

۱۔ یعنی لوگ اس کے علم سے فائدہ نہ اٹھائیں نہ مسائل بیان کرے نہ کوئی دینی کتاب لکھی یا یہ مطلب ہے کہ خود نفع حاصل نہ کرے، یعنی عالم بے عمل، علم درخت ہے عمل اس کا پھل، بڑا بد نصیب وہ شخص ہے جو اپنے درخت کا پھل خود نہ کھائے، جاہل بے عمل کو ایک عذاب ہے اور عالم بے عمل کو سات گناہ عذاب جیسا کہ روایت میں ہے۔

روایت ہے حضرت زیاد ابن حدیر سے! فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر نے فرمایا کہ کیا جانتے ہو کہ اسلام کو کیا چیز ڈھاتی ہے ۲ میں نے کہا نہیں فرمایا اسلام کو عالم کی لغزش منافق کا قرآن میں جھگڑنا اور گمراہ کن سرداروں کی حکومت تباہ کرے گی ۳ (دارمی)

۱۔ آپ کی کنیت ابو مغیرہ ہے، قبیلہ بنی اسد سے ہیں، کوفہ کے رہنے والے ہیں، تابعی ہیں، حضرت عمرو علی سے احادیث لیں۔  
 ۲۔ یعنی اسلام کی عزت لوگوں کے دل سے دور کرتی ہے۔

۳۔ یعنی جب علماء آرام طلبی کی بنا پر کوتاہیاں شروع کر دیں، مسائل کی تحقیق میں کوشش نہ کریں، اور غلط مسئلے بیان کریں، بے دین علماء کی شکل میں نمودار ہو جائیں، بدعتوں کو سنتیں قرار دیں، قرآن کریم کو اپنی رائے کے مطابق بنائیں، اور گمراہ لوگوں کے حاکم بنیں

اور لوگوں کو اپنی اطاعت پر مجبور کریں تب اسلام کی ہیبت دلوں سے نکل جائے گی جیسا آج ہو رہا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ عالم کی لغزش سے مراد ان کا فسق و فجور میں مبتلا ہو جانا ہے عالم کا عمل بھی تبلیغ ہونا چاہیے۔

روایت ہے حضرت حسن سے فرماتے ہیں علم دو طرح کے ہیں ایک علم دل میں یہ علم فائدہ مند ہے۔ دوسرا علم صرف زبان پر یہ انسان پر اللہ کی حجت ہے۔ (دارمی)

۱ یعنی علم دین کی دو نوعیتیں ہیں: ایک وہ جس کا نور عالم کے دل میں اتر جائے جس سے قلب روشن اور قالب مطہ ہو جائے یہ علم عالم کو نفع دے گا اور دوسروں کو بھی، ایسے عالم کا وعظ بلکہ اس کی صحبت اکسیر ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ عالم کے دل میں خوف خدا اور محبت جناب مصطفیٰ آکھوں میں تری، زبان پر اللہ کا ذکر رہتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ علم بغیر تصوف فتنہ ہے اور تصوف بغیر علم بے دینی۔

۲ یعنی جب عالم صرف باتیں اچھی کرے مگر اس کا اپنا دل نور سے اور بدن اثر علم سے خالی ہو یہ علم قیامت میں عالم کے الزام کھا جانے کا ذریعہ ہوگا کہ رب فرمائے گا تو سب کچھ جانتا تھا پھر گمراہ اور بد عمل کیوں بنا؟ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس علم میں تصوف کی چاشنی نہ ہو وہ علم لسانی وارثت شیطانی ہے۔ آدم علیہ السلام کا علم قلبی تھا شیطان کا لسانی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن محفوظ کیے ایک تو تم میں پھیلا دیا اور دوسرا اگر اسے پھیلاؤں تو یہ کاٹ ڈالا جائے یعنی گلا۔ (بخاری)

۱ یعنی مجھے حضور سے دو قسم کے علم ملے، ایک علم شریعت جو میں نے تمہیں بتا دیا دوسرا علم اسرار و طریقت و حقیقت کہ اگر وہ ظاہر کروں تو عوام نہ سمجھیں اور مجھے بے دین سمجھ کر قتل کر دیں، یا ایک علم احکام دوسرے علم اخبار، جس میں ظاہر حاکموں اور بے دین سرداروں کے نام موجود ہیں اگر میں بتاؤں تو ان کی ذریت مجھے ہلاک کر دے۔ حضرت ابوہریرہ کبھی کنایہ اشارہ کچھ کہہ دیتے تھے۔ چنانچہ دعامانگا کرتے تھے کہ خدایا مجھے ۶۰ھ کے فتنوں اور لونڈوں کی حکومت سے پناہ دے۔ چنانچہ ۶۰ھ میں امیر معاویہ کی وفات ہوئی یزید پلید تخت نشین ہوا۔ اس دعا میں ان دو واقعات کی طرف اشارہ تھا، آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک سال قبل انتقال فرمایا۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ شرعی مسئلے بے دھڑک بیان کیئے جائیں مگر تصوف کے اسرار نااہل کو نہ بتائے جائیں۔ دوسرے یہ کہ غیر ضروری چیزیں جن کے اظہار سے فتنہ پھیلتا ہو ہرگز ظاہر نہ کی جائیں۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو علوم غیبیہ عطا فرمائے، حضور کے ذریعہ صحابہ کرام کو بھی، جب حضرت ابوہریرہ کے علم کا یہ حال ہے کہ حضرت خلفائے راشدین کے علوم تو ہماری سمجھ سے بالا ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ سے فرمایا اے لوگو! جو کوئی کچھ جانتا ہو تو بیان کر دے اور جو نہ جانتا ہو وہ کہہ دے اللہ جانے! کیونکہ علم یہ ہی ہے جسے تم نہ جانو تو کہہ دو اللہ جانے! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ فرمادو میں

نبوت پر تم سے اجرت نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں سے ہوں ۳ (مسلم، بخاری)

۱۔ یہ حدیث موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود کا اپنا فرمان۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی عالم اپنی بے علمی ظاہر کرنے میں شرم نہ کرے، اگر کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو تو گھڑ کر نہ بتائے ہماری بے علمی علم سے زیادہ ہے رب فرماتا ہے: "وَمَا أَوْتَيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا" فرشتوں نے عرض کیا تھا: "لَا عِلْمَ لَنَا" حضرت علی سے سرمنبر کوئی مسئلہ پوچھا گیا آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں، وہ گستاخ بولا کہ آپ بے علمی کے باوجود منبر پر کیوں کھڑے ہو گئے؟ آپ نے فرمایا کہ میں بقدر علم منبر پر چڑھا ہوں اگر بقدر جہالت چڑھتا تو آسمان پر پہنچ جاتا۔ (مرقاۃ)

۲۔ یعنی اپنی بے علمی جانتا بھی علم ہے، اپنی جہالت سے ناواقف ہونا جہل مرکب، مفتیان کرام فتوے کے آخر میں لکھتے ہیں "اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ" وہ یہاں سے اخذ ہے۔

۳۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اولین و آخرین سب سے بڑے عالم، تمام جہان کے معلم ہیں مگر انہیں حکم دیا گیا جس چیز کا علم آپ کو اب تک نہ دیا گیا ہو بتکلف نہ بتائیں۔ چنانچہ حضور سے اصحاب کہف کی تعداد پوچھی گئی نہ بتائی کیونکہ اس کا علم بعد میں عطاء ہوا، حضرت عمر سے سوال ہوا کہ فاکہہ اور اب (میوہ اور چارہ) میں کیا فرق ہے؟ فرمایا مجھے خبر نہیں، حضرت امام مالک نے چھتیس مسائل میں فرمایا کہ میں نہیں جانتا، حضرت امام ابوحنیفہ سے پوچھا گیا کہ دھڑ کیا چیز ہے فرمایا مجھے خبر نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن سیرین سے ۱۔ فرماتے ہیں کہ علم دین ہے لہذا غور کرو اپنا دین کس سے حاصل کرتے ہو ۲ (مسلم)

۱۔ آپ کا نام محمد ابن سیرین، کنیت ابو بکر ہے، شاندار تابعین میں سے ہیں، آپ کے والد سیرین حضرت انس کے آزاد کردہ غلام تھے، آپ بڑے عالم، فقیہ، علم تعبیر کے امام تھے، آپ کی عمر ۷۷ سال ہوئی، ۱۱۰ھ میں وصال ہوا، بصرہ سے تقریباً دس میل دور عشرہ میں خواجہ حسن بصری کے قبہ میں آپ کا مزار ہے، فقیر نے زیارت کی ہے۔

۲۔ یعنی علم شریعت علم دین جب بنے گا جب سکھانے والا استاد عالم دین ہوگا، بے دین عالم سے حاصل کیا ہوا علم بے دینی ہی دے گا، آج لوگ بے دینوں سے تفسیر و حدیث پڑھ کر بے دین ہو رہے ہیں، فرمان کے ساتھ فیضان ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے ۱۔ آپ نے فرمایا اے قاریوں کے گروہ سیدھے رہو کیونکہ تم بہت ہی پہلے ہو ۲۔ اگر تم ہی اٹھے سیدھے ہو گئے تو تم بڑی گمراہی میں پڑ جاؤ گے ۳ (بخاری)

۱۔ آپ کا نام حذیفہ ابن یمان ہے، کنیت ابو عبداللہ، آپ کے والد یمان کا نام جمیل تھا، لقب یمان، آپ حضور کے صاحب اسرار صحابی ہیں، آپ کو منافقین اور قیامت، ایک ایک فتنہ کا علم تھا، آپ کا وصال ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد مدائن میں ہوا، وہیں آپ کا مزار ہے۔ (اکمال، اشعۃ اللمعات)

۲ یعنی اے علماء صحابہ و تابعین تم عقائد اور اعمال میں درست رہو کیونکہ سارے مسلمانوں سے تم پہلے ہو جیسے تم ہو گے ویسے بعد کے مسلمان ہوں گے، وہ تمہارے نقش قدم پر چلیں گے اور تمہاری نقل کریں گے۔ خیال رہے کہ اس زمانہ میں علی العموم علماء قاری بھی ہوتے تھے اسی لیے انہیں "قراء" فرمایا گیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایک استقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں اے صحابہ! تم سارے مسلمانوں سے افضل ہو کہ کوئی شخص کتنا ہی عمل کرے تمہارے گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا، لہذا تمہارے اعمال سب سے اعلیٰ چاہئیں۔

۳ یعنی اگر تمہارے عقائد یا اعمال غلط ہو گئے تو تمہیں دیکھ کر ساری امت گمراہ ہو جائے گی لہذا تمہاری غلطی بڑی خطرناک ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غم کے کنوئیں سے اللہ کی پناہ مانگو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ غم کا کنوآں کیا ہے فرمایا دوزخ میں ایک جنگل ہے جس سے خود دوزخ روزانہ چار سو بار پناہ مانگتی ہے! (۴۰۰) عرض کیا یا رسول اللہ اس میں کون جائے گا؟ فرمایا اپنے اعمال میں دکھلاوا کرنے والے قاری ۲ اسے ترمذی نے روایت کیا یوں ہی ابن ماجہ نے اس میں یہ زیادہ ہے کہ خدا کو بہت ناپسند وہ قاری ہیں جو امیروں کی ملاقاتیں کرتے ہیں محاربی ظالم امیروں کی ۳

۱ یہ حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے چونکہ وہ جنگل بہت گہرا ہے اور وہاں سوائے غم کے اور کچھ نہیں اس لیے اسے غم کا کنوآں فرمایا گیا۔ دوزخ کی چار حدود ہیں، ہر حد روزانہ سو بار اس وادی سے پناہ مانگتی ہے یا تو وہاں پر مقرر کردہ فرشتہ زبانیہ اس سے پناہ مانگتے ہیں یا خود دوزخ کی آگ، ہر چیز میں شعور ہے جس سے وہ جانتی و پہچانتی ہے۔ خیال رہے کہ جیسے دنیا کی آگ کی گرمی مختلف ہے، گھاس پھوس کی آگ کم گرم، بول کی آگ بہت تیز، پٹرول سپرٹ کی آگ اور زیادہ تیز، بعض آگ لوہا و فولاد گلا دیتی ہے ایسے ہی دوزخ کی آگ بھی مختلف ہے۔

۲ یعنی وہ بے دینی علماء جو اچھے اعمال کے لباس میں لوگوں کے سامنے آئیں اور لوگوں کو گمراہ اور بے دین بنائیں۔

۳ تاکہ ان سے دولت لے کر ان کی بدکاریوں کو جائز ثابت کریں اور ظلم میں ان کے مددگار ہوں بلکہ چاپلوس عالم بھی خطرناک ہیں جو ہر جگہ پہنچ کر وہاں جیسا بن جائے۔ ہمارا اللہ، نبی، قرآن و کعبہ ایک، دین بھی ایک ہونا چاہیے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنقریب لوگوں پر وہ وقت آئے گا جب اسلام کا صرف نام اور قرآن کا صرف رواج ہی رہ جائے گا ۲ ان کی مسجدیں آباد ہوں گی مگر ہدایت سے خالی ۳ ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین خلق ہوں گے ان سے فتنہ نکلے گا اور انہیں میں لوٹ جائے گا ۴ اسے بیہوشی نے شعب الایمان

میں روایت کیا ہے۔

۱۔ اس طرح کہ مسلمانوں کے نام اسلامی ہوں گے اور اپنے کو مسلمان کہتے ہوں گے مگر رنگ ڈھنگ سب کافروں کے سے جیسا آج دیکھا جا رہا ہے، یا ارکان اسلام کے نام و شکل تو باقی رہیں گے مگر مقصود فوت ہو جائے گا، نماز کا ڈھانچہ ہوگا خشوع خضوع نہیں، زکوٰۃ دیں گے مگر قوم پروری ختم ہو جائے گی، حج کریں گے مگر صرف سیر کے لیے، جہاد ہوگا مگر صرف ملک گیری کے لیے۔

۲۔ رسم نقش کو بھی کہتے ہیں اور طریقہ کو بھی، یہاں دونوں معنی درست ہیں، یعنی قرآن کے نقوش کاغذ میں اور الفاظ زبان پر ہوں گے مگر احترام قلب میں اور عمل قالب میں نہ ہوگا یا رسمًا قرآن پڑھایا رکھا جائے گا، کچھریوں میں جھوٹی قسمیں کھانے کے لیے، اور گھروں میں میت پر پڑھنے کے لیے، عمل کیلئے عیسائیوں کے قوانین ہوں گے۔

۳۔ یعنی مسجدوں کی عمارت عالی شان، درودیوار نقشیں، بجلی کی فننگ خوب، مگر نمازی کوئی نہیں، ان کے امام بے دین، گویا مسجد میں بجائے ہدایت کے بے دینیوں کا سرچشمہ بن جائے گی، ہر مسجد سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ درس کی آوازیں آئیں گی مگر وہ درس زہر قاتل ہوں گے، جن میں قرآن کے نام پر کفر و طغیان پھیلا یا جائے گا۔

۴۔ یعنی بے دین علماء سوء کی کثرت ہوگی جن کا فتنہ سارے مسلمانوں کو گھیر لے گا جیسے دائرے کا خط جہاں سے شروع ہوتا ہے وہیں پہنچ کر دائرہ کو مکمل بنا دیتا ہے اور ساری سطح کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے ایسے ہی ان کا فتنہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سارے عالم خراب ہو جائیں گے ورنہ دین مٹ جاتا۔ اللہ اس دین اور صلحائے حق کو تاقیامت رکھے گا جو دین کو اصلی رنگ میں باقی رکھیں گے جیسا کہ آج بھی دیکھا جا رہا ہے۔

روایت ہے زیاد ابن لبید سے کہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ علم جاتے رہنے کے وقت ہوگا ۲ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ علم کیسے جاسکتا ہے؟ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو پڑھاتے رہیں گے اور تاقیامت ہماری اولاد اپنی اولاد کو ۳ تو فرمایا اے زیاد تمہیں تمہاری ماں روئے ہم تو تمہیں مدینہ کے بڑے سمجھ داروں میں سے جانتے تھے ۴ کیا یہ یہود اور نصاریٰ توریت و انجیل نہیں پڑھتے لیکن ان میں جو ہے اس پر بالکل عمل نہیں کرتے ۵۔ روایت کیا احمد ابن ماجہ نے اور ترمذی نے انہیں سے اس طرح روایت کیا۔

۱۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، انصاری ہیں، ذُرْقِی ہیں۔ حضور کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے، ہجرت سے پہلے حضور کے پاس مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے۔ پھر مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے اس لیے آپ کو تمام صحابہ مہاجر انصار کہا کرتے تھے، حضور نے آپ کو حضر موت کا حاکم مقرر فرمایا، امیر معاویہ کے شروع زمانہ امارت میں وفات پائی۔

۲۔ یعنی یہ نہایت ہولناک واقعات جب ہوں گے جب دنیا سے علم دین اٹھ گیا ہوگا۔

۳۔ یہاں قرآن پڑھنے پڑھانے سے مراد پورا علم سیکھنا سکھانا ہے یعنی جب تعلیم و تعلم کا مشغلہ قائم رہے گا تو علم کیونکر اٹھ جائے گا۔ مصدر کے ہوتے حاصل مصدر کہاں جاسکتا ہے۔

۴۔ اس سے معلوم ہوا کہ استاد اپنے شاگرد کو غیر مناسب سوال کرنے پر عتاب کر سکتا ہے یہ الفاظ کہ ہم تمہیں ایسا جانتے تھے اظہار عتاب کے لیے ہوتے ہیں نہ کہ اپنی بے علمی کے اظہار کے لیے جیسا کہ بعض ناسمجھ لوگوں نے اس حدیث سے حضور کے علم کا انکار کیا۔

۵۔ یعنی علم سے ہماری مراد نتیجہ علم ہے۔ یعنی علم ہوگا عمل نہ ہوگا۔ خیال رہے کہ عیسائیوں کے پادری اور جوگی رشتو تیں لیکر عوام و اعمال سے معافی دے دیتے ہیں اور ان کے گناہ بخشتے رہتے ہیں تو خود کیا نیکی کرتے ہوں گے، ہفتہ میں ایک دن گرجے میں گابجا لینا ان کے عمل ہیں۔

ایسے ہی داری نے ابو امامہ سے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ! میں وفات پانے والا ہوں علم عنقریب اٹھ جائے گا نینتے ظاہر ہوں گے حتیٰ کہ دو شخص ایک فریضہ میں جھگڑیں گے ایسا کوئی نہ پائیں گے جو ان میں فیصلہ کر دے ۲۔ اسے داری اور دارقطنی نے روایت کیا۔

۱۔ فرائض سے مراد اسلامی فرائض، روزے، نماز وغیرہ کے مسائل ہیں، یا علم میراث۔ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے اگرچہ علم اور قرآن میں یہ بھی آگیا تھا مگر زیادتی اہتمام کے لیے خصوصیت سے اس کا علیحدہ ذکر فرمایا۔

۲۔ یعنی ابھی تو تم کو آسانی ہے کہ ہر مسئلہ مجھ سے پوچھ لو، میرے بعد ایک وقت دشواری پیش آئے گی کہ علماء اٹھ جائیں گے یہاں تک کہ اگر میت کی میراث بانٹنی ہوگی تو مفتی نہ ملے گا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں دو سے مراد میت کے دو وارث ہیں اور فریضہ سے مراد مسئلہ میراث اور ہو سکتا ہے کہ فریضہ سے کوئی اور مسئلہ شرعی مراد ہو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے اس خزانہ کی سی ہے جس سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے! (احمد و داری)

۱۔ سبحان اللہ! کیا پاکیزہ مثال ہے، یعنی جس علم سے نہ عالم نفع اٹھائے نہ دوسرے وہ اسی مال کی طرح ہے جس سے نہ مالک فائدہ اٹھائے نہ اور لوگ، جیسے وہ مال بیکار بلکہ مضر ایسے ہی یہ علم وبال۔

## کتاب الطہارۃ

## پاکی کی کتاب

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ طہارت کے معنی میں گندگی اور ناپاکی دور کرنا، گندگی روحانی بھی ہوتی ہے اور جسمانی بھی، لہذا طہارت بھی روحانی اور جسمانی ہے، ان دونوں طہارتوں کی بہت قسمیں ہیں کیونکہ گندگیاں بہت قسم کی ہیں۔ طہارت جسمانی دو طرح کی ہے: طہارت حقیقی اور طہارت حکمی۔ طہارت حقیقی: گندگی حقیقی یعنی خبث کو دور کرنا، اور طہارت حکمی: حکمی گندگی یعنی حدیث کو دور کرنا، اس باب میں انہی دو طہارتوں کا ذکر آئے گا۔

روایت ہے حضرت ابو مالک اشعری سے ۱۔ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پاکی نصف ایمان ہے ۲۔ اور الحمد للہ ترازو بھر دے گی ۳۔ اور سبحان اللہ اور الحمد للہ آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں ۴۔ اور نماز روشنی ہے ۵۔ خیرات دلیل ہے ۶۔ صبر چمک ہے ۷۔ قرآن تیری یا تجھ پر جمع ہے ۸۔ ہر شخص صبح پاتا ہے تو اپنا نفس بیچتا ہے تو یا نفس کو آزاد کرتا ہے یا ہلاک ۹۔ مسلم نے روایت کی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں میں نے یہ روایت نہ مسلم و بخاری میں پائی نہ کتاب حمیدی میں نہ جامع میں لیکن اسے دارمی نے ذکر کیا اور سبحان اللہ کی بجائے الحمد للہ ذکر کیا ۱۰۔

۱۔ آپ صحابی ہیں، حضرت ابو موسیٰ اشعری کے چچا ہیں، عہد فاروقی میں وفات پائی۔

۲۔ ظاہر یہ ہے کہ طہور سے ظاہری پاکی اور ایمان سے عرفی ایمان مراد ہے۔ چونکہ ایمان بھی گناہوں کو مٹاتا ہے اور وضوء بھی، لیکن ایمان چھوٹے بڑے سارے گناہ مٹا دیتا ہے اور وضوء صرف چھوٹے، اس لیے اسے آدھا ایمان فرمایا۔ ایمان باطن کو عیبوں سے پاک فرماتا ہے اور وضوء ظاہر کو گندگیوں سے، اور ظاہر باطن کا گویا نصف ہے یا ایمان دل کو برائیوں سے پاک اور خوبیوں سے آراستہ کرتا ہے اور طہارت جسم کو فقط گندگیوں سے پاک کرتی ہے، لہذا یہ نصف ہے اور ممکن ہے کہ ایمان سے مراد نماز ہو، رب فرماتا ہے: "لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ"۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کی ساری شرطیں شرط طہارت کے برابر ہیں۔ غرضکہ حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ایمان بسیط چیز ہے پھر اس کا آدھا اور تہائی کیسا؟

۳۔ یعنی جو شخص ہر حال میں الحمد للہ کہا کرے تو قیامت میں میزان عمل کے نیکی کا پلہ اس سے بھر جائے گا اور ایک حمد تمام گناہوں پر بھاری ہوگی۔ کیونکہ یہ ہیں ہمارے کام اور وہ ہے رب کا نام۔



یعنی ان دو کلموں کا ثواب اگر دنیا میں پھیلایا جائے تو اتنا ہے کہ اس سے سارا جہان بھر جائے یا مطلب یہ ہے کہ سبحان اللہ میں اللہ کی بے عیبی کا اقرار ہے اور الحمد للہ میں اسی کے تمام کمالات کا اظہار۔ اور یہ دو چیزیں وہ ہیں جن کے دلائل سے دنیا بھری ہوئی ہے کہ ہر ذرہ اور ہر قطرہ رب کی تسبیح و حمد کر رہا ہے۔

۵ یعنی نماز مسلمان کے دل کی، چہرے کی، قبر کی، قیامت کی روشنی ہے۔ پل صراط پر سجدہ کا نشان بیٹری کا کام دے گا، رب فرماتا ہے: "نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ" اور ممکن ہے کہ صلوة سے مراد درود شریف ہو کہ یہ بھی ہر طرح نور ہے۔

۶ مؤمن کے ایمان کی، کہ منافق اور کافر کو صحیح خیرات کی توفیق نہیں ملتی، یا کل قیامت میں صدقہ محبت پروردگار کی دلیل اور بخشش کا تکفیل بنے گا، کیونکہ اسے رب نے قرض فرمایا ہے: "مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ"۔ خیال رہے کہ اس صدقہ میں زکوٰۃ، فطرہ وغیرہ تمام فرضی و نفلی خیراتیں داخل ہیں۔

۷ صبر کے لغوی معنی ہیں روکنا، یعنی نفس کو گناہوں سے روکنا، یا عبادت پر قائم رکھنا، یا مصیبتوں پر گھبراہٹ سے روکنا دل کا یا چہرے کا نور ہے۔ خیال رہے کہ نور ہر روشنی کو کہا جاسکتا ہے ہلکی ہو یا تیز، مگر ضیاء صرف تیز روشنی کو کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے: "جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا" چونکہ صبر ہر عبادت میں ضروری ہے اس لیے نماز کو نور اور اسے ضیاء فرمایا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ صبر سے مراد روزہ ہو، چونکہ روزہ صرف اللہ کا ہے اسی لئے ضیاء یعنی جگہ گاہٹ فرمایا گیا۔

۸ کہ اگر تم نے اس پر عمل کیا تو قیامت میں یہ تیرا گواہ اور تیرے ایمان کی دلیل ہوگا اور اگر اس کے خلاف عامل رہا تو تیرے خلاف گواہ۔

۹ یعنی روزانہ صبح کے وقت ہر شخص اپنی زندگی کی دکان کھولتا ہے، سانسیں صرف کر کے اعمال کھاتا ہے، اگر اچھے اعمال میں سانسیں گزریں تو سود نفع کارہا، نفس جہنم سے بچ گیا۔ اور اگر برے کام کیئے تو سود اگھائے کا رہا، نفس کو ہلاک کر دیا۔ نفس سے مراد ذات دل اور سانسیں سب کچھ ہو سکتے ہیں۔ سبحان اللہ! اس افصح الفصحاء عرب کے قربان جاؤں کیسے جامع کلمات ارشاد فرمائے۔ خیال رہے کہ ہم جیسے گنہگاروں کی دکان زندگی صبح کھل کر سوتے وقت بند ہو جاتی ہے، بعض وہ خوش نصیب بھی ہیں جن کی دکان کبھی بند ہی نہیں ہوتی، اور ان کا بازار کبھی سونا ہی نہیں ہوتا، سوتے میں بھی دکانداری کرتے ہیں، کیونکہ ان کا دل جاگتا ہے بلکہ بعد وفات بھی ان کے میلے لگے ہوئے ہیں۔

۱۰ یعنی یہ زیادتی ان میں سے کسی کتاب میں نہ ملی تو مصابح میں بھی نہ ہونی چاہیے تھی، کیونکہ فصل اول میں صحیحین کی روایات آتی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ خطائیں مٹا دے درجے بلند کر دے لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ۲ فرمایا وضو پورا کرنا مشقتوں میں ۳ مسجد کی طرف زیادہ قدم رکھنا ۴ نماز کے بعد نماز کا انتظار

## کرنا یہ ہے سرحد کی حفاظت ۱

۱۔ خطاؤں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں نہ کبیرہ نہ حقوق العباد۔ محو سے مراد ہے بخش دینا یا نامہ اعمال سے ایسا مٹا دینا کہ اس کا نشان باقی نہ رہے۔ درجوں سے مراد جنت کے درجے ہیں یا دنیا میں ایمان کے درجے۔

۲۔ یہ سوال و جواب اس لیے ہے کہ تاکہ اگلا فرمان نور سے سنا جائے ورنہ حضور کی تبلیغ ان کی عرض پر موقوف نہیں۔

۳۔ پورے کرنے سے اعضائے وضو کا مثل دھونا، اور تین بار دھونا، اور وضو کی سنتوں کا پورا کرنا ہے۔ مشقت سے مراد سردی، یا بیماری، یا پانی کی گرانی کا زمانہ ہے، یعنی جب وضو مکمل کرنا بھاری ہو تب مکمل کرنا۔

۴۔ یا اسی لئے کہ گھر مسجد سے دور ہو یا قدم قریب قریب ڈالے۔ مطلب یہ کہ ہر وقت نماز مسجد میں پڑھنا، نماز کے علاوہ وعظ وغیرہ کے لئے بھی مسجد میں حاضری دینا موجب ثواب ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خواہ مخواہ قریب کی مسجد چھوڑ کر دور جا کر نماز پڑھے۔

۵۔ یعنی ایک وقت کی پڑھ کر دوسری نماز کا منتظر رہنا، خواہ مسجد میں بیٹھ کر، یا اس طرح کہ جسم گھر میں، یا دکان میں ہو اور کان اذان کی طرف اور دل مسجد میں لگا ہو۔

۶۔ رباط کے لغوی معنی ہیں گھوڑا پالنے کا اصطلاح میں جہاد کی تیاری یا سرحد اسلام پر رہ کر کفار کے مقابلے میں ڈٹا رہنا رُباط ہے۔ رباط

بڑی عبادت ہے، رب فرماتا ہے: "وَصَابِرُونَ وَرَابِطُونَ" حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کے مقابل مورچے سنبھالنا ظاہری

رباط ہے اور مذکورہ بالا اعمال باطنی رباط یعنی نفس شیطان کے مقابل حدود ایمان کی حفاظت۔

اور مالک ابن انس کی حدیث میں ہے کہ یہ سرحد کی حفاظت، یہ ہے سرحد کی حفاظت دو بار سے مسلم نے روایت کیا ترمذی کی روایت میں تین بار ہے۔

روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وضو کرے تو اچھا وضو کرے اس کی خطائیں اس کے جسم سے نکل جاتی ہیں، تا آنکہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتی ہیں! (مسلم، بخاری)

۱۔ یہاں اچھے وضو سے مراد سنتوں اور مستحبات کے ساتھ وضو کرنا ہے اور خطاؤں سے گناہ صغیرہ کیونکہ گناہ کبیرہ تو بہ کے بغیر اور حقوق العباد صاحب حق کی معافی کے بغیر معاف نہیں ہوتے یعنی جو شخص اچھا وضو کیا کرے تو اس کے سارے اعضا کے گناہ اس پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔

لطیفہ: ہم گنہگاروں کے وضو کا غسلہ مستعمل ہے جس سے دوبارہ وضو نہیں ہو سکتا اور اس کا پینا مکروہ، کیونکہ یہ ہمارے گناہ لے کر نکل جاتا ہے، مگر حضور کے وضو کا غسلہ بلکہ پاؤں شریف کا دھون متبرک ہے، کیونکہ وہ اعضا طیبہ میں سے نور لے کر نکلا ہے، ہمارا غسلہ بہت سی بیماریاں خصوصاً مرگی پیدا کرتا ہے۔ حضور کا غسلہ بیماریاں دور کرتا ہے، رب فرماتا ہے: "أُرْكَضُ بِرِجْلِكَ"

هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَ شَرَابٌ "آب زمزم حضرت اسماعیل کے پاؤں کا گویا دھوون ہے جس میں ہمارے حضور کی کُل پڑی ہوئی ہے ہم سب کے لیے شفا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب مسلمان بندہ یا مؤمن وضو کرنے لگتا ہے اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے ہر وہ خطا نکل جاتی ہے جدھر آنکھوں سے دیکھا ہو پانی یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ ۱ پھر جب اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں سے وہ ہر خطا نکل جاتی ہے جسے اس کے ہاتھ نے پکڑا تھا پانی یا پانی کی آخری بوند کے ساتھ ۲ پھر جب اپنے پاؤں دھوتا ہے تو ہر وہ خطا نکل جاتی ہے جدھر اس کے پاؤں چلے پانی یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ حتیٰ کہ گناہوں سے پاک و صاف نکل جاتا ہے ۳ (مسلم)

۱ اگرچہ انسان کان، ناک، منہ سب سے گناہ کرتا ہے مگر زیادہ گناہ آنکھ سے ہوتے ہیں۔ جیسے اجنبی عورت یا غیر کا مال ناجائز نگاہ سے دیکھنا اسی لئے صرف آنکھ کا ذکر فرمایا ورنہ ان شاء اللہ چہرے کے ہر عضو کے گناہ منہ دھوتے ہی معاف ہو جاتے ہیں۔  
۲ جیسے نامحرم کو چھولینا یا غیر کی چیز بلا اجازت ٹھونکا کہ یہ سب گناہ صغیرہ ہیں۔

۳ چلنے سے مراد ناجائز مقام پر جانا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں صرف ان اعضاء کے گناہوں کی ہی معافی مراد نہیں بلکہ سارے گناہ مراد ہیں حتیٰ کہ دل و دماغ کے بھی گناہ، ان اعضاء کا ذکر اس لیے ہے کہ زیادہ گناہ انہیں سے صادر ہوتے ہیں، لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث حضرت عثمان کے خلاف نہیں اور ہو سکتا ہے کہ پہلی حدیث میں وضو کامل کا ذکر تھا جس سے سارے سنن و مستحبات ادا کیئے جائیں وہ تمام گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے اور یہاں وہ وضو مراد ہے جو اتنا کامل نہ ہو اس سے صرف ان اعضاء کے گناہ ہی معاف ہوں گے، لہذا دونوں حدیثیں درست ہیں۔

روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں کہ جس پر فرض نماز آئے ۱ تو اس کا وضو و خشوع و رکوع اچھی طرح کرے ۲ مگر یہ اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، جب تک کہ گناہ کبیرہ نہ ہو ۳ یہ ہمیشہ ہی ہوتا ہے ۴ (مسلم)

۱ یعنی نماز پنجگانہ اور جمعہ۔ خیال رہے کہ فرض کا ذکر احترازی نہیں، کیونکہ نماز تہجد و اشراق و عیدین کے وضو کا بھی یہی حال ہے۔ چونکہ اکثر وضو نماز پنجگانہ کے لیے ہی ہوتے ہیں اس لیے ان کا ہی ذکر فرمایا، نیز اگر کوئی وقت سے پہلے وضو کرے تب بھی یہی ثواب ہوگا۔

۲ نماز کا خشوع یہ ہے کہ اس کا ہر رکن صحیح ادا کرے، دل میں عاجزی اور خوف خدا ہو، نگاہ اپنے ٹھکانے پر رہے کہ قیام میں سجدہ گاہ، رکوع میں پاؤں کی پشت، سجدہ میں ناک کے نتھنے اور قعدہ میں گود میں رہے۔ خشوع نماز کی روح ہے، رب فرماتا ہے: "هُم فِي صَلَاتِهِمْ خُشِعُونَ" صرف رکوع کا اسی لئے ذکر فرمایا کہ یہ سجدہ کا پیش خیمہ ہے اور بمقابلہ سجدہ کے اس میں مشقت زیادہ ہے، نیز یہ مسلمانوں کی نمازوں کا خاصہ ہے، یہود و نصاریٰ کی نمازوں میں نہ تھا، اس کے ملنے سے رکعت مل جاتی ہے، نیز رکوع مستقل عبادت نہیں، صرف نماز ہی میں عبادت ہے اور سجدہ نماز کے علاوہ بھی عبادت ہے۔ جیسے سجدہ شکر، سجدہ تلاوت وغیرہ۔

۳ یعنی اس سے گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتے صرف صغیرہ معاف ہوتے ہیں، لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کی تفسیر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ گناہ کبیرہ والے کے صغیرہ بھی معاف نہیں ہوتے۔ (لمعات)

۴ یعنی یہ ثواب کسی خاص نماز کا نہیں بلکہ عمر میں ہر نماز کا ہے۔

روایت ہے انہی سے کہ آنجناب نے وضو کیا تو ہاتھوں پر تین بار پانی بہایا پھر کلی کی ناک میں پانی لیا۔ پھر تین بار چہرہ دھویا پھر کہنی تک داہنا ہاتھ تین بار پھر بائیں ہاتھ تین بار دھویا کہنی تک پھر سر کا مسح کیا ۲ پھر داہنا پھر بائیں پاؤں تین تین بار دھوئے پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے میرے وضو کی طرح وضو کیا ۳ پھر فرمایا جو میری طرح وضو کرے پھر دو نفل پڑھے لے جن میں اپنے دل سے کچھ باتیں نہ کرے تو اس کے پچھلے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے ۴ (مسلم، بخاری) اور لفظ بخاری کے ہیں۔

۱۔ اس طرح کہ پہلے تین کلیاں کر لیں، پھر تین بار ناک میں پانی لے کر صاف کی جیسے کہ اور اعضاء کی ترتیب میں ہے، لہذا یہ حدیث حنیفوں کی دلیل ہے۔ شافعی لوگ ایک چلو کے آدھے سے کلی اور آدھے سے ناک میں پانی لیتے ہیں یعنی ان کے ہاں فرد فرد کے پیچھے ہے ہمارے ہاں نوع نوع سے پیچھے۔

۲۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ہاتھ مع کہنی دھونے چاہئیں۔ دوسرے یہ کہ سر کا مسح صرف ایک بار ہو کیونکہ دھونے میں تین کا ذکر ہے مسح میں نہیں، نیز اگر مسح تین بار کیا جائے تو وہ دھونا ہو جائے گا، یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔ شوافع کے یہاں مسح بھی تین بار ہوگا، یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

۳۔ چونکہ حضرت عثمان غنی کا وضو ان لوگوں کے سامنے تھا اور حضور کا وضو ان لوگوں سے مخفی اسی لئے آپ نے اس طرح فرمایا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عثمان کا وضو حضور کے وضو کی مثل تھا نہ کہ حضور کا وضو آپ کے وضو کی مثل۔

۴۔ یعنی وضو کے بعد دو نفل تحیۃ الوضو پڑھے جب کہ نفل مکروہ نہ ہوں اور اگر نفل مکروہ ہوں جیسے فجر اور مغرب کا وضو، تو وضو کے بعد فرض نماز میں تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کا بھی ثواب مل جائے گا۔ (مرقاۃ) لایحیث ذکر فرما کر یہ بتایا کہ عمداً اور

طرف خیال نہ دوڑائے، بلا قصد خطرات معاف ہیں۔ جیسا کہ لمعات اور مرقاۃ میں ہے بشرطیکہ دفع کی کوشش کرتا رہے۔ گناہ سے مراد گناہ صغیرہ ہیں اور بے گناہ لوگوں کے درجے بلند ہوتے ہیں، کیونکہ جو کام گنہگاروں کے لئے معافی کا ذریعہ ہے وہ نیک کاروں کی ترقی کا سبب۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جو وضو کرے تو اچھا کرے پھر کھڑے ہو کر دو نفل دل اور منہ سے متوجہ ہو کر پڑھے ۲ مگر اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے ۳ (مسلم)

۱۔ آپ مشہور صحابی ہیں، آپ امیر معاویہ کی طرف سے حاکم مصر تھے اپنے بھائی عقبہ ابن ابی سفیان کے بعد، پھر اگرچہ معزول کر دیئے گئے مگر مصر میں ہی قیام رہا، ۵۸ھ میں وہیں وفات ہوئی۔  
۲۔ یعنی ظاہر و باطن یکسو کر کے کہ نہ جسم سے کھیلے، نہ ادھر ادھر دیکھے، نہ دل کو اور طرف لگائے۔  
۳۔ رب کے فضل و کرم سے اس طرح کہ دنیا میں اسے نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے، مرتے وقت ایمان پر قائم رہتا ہے، قبر و حشر میں آسانی سے پاس ہوتا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ صرف وضو کر لینے اور تحیۃ الوضوء کے دو نفل پڑھ لینے سے جنتی ہو گیا اب کسی عمل کی ضرورت نہ رہی اس قسم کی احادیث کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں ایسا کوئی نہیں جو وضو کرے تو مبالغہ کرے یا پورا وضو کرے پھر کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آکیلا ہے اس کا کوئی سا جہی نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں ۲ مگر اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھولے جائیں گے کہ جس سے چاہے گھسے ۳ ایسے ہی مسلم نے اپنی صحیح میں اور حمیدی نے افراد مسلم میں روایت کی یوں ہی ابن اثیر نے جامع الاصول اور شیخ محی الدین نووی نے ۲ حدیث مسلم کے آخر میں ہماری روایت کے مطابق اور ترمذی نے یہ اور زیادہ فرمایا کہ خدایا مجھ تو بہ والوں سے بنا اور مجھے خوب ستھروں سے کر ۵ اور جو حدیث صحیح السنہ نے صحاح میں روایت کی کہ جس نے وضو کیا تو اچھا کیا

الخ اسے ترمذی نے اپنی جامع میں اسی طرح روایت کیا سوا  
کلمہ اَشْهَدُكَ اَنَّ مُحَمَّدًا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ

۱۔ مبالغہ سے مراد ہے کہ اس کی خوبیوں کو انتہاء پر پہنچادے، پورا کرنے سے مراد ہے کہ پورے اعضاء دھوئے، بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہ جائے۔ وَمِنْكُمْ فرما کر اشارہ فرمایا کہ سارے نیک اعمال مسلمانوں کو مفید ہیں، مگر ہوں، بے دینوں کو نہیں، دو انہیں زندہ کو فائدہ پہنچاتی ہیں نہ کہ مُردوں کو۔

۲۔ یعنی ہر وضو کے بعد دوسرا کلمہ پڑھ لیا کرے، بعض روایات میں ہے کہ "اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ" پڑھے، بعض میں ہے کہ یہ دعا پڑھے "اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ"۔ بہتر یہ ہے کہ یہ سب کچھ پڑھ لیا کرے تو ان شاء اللہ ان کی برکت سے جسمانی طہارت کے ساتھ روحانی صفائی بھی نصیب ہوگی، مراقبہ نے فرمایا کہ بعد غسل بھی یہ دعائیں اور استغفار پڑھنا مستحب ہے۔

۳۔ یعنی اس عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کا حشر ابو بکر صدیق کے غلاموں میں فرمائے گا کہ وہ ان سرکار کے ساتھ جنت میں جائے گا اور جیسے انہیں ہر دروازہ سے پکارا جائے گا کہ ادھر سے آؤ ایسے ہی ان کے صدقے میں اسے بھی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آٹھوں دروازے کھلنا حضرت صدیق اکبر کی خصوصیات میں سے ہے جیسا کہ ان کے فضائل میں آئے گا کیونکہ ان کا یہ داخلہ ان کے صدقے سے ہے۔ خیال رہے کہ اگرچہ ہر جنتی داخل ایک ہی دروازہ سے ہوگا مگر ہر دروازہ سے پکارا جانا اس کی عزت افزائی کے لئے ہے۔

۴۔ محی الدین محمد ابن زکریا نووی شارح مسلم، نواد مشق کے پاس ایک گاؤں ہے اس کی طرف آپ منسوب ہیں کیونکہ آپ وہاں کے باشندے ہیں۔

۵۔ خیال رہے کہ تَوَّاب وہ ہے جو ہمیشہ ہر حال میں توبہ کرے، گناہ کر کے بھی اور بغیر گناہ کئے بھی کبھی رب کے دروازے سے نہ ہٹے، نہ مایوس ہو۔ تَاب وہ جو ایک آدھ بار توبہ کرے۔ یونہی مُتَطَهِّرٌ وہ جو ہر ظاہری و باطنی گندگی سے اپنے آپ کو پاک کرے۔ ظاہر وہ جو صرف ظاہری گندگی سے پاک ہو بارگاہ الہی میں تَوَّاب اور مُتَطَهِّرٌ کی قدر ہے، رب فرماتا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ" اور فرماتا ہے: "وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ"۔

۶۔ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ اس نے فصل اول میں وہ حدیث بیان کی جو مسلم و بخاری میں نہیں صرف ترمذی میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت قیامت کے دن بیخ کلیان بلائی جائے گی آثار وضو سے ۱۔ تو جو اپنی چمک دمک دراز کر سکے تو کرے ۲۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ بیخ کلیان وہ سرخ یا سیاہ گھوڑا ہے جس کے چاروں ہاتھ، پاؤں اور پیشانی سفید ہوں یہ بہت قیمتی خوب صورت اور طاقتور ہوتا ہے۔ امت سے مراد سارے نمازی مسلمان ہیں کہ قیامت میں انکا چہرہ اور ہاتھ، پاؤں آثار وضو سے چمکتے ہوں گے۔ خیال رہے کہ اگرچہ بچھلی امتوں نے بھی وضو کیا مگر یہ نور صرف امت محمدی پر ہوگا، نیز جو صحابہ نماز کی فرضیت سے پہلے وفات پا گئے، یا اب مسلمانوں کے

چھوٹے بچے، یا اسلام قبول کرتے ہی فوت ہو جانے والے لوگ جنہیں نماز اور وضو کا وقت ہی نہ ملا ان پر بھی ان شاء اللہ یہ آثار وضوء ہوں گے کیونکہ وہ نمازیوں کے گروہ سے تو ہیں۔ ہاں بے نمازی، فساق جنہوں نے بلاوجہ نماز نہ پڑھنے کی عادت ڈال لی وہ سزااً اس سے محروم ہوں گے۔ خیال رہے کہ حضور کا اپنی امت کو پہچاننا اس نور پر موقوف نہ ہوگا کیونکہ آپ نیک کارنورانیوں کو بھی پہچانیں گے اور گنہگار ظلمانیوں کو بھی۔

۲ غالباً یہ آخری جملہ سیدنا ابوہریرہ کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اعضائے وضوء حد مفروض سے زیادہ دھوئے تاکہ روشنی اور چمک لمبی ہو اور ممکن ہے کہ سرکار کا فرمان ہو۔ مطلب یہ ہے اعضائے وضوء حد سے کم نہ دھوؤ، زیادہ کچھ دھل جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ خیال رہے کہ غزہ چہرے کی سفیدی کو کہتے ہیں اور تحجیل ہاتھ پاؤں کی سفیدی کو۔ چونکہ اکثر لوگ چہرہ دھونے میں بے احتیاطی کرتے ہیں کہ کپٹی وغیرہ خشک رہ جاتی ہے لہذا اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ مؤمن کا زیور وہاں تک ہی پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچے! (مسلم)

۱۔ حَلِيَّةُ ح کے کسرہ سے، بمعنی رونق و حسن ہے اور ح کے زبر سے بمعنی زیور۔ حدیث میں دونوں قرأتیں ہیں، وضوء واؤ کے پیش سے اس ہی مشہور وضوء کو کہتے ہیں اور واؤ کے زبر سے وضوء کا پانی۔ یہاں واؤ کے زبر سے ہے یعنی جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا وہاں تک نور اور رونق و زینت ہوگی یا وہاں تک زیور پہنایا جائے گا۔ دنیا میں مسلمان مرد کو زیور پہننا حرام تاکہ وہ جہاد کی شجاعت نہ کھو بیٹھے جنت میں زیور وہاں کی نعمتوں میں سے ہوگا۔

الفصل الثانی  
دوسری فصل

روایت ہے حضرت ثوبان سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سیدھے رہو مگر تم یہ نہ کہو گے ۲ اور جان رکھو کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے ۳ اور وضوء کی حفاظت مؤمن ہی کرتا ہے ۴ اسے مالک، احمد، ابن ماجہ، اور دارمی نے روایت کیا۔

۱۔ آپ کا نام ثوبان ابن بُجَدْد، کنیت ابو عبد اللہ ہے، حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں، ہمیشہ سفر و حضر میں حضور کے ساتھ رہے، حضور کے بعد اولاً شام میں، پھر حمص میں قیام فرمایا، ۵۴ھ میں وفات پائی۔

۲ یعنی عقائد، عبادات اور معاملات میں ٹھیک رہو ادھر ادھر نہ بہکو، لیکن پوری درستی طاقت انسانی سے باہر ہے۔ لہذا بقدر طاقت درست رہو اور کوتاہیوں کی معافی چاہتے رہو، یا یہ مطلب ہے کہ استقامت کا ثواب تم شمار نہ کر سکو گے۔ اِحْصَاء بمعنی کنکریوں پر گننا، تھوڑی چیز پوروں پر اور زیادہ چیز کنکروں پر گنی جاتی ہے، جو کنکر پر بھی نہ گنی جائے وہ شمار سے باہر ہوتی ہے۔

۳۔ کیونکہ اسلام میں سب سے پہلے نماز ہی فرض ہوئی، سارے اعمال فرش پر آئے مگر نماز عرش پر بلا کر دی گئی، جس نے نماز درست کر لی ان شاء اللہ اس کے سارے اعمال درست ہو جائیں گے، نیز نماز بہت سی عبادات کا مجموعہ اور سارے گناہوں سے بچانے والی ہے کہ بحالت نماز جھوٹ، غیبت وغیرہ کچھ نہیں ہو سکتی۔  
۴۔ یعنی ہمیشہ با وضو رہنا ہمیشہ صحیح وضو کرنا کامل مؤمن کی پہچان ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پاکی پر وضو کرے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں! (ترمذی)	
---	--

۱۔ یعنی جس کا پچھلی نماز کا وضو ہو اور پھر اگلی نماز کے لئے وضو کرے تو یہ وضو بیکار و عبث نہیں ہے، بلکہ اس پر بہت ثواب ہے۔ خیال رہے کہ وضو پر وضو مستحب ہے جب کہ پہلے وضو کے بعد نماز یا ایسی عبادت کر لی گئی ہو جو وضو پر موقوف ہو، ورنہ بار بار وضو کیے جانا مکروہ اور پانی کا اسراف ہے۔ لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ فقہ کا مسئلہ اس حدیث کے خلاف ہے۔

الفصل الثالث  
تیسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت کی چابی نماز ہے اور نماز کی چابی پاکی (احمد)	
---	--

۱۔ یعنی جنت کے درجات کی چابی نماز ہے، لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ جنت کی چابی کلمہ طیبہ ہے کہ وہاں نفس جنت کی چابی مراد ہے، اگرچہ نماز کی شرائط بہت ہیں وقت، قبلہ کومنہ ہونا وغیرہ، لیکن طہارت بہت اہم ہے اسی لئے اسے نماز کی چابی فرمایا گیا۔

روایت ہے شیبیب ابن ابی روح سے ۱۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے راوی ۲۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھی سورہ روم کی قرأت کی تو آپ کو تشابہ لگ گیا جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں۔ طہارت اچھی طرح نہیں کرتے ۳۔ ہم پر یہ ہی لوگ قرآن مشتبہ کر دیتے ہیں ۴۔ (نسائی)	
---	--

۱۔ آپ تابعین سے ہیں، حمص کے رہنے والے، آپ کے والد کا نام نعیم، کنیت ابو روح ہے، نہ خود صحابی ہیں نہ والد۔  
۲۔ چونکہ تمام صحابہ پر ہیز گار اور عادل ہیں کوئی فاسق نہیں اسی لئے اس طرح روایت جائز ہے۔ صحابہ کے علاوہ اور راوی کا نام لینا ضروری ہے ورنہ حدیث مجروح ہوگی، کیونکہ نامعلوم وہ شخص فاسق ہے یا عادل۔ غالباً یہ صحابی اَحْمَدُ غَفَّارِی ہیں۔ (مرقاۃ)  
۳۔ یعنی وضو و غسل کی سنتیں و مستحبات پورے ادا نہیں کرتے کیونکہ وضو میں واجب کوئی نہیں۔



۱۷ یعنی ان کی کوتاہی کا اثر ہم پر یہ پڑتا ہے کہ تلاوت میں لقمہ لگ جاتا ہے۔ مرقاۃ نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ حضور جیسی ہستی کی نماز پر ناقص الوضو کی صحبت کا اثر ہو جاتا ہے۔ تو افسوس ان لوگوں پر جو بدکاروں اور بے دینوں کی صحبت میں رہیں یقیناً انکا ایمان بھی برا اثر لے گا یہ بیماری اڑ کر لگتی ہے۔

روایت ہے بنی سلیم کے ایک صاحب سے ۱ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے یا اپنے ہاتھ یہ چیزیں گنائیں فرمایا تسبیح آدھی ترازو ہے اور الحمد للہ اسے بھر دے گی ۲ اور تکبیر آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیتی ہے اور روزہ آدھا صبر ہے ۳ اور پاکی آدھا ایمان ہے اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

۱ ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ سارے صحابہ عادل ہیں۔ لہذا ان کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں۔  
۲ اس کی شرح گزر چکی کہ نیکیوں کا پلہ ان دو کلموں کے ثواب سے بھر جائے گا اس لیے کہ تسبیح میں اللہ کی بے عیبی کا اقرار ہے اور حمد میں اس کے صفات کمالیہ کا اظہار۔

۳ کیونکہ حلق اور شرمگاہ کو روزہ روکتا ہے باقی اعضاء کو دوسرا صبر، یا ظاہری گناہ سے روزہ روکتا ہے، باطنی گناہوں سے دوسرا صبر یا ایمان طاعت پھر اور گناہوں سے صبر کراتا ہے جس کا سبب نفس کی شہوت ہے اور روزے سے ٹوٹتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام قسم کے صبر ایک جانب اور روزہ ایک جانب۔

روایت ہے عبداللہ صنابچی سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندۂ مؤمن جب وضو کرنے لگے تو خطائیں اس کے منہ سے نکل جاتی ہیں ۲ اور جب ناک میں پانی لے لے تو خطائیں اس کے ناک سے نکل جاتی ہیں اور جب اپنا منہ دھوئے خطائیں اس کے چہرے سے نکل جاتی ہیں ۳ حتیٰ کہ اس کی آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے نکلتی ہیں، اور جب اپنے ہاتھ دھوئے تو خطائیں ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں حتیٰ کہ ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتی ہیں اور جب اپنے سر کا مسح کرے تو خطائیں اس کے سر سے نکل جاتی ہیں حتیٰ کہ اس کے کانوں سے نکل جاتی ہیں ۴ پھر جب پاؤں دھوئے تو خطائیں اس کے پاؤں سے نکل جاتی ہیں حتیٰ کہ پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتی ہیں ۵ پھر اس کا مسجد کی طرف جانا اور نماز پڑھنا زیادتی ہوتی ہے ۶ (مالک و نسائی)

۱۔ حق یہ ہے کہ آپ کا نام عبدالرحمن ابن عسید ہے، کنیت ابو عبد اللہ، قبیلہ صنّان سے ہیں، جو قبیلہ مراد کا ایک ٹولہ ہے۔ آپ تابعی ہیں صحابی نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں ہجرت کر کے مدینہ پاک کی طرف چلے مقام جحفہ پہنچے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف واقع ہو گئی، ابو بکر صدیق سے ملاقات ہوئی۔ لہذا یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ صحابی کا نام رہ گیا۔

۲۔ یعنی زبان سے جو غیبت، جھوٹ وغیرہ گناہ صغیر ہوئے تھے وہ کلی کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں۔ مؤمن کی قید اس لیے ہے کہ کافر کے وضو کی یہ تاثیر نہیں، ہاں اگر ایمان لانے کے لئے وضو کرے تو شاید مذکورہ فائدہ اسے بھی حاصل ہو جائے۔ وضو کو مطلق فرمانے سے معلوم ہوا کہ ہر وضو کا یہ فائدہ ہے نماز کے لئے ہو یا اور عبادت کے لیے۔

۳۔ یعنی ناک میں پانی لینے کی برکت سے ناک یا دماغ کے گناہ جھڑ جاتے ہیں، جیسے ناجائز خوشبو سو گھنا اور دماغ میں گندے خیالات رکھنا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی گناہ صغائر ہی مراد ہیں اور چہرے کے دھونے سے آنکھ کے گناہ جھڑتے ہیں، جیسے ناجائز چیزوں کو دیکھنا یا ناجائز اشارے بازیاں۔

۴۔ اس سے معلوم ہوا کہ کانوں کا شمار سر میں ہے نہ کہ چہرے میں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا، لہذا نہ تو کانوں کو چہرے کے ساتھ دھویا جائے گا اور نہ علیحدہ پانی سے اس کا مسح ہوگا بلکہ مسح سر کی تری سے ہی ان کا مسح بھی کیا جائے گا، یہی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے۔

۵۔ یعنی جو قدم ناجائز جگہ پر جانے میں پڑے ان کا گناہ اس کی برکت سے معاف ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیر کا دھونا فرض ہے نہ کہ اس کا مسح جیسا کہ روافض نے سمجھا۔

۶۔ یعنی گناہوں سے معافی تو وضو میں ہو چکی اب یہ اعمال معافی گناہ پر زائد ہیں جن سے درجے بلند ہوتے ہیں، یہاں نقل لغوی معنی میں ہے فرماتا ہے: "وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً"۔

روایت ہے حضرت ابو مریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے تو فرمایا اے مؤمن قوم کی جماعت تم پر سلام ہو ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں ۲۔ مجھے یہ تمنا ہے کہ اپنے بھائیوں کو دیکھتا ۳۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں فرمایا تم میرے ساتھی دوست ہو، ہمارے بھائی وہ ہیں جو اب تک آئے نہیں ۴۔ لوگوں نے عرض کیا، کیا آپ کے جو امتی اب تک نہیں آئے انہیں حضور کیسے پہچانیں گے؟ ۵۔ فرمایا بتاؤ تو اگر کسی شخص کے گھوڑے پنج کلیان ہوں اور وہ نہایت سیاہ گھوڑوں میں مخلوط ہو گئے ہوں کیا یہ اپنے گھوڑے نہ پہچان لے گا؟ ۶۔ بولے ہاں یا رسول اللہ! فرمایا وہ آثار وضو سے پنج کلیان آئیں گے اور میں حوض پر ان کا پیش رو ہوں گا۔

۱۔ مقبرہ سے مراد مدینہ منورہ کا قبرستان جنت البقیع ہے، جہاں حضور زیارت قبور کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ دار کے معنی گھر اور حویلی ہیں، اہل پوشیدہ ہے یعنی گھر والے۔ مرقاۃ نے فرمایا عوام کی قبور پر پہنچ کر سلام کرنا سنت ہے، کیونکہ مردے زائرین کو دیکھتے ہیں، پہچانتے ہیں، اس کے کلام و سلام کو سنتے اور سمجھتے ہیں، کیونکہ نہ سننے والے اور نہ جواب دے سکنے والے کو سلام کرنا منع ہے، رب فرماتا ہے: "وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا" الایۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردوں اور زندوں کو سلام یکساں کیا جائے یعنی اس طرح کہ سلام پہلے علیکم بعد میں، وہ جو حدیث میں ہے کہ علیکم السلام مردوں کا سلام ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جب مردے آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تب یہ سلام کرتے ہیں لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۲۔ یعنی عنقریب وفات پا کر تم سے ملاقات کریں گے۔ ان شاء اللہ برکت کے لیے فرمایا ورنہ موت تو یقینی ہے یا ایمان پر خاتمہ اور کسی خاص جگہ مرنا ہم لوگوں کے لیے مشکوک ہے۔ یعنی اگر اللہ نے چاہا تو ہم ایمان پر مرکز مؤمنوں سے ملیں گے۔ یہ سب کچھ امت کی تعلیم کے لیے ہے۔

۳۔ یعنی آئندہ پیدا ہونے والے مسلمانوں سے حیات ظاہری میں ملاقات کرنا، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت کو دیکھ رہے ہیں ان کو اپنا بھائی فرمانا انتہائی کرم کریمانہ ہے، امت کو یہ جائز نہیں کہ حضور کو اپنا بھائی کہے۔ بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ کا بھائی اور خادم ہوں لیکن اگر رعایا اسے خادم کہہ کر پکارے سزا پائے گی۔ رب فرماتا ہے: "لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ الْآيَةَ۔"

۴۔ یعنی تم بھائی بھی ہو اور صحابی بھی اور جو لوگ مسلمان آئندہ آنے والے ہیں وہ صرف بھائی ہوں گے صحابی نہ ہوں گے۔ خیال رہے کہ بھائی ہونا ظاہری لحاظ سے ہے رشتہ ایمانی کی بنا پر، ورنہ حضور امت کے لئے روحانی والد ہیں، اور ان کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں نہ کہ بھوجیں، رشتہ ایمانی سے سگا باپ اور دادا اسلامی بھائی ہیں، اور حقیقی ماں اور بیوی اسلامی بہنیں، مگر اس رشتہ کی بنا پر ان لوگوں کو نہ بھائی بہن کہا جاتا ہے، اور نہ ان پر بھائی بہن کے احکام مرتب، حتیٰ کہ اگر بیوی کو بہن سے تشبیہ بھی دے تو ظہار ہو جاتا ہے، جس کی سزا میں ساٹھ روزے کفارہ واجب ہے۔ تو جو حضور کو بھائی کہے اور سمجھے وہ بھی سخت سزا کا مستحق ہے۔

۵۔ صحابہ کا یہ سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی کی بنا پر نہیں، ذریعہ علم کے متعلق ہے، یعنی جن مسلمانوں کو دنیا میں آپ نے زندگی شریف میں ظاہری نگاہ سے نہیں دیکھا انہیں کل قیامت میں کیسے پہچانیں گے اور کیسے شفاعت کریں گے، محض نور نبوت یا وحی سے کچھ ان میں علامتیں بھی ہوں گی جن سے ہم بھی پہچان سکیں ورنہ صحابہ کا تو یہ عقیدہ تھا کہ حضور کو اپنی ساری امت کے کھلے چھپے ایک ایک عمل کی خبر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تھا کہ کیا آپ کی امت میں کسی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر بھی ہیں؟ فرمایا ہاں عمر کی، یہ سوال و جواب علیم و خبیر سے ہی ہو سکتے ہیں۔

۶۔ سبحان اللہ! کیا نفیس تمثیل ہے کہ جیسے پنج کلیان گھوڑا کالے گھوڑوں میں نہیں چھپتا ایسے ہی میری امت دیگر امتوں میں نہیں چھپے گی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پچھلی امتوں کے سارے مؤمن سیاہ رو ہونگے، سیاہ روئی تو صرف کفار کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آثار و ضوہ کی خاص چمک صرف امت مصطفوی پر ہوگی۔

۷۔ حوض سے مراد حوض کوثر ہے جو ہمارے حضور کا ہے، اور نبیوں کے بھی حوض ہوں گے مگر کوثر کسی کا بھی نہیں۔ فرط اسے کہتے ہیں جو آگے پہنچ کر انتظام فرمائے۔ مطلب یہ ہے کہ کوثر پر ہم تم سے پہلے پہنچ کر تمہارا انتظام اور انتظار فرمائیں گے، تمہیں اپنے انتظام سے پانی پلائیں گے۔ حوض کی پوری تحقیق انشاء اللہ "باب حوض" میں آئے گی۔

روایت ہے حضرت ابودراء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں پہلا وہ ہوں جسے قیامت کے دن سجدے کی اجازت ملے گی اور میں ہی پہلا وہ ہوں جسے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی! تو اپنے سامنے بھیڑ دیکھوں گا تو تمام امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا اور میرے پیچھے بھی اسی طرح اور میرے داہنے بھی اسی طرح اور میرے بائیں بھی اسی طرح ہوں گے! تب ایک صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نوح علیہ السلام سے اپنی امت تک کی اتنی امتوں میں اپنی امت کو کیسے پہچائیں گے؟<sup>۳</sup> فرمایا وہ آثار وضو سے پہنچ لکیاں ہوں گے ان کے سوا اور کوئی ایسا نہ ہوگا۔ اور انہیں یوں پہچانوں گا کہ ان کی کتابیں ان کے داہنے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور ایسے پہچانوں گا کہ ان کے بچے ان کے آگے دوڑتے ہوں گے۔ (احمد)

۱۔ یہ سجدہ عبادت کا نہ ہوگا بلکہ شفاعت کبریٰ کی اجازت کا ہوگا، یہ وہ وقت ہوگا جب سارے انبیاء نفسی نفسی کہہ کر جواب دے چکے ہوں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کا دروازہ کھولیں گے۔ اس کی پوری تحقیق ان شاء اللہ "باب الشفاعة" میں کی جائے گی۔ مرثیہ نے فرمایا کہ چونکہ اللہ نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا اس لئے وہاں بھی پہلے شفاعت آپ ہی کریں گے ہر جگہ اولیت کا سہرا انہی کے سر ہے۔ یہ سجدہ ایک ہفتہ رہے گا۔ جس میں حضور خدا کی ایسی حمد کریں گے جو کبھی کسی نے نہ کی ہوگی۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف احمد ہے۔

۲۔ یعنی از آدم تا قیامت ساری خلقت حضور کو ایسے گھیرے ہوگی جیسے دولہا کو براتی، کیوں نہ ہو کہ سب کا فیصلہ آج کے دن حضور کی جنبش لب پر ہوگا، ہر آنکھ ان کا منہ تنکے گی، ہر سران کی طرف جھکے گا، حضور کی جو شان ظاہر ہوگی وہ دیکھ کر ہی معلوم ہوگی۔ اس بھیڑ میں سارے نبی بھی ہوں گے اور ان کے امتی بھی۔

۳۔ یعنی اتنی امتوں کی بھیڑ میں آپ کی امت کی پہچان کیا ہوگی۔ نوح علیہ السلام کا ذکر صرف ان کی شہرت کی بنا پر ہے ورنہ ان سے پہلے نبی مع امتوں کے وہاں موجود ہوں گے یا ان سب سے پہلے کفار کو تبلیغ نوح علیہ السلام نے ہی کی۔  
۴۔ یعنی اگرچہ وضو ساری امتوں نے کئے تھے لیکن اس کا یہ نور صرف اس امت کے لئے ہوگا۔

۵۔ یعنی میری امت کے نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے، کافروں کے بائیں ہاتھ میں، کچھلی امت کے مؤمنوں کو ابھی نامہ اعمال نہ ملے ہوں گے اسوقت خالی ہاتھ ہوں گے، بعد میں انہیں بھی داہنے ہاتھ میں ہی ملیں گے، نیز اس امت کے نامہ اعمال دور سے چمکتے ہوں گے نہ کہ دوسری امتوں کے۔ لہذا اس حدیث پر اعتراض نہیں کہ ہر نبی کے مؤمنوں کو دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جائیں گے۔

۱۔ جنت میں لے جانے کے لئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچوں کا ماں باپ کے آگے چلنا، شفاعت کرنا اس امت کے ساتھ خاص ہے۔ خیال رہے کہ ان تینوں علامتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان موقوف نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر شخص کے درجہ ایمان سے خبردار ہیں، ہر ایک کے ایمان کی نبض پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہے، کیوں نہ ہو کہ حضور ہر ایک کی ہر حالت کے گواہ مطلق ہیں "وَيَكُونَنَّ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا"۔ حضور کے نیک امتی گنہگاروں کو دوزخ میں سے نکال کر لائیں گے، پہلے انہیں جن کے دل میں ایمان دینار کے برابر ہے، پھر آدھے دینار والوں کو حتیٰ کہ آخر میں رائی کے برابر والوں کو، جب یہ مؤمن دل کے ایمان کی مقدار پہچانتے ہیں، تو حضور کی پہچان کا کیا پوچھنا

وہ لیں گے چھانٹ اپنے نام لیواؤں کو محشر میں  
غضب کی بھیڑ میں ان کی میں اس پہچان کے صدقے  
ورنہ حضور کی امت میں بعض لوگ ان تینوں علامتوں سے خالی ہوں گے کہ نہ انہوں نے وضو کیا، نہ کوئی نیک عمل، نہ ان کے کوئی اولاد بلکہ یہ علامتیں تو عوام کی پہچان کے لیے ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ ان کے بغیر میں نہ پہچان سکوں گا۔

### باب مایوجب الوضوء

#### وضو واجب کرنے والی چیزوں کا باب

الفصل الاول

پہلی فصل

۱۔ آٹھ چیزیں وضو توڑ دیتی ہیں: جو کچھ پیشاب یا پاخانہ کی راہ نکلے، منہ بھرے، بہتا خون، بے ہوشی، نشہ، غفلت کی نیند، رکوع سجدے والی نماز میں آواز سے ہنسا، مباشرت۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے وضو کی نماز قبول نہیں یہاں تک کہ وضو کرے (مسلم، بخاری)
--

۱۔ قبول سے مراد نماز کا جائز ہونا ہے اور وضو سے حقیقی اور حکمی دونوں وضو مراد ہیں یعنی تیمم بھی۔ بے وضو کی نماز بغیر وضو یا تیمم جائز نہیں۔ احناف کے نزدیک جسے وضو کے لائق پانی اور تیمم کے لائق مٹی نہ ملے وہ نماز قضا کرے، اور اگر قضا کا موقع پانے سے پہلے فوت ہو گیا تو اس پر گناہ نہیں۔ یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ عمدًا بے وضو پڑھنا کفر ہے جب کہ نماز کو ہلکا جانتا ہو۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ بغیر پاکی کے نماز قبول اور نہ خیانت کے مال سے صدقہ و خیرات قبول ہے (مسلم)
--

۱۔ یہاں طہارت سے وضو اور غسل دونوں مراد ہیں اور خیانت سے سارے حرام مال مراد، یعنی پاک ہو کر نماز پڑھو، اور حلال مال سے خیرات کرو، حرام مال اس کے مالک کو واپس کرو، اگر مالک کا پتا نہ چلے تو اسکے مالک کی طرف سے خیرات کر دو کہ اس کے لیے یہ حلال ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ میں بہت مذی والا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہوئے بھی شرماتا تھا آپ کی صاحبزادی کی وجہ سے۔ تو میں نے مقداد سے کہا انہوں نے حضور سے پوچھا تو فرمایا کہ شرمگاہ دھولیں اور وضو کر لیں ۲۔ (مسلم، بخاری)	
--	--

۱۔ شہوت کے وقت جو پتلا لیسیدار پانی نکلتا ہے وہ مذی ہے۔ پیشاب کے بعد جو سفید قطرہ آجاتا ہے وہ ودی کہلاتا ہے۔ ان دونوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے نہ کہ غسل۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بزرگوں سے حیاء غیرت کرنا کمال ایمان کی دولت ہے، ہاں حیاء کی وجہ سے مسئلہ ہی نہ پوچھنا، بے علم رہنا گناہ ہے۔ علی مرتضیٰ نے مسئلہ بھی معلوم کر لیا اور حیاء بھی قائم رکھی۔

۲۔ یعنی اس کا حکم پیشاب کا سا ہے کہ نجاست حکمی بھی ہے اور حقیقی بھی۔ خیال رہے کہ اگر مذی وغیرہ سے روپے برابر جگہ لتھڑ جائے تو پانی سے استنجا کرنا واجب ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جسے آگ پکائے اس سے وضو کرو ۱۔ (مسلم)	
--	--

۱۔ یہاں وضو لغوی معنی میں ہے، وضاء سے مشتق ہے، بمعنی صفائی۔ شرعی معنی مراد نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آگ کی پکی چیز کھا کر ہاتھ دھونا اور کلی کرنا بہتر ہے۔ پھل فروٹ کھانے کے بعد اس کی ضرورت نہیں، جیسا کہ اگلی احادیث سے ظاہر ہو رہا ہے، نیز ایک بار حضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر ہاتھ دھوئے، کلی کی اور فرمایا آگ کی پکی چیز کا وضو یہ ہے، اس صورت میں یہ حدیث منسوخ نہیں، کھانا کھا کر ہاتھ دھونا مستحب ہے۔

بڑے امام شیخ محی السنۃ نے فرمایا کہ یہ حکم حضرت ابن عباس کی حدیث سے منسوخ ہے جو فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ کھایا، پھر بغیر وضو کے نماز پڑھ لی ۱۔ (مسلم و بخاری)	
--	--

۱۔ صاحب مصابیح شیخ محی السنۃ نے شرح سنہ میں اس حدیث کو منسوخ مانا اس لئے کہ انہوں نے وضو شرعی معنی میں لیا اور امر و جواب کے لیے، لیکن ہماری پیش کردہ توجیہ پر حدیث منسوخ نہیں، نسخ میں تاریخ کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ نیز قولی حدیث فعلی سے منسوخ جب ہو سکتی ہے جب وہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے نہ ہو، اس لئے مناسب یہی ہے کہ حدیث منسوخ نہ مانی جائے۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے ۱۔ کہ ایک صاحب نے	
--	--

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ہم بکری کے گوشت سے وضو کریں؟ فرمایا اگر چاہو کرو چاہو نہ کرو عرض کیا کہ کیا ہم اونٹ کے گوشت سے وضو کریں؟ فرمایا ہاں اونٹ کے گوشت سے وضو کرو عرض کیا کہ میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ فرمایا ہاں عرض کیا کہ کیا اونٹوں کے طویلہ میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ فرمایا نہیں (مسلم)

۱۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، قبیلہ بنی عامر سے ہے، سعد ابن ابی وقاص کے بھانجے ہیں، صحابی اور صحابی زادہ ہیں، کوفے میں رہے، ۶۰ھ میں وفات ہوئی۔

۲۔ یہاں بھی وضو کے معنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا ہیں۔ چونکہ اونٹ کے گوشت میں بو اور چکناہٹ زیادہ ہوتی ہے کہ بغیر ہاتھ منہ دھوئے جاتی نہیں، بکری کے گوشت میں یہ بات نہیں اس لئے کہ اونٹ کے گوشت پر صفائی کی تاکید فرمائی گئی۔ امام احمد کے نزدیک اونٹ کے گوشت سے بھی وضو واجب ہے اسی حدیث کی بناء پر۔

۳۔ یعنی جہاں اونٹ بندھے ہوں وہاں نماز نہ پڑھو کیونکہ نمازی کو خطرہ رہتا ہے کہ شاید اونٹ کھلے اور مجھ کو روندے اس لیے حضور قلب حاصل نہ ہوگا، بکری میں یہ خطرہ نہیں۔ وجہ فرق یہ ہے ورنہ اونٹ اور بکری دونوں کا پیشاب نجاست خفیفہ ہے اور زمین سوکھ کر پاک ہو جاتی ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اونٹ کے پیشاب کی چھینٹیں دور تک جاتی ہیں نہ کہ بکری کے پیشاب کی، لہذا نمازی کو وہاں فکر نہ رہے گی نہ کہ یہاں، نیز اونٹ والے اونٹوں کی آڑ میں پیشاب کر لیتے تھے وہاں زمین زیادہ گندی ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ پائے تو اس پر مشتبہ ہو جائے کہ کچھ نکلایا نہیں تو مسجد سے نہ جائے، تا آنکہ آواز سن لے یا بو محسوس کرے! (مسلم)

۱۔ یعنی اگر کوئی شخص مسجد میں جماعت سے نماز پڑھ رہا ہے کہ اس کے پیٹ میں گڑ گڑاہٹ ہوئی لیکن بو محسوس نہ ہوئی، ہوا کے نکلنے کا یقین نہ ہوا، یونہی شبہ سا ہو گیا تو شبہ کا اعتبار نہ کرے، وہ با وضو ہے، نماز پڑھے جائے۔ آواز سننے سے مراد ہے نکلنے کا یقین۔ اس سے معلوم ہوا کہ یقینی وضو مشکوک حدت سے نہیں جاتا، ہمیں یقین ہے کہ ظہر کے وقت ہم نے وضو کیا تھا مگر ٹوٹنے کا صرف شبہ ہے یقینی نہیں تو ہمارا وضو باقی ہے۔

روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا تو کلی فرمائی اور فرمایا کہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے! (مسلم، بخاری)

۱۔ یہ حدیث کھانے کے وضو کی تفسیر ہے۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ چکنی چیز کھا کر پانی کرکلی کرنا چاہیئے اگرچہ آگ کی پکی ہوئی نہ ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچا دودھ پیا تھا کیونکہ چکنی چیز کا اثر منہ میں رہتا ہے اگر اسی حال میں نماز پڑھی جائے تو اس کا اثر پیٹ میں پہنچتا رہے گا جو کراہت سے خالی نہیں۔ (مرقاۃ)

روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے چند نمازیں پڑھیں اور اپنے موزوں پر مسح فرمایا۔ تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ آج حضور نے وہ کام کیا جو کرتے نہ تھے فرمایا اے عمر ہم نے قصداً کیا۔ (مسلم)

۱۔ آپ بریدہ ابن ابی حُصیب اسلمی ہیں، بدر سے پہلے اسلام لائے، بیعت الرضوان میں حاضر ہوئے، پہلے مدینہ طیبہ پھر بصرہ میں قیام رہا، پھر خراسان میں غازی ہو کر گئے، مقام مرو میں ۲۷ھ میں وفات پائی۔  
 ۲۔ فتح مکہ کے دن ایک وضو سے پانچ نمازیں پڑھیں، اور وضو میں چڑے کے موزوں پر مسح فرمایا، اس سے پہلے ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے، اور پاؤں شریف دھوتے تھے اسی لیے عمر فاروق کو تعجب ہوا۔  
 ۳۔ تاکہ اپنے عمل شریف سے امت کو دو مسئلے بتادیں۔ ایک یہ کہ ایک وضو سے چند نمازیں جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ موزوں پر مسح سنت ہے، اگرچہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو بہتر ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر مستحب کام کرنا بھی باعث ثواب ہے کہ اس میں تبلیغ ہے۔

روایت ہے حضرت سوید ابن نعمان سے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے سال گئے، جب مقام صہبائے میں پہنچے جو خیبر سے قریب ہے تو حضور نے نماز عصر پڑھی پھر توشہ منگایا صرف ستو لائے گئے۔ پھر آپ کے حکم سے بھگوئے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھائے اور ہم نے بھی کھائے۔ پھر نماز مغرب کے لئے کھڑے ہو گئے تو آپ نے بھی کلی کر لی اور ہم نے بھی کلی کر لی پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ (بخاری)

۱۔ آپ انصاری ہیں، جنگ احد اور بیعت رضوان وغیرہ غزوات میں شریک رہے، اہل مدینہ میں سے ہیں۔

۲۔ یہ ہے سلطان کونین کا غزوات میں کھانا اور شاہی راشن جن کے نام لیوا آج دنیا بھر کی نعمتیں کھا رہے ہیں۔

بوریا ممنون خواب راحتش تاج کسریٰ زیر پائے آتش

دیکھو خیبر کی جنگ ہے اور مجاہدین بلکہ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا ستو ہیں۔

۳۔ اس زمانہ میں ستو گھول کر پینے کا رواج نہ تھا، نیز اس وقت شکر یا گڑ موجود نہ ہوگا تو صرف پانی میں گوندھ لئے گئے تاکہ حلق سے اترنا آسان ہو۔



۴ یعنی صرف کلی پر کفایت کی، اگرچہ ستواگ میں بھونے جاتے ہیں یہ حدیث وضوء طعم کی تفسیر ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وضو نہیں واجب ہوتا مگر آواز یا بوسے (احمد و ترمذی)	
--	--

۱۔ یہ حصر ہوا کہ لحاظ سے ہے، یعنی جب تک کہ ہوا نکلنے کا یقین نہ ہو تب تک وضو نہیں جاتا، یہ مطلب نہیں کہ ہوا کے سوا کسی اور چیز سے وضو نہیں جاتا۔

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ مذی سے وضو ہے اور منی سے غسل (ترمذی)	
--	--

۱۔ حضرت علی مرتضیٰ کا یہ سوال حضرت مقداد کے ذریعہ تھا بلا واسطہ نہ تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا، لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ منی و مذی میں یہ فرق ہے کہ منی شہوت توڑ دیتی ہے۔ اور مذی بڑھا دیتی ہے۔ نیز منی دودھ کی طرح سفید اور گاڑھی لیسدار ہوتی ہے اور مذی پیشاب کی طرح مگر لیسدار۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز کی کنجی طہارت ہے۔ اور اس کا احرام تکبیر اور اس سے کھلنا سلام ہے۔ اسے ابو داؤد، ترمذی اور دارمی نے روایت کیا۔	
---	--

۱۔ کہ جیسے بغیر کنجی قفل نہیں کھلتا، ایسے ہی وضو، غسل یا تیمم کے بغیر نماز شروع نہیں ہو سکتی۔ یہ حدیث امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے کہ جو وضو اور تیمم نہ کرے وہ نماز نہ پڑھے۔

۲۔ یعنی حج کا احرام تلبیہ سے بندھتا ہے کہ تلبیہ کہتے ہی حاجی پر صدہا چیزیں حرام ہو جاتی ہیں، ایسے ہی نماز کا احرام تکبیر سے بندھتا ہے کہ تکبیر کہتے ہی کلام، سلام، کھانا، پینا سب حرام۔ نیز جیسے حج کے احرام سے کھلنا سر منڈانے سے ہوتا ہے، ایسے ہی نماز کا احرام سے کھلنا سلام سے ہوتا ہے کہ سلام پھیرتے ہی مذکورہ بالا تمام چیزیں حلال۔ خیال رہے کہ تکبیر تحریمہ سب کے نزدیک فرض ہے مگر سلام امام شافعی و مالک و احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک فرض، اور ہمارے امام صاحب کے یہاں واجب ہے۔ ان بزرگوں کی دلیل یہی حدیث ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ان اعرابی کی دلیل ہے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تعلیم دی اس میں سلام کا ذکر نہیں۔ اگر فرض ہوتا تو ضرور ذکر فرمایا جاتا، اس حدیث کی بنا پر ہم سلام کی فرضیت کا انکار کرتے ہیں، اس حدیث کی بنا پر سلام کے وجوب کے قائل، ہمارا عمل دونوں حدیثوں پر ہے۔ تکبیر و سلام کے پورے مسائل کتب فقہ میں دیکھو۔

اور ابن ماجہ نے بھی انہی سے اور ابو سعید سے۔	
--	--

روایت ہے حضرت علی ابن طلق سے ۱۔ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی بے آواز ہوا نکالے تو وضو کرے اور عورتوں کی دروں سے نہ جاؤ ۲۔ (ترمذی و ابوداؤد)

۱۔ آپ حنفی یمامی ہیں، آپ سے ابن سلام نے روایت لیں۔ بعض نے فرمایا کہ آپ کا نام طلق ابن علی ہے اور آپ سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔

۲۔ کہ یہ پلیدی کی جگہ ہے نہ کہ اولاد کا محل۔ خیال رہے کہ عورتوں کی در میں صحبت حرام قطعی ہے جس کا منکر کافر ہے، مگر یہ حرمت قطعی قیاس قطعی سے ثابت ہے نہ کہ ان احادیث سے، کیونکہ یہ احادیث ظنی ہیں۔

روایت ہے حضرت معاویہ ابن ابی سفیان سے ۱۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آنکھیں سرین کا بندھن ہیں تو جب آنکھ سو گئی تو بندھن کھل گیا ۲۔ (دارمی)

۱۔ حضرت معاویہ کے حالات پہلے بیان ہو چکے۔ ان کے والد کا نام حرب، کنیت ابو سفیان ابن صخر ہے، اموی ہیں، قریشی ہیں، فیل کے واقعہ سے دس سال قبل پیدا ہوئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش فیل سے چالیس دن بعد ہے۔ فتح مکہ کے دن ایمان لائے، حضور کے ساتھ جنگ حنین میں شریک رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بڑے بڑے عطیہ عطا فرمائے۔ جنگ طائف میں آپ کی ایک آنکھ جاتی رہی اور جنگ یرموک میں دوسری آنکھ بھی شہید ہو گئی، ۳۳ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ سے روایات لیں۔ (مرقاۃ وغیرہ)

۲۔ لہذا سونا وضو توڑ دیتا ہے جیسے موت غسل توڑ دیتی ہے مگر نبی کی نیند سے وضو نہیں جاتا کیونکہ وہ غافل نہیں ہوتے اسی لیے ان کی خواب وحی الہی ہوتی ہے، نیز شہید کی موت غسل نہیں توڑتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بے خبری کی نیند وضو توڑے گی، بیٹھے بیٹھے اوگھنا وضو نہیں توڑتا کیونکہ اس میں اعضاء ڈھیلے نہیں پڑتے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سرین کا بندھن آنکھیں ہیں تو جو سویا وہ وضو کرے ۱۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۱۔ یعنی اگر آنکھ کھلی رہے تو ریح نکلنے کی خبر رہتی ہے، سوتے ہی بے خبری ہو جاتی ہے۔ لہذا اب نیند ہی ناقص مان لی گئی، خواہ ریح نکلے یا نہ نکلے، نیند کا جھوٹا آیا اور وضو گیا۔

شیخ امام معی السنۃ نے فرمایا کہ یہ اس کے لیے ہے جو بیٹھا نہ ہو کیونکہ حضرت انس سے روایت صحیح مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز عشاء کا انتظار کرتے تھے حتیٰ کہ ان کے سر جھک جاتے تھے پھر نماز پڑھ لیتے اور وضو نہ کرتے تھے ۱۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا مگر

ترمذی نے بجائے "ینتظرون العشاء" الخ کے یہ فرمایا کہ وہ سو جاتے تھے۔

۱۔ لہذا جس نیند میں اعضاء ڈھیلے نہ پڑیں اس سے وضو نہیں جاتا، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اگر عورت سجدے میں سو جائے تو وضو گیا اور اگر مرد سجدے میں سو جائے تو وضو نہیں جاتا کیونکہ مرد سجدے میں غافل نہیں سو سکتا ورنہ گر جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وضو اس پر ہے جو لیٹ کر سوئے، کیونکہ جب وہ لیٹے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جائیں گے۔ (ترمذی و ابوداؤد)

۱۔ بیٹھے ہوئے ٹیک لگا کر سونا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ وضو ٹوٹنے کی علت اور اعضاء کا ڈھیلا پڑنا ہے خواہ لیٹ کر ہو یا بیٹھے ہوئے ٹیک لگا کر حتیٰ کہ جو کوئی بیٹھے ہوئے اونگھے اور اونگھنے میں گرے، گرنے کے بعد آنکھ کھلے وضو جاتا رہا اور اگر گرنے سے قبل آنکھ کھل گئی پھر گرا تو وضو نہ گیا۔

روایت ہے حضرت بسرہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے عضو خاص کو چھوئے تو وضو کرے۔ ۲۔ اسے مالک، احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

۱۔ آپ بسرہ بنت صفوان ابن نوفل ہیں، قرشہ ہیں، اسدیہ ہیں، ورقہ ابن نوفل کی بھینچی ہیں، مشہور صحابیہ ہیں۔

۲۔ مس کے معنی چھونا بھی ہیں، لگنا و لگانا بھی، اور پہنچنا پہنچانا بھی، رب فرماتا ہے: "مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّمْرَاءُ" یہاں اگر چھونے کے معنی ہوں تو تھوڑی عبارت پوشیدہ ہوگی، یعنی جو عضو خاص چھوئے اور وہاں تری پائے تو وضو کرے، چھونے سے نہیں بلکہ تری نکلنے سے، جیسے رب فرماتا ہے: "أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ" یعنی تم میں سے کوئی بیت الخلاء (پاخانہ) سے آئے۔ ظاہر ہے کہ بیت الخلاء میں ہو کر آنا وضو نہیں توڑتا بلکہ وہاں پیشاب پاخانہ کر کے آنا وضو توڑتا ہے۔ اور اگر مس لگانے یا پہنچانے کے معنی میں ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جب تم میں اپنی عورت سے کوئی مباشرت کرے تب وضو کرے، یعنی مَسَّ بِالْيَدِ مراد نہیں بلکہ مَسَّ بِالْفَرْجِ مراد ہے۔ ان دونوں صورتوں میں یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے اور اگلی حدیث کے خلاف بھی نہیں۔ حضرت امام شافعی اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ مس عضو خاص وضو توڑ دیتا ہے، لیکن اس حدیث سے ان کا مذہب ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے نزدیک صرف ہتھیلی یا انگلیوں کے پیٹ سے بغیر آڑ چھونا وضو توڑتا ہے۔ انگلیوں یا ہتھیلی کی پیٹھ یا کلائی، کہنی ران سے لگ جانا وضو نہیں توڑتا حالانکہ اس حدیث میں مس مطلق ہے جس میں یہ قیدیں نہیں، نیز یہ حدیث اگلی حدیث کے بھی خلاف ہوگی۔ طحاوی شریف میں ہے کہ یہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا ہے۔ یہی حضرت مصعب ابن سعد کا قول ہے، یعنی جو عضو خاص چھوئے مناسب ہے کہ ہاتھ دھوئے جیسے کھانے کے وضو میں تھا۔ (ازمرقاة لمعات وغیرہ)

روایت ہے حضرت طلق ابن علی سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا گیا کہ جو وضو کے بعد عضو خاص کو چھوئے فرمایا وہ بھی تو جسم انسانی کا ہی حصہ ہے۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کیا اور شیخ امام مہجی السننہ نے فرمایا کہ یہ حکم منسوخ ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ طلق کے آنے کے بعد اسلام لائے۔

یعنی جیسے ناک، انگلی وغیرہ جسم کے اعضاء ہیں کہ ان کے چھونے سے وضو نہیں جاتا، ایسے ہی یہ بھی ایک عضو ہے کہ اس کا چھونا وضو نہیں توڑے گا۔ یہ حدیث ہمارے امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ اس عضو کے چھونے سے وضو نہیں جاتا۔ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عباس، عمار ابن یاسر، حذیفہ، سعد، عبداللہ ابن مسعود وغیرہم بہت صحابہ کا یہی مذہب ہے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ناک، کان چھوؤں یا یہ عضو، برابر ہی ہے۔ حضرت سعد سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر نجس ہے تو اسے کاٹ ڈالو۔ اس کی پوری بحث طحاوی شریف اور صحیح البہاری وغیرہ میں دیکھو۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، حضور نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ عضو خاص تک پہنچائے کہ بیچ میں آڑ نہ ہو تو وضو کرے۔ اسے شافعی اور دار قطنی نے روایت کیا۔

چونکہ صاحب مصابیح محی السننہ اور صاحب مشکوٰۃ ولی الدین رحمۃ اللہ علیہما شافعی ہیں۔ اور یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔ اس لئے جواب پر مجبور ہوئے اور نسخ کے سوا اور کوئی جواب نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ حدیث مطابق قیاس کے ہے اور پچھلی حدیث خلاف قیاس، لہذا ترجیح اس ہی حدیث کو ہوگی جو مطابق قیاس ہے۔ اس لیے حضرت محی السننہ نے نسخ کا دعویٰ فرمایا مگر نسخ کی روایت کوئی نہ ملی، صرف اندازے سے منسوخ کہہ دیا، یعنی چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسلام پیچھے ہے اور طلق کی حاضری پہلے، لہذا طلق نے نہ ٹوٹنے کی حدیث پہلے سنی ہوگی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وضو توڑنے والی حدیث بعد میں سنی ہوگی، اس لئے حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نسخ ہے اور حدیث طلق منسوخ۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کتنی کمزور ہے۔ اولاً تو اس لیے کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں، دونوں جمع ہو سکتی ہیں جیسا کہ ہم عرض کر چکے، پھر بلاوجہ ایک منسوخ کیوں مانا جائے۔ دوسرے اس لئے کہ حضرت ابوہریرہ کے اسلام کے بعد حضرت طلق نہ تو فات پا گئے اور نہ بالکل غائب ہی ہو گئے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے رہے، تو ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بہت عرصہ بعد سنی ہو اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت پہلے سن لی ہو، حدیث طلق نسخ ہو، ابوہریرہ منسوخ۔ بہر حال یہ دعویٰ نسخ بلا دلیل ہے۔ خیال رہے کہ حضرت طلق ہجرت کے سال مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے خیر کے سال اسلام لائے، نیز حضرت ابوہریرہ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا بلکہ حضور سے روایت کی۔ ہو سکتا ہے کہ

یہ حدیث طلق کی تشریف آواری سے بہت پہلے کسی اور صحابی نے سنی ہو، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہو جیسا کہ مُرسَل صحابہ میں ہوتا ہے۔

اور نسائی نے حضرت بُسرہ سے مگر انہوں نے یہ ذکر نہ کیا کہ بیچ میں آڑ نہ ہو۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھ لیتے اور وضو نہ کرتے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا کہ ہمارے ساتھیوں کے نزدیک کسی حالت میں بھی عروہ کی حضرت عائشہ سے اسناد صحیح نہیں۔<sup>۲</sup> نیز ابراہیم تیمی کی اسناد انہی حضرت عائشہ سے ہے۔ اور ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ حدیث مرسل ہے ابراہیم تیمی نے حضرت عائشہ سے نہ سنا۔

۱۔ یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی قوی دلیل ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جو مسلم، بخاری، نسائی وغیرہ میں ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوتی تھی اور آپ تہجد پڑھنے میں مشغول ہوتے تھے، جب وہ سجدہ کرتے تو مجھے ہاتھ لگادیتے میں پاؤں سمیٹ لیتی، آپ سجدہ کر لیتے سجدہ کے بعد میں پاؤں پھیلا لیتی۔ (مسلم بخاری) نیز فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور کو بستر پر نہ پایا میں ٹولنے لگی میرا ہاتھ آپ کے قدم شریف سے لگا جو کھڑا ہوا تھا اور آپ سجدہ میں تھے۔ (نسائی) نیز فرماتی ہیں کہ ایک بار آپ نے لمبا سجدہ فرمایا میں سمجھی کہ آپ کی وفات ہو گئی، میں نے آپ کے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر ہلایا۔ (بیہقی) ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا چھونا وضو نہیں توڑتا۔

۲۔ کیونکہ اس اسناد میں حبیب ابن ثابت حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں، عروہ کی سماعت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے بلکہ وہ ان کے شاگرد ہیں، مگر حبیب کی سماعت عروہ سے صحیح نہیں لہذا حدیث مرسل ہے۔ ترمذی نے اصحابینا اس واسطے فرمایا کہ مرسل حدیث شوافع کے مذہب میں دلیل نہیں۔ مگر احناف کے نزدیک دلیل ہے۔

۳۔ خلاصہ اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ سے دو اسنادوں سے مروی ہے۔ عروہ عن عائشہ اور ابراہیم تیمی عن عائشہ اور دونوں مرسل کیونکہ ابراہیم تیمی نے بھی عائشہ صدیقہ سے نہ سنا، مگر یہ اعتراض امام صاحب پر نہیں پڑ سکتا، کیونکہ ان کے ہاں حدیث مرسل قابل حجت ہے، شوافع اپنے اصول سے ہم پر اعتراضات کیسے کر سکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شانہ کھایا، پھر اپنا ہاتھ اس ٹاٹ سے پونچھا جو آپ کے نیچے تھا پھر کھڑے

ہوئے اور نماز پڑھ لی۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱۔ حضور کو بکری کا شانہ یعنی دستی بہت مرغوب تھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے گوشت کھا کر ہاتھ بھی نہ دھوئے صرف پونچھ ہی لئے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھنی ہوئی پسلیاں پیش کیں حضور نے اس میں سے کھایا، پھر نماز کی طرف کھڑے ہو گئے اور وضو نہ کیا! (احمد)

۱۔ نہ وضو شرعی نہ لغوی، یعنی ہاتھ دھونا بلکہ ہاتھ پونچھے بھی نہیں تاکہ معلوم ہو کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونا یا پونچھنا فرض یا واجب نہیں، سنت ہے جس کے کرنے پر ثواب، نہ کرنے پر گناہ نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابورافع سے فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بکری کا پیٹ بھونتا تھا۔ پھر حضور نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے۔ (مسلم)

۱۔ یعنی پیٹ کی چیزیں دل، کلیجی، تلی وغیرہ۔ مگر گردے حضور کو ناپسند تھے کیونکہ ان کا تعلق پیشاب سے ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میرے پاس بکری ہدیہ بھیجی گئی اسے ہانڈی میں ڈالا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا ابورافع! یہ کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ یہ بکری ہے جو ہمیں ہدیہ ملی پھر ہم نے ہانڈی میں پکالیا، فرمایا اے ابورافع! ہم کو ایک دستی دو! میں نے دستی پیش کی، پھر فرمایا کہ دوسرا دست بھی دو میں نے دوسرے دستی بھی پیش کی ۲۔ پھر فرمایا اے ابورافع! اور دست لاؤ عرض کیا یا رسول اللہ بکری کے دو ہی دست ہوتے ہیں تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم خاموش رہتے تو تم ہم کو دست پر دست دیتے رہتے جب تک خاموش رہتے ۳۔ پھر پانی منگایا پھر منہ کی کلی کی اور اپنے پورے دھوئے ۴۔ پھر کھڑے ہوئے تب نماز پڑھی پھر واپس تشریف لائے تو ان کے پاس ٹھنڈا گوشت پایا کھایا پھر مسجد میں تشریف لائے نماز پڑھی پانی چھوا بھی نہیں ۵۔ اسے احمد نے روایت کیا۔

۱۔ معلوم ہوا کہ اپنے غلاموں یا دوستوں سے کوئی چیز بے تکلفی سے مانگنا ناجائز نہیں۔ جس سوال سے منع کیا گیا وہ ذلت کا سوال ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دست پسند تھا کیونکہ گلٹا بھی جلدی ہے، لذیذ بھی ہوتا ہے، اس میں ریشہ یعنی دھاگہ بھی نہیں ہوتا۔

۲۔ غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت ہوگی اور سب کے ساتھ یہ گوشت کھایا ہوگا۔

۳۔ یعنی ہم مطالبہ کئے جاتے تم دیتے رہتے، اسی ہانڈی میں سے سینکڑوں دست نکل آتے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ہر قسم کی اشیاء عالم غیب سے مہیا ہو جاتی ہے۔ حضرت طلحہ کے گھر تین چار سیر گوشت سینکڑوں کو کھلادیا، بوٹیاں اور شوربے کا پانی اور مصالحہ عالم غیب ہی سے آ رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ بزرگوں کے سامنے ایسے موقع پر انکار یا تردد نہ چاہیے، بلکہ بے دریغ ان کے حکم پر عمل چاہیے، بحث و انکار سے فیض بند ہو جاتا ہے۔

۴۔ یعنی پورا ہاتھ تو کیا، پوری انگلیاں بھی نہ دھوئیں بیان جواز کے لئے ورنہ کھانے سے اوّل اور بعد دونوں ہاتھ دھونا سنت ہے۔

۵۔ غالباً پہلی بار نفل پڑھے ہوں گے اور دوبارہ فرائض۔ واللہ اعلم!

اور دارمی نے ابو عبید سے روایت کیا، مگر انہوں نے "ثُمَّ دَعَا" الخ کا ذکر نہ کیا۔

روایت ہے حضرت انس بن مالک سے فرماتے ہیں کہ میں اور ابی اور ابو طلحہ ا بیٹھے ہوئے تھے ہم نے گوشت و روٹی کھائی پھر میں نے وضو کا پانی منگایا۔ تو ان دونوں نے فرمایا کہ کیوں وضو کرتے ہو، میں نے کہا اس کھانے کی وجہ سے جو ہم نے کھایا وہ بولے کیا تم حلال چیزوں سے وضو کرتے ہو؟ ۳۔ اس سے تو انہوں نے بھی وضو نہ کیا جو تم سے بہتر ہیں۔ (احمد)

۱۔ آپ کا نام زید ابن سہل ہے، کنیت ابو طلحہ، انصاری ہیں، نجاری ہیں، حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں، ۷۷ سال عمر پائی، ۳۷ھ میں سمندر کا سفر کیا، جزیرہ میں وفات ہوئی، نو دن کے بعد وہیں دفن ہوئے، بیعت عقبہ اور بدر وغیرہ تمام غزوات میں شامل رہے۔

۲۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ وضوء طعام کی حدیث میں وضوء کے شرعی معنی سمجھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محدث بغیر فقیہ کی رائے کے حدیث پر عمل نہ کرے اسی لیے امام ترمذی وغیرہم مقلد ہوئے۔

۳۔ یعنی وضوء پاکی ہے کسی ناپاک چیز سے ہونا چاہیئے اور کھانا حرام ہے نہ نجس پھر وضوء کیسا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو چھونے سے بھی وضوء نہیں جائے گا کہ وہ بھی نہ نجس۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے تھے کہ مرد کو اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے اپنے ہاتھ سے چھونا ملامت ہے، جو اپنی بیوی کو چومے یا اپنے ہاتھ سے چھوئے تو اس پر وضوء ہے! (مالک و شافعی)

۱۔ سورۃ نساء اور سورۃ مائدہ میں آیت کریمہ ہے: "أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا" یعنی اگر کوئی تم میں سے پاخانے سے آئے یا تم عورتوں کو چھوؤ اور نہ پاؤ پانی، تو پاک مٹی سے تیمم کر لو۔ امام شافعی کے نزدیک یہاں لمس کے معنی فقط عورت کو ہاتھ لگانا ہیں کہ اس سے ان کے ہاں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ہمارے ہاں لمس سے مراد صحبت کرنا ہے جس سے غسل واجب ہوتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ مباشرت مراد ہو، یعنی ننگا چپٹنا جس سے وضو واجب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر چھونے اور بوسہ کو لمس فرما رہے ہیں۔ لہذا یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے۔ اس کا جواب ان شاء اللہ ہم ابھی آگے دے رہے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ فرماتے تھے کہ مرد کو اپنی بیوی کا بوسہ لینے سے وضو ہے (مالک)
--

۱۔ یعنی حضرت ابن مسعود کی بھی رائے یہی ہے کہ عورت کا چومنا یا چھونا باعث وضو ہے۔ اس کا جواب آگے آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بوسہ لمس سے ہے لہذا اس سے وضو کروا
--

۱۔ خیال رہے کہ ان تینوں بزرگوں کا اپنا قول یہ ہے کہ عورت کو چھونے اور بوسہ سے وضو ہے۔ اس بارے میں حدیث مرفوع کوئی نہیں بلکہ حدیث مرفوع اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ دارقطنی میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کو جب حضرت ابن عمر کا یہ قول پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ بوسہ سے وضو کیسے ہو سکتا ہے، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے تھے اور بغیر وضو کے نماز پڑھ لیتے تھے۔ نیز ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، نسائی، ابن عساکر موطاء امام محمد وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ سے تھوڑے اختلاف کے ساتھ روایات ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیتے تھے اور پھر بغیر وضو کے نماز پڑھ لیتے تھے، نیز مسند ابو عبد اللہ میں حضرت حفصہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر کے بعض ازواج کا بوسہ لیتے اور پھر دوبارہ وضو نہ فرماتے، نیز جیسے اس بوسہ سے عورت کا وضو نہیں جاتا تو چاہیے کہ مرد کا بھی نہ جائے، مباشرت عورت و مرد دونوں کا وضو توڑتی ہے اور صحبت دونوں کا غسل۔ تو کیسے ہو سکتا ہے کہ بوسہ یا چھونا مرد کا تو وضو توڑے، عورت کا نہ توڑے۔ لہذا ان موقوف احادیث کا یہ مطلب ہے کہ عورت کو چھو کر یا بوسہ لے کر وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ لَعْنَةُ لَمَسٍ میں یہ بھی داخل ہے، اگرچہ یہ قرآن میں مراد نہیں، یا ان بزرگوں کو ہماری پیش کردہ روایات پہنچی ہی نہیں۔ بہر حال حدیث مرفوع کے مقابل حدیث موقوف معتبر نہیں، حتی الامکان دونوں میں مطابقت کی جائے اگر مطابقت نہ ہو سکے تو موقوف چھوڑ دی جائے، چھونے کی حدیث ہم پہلے پیش کر چکے ہیں کہ عائشہ صدیقہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں شریف نماز میں چھوا ہے، اور عائشہ صدیقہ کو عین نماز میں حضور نے چھوا ہے اور سرکار دونوں موقعوں پر نماز پڑھتے رہے۔ بہر حال مذہب حنفی نہایت قوی ہے، اسی کمزوری کی وجہ سے امام شافعی نے آخر میں یہ فرمایا کہ اجنبی عورت کے چھونے سے وضو جاتا ہے نہ کہ اپنی بیوی کو۔ مسند امام ابو حنیفہ میں ہے کہ عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں بوسہ میں وضو نہیں۔ شیخ عبدالحق نے اشعة اللمعات میں فرمایا کہ یہ تینوں مشکوٰۃ کی موقوف حدیثیں اسناداً صحیح نہیں۔



روایت ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے وہ تمیم داری سے  
۱۔ راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ  
ہر بستے خون سے وضو ہے ۲۔ ان دونوں حدیثوں کو دارقطنی  
نے روایت کیا اور فرمایا کہ عمر بن عبدالعزیز نے تمیم داری  
سے نہ سنا نہ انہیں دیکھا اور یزید ابن خالد اور یزید ابن  
محمد مجہول لوگ ہیں ۳۔

۱۔ آپ کا نام تمیم ابن اوس یا تمیم ابن خارجہ ہے، دار آپ کے کسی دادا کا نام ہے، جس کی کنیت ابورقیہ تھی، آپ مشہور صحابی ہیں،  
۹ھ میں ایمان لائے، رات کو ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے، آپ نے ہی اولاً مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا، مدینہ منورہ میں  
قیام رہا، حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام چلے گئے، وہیں وفات پائی۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز ابن مروان ابن حکم تابعی ہیں، آپ  
کی کنیت ابو حفص ہے، آپ کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت عاصم بن عمر ابن خطاب ہے، کنیت ام عاصم، سلیمان ابن عبدالملک کی خلافت کے  
بعد آپ خلیفہ ہوئے، ۹۹ھ میں خلافت سنبھالی اور ۱۰۱ھ میں ماہ رجب مقام ذیبر سمعان میں قریب حمص انتقال ہوا، چالیس سال  
عمر ہوئی، دو سال پانچ مہینے خلافت کی، فاطمہ بنت عبدالملک آپ کے نکاح میں تھیں، آپ جیسے عابد، زاہد، خوف خدا میں رونے والے  
امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں کم گزرے، آپ عدل و انصاف میں عمر فاروق کا نمونہ تھے، یزید وغیرہ کی بدعتوں کا آپ نے قلع قمع  
کیا۔

۲۔ یعنی جو خون بہہ کر جسم کے اس حصہ کی طرف آجائے جس کا دھونا غسل میں فرض ہے وہ ناقض وضو ہے۔ یہ حدیث امام اعظم  
کی دلیل ہے کہ خون وضو توڑتا ہے۔ حضرت امام شافعی اس کے خلاف ہیں۔

۳۔ مصنف نے اس حدیث پر دو اعتراض کئے: ایک یہ کہ یہ حدیث مرسل ہے کہ سچے میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس  
کی اسناد میں دو راوی مجہول ہیں۔ مگر خیال رہے کہ حنفیوں کے نزدیک حدیث مرسل قابل عمل ہے، نیز حنفیوں کے اس مسئلے کا مدار  
صرف اس حدیث پر نہیں، بلکہ بخاری، ابن ماجہ، ترمذی، طبرانی، موطا امام مالک، ابوداؤد وغیرہم کی بہت سی احادیث پر ہے۔ چنانچہ بخاری  
میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ابی جہش سے فرمایا کہ جب تمہارے حیض کا زمانہ نکل جائے تو استحاضہ کے زمانہ میں  
ہر نماز کے لیے نیا وضو کرو۔ اگر خون وضو نہیں توڑتا تو استحاضہ والی عورت معذور کیوں قرار دی گئی، نیز ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ میں ہے  
کہ حضور فرماتے ہیں اگر نماز میں کسی کی نکسیر پھوٹ جائے تو نماز چھوڑ کر وضو کرے، پھر نماز پوری کرے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری  
کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیکھو۔ خیال رہے کہ بہتا خون بجز قرآن نجاست ہے اور نجاست کا نکلنا وضو توڑتا ہے۔ ایسی صحیح مرفوع  
حدیث فقیر کی نظر سے نہ گزری جس میں ہو کہ خون ناقض وضو نہیں۔

## باب آداب الخلاء

### پاخانے کے آداب کا باب

الفصل الاول

## پہلی فصل

۱۔ اِخْلَاءُ لَعْنَتٍ مِیْنِ خَالِیْ جَلْهٍ كُو كَهْتِبْتِیْ هِیْنِ۔ اصطلاح میں آبدست کو، چونکہ یہ کام تنہائی میں ہوتا ہے اس لئے اسے خلا کہا جاتا ہے۔

روایت ہے ابو ایوب انصاری سے ۱۔ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم پاخانہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو اور نہ پیٹھ لیکن یا تو پورب کی طرف ہو جاؤ یا بچھم کی طرف ۲۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ آپ کا نام خالد بن زید ہے، انصاری ہیں، خزر جی ہیں، بیعت عقبہ میں موجود تھے، تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے، حضور نے ہجرت کے دن اولاً انہی کے گھر قیام فرمایا، صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلاف کے وقت حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ تمام جنگوں میں شامل رہے، زید ابن معاویہ کی سرکردگی میں جو روم پر جہاد ہوئے ان میں آپ غازیانہ شان سے شامل تھے، قسطنطنیہ پر حملہ کے وقت بیمار ہو گئے، وصیت کی کہ اس جہاد میں میری میت اپنے ساتھ رکھنا، اور قسطنطنیہ فتح ہو جائے تو مجاہدین کے قدموں کے نیچے مجھے دفن کرنا، چنانچہ آپ قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے مدفون ہیں، آپ کی قبر زیارت گاہ خواص و عام ہے۔ بیمار ان کی قبر کی مٹی سے شفا پاتے ہیں۔ (مرقاۃ و انکمال)

۲۔ یعنی پیشاب پاخانہ کے وقت قبلہ کو منہ یا پیٹھ کرنا حرام ہے۔ چونکہ مدینہ منورہ میں قبلہ جانب جنوب ہے اور شام یعنی بیت المقدس جانب شمال، وہاں کے لحاظ سے فرمایا گیا کہ شرق یا غرب کو منہ کر لو۔ چونکہ ہمارے ہاں قبلہ جانب مغرب ہے لہذا ہم لوگ جنوب یا شمال کو منہ کریں گے۔ خیال رہے کہ اس حدیث میں جنگل یا آبادی کی کوئی قید نہیں۔ بہر حال کعبہ کو منہ یا پیٹھ کر کے استنجا کرنا حرام ہے۔ حنیفوں کا یہی مذہب ہے۔

فرمایا شیخ امام معی السننہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہ یہ حدیث جنگل کے متعلق ہے، لیکن آبادی میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت حفصہ کے گھر کی چھت پر کسی کام کے لیے چڑھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ قبلہ کو پیٹھ شام کی طرف منہ کئے قضائے حاجت فرما رہے ہیں ۱۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ امام معی السننہ کے اس فرمان میں چند طرح گفتگو ہے: ایک یہ کہ ممانعت کی حدیث میں جنگل یا آبادی کی قید نہیں، مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا ضروری ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت حضور کا ایک فعل شریف بیان کر رہی ہے اور جب فعل و قول میں، نیز ممانعت اور اباحت میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قولی کو فعلی پر اور ممانعت کو اباحت پر ترجیح ہوتی ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض افعال کریمہ آپ کی خصوصیت سے ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور کا یہ فعل شریف ممانعت سے پہلے کا ہوگا، لہذا یہ منسوخ ہے اور ممانعت کی حدیث ناسخ۔ تیسرے یہ کہ حضرت عبداللہ ابن عمر کو دیکھنے میں غلطی لگی حضور تھوڑا سا قبلہ سے ہٹے ہوں گے جسے جلدی میں ابن عمر نہ دیکھ سکے، کیونکہ ایسے موقع پر انسان جلد ہی آنکھیں بند کر کے لوٹ جاتا ہے تحقیق اور غور سے دیکھتا

نہیں۔ چوتھے یہ کہ صحابہ کرام کا بھی یہی مذہب تھا کہ آبادی میں بھی اس رخ کو پیشاب پاخانہ نہ کریں۔ چنانچہ مسلم، ابوداؤد، احمد، بخاری، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور ترمذی نے حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت کی کہ جب ہم شام میں پہنچے تو ہم نے وہاں کے پاخانوں کو قبلہ رخ بنا پایا تو ہم استغفار پڑھتے تھے اور ان میں مڑ کر بیٹھتے تھے۔ ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث احسن اور اصح ہے۔ پانچویں یہ کہ قبلہ کے آداب آبادی اور جنگل میں یکساں ہیں۔ قبلہ کی طرف تھوکتا، پاؤں پھیلانا جنگل میں بھی حرام ہے اور بستی میں بھی، تو چاہیے کہ پیشاب پاخانہ کا حکم بھی دونوں جگہ یکساں ہو۔

روایت ہے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کہ فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ہم پیشاب پاخانہ کے وقت قبلہ کو منہ کریں یا داہنے ہاتھ سے استنجاء کریں یا تین پتھروں سے کم سے استنجاء کریں ۲ یا گوبر یا ہڈی سے استنجاء کریں ۳ (مسلم)

۱۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، ایران کے شہر اصفہان کے مضافات میں بستی "ہاجن" کے رہنے والے تھے، دین کی تلاش میں پھرتے تھے، ۱۴ جگہ فروخت ہوئے، یہاں تک کہ جو بندہ یا بندہ حضور تک مدینہ میں پہنچ گئے۔ ساڑھے تین سو ۳۵۰ سال عمر پائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، ۵۳ھ مقام مدائن میں وفات پائی۔ (مرقاۃ) بعض مورخین نے لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کریمہ سنے تو آپ کی تلاش میں نکلے۔

۲۔ خیال رہے کہ قبلہ کو منہ کر کے پیشاب پاخانہ کرنا مکروہ تحریمہ ہے، داہنے ہاتھ سے چھوٹا یا بڑا استنجاء مکروہ تنزیہی، اور تین ڈھیلے بڑے استنجاء کے لیے عام حالات میں مستحب ہے، اگر اس سے کم و بیش میں صفائی ہو تو کر لے۔ یہی مذہب حنفی ہے، امام شافعی کے یہاں تین ڈھیلے واجب ہیں۔

۳۔ کیونکہ ہڈی جنات کی غذا ہے اور گوبر ان کے جانوروں کی، نیز گوبر خود نجس ہے، تو اس سے پاکی کیسے حاصل ہوگی اور ہڈی کہیں نوکیلی کہیں چکنی ہوتی ہے، چکنی طرف سے صفائی نہ ہوگی نوک کی طرف سے زخم کا اندیشہ ہے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانہ میں داخل ہوتے تو فرماتے کہ اے اللہ میں خبیث جنات اور خبیث جناتوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۱ (مسلم، بخاری)

۱۔ یہ دعا پاخانہ میں داخل ہونے سے پہلے پڑھ لی جائے، کیونکہ گندی جگہ پر اللہ کا ذکر ممنوع ہے اور ننگے ہو کر تو بات کرنا ہی منع ہے۔ چونکہ پاخانہ میں گندے جنات رہتے ہیں، اس لیے یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ خبیث اور خباث کے بہت معنی ہیں یہاں وہ ہی معنی مناسب ہیں جو ہم نے کئے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے تو فرمایا کہ یہ دونوں عذاب دیئے جا رہے ہیں اور کسی بڑی چیز میں

عذاب نہیں دیئے جارہے ان میں سے ایک تو پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا پھرتا تھا پھر آپ نے ایک ہری تر شاخ لی اور اسے چیر کر دو<sup>۲</sup> حصے فرمائے پھر ہر قبر میں ایک گاڑ دی لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے یہ کیوں کیا، تو فرمایا کہ شاید جب تک یہ نہ سوکھیں تب تک ان کا عذاب ہلکا ہوا (مسلم، بخاری)

۱۔ یہ حدیث بڑے معرکے کی ہے اس سے بے شمار مسائل مستتب ہو سکتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: (۱) حضور کی نگاہ کے لئے کوئی شے آڑ نہیں، کھلی چھپی ہر چیز آپ پر ظاہر ہے کہ عذاب قبر کے اندر ہے حضور قبر کے اوپر تشریف رکھتے ہیں اور عذاب دیکھ رہے ہیں۔ (۲) حضور خلقت کے ہر کھلے چھپے کام کو دیکھ رہے ہیں کہ کون کیا کر رہا ہے اور یہ کیا کرتا تھا، فرمادیا کہ ایک چغلی کرتا تھا اور ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ (۳) گناہ صغیرہ پر حشر و قبر میں عذاب ہو سکتا ہے۔ دیکھو چغلی وغیرہ گناہ صغیرہ ہیں مگر عذاب ہو رہا ہے۔ (۴) حضور ہر گناہ کا علاج بھی جانتے ہیں، دیکھو قبر پر شاخیں لگائیں تاکہ عذاب ہلکا ہو۔ (۵) قبروں پر سبزہ، پھول، ہار وغیرہ ڈالنا سنت سے ثابت ہے کہ اس کی تسبیح سے مردے کو راحت ہے۔ (۶) قبر پر قرآن پاک کی تلاوت، وہاں حافظ بٹھانا بہت اچھا ہے کہ جب سبزہ کے ذکر سے عذاب ہلکا ہوتا ہے تو انسان کے ذکر سے ضرور ہلکا ہوگا۔ اشعۃ اللمعات نے جامع الاصول سے روایت کی کہ حضرت بریدہ صحابی نے وصیت کی تھی میری قبر میں دو ہری شاخیں ڈال دی جائیں تاکہ نجات نصیب ہو۔ (۷) اگرچہ ہر خشک و تر چیز تسبیح پڑھتی ہے مگر سبزے کی تسبیح سے مردے کو راحت نصیب ہوتی ہے۔ ایسے ہی بے دین کی تلاوت قرآن کا کوئی فائدہ نہیں کہ اس میں کفر کی خشکی ہے۔ مؤمن کی تلاوت مفید ہے کہ اس میں ایمان کی تری ہے۔ (۸) گنہگاروں کی قبر پر سبزہ عذاب ہلکا کرے گا، بزرگوں کی قبروں پر سبزہ مدفون کا ثواب و درجہ بڑھائے گا۔ جیسے مسجد کے قدم وغیرہ۔ (۹) حلال جانوروں کا پیشاب نجس ہے جس سے بچنا واجب۔ دیکھو اونٹ کا چرواہا اونٹ کے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوا۔ (۱۰) خشک نہ ہونے کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاثیر صرف حضور کے ہاتھ شریف کی نہ تھی ہم بھی قبر پر سبزہ ڈالیں تو یہی تاثیر ہوگی۔ (۱۱) بزرگوں کے قبرستان میں قدم رکھنے کی برکت سے وہاں عذاب اٹھ جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے۔ (مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لعنتی کاموں سے بچو! صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ لعنتی کام کون سے ہیں، فرمایا وہ جو لوگوں کی راہ یا سایہ کی جگہ پر پاخانہ کرے<sup>۲</sup> (مسلم)

۱۔ یعنی جن دو کاموں کی وجہ سے لوگ کرنے والے کو طعن لعن کرتے ہیں ان سے پرہیز کرو۔

۲۔ یعنی راستہ عام طور پر جہاں مسلمانوں کا گزر گاہ ہو وہاں پاخانہ نہ کرو، یوں ہی جس سایہ میں لوگ دھوپ کیوقت عموماً بیٹھتے لیٹے ہوں وہاں نہ کرو کہ اس سے رب تعالیٰ بھی ناراض ہوتا ہے، لوگ بھی برا کہتے ہیں۔ لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے نخلستان میں حاجت قضا فرمائی کیونکہ وہ جگہ لوگوں کے آرام کی نہ تھی۔ مرتقا نے فرمایا کہ پانی کے گھاٹ اور گزرگاہ عوام پر پاخانہ نہ کرے اور کسی کی ملک زمین میں اس کی بغیر اجازت نہ کرے۔

روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی پیے تو برتن میں سانس نہ لے ۲ اور جب پاخانہ جائے تو پیشاب گاہ داہنے ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے ۳ (مسلم، بخاری)

۱ آپ کا نام حارث ابن ربیع یا ابن نعمان ہے، انصاری ظفری ہیں، بیعت عقبہ اور تمام غزوات میں شامل ہوئے، بدر یا احد میں آپ کی آنکھ نکل پڑی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ ٹکا کر اپنا لعاب شریف لگا دیا تو دوسری آنکھ سے زیادہ روشن ہو گئی، ابو سعید خدری کے اخیانی یعنی ماں شریکے بھائی ہیں، ستر سال عمر پائی ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔  
۲ بلکہ برتن منہ سے علیحدہ کر کے سانس لے تاکہ تھوک یا ریخت پانی میں نہ پڑے، نیز سانس میں اندر کی گرمی اور زہریلا مادہ ہوتا ہے جو پانی میں مل کر بیماری پیدا کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چائے وغیرہ گرم چیز میں پھونکیں مارنا منع ہے۔  
۳ کیونکہ داہنا ہاتھ کھانے پینے اور تسبیح و تہلیل شمار کرنے کے لیے ہے، لہذا اسے گندے کام میں استعمال نہ کرے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اسی طرح زبان و آنکھ و کان کو گناہوں میں استعمال نہ کرے کہ یہ چیزیں اللہ کا ذکر کرنے قرآن دیکھنے و سننے کے لیے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وضو کرے ناک میں پانی لے اور جو استنجاء کرے وہ طاق کرے ۱ (بخاری و مسلم)

۱ معلوم ہوا کہ وضو میں ناک میں پانی لے کر صاف کرنا سنت ہے۔ اور پاخانہ کے بعد ڈھیلوں سے استنجاء کرنا اور طاق ڈھیلے لینا سنت ہے۔ پانی سے استنجاء بعض صورتوں میں فرض ہے، بعض میں واجب، بعض میں سنت ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانہ جاتے تو میں اور ایک لڑکا پانی کا برتن اور برچھا لیتے آپ پانی سے استنجاء کرتے ۱ (مسلم، بخاری)

۱ وہ دوسرے صاحب حضرت ابن مسعود تھے یا ابو ہریرہ یا بلال رضی اللہ عنہم جن کے ذمہ یہ خدمات تھیں، پانی سے تو آپ ڈھیلوں کے بعد استنجاء کرتے تھے اور برچھے سے یا زمین سے ڈھیلا نکالتے، یا پیشاب کے لئے جگہ نرم کرتے تھے، یا پیشاب کے بعد وضو کرتے، پھر برچھے کو سترہ بنا کر دو نفل وضو کے پڑھتے تھے۔ اب بعض بزرگوں کے ساتھ گولے والاعصاء رہتا ہے انہی مصلحتوں سے اس کا ماخذ یہی

حدیث ہے۔

الفصل الثانی

<p>روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے ۱۔ اسے ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اور ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے ۲۔ اور ان کی روایت میں اتارنے کی بجائے رکھنا ہے۔</p>	
---	--

۱۔ یعنی حضور انگوٹھی پہنے پاخانہ میں نہ جاتے بلکہ یا تو اتار کر باہر ہی رکھ جاتے یا جب میں ڈال لیتے تھے، کیونکہ اس میں لکھا تھا محمد رسول اللہ۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جس چیز میں اللہ تعالیٰ یا انبیائے کرام کا نام لکھا ہو اس کا ادب کرے، اسے گندگی میں نہ ڈالے، پاخانہ میں نہ لے جائے، جیسے تعویذ وغیرہ جس میں اسمائے الہیہ یا آیات قرآنیہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ چیزیں غلاف میں ہوں تو پھر لے جانا جائز ہے، اسی لئے تعویذ کا موم جامہ کر لیتے ہیں اور مقطعات قرآنیہ کی انگوٹھی پر شیشہ یا کاج لگا لیتے ہیں۔ (مرقاۃ وغیرہ)

۲۔ کیونکہ اس کی اسناد میں ابو عبد اللہ ہمام ابن یحییٰ ابن دینار رازدی ہیں، مگر ہمام کی مسلم و بخاری نے توثیق و تعریف کی اسی لیے ترمذی نے اسے حسن و صحیح فرمایا۔ غرض کہ ہمام میں اختلاف ہے، بعض نے ان پر جرح کی، بعض نے توثیق تعدیل، اور جب جرح و تعدیل میں اختلاف ہو تو تعدیل کا اعتبار ہوتا ہے، لہذا یہ حدیث صحیح قابل سند ہے۔

<p>روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانے جانے کا ارادہ کرتے تو وہاں جاتے جہاں آپ کو کوئی نہ دیکھتا (ابوداؤد)</p>	
---	--

۱۔ یعنی یا تو درخت یا دیوار کے پیچھے بیٹھتے اور اگر چٹیل میدان ہوتا تو اتنی دور تشریف لے جاتے جہاں کسی کی نگاہ نہ پڑ سکتی۔ بعض نے فرمایا کہ اتنی چھوٹی دیوار کہ جو بیٹھے ہوئے کو چھپا سکے آڑ کے لئے کافی ہے، مگر بعض کے نزدیک قد آدم آڑ کا ہونا مناسب ہے۔ (اشعۃ الملعات)

<p>روایت حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا حضور نے پیشاب کا ارادہ کیا تو دیوار کی جڑ میں نرم زمین پر گئے، پھر پیشاب کیا پھر فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بھی پیشاب کرنا چاہے تو پیشاب کے لئے نرم جگہ ڈھونڈے (ابوداؤد)</p>	
--	--

۱۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ دوسرے شخص کی دیوار کے پیچھے اس سے بغیر پوچھے ہوئے بھی پیشاب کرنا جائز ہے، بشرطیکہ مکان والے کی بے پردگی نہ ہو اور نہ اسے ایذا پہنچے ورنہ ممنوع ہے۔ چنانچہ اگر مالک نے لکھ کر لگا دیا ہو کہ یہاں پیشاب نہ بیٹھو وہاں نہ بیٹھیں۔ دوسرے یہ کہ نرم زمین میں پیشاب کرنا چاہیے تاکہ اس کی چھینٹیں نہ اڑیں، اگر نرم زمین نہ ہو تو کرید کر نرم کر لی جائے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب پاخانہ کا ارادہ فرماتے تو جب تک زمین کے قریب نہ ہوتے اپنا کپڑا نہ اٹھاتے  
۱۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

۱۔ جیسا کہ کچھلی حدیث سے معلوم ہوا پاخانے کا یہ حکم نہیں خواہ کسی مکان میں ہوتے یا جنگل میں کیونکہ بلا ضرورت ستر کھولنا جائز نہیں۔ اسی لئے علماء کہتے ہیں کہ تنہائی بلکہ اندھیرے میں بھی بلا ضرورت ننگا نہ رہے، رب تعالیٰ سے شرم کرے۔ سبحان اللہ! کیسی نفیس تعلیم ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسے بیٹے کے لئے باپ۔ تمہیں سکھاتا ہوں جب تم پاخانے جاؤ تو قبلہ کو منہ نہ کرو، اور نہ پیٹھ ۲ اور تین پتھروں کا حکم دیا اور لید و بڈی سے منع فرمایا اور منع فرمایا کہ کوئی شخص داہنے ہاتھ سے استنجاء نہ کرے ۳۔ (ابن ماجہ، دارمی)

۱۔ یعنی شفقت و محبت اور تعلیم میں میں تمہارے والد کی مثل ہوں۔ اور ادب، اطاعت اور تعظیم میں تم میری اولاد کی مثل ہو۔ خیال رہے کہ بعض احکام شرعیہ میں بھی حضور ساری امت کی باپ ہیں، تمام جہان کے والد آپ کے قدم مبارک پر قربان اسی لیے ان کی بیویاں بحکم قرآن مسلمانوں کی مائیں ہیں کہ ان سے نکاح ہمیشہ حرام اور کسی عورت کو آپ سے پردہ کرنا فرض نہیں۔ اسی لیے سارے مسلمان بحکم قرآن آپس میں بھائی ہیں، کیونکہ اس رحمت والے نبی کی اولاد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنا حرام ہے۔ اس کی بحث ہماری کتاب "جاء الحق" میں دیکھو۔

۲۔ جنگل میں ہو یا آبادی میں، آڑ میں ہو یا کھلے میدان میں۔ بہر حال کبچے کو منہ یا پیٹھ کر کے پیشاب پاخانہ نہ کرو۔ یہ حدیث امام اعظم کی کھلی ہوئی دلیل ہے چونکہ اس میں کسی جگہ کی کوئی قید نہیں۔

۳۔ اس ممانعت کی وجہ پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوائے ان ممنوعہ چیزوں کے ہر اس چیز سے استنجاء جائز ہے جو صفائی کر سکے، لکڑی، ڈھیلہ، پتھر وغیرہ۔ ہاں کاغذ سے استنجاء ممنوع اگرچہ سادہ ہی ہو، کیونکہ اس پر اللہ اور رسول کا نام لکھا جاسکتا ہے، لہذا محترم ہے۔ (مرقاۃ) نیز نوکیلی وغیرہ چیزوں سے استنجاء ممنوع ہے کہ نقصان پہنچاتی ہیں۔ خیال رہے کہ انسان جنات اور جانوروں کی خوراک سے استنجاء ممنوع ہے، جیسا روٹی کے سوکھے ٹکڑے، گھاس، بھوسہ، کونکہ پتے وغیرہ کہ یہ سب قابل حرمت ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنا ہاتھ طہارت اور کھانے کے لیے تھا اور بائیں ہاتھ استنجاء اور مکروہ کام کے لئے ۱۔ (ابوداؤد)

۱۔ یعنی داہنے ہاتھ سے وضوء، غسل کرتے تھے اور پہلے اسی کو دھوتے تھے، نیز اسی سے کھاتے تھے اور پانی پیتے تھے۔ اور بائیں ہاتھ سے استنجاء، ناک کی صفائی، تھوک کا پھینکنا وغیرہ، ہر وہ کام جس سے دل کراہت کرے کرتے تھے۔ لہذا ایک ہاتھ کے کام دوسرے سے نہ کرو۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ دینی کتابیں داہنے ہاتھ سے پکڑو اور جو تابائیں ہاتھ سے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی پاخانہ جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر (ڈھیلے) لے جائے۔ جن سے استنجاء کرے یہ اسے کافی ہوں گے۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

۱۔ تین پتھروں کا حکم استحبابی ہے، کہ عام حالات میں یہ کافی ہوتے ہیں لیکن دست وغیرہ کے موقع پر پانچ یا سات کی ضرورت ہوتی ہے، مقصود صفائی ہے جتنے سے حاصل ہو۔ ہاں سنت یہ ہے کہ طاق ہوں، پتھر اور ڈھیلے ایسے چاہئیں جو نجاست چوس سکیں، دیکھا گیا ہے کہ ریل کے پتھر کافی نہیں ہوتے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ گوبر سے استنجاء کرو اور نہ ہڈی سے کیونکہ یہ تمہارے بھائی جنوں کی خوراک ہے۔ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا مگر نسائی نے زاد الخ کا ذکر نہ فرمایا۔

۱۔ ہڈیاں جنات کی خوراک ہے اور گوبر ان کے جانوروں کی غذا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّهَا وَاحِدٌ فرمایا یہ ضمیر ہڈیوں کی طرف لوٹتی ہے۔ خیال رہے کہ جب مؤمن جنات کے جانوروں کی خوراک کا احترام ہے تو ہمارے جانوروں کی خوراک کا بھی ضرور احترام ہوگا۔ بھائی فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جن مراد ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب جنات ہڈی اٹھاتے ہیں تو اس پر گوشت پاتے ہیں اور جب ان کو جانور گوبر میں منہ لگاتے ہیں تو اس میں دانے پاتے ہیں جن سے وہ گوبر بنا۔

روایت ہے حضرت روفیع بن ثابت سے۔ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے روفیع شاید میرے بعد تمہاری زندگی لمبی ہو گی۔ تو لوگوں کو خبر دے دینا کہ جو اپنی داڑھی میں گرہ لگائے یا تانت باندھے۔ یا کسی جانور کی پلیدی یا ہڈی سے استنجاء کرے تو حضور انور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیزار ہیں۔ (ابوداؤد)

۱۔ آپ انصاری ہیں، امیر معاویہ کے زمانہ میں طرابلس کے حاکم رہے، افریقہ پر ۳۷ھ میں جہاد کیا، ۵۵ھ میں شام میں وفات پائی، مشہور صحابی ہیں۔

۲۔ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی موت و زندگی سے خبردار ہیں، حضور نے جنگ بدر سے ایک دن پہلے میدان میں خطوط کھینچ کر فرمایا کہ کل یہاں فلاں کافر مارا جائے گا، اور یہاں فلاں۔ معلوم ہوا کہ وقت موت اور جگہ موت سے خبردار ہیں۔



۳۔ جملائے عرب میدان جنگ میں بہادری دکھانے کے لیے داڑھی میں گرہ لگاتے، جیسے اب سے کچھ پہلے لوگ لمبی مونچھوں میں گرہ دیا کرتے تھے۔ بعض نے فرمایا اہل عرب جس کے ایک بیوی ہوتی وہ داڑھی میں ایک گرہ لگاتا دو بیویوں والا دو گرہ، اس سے منع فرمادیا گیا، کیونکہ داڑھی میں کنگھی کرنا سنت ہے۔ نیز نظر بد سے بچنے کے لیے گھوڑوں اور بچوں کے گلے میں تانت یا بتوں کے نام کے دم کئے ہوئے دھاگے باندھتے تھے یہ ممنوع ہے۔ خیال رہے کہ آیات قرآنیہ اور اسمائے الہیہ کے تعویذ بھی باندھنا جائز ہے اور گنڈھے بھی جیسا کہ انشاء اللہ "باب الاستعاذہ" میں تحقیق کی جائے گی۔ صحابہ کرام نے یہ عمل کئے ہیں۔ لہذا اس حدیث سے ان تعویذ گھنڈوں کو منع نہیں کر سکتے۔ گنگا کے پانی کی تعظیم اور تعظیماً اس کا پانی پینا کفر ہے۔ آب زمزم کی تعظیم ایمان کا رکن ہے، وہ پانی تعظیماً کھڑے ہو کر پینا چاہیے کہ یہ ایک پیغمبر کے قدم کا فیض ہے۔ غرض کہ بتوں کے احکام بزرگوں پر جاری کرنا بڑی بے دینی ہے۔

۴۔ یعنی اس کام سے متنفر ہیں اور کرنیوالے سے ناراض ہیں، یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ میں بیزار ہوں، بلکہ فرمایا کہ حضور محمد مصطفیٰ بیزار ہیں تاکہ پتہ لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں محمد ہر طرح قابل حمد، جس سے وہ ناراض ہیں وہ ہر طرح برا ہی ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبھی گناہ صغیرہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا باعث بن جاتے ہیں، کیونکہ یہ مذکورہ تین کام گناہ صغیرہ ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جاہلیت والوں کے کاموں سے مسلمان کو پرہیز چاہیے۔

<p>روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سرمہ لگائے وہ طاق بار لگائے ۱۔ کرے تو اچھا ہے نہ کرے تو گناہ نہیں ۲۔ اور جو استنجا کرے تو طاق سے کرے جو کرے تو اچھا اور نہ کرے تو گناہ نہیں ۳۔ اور جو کھائے تو جو خلال سے نکالے وہ تھوک دے اور جو زبان سے نکالے وہ نگل لے ۴۔ جو کرے تو اچھا ہے جو نہ کرے تو گناہ نہیں ۵۔ اور جو پاخانہ جائے تو آڑ کرے اگر آڑ نہ پائے یا بجز اس کے کہ ریت کا ڈھیر جمع کرے تو اس ڈھیر کی طرف پیٹھ کرے ۶۔ کیونکہ شیطان لوگوں کے پاخانہ کے مقام سے کھیلتا ہے جو یہ کرے تو اچھا ہے جو نہ کرے تو گناہ نہیں ۷۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)</p>	
---	--

۱۔ ہر آنکھ میں تین سلائیاں اس طرح کہ پہلے داہنی آنکھ میں تین۔ بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ پہلے داہنی میں دو، پھر بائیں میں تین، پھر دائیں میں ایک، تاکہ داہنی پر ابتداء اور انتہاء ہو، اس میں بھی حرج نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سوتے وقت تین تین سلائیاں لگایا کرتے تھے، اس پر پابندی کرنے والا ان شاء اللہ اندھانہ ہوگا۔

۲۔ یعنی یہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلق امر وجوب کے لیے ہوتا ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امر کے بعد اس فرمان کی ضرورت نہ ہوتی۔

۳۔ یعنی بڑے استنجے کے لیے تین، یا پانچ، یا سات حسب ضرورت ڈھیلے لے۔ اگر چار یا چھ لئے جب بھی مضائقہ نہیں کیونکہ مقصود صفائی ہے۔ خیال رہے کہ سرے کی تین ہی سلائیاں لگائے پانچ یا سات نہیں کہ یہی سنت ہے۔

۴۔ کیونکہ خلال سے نکالے ہوئے میں خون سے مخلوط ہونے کا احتمال ہے، لہذا احتیاطاً نہ کھائے اور زبان سے نکالے ہوئے میں یہ احتمال نہیں وہاں اس احتیاط کی ضرورت نہیں۔

۵۔ یہ اس صورت میں ہے کہ خون سے مخلوط ہونے کا صرف احتمال ہو یقین نہ ہو، اگر یقین ہو تو ننگنا حرام ہے کیونکہ بہتا خون حرام بھی ہے اور نجس بھی، خواہ دوسرے کا۔ اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ بہتا خون جسم میں داخل کرنا ناجائز ہے جیسے پیشاب پاخانہ داخل کرنا کہ یہ سب نجس ہیں۔

۶۔ لوگوں کے سامنے تو آڑ کرنا فرض ہے، تنہائی میں آڑ مستحب، کیونکہ یہ حیا کا ایک شعبہ ہے اسی لیے تنہائی میں بھی ننگا رہنا ممنوع ہے۔ ڈھیر کی طرف پیٹھ کرنا اس واسطے ہے کہ آگے تو کپڑے وغیرہ سے بھی آڑ کی جاسکتی ہے ورنہ دونوں طرفیں ستر کے لائق ہیں۔ کے یعنی تنہائی میں یہ پردہ مستحب ہے واجب نہیں۔ شیطان کے کھیلنے سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو ننگا دیکھ کر ہنستا ہے، وسوسے ڈالتا ہے وغیرہ۔

روایت ہے عبداللہ ابن مغفل سے افرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی غسل خانہ میں ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل یا وضو کرے گا ۲۔ کیونکہ عام وسوسے اسی سے ہوتے ہیں ۳۔ اسے ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا مگر ان دونوں نے "ثم یغتسل" کا ذکر نہ کیا۔

۱۔ آپ صحابی ہیں، قبیلہ مزینہ سے ہیں، بیعت الرضوان میں شریک ہوئے، مدینہ منورہ قیام رہا، شہر تَسْتُوْرُح فتح ہونے پر اول آپ ہی وہاں داخل ہوئے، عہد فاروقی میں بصرہ میں لوگوں کو علم دین سکھانے کے لئے آپ کو بھیجا گیا، وہیں ۵۹ھ میں وفات ہوئی۔

۲۔ مستحبہ کے معنی ہیں گرم پانی استعمال کرنے کی جگہ۔ حبیبہ گرم پانی، اسی سے حمام بنا۔ اگر غسل خانہ کی زمین پختہ ہو اور اس میں پانی خارج ہونے کی نالی بھی ہو تو وہاں پیشاب کرنے میں حرج نہیں، اگرچہ بہتر ہے کہ نہ کرے۔ لیکن اگر زمین کچی ہو اور پانی نکلنے کا راستہ بھی نہ ہو تو پیشاب کرنا سخت برا ہے کہ زمین نجس ہو جائے گی، اور غسل یا وضو میں گندا پانی جسم پر پڑے گا۔ یہاں دوسری صورت ہی مراد ہے اسی لیے تاکید کی ممانعت فرمائی گئی۔

۳۔ یعنی اس سے وسوسوں اور وہم کی بیماری پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ تجربہ ہے یا گندگی چھینٹیں پڑنے کا وسوسہ رہے گا۔ پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

روایت ہے عبداللہ ابن سرجس سے افرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی شخص سوراخ میں ہرگز پیشاب نہ کرے ۲۔ (ابو داؤد، نسائی)

۱۔ آپ قبیلہ مزینہ یا قبیلہ بنی مخزوم سے ہیں، بصرہ کے رہنے والے ہیں، آپ کے والد کا نام یا سرجس ہے یا سرجس۔ ۲۔ حجر سے مراد یا زمین کا سوراخ یا دیوار کی پھٹن، چونکہ اکثر سوراخوں میں زہریلے جانور، چیونٹیاں وغیرہ کمزور جانور یا جنات رہتے ہیں، چیونٹیاں پیشاب یا پانی سے تکلیف پائیں گی، یا سانپ و جن نکل کر ہمیں تکلیف دیں گے، اس لیے وہاں پیشاب کرنا منع فرمایا

گیا۔ چنانچہ سعد بن عبادہ انصاری کی وفات اسی سے ہوئی کہ آپ نے ایک سوراخ میں پیشاب کیا جن نے نکل کر آپ کو ہلاک کر دیا۔ لوگوں نے اس سوراخ سے یہ آواز سنی "نَحْنُ قَتَلْنَا سَيِّدَ الْخَزْرَجِ سَعْدَ بْنَ عَبَادَةَ وَرَمَيْنَاهُ بِسَهْمِ فَلَمْ نُحِطْ مَوَادًّا"۔ (مرقاۃ واشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لعنتی چیزوں سے بچو، گھاٹوں، درمیانی راستہ اور سایہ میں پاخانہ کرنے سے! (ابوداؤد)

۱۔ اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ ہر وہ جگہ جہاں لوگ بیٹھتے یا آرام کرتے ہوں وہاں پاخانہ کرنا منع ہے کہ اس سے رب تعالیٰ بھی ناراض ہے اور لوگ بھی گالیاں دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے غسل اور استنجاء خانوں میں پاخانہ کرنا سخت جرم ہے۔ بندوں کو ستانے والا رب کے عذاب کا مستحق ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید نے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو شخص پاخانہ کرنے نہ جائیں کہ شرمگاہیں کھولے باتیں کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے! (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱۔ کیونکہ دوسرے کے سامنے ننگا ہونا بھی منع ہے، اور پیشاب پاخانہ کرتے ہوئے باتیں کرنا بھی جرم، اس وقت باتیں کرنے سے ملائکہ کو تکلیف ہوتی ہے، بلکہ اس وقت اللہ کا بھی ذکر نہ کریں، اگر چھینک آئے تو زبان سے الحمد للہ بھی نہ کہیں، اگر کوئی سلام کرے تو جواب بھی نہ دیں۔ غرض کہ پیشاب پاخانہ اور صحبت کے وقت مطلقاً بات کرنا ممنوع ہے۔

روایت ہے زید بن ارقم سے فرماتے ہیں! فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ پاخانہ جنات کے حاضر رہنے کی جگہ ہیں! تو جب تم میں سے کوئی پاخانہ جائے تو کہہ لے میں گندے جن اور جناتنی سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں! (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱۔ آپ مشہور صحابی ہیں، آپ کی کنیت ابو عمرو ہے، انصاری ہیں، خزر جی ہیں، کوفہ میں قیام رہا، ۸۵ سال عمر پائی، ۸ھ میں کوفہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

۲۔ کیونکہ یہاں پلیدیاں پڑتی ہیں، اللہ کا ذکر ہوتا نہیں، اس لئے وہاں شیطان لوگوں کی تاک میں بیٹھتے ہیں، اسی لئے حکم ہے کہ بلا ضرورت پاخانہ میں نہ جاؤ اور بلا وجہ وہاں نہ بیٹھو۔ خیال رہے کہ گرجے، مندر، شراب خانے، سینما، جہاں جواری جو ا کھیلیں یہ تمام جگہ شیطانوں کے ٹھکانے ہیں۔ سرکار نے فرمایا ہے کہ بازاروں میں شیطان رہتا ہے کہ وہاں جھوٹ، دھوکے بہت دیئے جاتے ہیں۔

۳۔ مگر یہ کلمات پاخانہ میں جانے سے پہلے کہے، پاخانہ کے اندر اللہ کا ذکر منع ہے، کیونکہ وہاں گندگیاں ہیں۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنات کی آنکھوں اور لوگوں کے

ستر کے درمیان پردہ یہ ہے کہ جب کوئی پاخانہ میں جائے تو بسم اللہ کہہ لے! اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اس کی سند قوی نہیں۔

یعنی جیسے دیوار اور پردے لوگوں کی نگاہ سے آڑ بنتے ہیں، ایسے ہی یہ اللہ کا ذکر جنات کی نگاہوں سے آڑ بنے گا کہ جنات اس کو نہ دیکھ سکیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب پاخانے سے آتے تو فرماتے تیری بخشش (چاہئے)۔ (ترمذی، وابن ماجہ، دارمی)

ان تمام احادیث میں بیت الخلاء سے پاخانے پھرنے کی جگہ مراد ہے، جنگل میں ہو، یا چھت پر، یا گھر کے گوشہ میں، نہ کہ خاص کوٹھڑیاں کیونکہ اس زمانہ میں گھروں میں پاخانہ کی کوٹھڑیاں بنانے کا رواج نہ تھا۔ اور پاخانہ سے فارغ ہو کر مغفرت مانگنے کی دو وجہ ہیں: ایک یہ کہ فراعت کا وقت اللہ کے ذکر کے بغیر گزرا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوائے اس حالت کے تمام حالات میں ذکر اللہ کرتے تھے خداوند اس کو تباہی کو معاف کر۔ دوسرے یہ کہ خیریت سے پاخانہ ہو جانا خدا کی بڑی نعمت ہے جس کے شکر یہ سے زبان قاصر ہے خدا یا اس قصور کو معاف کر۔ خیال رہے کہ حضور کی استغفارہ امت کی تعلیم کے لیے ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانہ جاتے تو میں آپ کی خدمت میں چھاگل یا پیالہ میں پانی لاتا۔ آپ استنجاء کرتے پھر ہاتھ شریف زمین پر رکھتے پھر میں دوسرا برتن لاتا تو وضو فرماتے۔ اسے ابو داؤد اور دارمی نے روایت کیا، نسائی نے بمعنی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی امتی سے، پیر مرید سے، استاد شاگرد سے، باپ اپنے بیٹے سے خدمت لے سکتا ہے۔ اور ان لوگوں کا رضاء کارانہ طور پر بزرگوں کی خدمت کرنا سعادت مندی ہے۔

۲ تاکہ مٹی سے ہاتھ مانجھ کر بودفغ کردی جائے لہذا استنجے کے بعد صابون وغیرہ سے ہاتھ دھونا سنت سے ثابت ہے۔ خیال رہے کہ حضور کا یہ فعل شریف بھی امت کے لیے ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات میں بدبو نہ تھی حتیٰ کہ ایک بی بی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب دھوکہ میں پی لیا جیسا کہ اس کے موقع پر ذکر کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ!

۳ اکثر نہ کہ ہمیشہ، جیسا کہ دوسری روایات سے ثابت ہے۔ چونکہ برتن چھوٹا تھا استنجے کے بعد وضو کے لائق پانی نہیں پچتا تھا، اس لیے دوسرے برتن سے وضو فرماتے تھے ورنہ استنجے کے بچے ہوئے پانی سے وضو جائز ہے۔

روایت ہے حکیم ابن سفیان سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب کرتے تو وضو فرماتے اور شرمگاہ (رومالی) پر چھینٹا دیتے۔ (ابو داؤد، نسائی)

۱۔ سفیان ابن حکم کی صحابیت میں اختلاف ہے، نیز ان کا نام یا حکم ابن سفیان ہے یا سفیان ابن حکم۔ رومالی پر چھینٹا مارنا دفع و سوسہ کے لیے اکسیر ہے۔ بعض علماء ہر وضو کے بعد اس کے چھینٹے کو مستحب کہتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگر پیشاب کے بعد وضو کیا جائے تو چھینٹا مار لیا جائے تاکہ اگر بعد میں رومالی پر تری نظر آئے تو اس کے پیشاب ہونے کا احتمال نہ رہے یہی صحیح ہے۔

روایت ہے امیمہ بنت رقیقہ سے کہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا جو آپ کے تخت کے نیچے رکھا رہتا تھا جس میں رات کو پیشاب کرتے تھے  
(۲۔ ابوداؤد، نسائی)

۱۔ آپ صحابیہ ہیں، آپ کے والد کا نام عبداللہ اور ماں کا نام رقیقہ ہے، یا حضور کی پھوپھی ہیں یعنی آپ کے والد کی ماں شریکی ہمیشہ یا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن، اور ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں رشتے ہوں۔

۲۔ عیدان یا عود کی جمع ہے۔ (بمعنی لکڑی) یا عیدانینہ کی، بمعنی درخت کھجور۔ سرکار اکثر زمین پر سوتے تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کبھی تخت پر بھی، پاننتی کی طرف یہ پیالہ رکھتا تھا تاکہ پیشاب کے لیے سردی وغیرہ میں باہر نہ جانا پڑے۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں کھڑے ہوئے پیشاب کر رہا تھا تو فرمایا کہ اے عمر کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو پھر میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا (ترمذی، ابن ماجہ)

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ اور طریقہ کفار ہے، جاہلیت کے لوگ گدھے نیل کی طرح کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے۔ اگر اس میں بے پردگی ہو یا کپڑے پر چھینٹیں پڑیں یا مشابہت کفار (فیشن) کے لیے ہو تو مکروہ تحریمی ہے ورنہ مکروہ تنزیہی، مجبوری کی حالت میں بلا کراہت جائز۔

شیخ الامام محی السنہ نے فرمایا حضرت حذیفہ سے بروایت صحیح مروی ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے تو کھڑے ہو کر پیشاب کیا (مسلم، بخاری) کہا گیا ہے کہ یہ عذر تھا

۱۔ یا تو وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی کیونکہ کوڑی پر ہر جگہ نجاست ہی ہوتی ہے، یا پاؤں شریف میں زخم، یا پیٹھ میں درد تھا جس کے لیے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مفید تھا۔ اطباء کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر انکارے پر پیشاب کرنا ستر بیماریوں کا علاج ہے۔ (مرقاۃ، اشعۃ الملعات) خیال رہے کہ اس موقع پر سرکار اونچی جگہ کھڑے ہوئے ہوں گے جس سے پیشاب کی چھینٹوں سے محفوظ رہے ہوں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں جو تمہیں یہ خبر دے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو

اسے سچا نہ مانو آپ بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے  
(احمد، ترمذی، نسائی)

۱۔ ام المؤمنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ کا ذکر فرما رہی ہیں۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا ورنہ ایک آدھ بار عذرا کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے، لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

روایت ہے حضرت زید ابن حارثہ سے ۱۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضرت جبریل پہلی وحی میں آپ کے پاس آئے ۲۔ تو آپ کو وضو و نماز سکھائی ۳۔ پھر جب وضو سے فارغ ہوئے تو پانی کا چلو لیا اور شرمگاہ پر چھڑکا  
(احمد و دارقطنی)

۱۔ آپ کی کنیت ابواسامہ ہے، آپ کی والدہ سعد بنت ثعلبہ ہیں، آپ کو آٹھ سال کی عمر میں قبیلہ بنی معن نے پکڑ لیا، اور بازار عکاظ میں حکیم ابن خویلد کے ہاتھ چار سو درہم کے عوض فروخت کیا، حکیم نے آپ کو اپنی پھوپھی خدیجہ الکبریٰ کے واسطے خریدا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو انہوں نے حضرت زید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نذر کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا اور اپنی لونڈی ام ایمن سے نکاح کر دیا، جس سے اسامہ ابن زید پیدا ہوئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نکاح زینب بنت جحش سے کر دیا جو بعد میں حضور کے نکاح میں آئیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے پیارے تھے حتیٰ کہ آپ کا شمار اہل بیت پاک میں ہوتا ہے اور لوگ آپ کو زید ابن محمد کہا کرتے تھے۔ تب یہ آیت اتری "ادْعُوهُمْ لِابَائِهِمْ" تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں صرف آپ کا ہی نام قرآن پاک میں آیا ہے "فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا" آپ کی عمر پچپن سال ہوئی، جمادی الاولیٰ ۸ھ غزوہ موتی میں شہید ہوئے۔

۲۔ پہلی وحی سے مراد فرضیت نماز یعنی شب معراج کے بعد کی پہلی وحی ہے جو نبوت کے تیرھویں سال ہوئی، کیونکہ اس سے پہلے نہ نماز آئی تھی نہ وضو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے یہ سب کچھ کیا کرتے تھے۔ لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پہلی وحی "اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ" ہے۔

۳۔ امت کی تعلیم کے لیے ورنہ حضور خود تو پہلے ہی سب کچھ جانتے تھے، نبوت سے پہلے غار ثور میں اعتکاف اور عبادت کرتے تھے، مگر اب یہ احکام شرعیہ بنے، لہذا جبریل امین نے سکھایا نہیں، بلکہ رب کی طرف سے پہنچایا، لہذا جبرائیل امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں، استاد نہیں، سکھانے والا رب ہے۔

۴۔ تاکہ حضور اپنی امت کو یہ سکھائیں۔ اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ یہ وسوسہ کا علاج ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس حضرت جبریل آئے عرض کیا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ وضو کریں تو پانی چھڑک لیا کریں۔ ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ

حدیث غریب ہے میں نے محمد یعنی امام بخاری کو کہتے سنا  
کہ حسن بن علی ہاشمی راوی منکر الحدیث ہے۔<sup>۲</sup>

۱۔ شاید یہ حدیث اس آیت کے نزول سے پہلے کی ہے "لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ الْاٰلِهَةِ"۔ اس آیت کے نزول کے بعد فقط نام شریف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا حرام ہے، جب ہمارا رب ہی اپنے محبوب کو نبی، رسول، مہمل، مدثر کے القاب سے پکارے تو مخلوق صرف نام سے کیسے پکار سکتی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہوں انہوں نے ادب سے پکارا ہو گا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکساراً اس طرح نقل فرمایا، جیسے کہا جاتا ہے کہ مجھ سے فلاں نے کہا تو اس وقت آنا، حالانکہ انہوں نے کہا ہوتا ہے (آپ تشریف لائیں گا)۔  
۲۔ یعنی اس اسناد میں کوئی راوی حسن ابن علی بھی ہے جو خود ثقہ نہیں ہے اور اس روایت میں وہ اسیلا ہے مگر مضائقہ نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔ خیال رہے کہ یہ حسن ابن علی کوئی غیر معتبر شخص ہے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مراد نہیں جیسا بعض لوگوں نے سمجھا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں پیشاب کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت عمر آپ کے پچھلے پانی کا کوزہ لے کر کھڑے ہو گئے فرمایا اے عمر! یہ کیا؟ عرض کیا پانی ہے جس سے آپ وضو کریں فرمایا مجھے یہ حکم نہیں کہ جب کبھی پیشاب کروں تو وضو کرو اگر یہ کروں تو سنت ہو جائے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱۔ یعنی سنت مؤکدہ، ورنہ با وضو رہنا سنت مستحبہ تو ہے۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کے لیے حکم کا انتظار نہیں کرتے تھے بلکہ موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ جو کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کریں وہ سنت مؤکدہ ہے۔ اور جس کا حکم بھی کریں وہ واجب۔ تیسرے یہ کہ بارہا سرکار نے امت پر آسانی کرنے کے لئے مستحب کاموں کو چھوڑ دیا ہے اور یہ چھوڑنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث ثواب ہے کیونکہ تبلیغ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوایوب و جابر و انس سے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک ہونا پسند کرتے ہیں اور اللہ ستھروں کو پسند فرماتا ہے۔  
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے انصار کے گروہ اللہ نے تمہاری پاکی کی بہت تعریف کی ہے تمہاری کیسی پاکی ہے۔<sup>۲</sup> وہ بولے کہ ہم نماز کے لیے وضو جنابت کے لئے غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجاء۔<sup>۳</sup> تو فرمایا کہ وہ یہ ہی پاکی ہے اسے لازم کر لو۔ (ابن ماجہ)

۱۔ اس آیت میں مسجد قباء کی تعریف فرمائی گئی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، یعنی چونکہ مسجد کے آس پاس انصار رہتے ہیں، اور اس میں وہی نماز پڑھتے ہیں، یہ بڑے پاک لوگ ہیں، آپ بھی وہاں نماز پڑھا کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس مسجد کو بزرگوں نے بنایا ہو، یا بزرگوں نے وہاں نمازیں پڑھی ہوں، یا اس کے قریب بزرگ رہتے ہوں، یا دفن ہوں وہاں نماز کا ثواب زیادہ ہے اور ارادۃً وہاں جا کر نماز پڑھنا رب کو پسند ہے۔ اس سے شریعت اور تصوف کے بہت سے مسائل حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر "نور العرفان" میں دیکھو۔

۲۔ یہ سوال و جواب لوگوں کو سنانے کے لیے ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر ایک کے عمل سے واقف ہیں، فرماتے ہیں "لَا يُخْفِي عَلَيَّ صَلَواتُكُمْ" الخ۔

۳۔ ڈھیلوں کے بعد پانی سے بھی استنجاء کر لیتے ہیں، یا صرف پانی سے ہی استنجاء کرتے ہیں نہ کہ ڈھیلوں سے، دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں، جیسا کہ مرقاة وغیرہ میں ہے۔ دوسرے لوگ صرف ڈھیلوں پر کفایت کرتے ہیں مگر یہ کفایت خشک پاخانے میں ہو سکتی ہے، دست کی صورت میں دھونا فرض ہے جب کہ روپے سے زیادہ جگہ لتھڑ جائے۔

۴۔ یعنی پانی سے استنجاء لازم کر لو۔ نماز کے لیے وضوء اور جنابت سے غسل تو سب حضرات ہی کرتے تھے۔

روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں بعض مشرکوں نے مذاقاً کہا کہ ہم تمہارے صاحب کو دیکھتے ہیں کہ تم کو پاخانہ کرنا تک سکھاتے ہیں! میں نے کہا ہاں ہمیں حکم دیا ہے کہ قبلہ کو منہ نہ کریں اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کریں اور تین پتھروں سے کم پر کفایت نہ کریں ان میں نہ گوبر ہو نہ ہڈی ۲ (مسلم) احمد نے روایت کیا یہ اس کے لفظ ہیں۔

۱۔ ایسی معمولی باتیں سکھانا ان کی شان کے خلاف ہے بڑے لوگ بڑی باتیں سکھائیں۔

۲۔ سبحان اللہ! کیسا حکیمانہ جواب ہے یعنی یہ تو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے کہ ہمیں کسی کا محتاج نہ رکھا سب کچھ سکھا دیا۔ دیکھو ہمیں استنجاء کے بارے میں کیسے نفیس احکام عطا فرمائے، تم بھی یہ باتیں سیکھ لو۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمان بن حسنہ سے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کہ آپ کے ہاتھ شریف میں ڈھال تھی آپ نے ڈھال زمین پر رکھی پھر بیٹھ کر اس کے پیچھے پیشاب کیا ۲ تو بعض کفار بولے انہیں دیکھو تو عورتوں کی طرح پیشاب کرتے ہیں ۳۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لی تو فرمایا افسوس تم پر کیا تمہیں خبر نہیں کہ بنی اسرائیل والے کو کیا آفت پہنچی تھی کہ جب انہیں پیشاب لگ جاتا تو قینچیوں سے جگہ کاٹ ڈالتے تھے اس نے انہیں منع کیا تو اپنی قبر میں عذاب دیا



۱۴۔ گیا۔ اسے ابو داؤد ابن ماجہ نے روایت کیا اور نسائی نے ان سے انہوں نے ابو موسیٰ سے۔

۱۔ حسنہ ان کی والدہ کا نام ہے، والد کا نام عبداللہ ابن مطاع ہے، آپ صحابی ہیں۔

۲۔ ورقہ چڑے کی وہ ڈھال ہے جس میں لکڑی اور پٹھا استعمال نہ کیا جائے۔ بلکی ہوتی ہے، جنگ میں تلوار کا وار آسانی سے روک لیتی ہے۔ ڈھال کی آڑ میں پیشاب کرنے سے معلوم ہوا کہ پیشاب کے وقت پورے جسم کا چھپانا ضروری نہیں، صرف شرمگاہ کا چھپ جانا کافی ہے، کیونکہ ڈھال چھوٹی ہوتی ہے۔

۳۔ اسلام سے پہلے عربی مرد بے دھڑک سب کے سامنے ننگے پیشاب پاخانہ کر لیا کرتے تھے۔ ستر اور شرم جاب اسلام نے سکھایا وہ لوگ اس تہذیب کا مذاق اڑاتے تھے، جیسے آج بعض بے دین جاہل بعض اسلامی احکام داڑھی، نماز وغیرہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے نکلے ناک والوں کا نلو کہہ کر مذاق اڑائیں۔

۴۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں پیشاب کے احکام بہت سخت تھے کہ اگر کپڑے میں لگ جائے جلا ڈالو، اور اگر بدن پر لگ جائے تو اتنی کھال چھیل ڈالو۔ ان میں ایک شخص نے بنی اسرائیل کو مشورہ دیا کہ ایسا نہ کرو۔ اس مشورے پر وہ عذاب قبر میں گرفتار ہوا، حالانکہ اس نے ایسی چیز سے روکا تھا جو نفس پر سخت گراں تھی اور تو مجھے اس حجاب اور حیا سے منع کر رہا ہے جو نہ تکلیف دہ ہے نہ نفس پر بھاری، بتا تیرا کیا حال ہوگا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کوئی بنی اسرائیل ہوگا اور یہ واقعات اس زمانہ میں مشہور ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ تو دیکھو کہ اس کے مذاق کا کوئی جواب نہ دیا، نرمی سے مسئلہ سمجھادیا۔

روایت ہے حضرت مروان اصغر سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی سواری قبلہ رخ بٹھالی پھر بیٹھ کر اس کی جانب پیشاب کرنے لگے ۲ میں نے کہا اے ابو عبدالرحمن کیا اس کی ممانعت نہیں ہے ۳ فرمایا کہ اس سے جنگل میں منع کیا گیا ہے مگر جب تمہارے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز آڑ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ۴ (ابوداؤد)

۱۔ آپ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام ہیں، تابعی ہیں، آپ سے ایک دو حدیثیں مروی ہیں۔

۲۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ جنگل کا ہے، جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے، نیز جنگل ہی میں سواری پر بیٹھا جاتا ہے۔

۳۔ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عام صحابہ اور تابعین میں یہی مشہور تھا کہ مطلقاً قبلہ رو پیشاب پاخانہ کرنا منع ہے، تب ہی تو اس تابعی کو حضرت ابن عمر کے اس فعل پر تعجب ہوا، لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔

۴۔ یہ حضرت ابن عمر کا اجتہادی فتویٰ ہے۔ یہ جنگل اور بستی کا فرق حدیث مرفوع میں نہیں اور اس فتوے کی وجہ یہ ہے جو اسی باب میں پہلے گزر چکی ہے، ہم وہاں ہی اس پر مکمل گفتگو کر چکے ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانے سے نکلتے تو فرماتے کہ شکر ہے اس اللہ کا

جس نے مجھ سے تکلیف دہ چیز دور کی اور مجھے عافیت (راحت بخشی) ۱۔ (ابن ماجہ)

۱۔ یہاں دو نعمتوں پر خدا کا شکر ہے تکلیف دہ چیز یعنی فضلہ کا نکل جانا اور راحت کا ملنا اس طرح کہ اس کے ساتھ یہ آنتیں باہر نہ آگئیں۔ یہ بات معمولی معلوم ہوتی ہے مگر غور کرو تو عظیم الشان نعمت ہے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ جب جنات کا وفد حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا یا رسول اللہ اپنی امت کو منع فرمادیں کہ ہڈی گوبر یا کونلہ سے استنجاء نہ کریں کیونکہ اس میں اللہ نے ہماری روزی کی ہے تب ہم کو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ۲۔ (ابوداؤد)

۱۔ اپنے اور اپنی قوم کی طرف سے ایمان لانے کے لیے جنات کے ایمان کا واقعہ کئی بار ہوا ہے، ان میں سے ایک موقعہ پر حضرت ابن مسعود حضور کے ساتھ تھے اسی بار یہ حکم فرمایا گیا۔

۲۔ پہلے کہا جا چکا ہے کہ کونلہ اور ہڈیاں جنات کی خوراک ہیں اور گوبر ان کے جانوروں کی، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ مؤمن جن گندگوبر کیوں کھاتے ہیں اور نہ یہ اعتراض کہ جب وہ گندگوبر کھالتے ہیں تو انہیں انسان کی گندگی بھی کھالینی چاہیے کیونکہ ان کے جانور کی غذا یہ گندگی نہیں ہے۔

## باب السواک

### مسواک کا باب

#### الفصل الاول

#### پہلی فصل

۱۔ مسواک اور سواک سَوَاک سے بنا بمعنی ملنا، مسواک دانتوں کے ملنے کا آلہ۔ شریعت میں مسواک وہ لکڑی ہے جس سے دانت صاف کئے جاتے ہیں۔ سنت یہ ہے کہ یہ کسی پھول یا پھلدار درخت کی نہ ہو، کڑوے درخت کی ہو، مونائی چھنگلی کے برابر ہو، لمبائی بالشت سے زیادہ نہ ہو، دانتوں کی چوڑائی میں کی جائے نہ کہ لمبائی میں، بے دانت والا انسان اور عورتیں انگلی پھیر لیا کریں۔ مسواک اتنے مقام پر سنت ہے: وضوء میں، قرآن شریف پڑھتے وقت، دانت پیلے ہونے پر، بھوک، یا دیر تک خاموشی، یا بے خوابی کی وجہ سے منہ سے بو آنے پر۔ احناف کے ہاں مسواک سنت وضوء ہے نہ کہ سنت نماز، لہذا با وضوء آدمی نماز کے لیے مسواک نہ کرے۔ امام شافعی کے ہاں سنت نماز ہے نہ کہ سنت وضوء اور وجہ ظاہر کہ ان کے ہاں خون وضوء نہیں توڑتا تو اگر مسواک سے دانت میں خون نکل بھی آیا تو نماز درست ہوگی۔ لیکن ہمارے ہاں بہتا خون وضوء توڑ دیتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر یہ نہ ہوتا کہ اپنی امت پر دشواری کروں گا تو

انہیں عشاء میں دیر کا اور ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا ۱  
(بخاری مسلم)

۱ یعنی ان پر فرض کر دیتا کہ نماز عشاء تہائی رات پر پڑھیں، اور ہر نماز کے لیے وضو کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور باذن الہی احکام کے مالک ہیں، جو چاہیں فرض کریں، جو چاہیں حرام کہ فرماتے ہیں میں فرض کر دیتا۔ خیال رہے کہ یہ حدیث امام شافعی کے نزدیک اپنے ظاہر پر ہے مگر ہمارے ہاں ہر نماز سے مراد اس کا وضو ہے یعنی وضو پوشیدہ ہے، کیونکہ ابن خزیمہ، حاکم، بخاری شریف نے "کتاب الصوم" میں انہی ابوہریرہ سے یہی حدیث روایت کی مگر اس میں بجائے "صَلْوَةٍ كَلِّ وَضُوءٍ" ہے اور احمد وغیرہ کی روایت ہے "عِنْدَ كُلِّ طَهُورٍ" وہ حدیثیں اس کی تفسیر ہیں۔ خیال رہے کہ وضو میں مسواک کی زیادہ تاکید ہے ورنہ وضو کے علاوہ پانچ جگہ اور بھی مسواک سنت ہے جیسا کہ عرض کیا گیا۔ امام احمد کی روایت میں ہے کہ مسواک کی نماز بغیر مسواک کی ستر نمازوں سے افضل ہے۔

روایت ہے شرح ابن ہانی سے ۱ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تو پہلے کیا کام کیا کرتے تھے؟ فرمایا مسواک ۲ (مسلم)

۱ صحیح یہ ہے کہ حضرت شرح مجتہدین تابعین سے ہیں، اور آپ کے والد ہانی ابن یزید صحابی ہیں، حضرت شرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہانی سے پوچھا کہ تمہارے کتنے بچے ہیں؟ عرض کیا تین۔ شرح، عبد اللہ اور مسلم۔ فرمایا تمہاری کنیت ابو شرح ہے، آپ سیدنا علی مرتضیٰ کے مخصوص ساتھی ہیں، بلکہ آپ کے قاضی رہے ہیں، جنگ جمل و صفین میں آپ کے ساتھ تھے، ۷۸ھ میں شہید کئے گئے۔

۲ معلوم ہوا کہ مسواک وضو کے علاوہ بھی کرنی چاہیے۔ مرقاۃ وغیرہ میں ہے کہ مسواک کے ستر فائدے ہیں: جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے مرتے وقت کلمہ نصیب ہوتا ہے، یہ "پائیریا" سے محفوظ رکھتی ہے، گندہ دہنی دور کرتی ہے، دانتوں و معدے کو قوی کرتی ہے، آنکھوں میں روشنی دیتی ہے۔ دیکھو شامی وغیرہ۔ اور ایفون میں ستر برائیاں ہیں: جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے خرابی خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے رات میں اٹھتے تو اپنا منہ شریف مسواک سے ملتے ۱ (بخاری و مسلم)

۱ یعنی وضو بلکہ استنجے سے بھی پہلے، پھر وضو میں اس کے علاوہ کیونکہ مسواک بیدار ہونے کی بھی سنت ہے اور وضو کی بھی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دس چیزیں نبیوں کی سنت سے ہیں ۱ مونچھ کٹانا ۲ داڑھی بڑھانا ۳ مسواک، ناک میں پانی لینا، ناخن کٹانا ۴ پورے دھونا ۵ بغل کے بال اکھیرنا ۶ زیر ناف کے بال مونڈنا ۷ پانی خرچ کرنا یعنی استنجاء کرنا ۸ راوی

کہتے ہیں کہ میں دسویں بات بھول گیا ممکن ہے کلی ہو ۹  
(مسلم) اور ایک روایت میں داڑھی بڑھانے کی بجائے ختنہ  
ہے ۱۰ میں نے یہ روایت نہ تو صحیحین میں پائی ہے اور نہ  
کتاب حمیدی میں لیکن اسے جامع والے نے اور یوں ہی  
خطابی نے "معالم السنن" میں بروایت ابوداؤد عمار ابن  
یاسر سے روایت کیا ۱۱

۱۔ فطرت کے لغوی معنی ہیں پیدائش، رب فرماتا ہے: "فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" مگر اصطلاح میں ان سنت انبیاء کو فطرت کہا جاتا ہے جن پر ہمارے حضور بھی عامل رہے۔

۲۔ اتنی کہ اوپر کے ہونٹ کی سرخی نمودار ہو جائے، اس سے زیادہ کترانا بھی منع ہے اور منڈانا بھی ممنوع۔ بعض علماء نے مجاہدین کو بحالت جنگ مونچھیں بڑھانے کی اجازت دی ہے۔ (اشعۃ اللمعات)

۳۔ چار انگشت واجب اس سے قدرے زیادہ جائز ہے، بہت زیادہ مکروہ، چار انگشت سے کم کرنا سخت منع اور منڈانا حرام، نیز ہندوؤں اور عیسائیوں کا طریقہ ہے۔ اگر عورت کے داڑھی نکل آئے تو اسے منڈادے۔ خیال رہے کہ ٹھوڑی کے نیچے والے بال ایک مشت کے بعد کٹوائے اور اس کے آس پاس اسی مناسبت سے کہ بالوں کا حلقہ بن جائے جیسا کہ سیدنا ابن عمر کا طریقہ تھا (بخاری شریف) قرآن حکیم فرماتا ہے: "لَا تَأْخُذْ بِذِخْرِيْ"۔ معلوم ہوا کہ ایک مشت داڑھی سنت انبیاء ہے جو قرآن شریف سے ثابت ہے۔

۴۔ ہاتھوں اور پاؤں کے اس طرح کہ پہلے داہنے ہاتھ کی کلمے کی انگلی سے شروع کر کے چھنگلی پر ختم کر دے، پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم کر دے، پھر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹ لے، اس کے بعد داہنے پاؤں کی چھنگلی سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کرے۔ جمعہ کے دن کٹوانا مستحب ہے اور جمعرات کے دن بعد نماز عصر بہت بہتر۔ ہر ہفتہ یا پندرہ دن میں ایک بار کاٹ لے۔ چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑے۔

۵۔ کھانا وغیرہ کھا کر یا کوئی اور کام کر کے، مراد پوروں سے پوری انگلیاں ہیں۔

۶۔ اکھیرنا سنت ہے، منڈانا جائز ہے۔

۷۔ سنت ہے۔ چونے وغیرہ سے صاف کر دینا بھی جائز، قینچی سے کاٹ دینا خلاف۔ سنت ان احکام میں عورتیں اور مراد برابر ہیں۔ (مرقاۃ)

۸۔ یعنی پیشاب پاخانہ کا استنجاء پانی سے کرنا سنت ہے، اور اگر نجاست روپے بھر سے زیادہ ہو تو فرض۔

۹۔ راوی سے مراد مصعب ہیں یا زکریا ابن ابی زائد ہیں۔ (مرقاۃ)

۱۰۔ لڑکے کا ختنہ سنت ہے۔ ساتویں دن سے لے کر ساتویں سال تک کر دیا جائے، بلوغ سے پہلے ہونا ضروری ہے، بعد بلوغ ستر اس کے لیے کھولنا حرام ہے۔ جو جوان آدمی ایمان لائے تو اگر ممکن ہو تو ختنہ کا کام جاننے والی عورت سے اس کا نکاح کر دیا جائے، کہ وہ ختنہ کرے ورنہ نہیں۔

۱۱۔ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ پہلی فصل میں غیر صحیحین کی روایت لے آئے۔

الفصل الثانی

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسواک منہ صاف کرنے والی ہے۔ اللہ کی رضا کا سبب ہے! اسے شافعی و احمد دارمی و نسائی نے روایت کیا اور بخاری نے اپنی صحیح میں بغیر اسناد روایت کیا۔	
---	--

۱۔ یعنی اس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ خیال رہے کہ مسواک سے مسلمان کا مسواک کرنا بنیتِ عبادت مراد ہے، کفار کی مسواک اور مسلمانوں کی عادتاً مسواک اگرچہ منہ تو صاف کر دے گی مگر رضائے الہی کا ذریعہ نہ بنے گی، نیز اگرچہ مسواک میں دنیوی اور دینی بہت فوائد ہیں، مگر یہاں صرف دو فوائد بیان ہوئے۔ یا اس لئے کہ یہ بہت اہم ہیں یا کیونکہ باقی فوائد بھی ان دو میں داخل ہیں۔ منہ کی صفائی سے معدے کی قوت اور بے شمار بیماریوں سے نجات ہے اور جب رب راضی ہو گیا پھر کیا کمی رہے گی۔

روایت ہے حضرت ابوایوب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں سے ہیں! شرم۔ ایک روایت میں ہے ختنہ ۲ عطر ملنا، مسواک اور نکاح ۳ (ترمذی)	
---	--

۱۔ سنت قولی یا فعلی، لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام نے نکاح نہیں کیا کیونکہ ان بزرگوں نے اپنے متبعین کو نکاح کی رغبت ضروری۔

۲۔ بعض نسخوں میں حناء بھی ہے بمعنی مہندی مگر یہ غلط ہے، کیونکہ مردوں کو ہاتھ پاؤں میں زینت کے لیے مہندی لگانا کسی نبی کی سنت نہیں بلکہ ممنوع رہا، داڑھی میں مہندی لگانا اسلام کی سنت ہے کسی نبی نے نہیں لگائی۔ (مرقاۃ) حیا سے مراد وہ شرم جو انسانوں کو برائی سے روک دے۔ ختنہ سنت ابراہیمی علیہ السلام ہے کہ آپ سے لے کر ہمارے نبی تک ہر نبی کے دین میں رہا۔ مرقاۃ وغیرہ میں ہے کہ حسب ذیل انبیاء ختنہ شدہ پیدا ہوئے: حضرت آدم، شیت، نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب، یوسف، موسیٰ، سلیمان، زکریا، عیسیٰ، بنظلمہ، حضور محمد مصطفیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ شامی نے بھی کچھ فرق سے یہ مسئلہ بیان کیا۔

۳۔ عطر سے مراد مطلقاً خوشبو کا استعمال ہے کپڑوں میں ہو یا بدن میں۔ خیال رہے کہ یہاں چار کا عدد حصر کے لیے نہیں اور بھی بہت سنت انبیاء ہیں جن میں یہ چار بھی ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات و دن میں جب بھی سو کر اٹھتے تو وضو سے پہلے مسواک کرتے تھے! (احمد، ابوداؤد)	
--	--

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ مسواک وضو کی مسواک کے علاوہ ہے جس کا شمار وضو میں نہ تھا۔ یعنی بیدار ہو کر بھی مسواک کرتے تھے اور وضو میں بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وضو کے علاوہ ہر اس جگہ مسواک سنت ہے جہاں منہ میں بو پیدا ہونے کا احتمال ہو۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر کے مجھے دھونے کے لیے دیتے تھے تو میں پہلے اس	
---	--

سے مسواک کر لیتی تھی پھر دھو کر آپ کو دیتی تھی ۱  
(ابوداؤد)

۱۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مسواک دھو کر کی جائے، اور کرنے کے درمیان بھی دوبارہ دھوئی جائے، اور دھو کر رکھی جائے۔ دوسرے یہ کہ مسواک دوسرے سے دھلوانا بھی جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ دوسرے کی مسواک کرنا جائز ہے اگر وہ اس سے ناراض نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ حضور کا لعاب شریف برکت کے لئے استعمال کرنا سنت صحابہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ تبرکاً یہ مسواک کرتیں، پھر دھو کر حضور کی خدمت میں پیش کرتیں، ورنہ عورتوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ بجائے مسواک، سکڑا، مٹی استعمال کریں، انگلی سے دانت صاف کریں، کیونکہ ان کے مسوڑے کمزور ہوتے ہیں۔

الفصل الثالث  
تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں میرے پاس دو شخص آئے جن میں سے ایک دوسرے سے بڑا ہے، میں نے مسواک چھوٹے کو دی تو مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دیجئے لہذا میں نے بڑے کو دیدی ۱ (مسلم بخاری)

۱۔ غالباً وہ دونوں ایک ہی طرف ہوں گے اور چھوٹا حضور سے قریب ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب کا لحاظ فرماتے ہوئے پہلے اس کو دی تو رب کی طرف سے حکم ہوا کہ قرب پر بڑائی کو ترجیح دیجئے۔ اگرچہ یہ واقعہ خواب کا ہے مگر نبی کی خواب بھی وحی ہوتی ہے لہذا اب حکم یہی ہے کہ مسواک یا کوئی اور چیز ترتیب وار دینا ہے تو بڑے کو پہلے دی جائے، بشرطیکہ دونوں ایک ہی جانب میں ہوں۔ اور اگر دونوں طرف ہوں تو پہلے داہنے والے کو دی جائے، پھر بائیں والے کو، جیسا کہ دیگر احادیث میں ہے لہذا احادیث میں سے تعارض نہیں۔ خیال رہے کہ وہ دونوں خواب میں آنے والے فرشتے ہوں گے جو شکل انسانی میں آئے اور مسواک بطور تمثیل دکھائی گئی تاکہ اس سے شرعی مسائل معلوم ہوں کہ اپنی مسواک دوسرے کو استعمال کے لیے دے سکتے ہیں اور طریقہ دینے کا یہ ہوگا، جیسے داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو فرشتے شکل انسانی میں آئے اور بکریوں کا مسئلہ پیش کیا۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام جب بھی آئے تو مجھ سے مسواک کرنے کو کہا میں ڈرا کہ کہیں اپنے منہ کے اگلے حصہ کو چھیل ڈالوں ۲۔ (احمد)

۱۔ سنتوں کی تعلیم دینے کے لئے یعنی جو سنت بتائی مسواک ساتھ میں عرض کی، لہذا حدیث میں یہ اعتراض نہیں کہ ہر آیت قرآنی کے ساتھ بھی مسواک کا حکم آیا۔ خیال رہے کہ حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ جبرئیل امین پہنچانے والے ہیں یہاں حکم کی نسبت سبب کی طرف ہے اور یہ حکم استجابی ہے لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ مسواک فرض ہو۔  
۲۔ کہ اتنی زیادہ مسواک کرو جن سے مسوڑے چھل جائیں ان کے بار بار عرض کی وجہ سے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے تم سے مسواک کے متعلق بہت کہا۔

۱۔ یعنی بار بار اور ہر طرح تمہیں مسواک کی رغبت دی کہ کبھی اس کے دینی فائدے بیان کئے اور کبھی دنیوی، نیز ہمیشہ اس پر عمل کر کے دکھایا تاکہ تم بھی ہمیشہ مسواک کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسواک کرنا فرض نہیں ورنہ روش بیان کچھ اور ہوتی۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے اور آپ کے پاس دو شخص تھے جن میں ایک دوسرے سے بڑا تھا تو آپ کو بچی مسواک کے متعلق وحی گئی بڑے کا لحاظ کیجئے یعنی بڑے کو مسواک دیجئے (ابوداؤد)

۱۔ غالباً یہ بیداری کا واقعہ ہے خواب کے واقعہ کے علاوہ لہذا یہ اس خواب کی تعبیر ہے اور ہو سکتا ہے کہ اسی خواب کا ذکر ہو۔ اس کی شرح خواب کی حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

روایت ان ہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نماز کے لیے مسواک کی جائے وہ اس نماز پر ستر گنا زیادہ ہے جس کے لیے مسواک نہ کی جائے۔ اسے بیہنی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱۔ حدیث اپنے ظاہر پر ہے۔ ستر کا عدد بیان زیادتی کے لیے ہے جیسے اردو میں کہا جاتا ہے بیسوں، سینکڑوں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ کبھی سنت کا ثواب فرض و واجب سے بڑھ جاتا ہے۔ دیکھو جماعت پنج گانہ نماز کے لئے واجب ہے اور جمعہ اور عیدین کے لئے فرض، مگر اس کا ثواب ستائیس گنا۔ اور مسواک سنت ہے اور اس کا ثواب ستر گنا۔ یوں ہی سلام کرنا سنت اور جواب سلام فرض مگر سلام کا ثواب جواب سے زیادہ ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ جماعت کے ستائیس درجے ایسے ہوں جس کا ہر درجہ مسواک کے ستر درجوں کے برابر ہو۔

روایت ہے ابو سلمہ سے ۱۔ وہ زید ابن خالد جہنی سے ۲۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر میں اپنی امت پر بھاری نہ جانتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا اور نماز عشاء کو تہائی رات تک پیچھے ہٹا دیتا ۳۔ فرماتے ہیں کہ زید ابن خالد مسجد میں نماز کے لیے یوں آتے تھے کہ ان کی مسواک ان کے کان پر ہوتی۔ جیسے منشی کے کان میں قلم جب بھی نماز کو کھڑے ہوتے تو مسواک کر لیتے پھر وہاں ہی مسواک رکھ لیتے ۴۔ اسے ترمذی و ابوداؤد نے روایت کیا مگر ابوداؤد نے لَأَخْرَجْتُہُ کا ذکر نہ کیا ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱۔ آپ کا نام عبد اللہ ابن عبد الرحمن بن عوف ہے، قرشی زہری ہیں، مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں، عظیم الشان تابعی ہیں، ۷۲ سال عمر پائی، ۹۷ھ میں وفات ہوئی۔

۲۔ مشہور صحابی ہیں، عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں ۸۷ھ مقام کوفہ میں فوت ہوئے۔ (مرقاۃ واشعہ)

۳۔ یعنی یہ دونوں چیزیں فرض کر دیتا کہ بغیر مسواک نماز ہی نہ ہوتی اور تہائی رات سے پہلے نماز عشاء ناجائز ہوتی۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک احکام بنایا ہے کہ چاہیں فرض کریں چاہیں نہ کریں۔

۴۔ یہ حضرت زید ابن خالد کا اپنا اجتہاد تھا۔ ان کے سوا کسی صحابی نے بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کبھی نہ کیا۔ حضرت زید "کُلِّ صَلَوةٍ" سے ہر نماز سمجھے حالانکہ وہاں نماز کا وضو مراد ہے، جیسا کہ ہم شروع میں تحقیقاً عرض کر چکے ہیں۔ یہ عمل ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ زیور کی حدیث سن کر وضو میں بغل تک ہاتھ دھوتے تھے۔ لہذا یہ عمل قابل تقلید نہیں۔ میں نے کویت میں بعض شوافع کو دیکھا کہ ان کے گلے میں مسواک پڑی رہتی ہے، ہر نماز کی نیت پر مسواک کرتے جاتے تھے، حالانکہ مسواک کا کھڑا کر کے رکھنا سنت ہے۔ غالب یہ ہے کہ حضرت زید نے "کُلِّ صَلَوةٍ" سے ہر وقت کی نماز سمجھا نہ کہ ہر نماز، لہذا آپ ایک وقت کی ساری نماز کے لئے ایک دفعہ مسواک کر لیتے تھے۔ مگر کویت کے وہ حضرات اور آگے بڑھ گئے کہ ہر نماز کے لیے کئی کئی بار مسواک کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ حدیث کی صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔ آمین!

## باب سنن الوضوء

### باب وضوء کی سنتیں

الفصل الاول

پہلی فصل

۱۔ سنن سنت کی جمع ہے۔ سنت کے لغوی معنی ہیں طریقہ، اور روش، رب فرماتا ہے: "سُنَّةٌ مِّنْ قَدْ أَرْسَلْنَا" اور فرماتا ہے: "سُنَّنَ"

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ"۔ شریعت میں سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فرمان ہیں جو کتاب اللہ میں مذکور نہیں اور حضور کے وہ اعمال جو امت کے لیے لائق عمل ہیں۔ لہذا منسوخ اور مخصوص اعمال سنت نہیں، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عادتاً کیا وہ سنت زائدہ ہے، اور جسے عبادتاً کیا وہ سنت ہدلی میں سے ہے، جسے ہمیشہ کیا وہ سنت مؤکدہ، جسے کبھی کبھی کیا ہو سنت غیر مؤکدہ، اور اگر ہمیشہ کر کے تاکید حکم بھی دیا تو واجب۔ خیال رہے کہ وضو میں فرائض، سنتیں، مستحبات تو ہیں واجب کوئی نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے جاگے تو برتن میں اپنا ہاتھ نہ ڈالے تا آنکہ تین بار دھولے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ کہاں رہا۔ (مسلم، بخاری)



۱۔ اہل عرب تہبند باندھتے تھے اور بارہا پیشاب کا استنجاء صرف ڈھیلے سے کر کے سوجاتے تھے۔ حدیث کا مطلب یہ کہ چونکہ لوگوں کا عمل یہ ہے تو ہو سکتا ہے کہ سوتے میں ہاتھ، یا مقام استنجاء کو پسینہ آیا ہو، تہبند کھل گیا ہو اور تمہارا ہاتھ وہاں لگ گیا ہو جہاں پیشاب ڈھیلے سے خشک کیا گیا تھا، اور پسینہ کی وجہ سے ناپاک ہو گیا ہو، اب اگر تم مکے یا ناند میں اپنا ہاتھ ڈال دو گے تو پانی نجس ہو جائے گا۔ لہذا پہلے کلائیوں تک تین بار ہاتھ دھولو۔ اس حدیث کی بناء پر علماء کا بڑا اختلاف ہے، بعض نے اس دھونے کو مطلقاً فرض مانا۔ بعض نے صرف سونے کے بعد۔ اور بعض نے اس پانی کو نجس مانا جس میں اس طرح ہاتھ ڈال دیا جائے۔ احناف کے نزدیک یہ دھونا مطلقاً سنت و ضو ہے۔ خواہ سو کراٹھے یا نہ، یا سونے سے پہلے ڈھیلے سے استنجاء کیا ہو یا نہ، تہبند باندھا ہو یا نہ کیونکہ ہاتھ کا وہاں لگنا علت حکم نہیں، حکمت حکم ہے۔ علت و حکمت کا فرق خوب دھیان میں رکھنا چاہیے۔ خیال رہے کہ نیند یا حدث ہے پیشاب کی طرح، یا سبب حدث ہے مباشرت کی طرح، ورنہ پیشاب کے بعد یہ ہاتھ دھونا فرض، نہ مباشرت کے بعد، تو نیند کے بعد کیوں فرض ہوگا۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو پھر وضو کرے تو تین بار ناک جھاڑے کیونکہ شیطان اس کے بانسے پر رات گزارتا ہے (مسلم، بخاری)

۱۔ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے۔ اور شیطان سے مراد وہ قرین ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے، بیداری میں برے کام کے مشورے دیتا ہے، نیند میں ناک میں جا بیٹھتا ہے تاکہ دماغ میں برے خیالات پیدا کرے۔ چونکہ ناک اس سے متلوٹ ہو چکی لہذا وضو میں اسے بھی دھولیا جائے۔ خیال رہے کہ جیسے ناک جھاڑنا ہر وضو میں سنت ہے نیند کے بعد ہوا یا اور وقت، ایسے ہی کلائی تک ہاتھ دھونا بھی ہر وضو میں سنت ہے کیونکہ یہ علت حکم نہیں بلکہ حکمت حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں گندا آدمی بیٹھ جائے وہ جگہ دھو دینا بہتر ہے کہ وضو میں ناک اسی لئے دھوئی گئی کہ اس میں گندا شیطان بیٹھ گیا تھا۔

عبداللہ ابن زید ابن عاصم سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے وضو کرتے تھے تو آپ نے پانی منگایا پھر اپنے ہاتھوں پر ڈالا دونوں ہاتھ دو دو بار دھوئے پھر کلی کی اور ناک جھاڑی (تین بار) پھر تین بار منہ دھویا پھر ہاتھ دو بار کنیوں تک دھوئے پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا کہ انہیں آگے پیچھے لے گئے سر کے اگلے حصے سے شروع کیا پھر انہیں گدی تک لے گئے پھر لوٹا لائے حتیٰ کہ اسی جگہ لوٹ آئے جہاں سے شروع کیا تھا ۳ پھر اپنے پاؤں دھوئے ۴ (مالک و نسائی) اور ابوداؤد کی روایت بھی اسی طرح ہے جیسے جامع والے نے ذکر کیا ۵

۱۔ آپ انصاری مازنی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا کرتے تھے۔ عبد اللہ ابن زید ابن عبد اللہ دوسرے ہیں وہ اذان والے کہلاتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ آپ نے حضرت وحشی کے ساتھ مل کر مسلمہ کذاب کو قتل کیا، آپ جنگ احد میں حضور کے ساتھ رہے، جنگ حرہ میں ۳۷ھ شہید ہوئے۔

۲۔ دوبار ہاتھ دھونا بیان جواز کے لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس طرح بھی وضو ہو جاتا ہے ورنہ تین بار ہاتھ دھونا سنت ہے کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے تین بار اعضاء دھو کر فرمایا کہ جو اس پر زیادتی کمی کرے اس نے برا کیا، حضرت عبد اللہ نے صرف اعمال وضو کا ذکر فرمایا اسی لیے بسم اللہ یا نیت کا ذکر نہ کیا نہ اعضاء کی دعاؤں کا، مسواک وضو سے خاص نہیں اور موقعوں پر بھی ہوتی ہے اس لئے اس کا ذکر بھی نہ فرمایا۔ (مرقاۃ)

۳۔ ظاہر یہی ہے کہ سر شریف کا مسح ایک بار ہی کیا تین بار مسح سے سر دھلے گا اور سر کا دھونا سنت نہیں۔ خیال رہے کہ چہارم سر کا مسح فرض ہے اور پورے سر کا مسح سنت ہے، یہاں مسح سنت کا ذکر ہے۔ ہر ہاتھ کی تین انگلیاں کھوپڑی کے اگلے حصہ پر رکھے پھر آخر سر تک لے جائے واپسی میں یہ انگلیاں علیحدہ کر کے صرف ہتھیلیاں سر کے دونوں طرف لگائے اور آگے کو کھینچ لائے، یہ ہی یہاں مراد ہے۔ کلمہ کی انگلی سے اندرون کان کا مسح کرے اور انگوٹھے سے بیرون کا، مسح سر کا طریقہ مستحب یہ ہی ہے۔

۴۔ مع ٹخنوں کے تین بار، جیسا کہ دوسری روایت میں ہے، لہذا یہ حدیث بعض لحاظ سے مجمل ہے۔

۵۔ یعنی ابن اثیر نے جو جامع الاصول کے مؤلف ہیں جس میں صحاح ستہ کی احادیث جمع فرمائی ہیں۔ اس عبارت میں مصنف پر اعتراض ہے کہ انہوں نے پہلی فصل میں وہ روایت نقل فرمائی جو مسلم و بخاری کی نہیں۔

اور مسلم، بخاری میں ہے کہ عبد اللہ ابن زید ابن عاصم سے کہا گیا کہ آپ ہمارے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کریں تو آپ نے برتن منگایا اس سے ہاتھوں پر پانی لے کر تین بار دھویا پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا پھر نکالا۔ پھر ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی لیا۔ یہ تین بار کیا پھر اپنا ہاتھ ڈال کر نکالا اپنا منہ تین بار دھویا، پھر ہاتھ ڈال کر نکالا تو کہنیوں تک دو دو بار ہاتھ دھوئے پھر ہاتھ ڈال کر نکالا تو سر کا مسح کیا تو اپنا ہاتھ آگے پیچھے لے گئے پھر ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوئے۔ پھر فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو یوں ہی تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں ہاتھوں کو آگے پیچھے لے گئے سر کے اگلے حصہ سے شروع کیا پھر انہیں گدی تک لے گئے پھر واپس لائے حتیٰ کہ اسی جگہ لائے جہاں سے شروع کیا تھا پھر اپنے ہاتھ دھوئے اور ایک روایت میں ہے کہ کلی کی، ناک میں پانی لیا اور ناک جھاڑی تین بار تین چلو پانی سے ۵۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ

ایک ہاتھ سے کلی کی اور ناک میں پانی لیا۔ یہ تین بار کیا اور بخاری کی روایت میں ہے کہ سر کا مسح کیا تو ہاتھ آگے پیچھے ایک بار لے گئے پھر ٹخنوں تک پاؤں دھوئے انہیں کی دوسری روایت میں ہے کہ تین بار کلی کی اور ناک جھاڑی ایک چلو سے۔

۱۔ یعنی چھوٹا برتن موجود نہ تھا بڑے گھڑے یا مٹکے میں پانی تھا تو آپ نے کلائی تک ہاتھ تو پانی انڈیل کر دھوئے، پھر کلی وغیرہ کے لیے اس میں ہاتھ ڈال کر پانی لیا۔ خیال رہے کہ مذہب حنفی میں مستعمل پانی وہ ہے جس سے حدث یعنی حکمی ناپاکی دور کی جائے، یا سے ثواب کی نیت سے وضو یا غسل میں استعمال کیا جائے یہاں ان میں سے کچھ بھی نہ ہوا کیونکہ ہاتھوں کا حدث تو دھل کر جاتا رہا اور اب جو ہاتھ ڈالا وہ پانی لینے کے لئے تھا نہ کہ ثواب کے لئے دھونا مقصود نہیں۔ لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

۲۔ اسی طرح کہ ایک چلو کے آدھے سے کلی کی اور آدھا پانی ناک میں لیا، یہ بیان جواز کے لیے کیا، ورنہ مستحب یہ ہے کہ کلی علیحدہ چلو سے کرے اور ناک میں علیحدہ چلو سے لے۔ لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں کیونکہ ہمارے ہاں اس طرح بھی جائز ہے اگرچہ خلاف مستحب ہے، جیسے دو دو بار ہاتھ دھونا جائز ہے مگر خلاف مستحب ہے۔

۳۔ یہاں ثَمَّ تاخیر کے لیے نہیں کیونکہ اعضاء کو یکے بعد دیگرے فوراً دھونا ہمارے یہاں سنت ہے۔ امام مالک کے ہاں فرض۔ بلکہ یہ ثَمَّ محض بیان ترتیب کے لیے ہے، جیسا کہ بہت جگہ قرآن شریف میں بھی یوں ہی مذکور ہوا۔ یعنی اکثر اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو یوں ہی ہوا کرتا تھا۔ یہ بھی حضرت عبداللہ کے علم کے لحاظ سے ہے، ورنہ حضور کا اکثر وضو تین بار اعضاء دھو کر ہوتا تھا، جیسا کہ احادیث میں ہے۔

۴۔ یعنی ہر کام علیحدہ تین چلو پانی سے کیا، کلی علیحدہ تین چلو سے، پھر ناک میں پانی علیحدہ تین چلوؤں سے تاکہ تمام احادیث متفق ہو جائیں۔

۵۔ جیسا کہ شوافع کرتے ہیں۔ ان کے ہاں فرد کلی فرد استنشاق سے آگے ہو۔ ہمارے ہاں تینوں کلیاں تینوں ناک کے پانی سے مقدم ہوں مگر یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے، لہذا ہمارے خلاف نہیں، ہم بھی اسے جائز کہتے ہیں۔

۶۔ یعنی مسح ایک بار کیا۔ یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ مسح سر ایک بار ہو۔ امام شافعی کے ہاں مسح بھی تین بار ہونا چاہیے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضو کیا اس پر زیادتی نہ فرمائی۔ (بخاری)

۱۔ یعنی ہر عضو ایک بار دھویا اور اس وضو میں ایک بار پر زیادتی نہ کی۔ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں دو یا تین بار دھونے کا ذکر ہے کیونکہ ایک بار یا دو بار دھونا بیان جواز کے لیے ہے۔ اور تین بار دھونا بیان استحباب کے لئے۔ یا پانی کم ہونے پر ایک دو بار اعضاء دھوئے اور پانی کافی ہونے پر تین بار۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے کہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے دو بار وضو کیا۔ (بخاری)

روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہ آپ نے ادارے میں وضو کیا تو فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہ دکھاؤں آپ نے تین تین بار وضو کیا ۲۔ (مسلم)

۱۔ مقاعد جمع مقعد کی ہے یعنی لوگوں کے بیٹھنے اور جمع ہونے کی جگہ جیسے بازار، کمیٹی، گھر یا ادارے اور چوپالیں وغیرہ۔ صحابہ کرام تبلیغ کے لیے لوگوں کے مجموعوں میں جاتے اور انہیں احکام دین سکھاتے تھے۔

۲۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کو وضو کی حاجت نہ تھی صرف لوگوں کو سکھانے کے لئے انہیں دکھا کر وضو کیا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ دھونے والے اعضاء تین بار دھوئے لیکن مسح ایک ہی بار کیا، تین تین بار اعضاء کا دھونا عام طور پر تھا، ایک یا دو بار انہیں دھونا کبھی کبھی وہ بھی بیان جواز کے لیے۔ لہذا یہ حدیث نہ دیگر احادیث سے متعارض ہے نہ ہمارے خلاف۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے حتیٰ کہ جب ہم اس پانی پر پہنچے جو راہ میں تھا تو عصر کے وقت ایک قوم نے جلدی کی کہ جلدی میں وضو کیا ۱۔ ہم ان تک پہنچے اور ان کی لڑیاں چک رہی تھیں جنہیں پانی نہ لگا تھا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ایڑیوں کے لئے آگ کا ویل ہے ۲۔ وضو پورا کرو (مسلم)

۱۔ یعنی ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قافلے کے پچھلے حصے میں تھے اور وہ حضرات اگلے حصے میں وہ ہم میں سے پہلے پانی پر پہنچ گئے اور جلدی میں وضو کیا۔ معلوم ہوا کہ وضو بھی نماز کی طرح اطمینان سے کرنا چاہیے۔

۲۔ ویل کے معنی افسوس بھی ہیں اور دوزخ کے ایک طبقے کا نام بھی ہے، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی اگر اعضاء وضو میں سے کوئی عضو ناخن برابر سوکھا رہ گیا تو وہ شخص ویل میں جانے کا مستحق ہے، اس سے تین مسئلے ثابت ہوئے: ایک یہ کہ جب موزے نہ پہنے ہوں تو وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے، مسح جائز نہیں اسی پر تمام صحابہ کرام اہل بیت اطہار اور ساری امت کا اجماع ہے۔ حضرت علی ہمیشہ پاؤں دھویا ہی کرتے تھے جیسا کہ خود شیعوں کی کتب سے بھی ثابت ہے۔ دوسرے یہ کہ مغسولہ اعضاء کو مکمل دھونا فرض ہے حتیٰ کہ انگوٹھی کے نیچے اور بالیوں اور بلاک کے سوراخوں میں پانی پہنچانا وضو اور غسل میں فرض ہے۔ تیسرے یہ کہ گناہ صغیرہ پر بھی سخت عذاب ہو سکتا ہے۔

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے ۱۔ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنی پیشانی اور عمامہ اور موزوں پر مسح کیا ۲۔ (مسلم)

۱۔ آپ مہاجر ہیں، ثقفی ہیں، خندق کے سال اسلام لائے، حضور کے ساتھ عرصہ تک رہے، پھر امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم رہے، ستر سال عمر پائی، ۵۰ھ میں کوفہ میں وفات ہوئی۔

۲۔ بمعنی علی ہے۔ اور ناصبیہ سے مراد سر کا اگلا حصہ جو کل سر کا چوتھائی ہوتا ہے، یعنی حضور نے چہارم سر کا مسح کیا۔ یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قوی دلیل ہے کہ مسح سر میں چہارم حصہ فرض ہے، زیادتی سنت۔ امام مالک کے ہاں پورے سر کا مسح فرض۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک بال کا چھولینا بھی کافی ہے۔ یہ حدیث ان دونوں بزرگوں کے خلاف ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چہارم سر سے کم مسح کبھی نہ کیا، اگر ایک بال کا مسح کافی ہوتا تو بیان جواز کے لیے کبھی حضور اس پر عمل فرماتے، کم سے کم مسح کی حدیث یہی ہے۔ اور اگر پورے سر کا مسح فرض ہوتا تو آپ اس موقع پر چہارم سر پر کفایت نہ فرماتے۔ خیال رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر عمامہ شریف پکڑ لیا تھا تاکہ گر نہ جائے، دیکھنے والے سمجھے کہ آپ عمامہ کا بھی مسح کر رہے ہیں اس لئے ایسی روایت کردی عمامہ پر مسح کرنا قرآن شریف کی خلاف ہے فرماتا ہے: "وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ"۔ لہذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چہارم سر کا مسح کیا اور باقی عمامہ کا، نیز اگر عمامہ کا مسح ہوتا تو سر کے مسح کا نائب ہوتا اور نائب اور اصل جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک پاؤں دھولو اور ایک پاؤں کے موزے پر مسح کر لو یا آدھا وضو کر لو اور آدھا تیمم، نیز چڑے اور موٹے سوتی موزوں پر مسح جائز ہے جب کہ بغیر باندھے پنڈلی پر ٹھہرے رہیں۔ اس کی پوری بحث آئندہ آئے گی۔ ان شاء اللہ!

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقدر طاقت اپنے تمام کاموں میں داہنے سے شروع فرمانا پسند کرتے تھے اپنی طہارت میں اور کنگھی کرنے اور نعلین پہننے میں! (مسلم، بخاری)

۱۔ یہ تین چیزیں بطور مثال ارشاد فرمائی گئیں ورنہ سر ہمہ لگانا، ناخن و بغل کے بال لینا، حجامت اور مونچھیں کٹوانا، مسجد میں آنا اور مسواک کرنا وغیرہ سب میں سنت یہ ہے کہ داہنے ہاتھ یا داہنی جانب سے ابتداء کرے کیونکہ نیکیاں لکھنے والا فرشتہ داہنی طرف رہتا ہے اس کی وجہ سے یہ سمت افضل ہے حتیٰ کہ داہنا پڑوسی بائیں پڑوسی سے زیادہ مستحق سلوک ہے۔ (اشعۃ اللمعات) علماء فرماتے ہیں کہ دوسری مسجدوں میں صف کا داہنا حصہ بائیں سے افضل مگر مسجد نبوی میں بائیں حصہ داہنے سے افضل کیونکہ وہ روضہ مطہرہ سے قریب ہے۔ روضہ مطہرہ دل ہے اور دل بائیں طرف ہے جس پر زندگی کا دارومدار ہے ان کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔ صوفیائے کرام کے اقوال بے دلیل نہیں ہوتے کیونکہ جب نیکیاں لکھنے والے فرشتے کی وجہ سے داہنا حصہ بائیں سے افضل ہوا تو وہاں قرب مصطفوی کی وجہ سے بائیں سمت افضل ہوگی۔ چنانچہ سرکار فرماتے ہیں کہ نماز میں داہنی جانب نہ تھو کو نہ جوتا رکھو کیونکہ ادھر رحمت کا فرشتہ ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم پہنو اور جب وضو کرو تو داہنے سے

شروع کرو (احمد، ابوداؤد)

۱۔ پہننا کرتا، پانچامہ، جوتا ان سب کو شامل ہے۔ اور وضو میں غسل و تیمم بھی داخل ہے۔ آیامین ایمن کی جمع ہے جو یمین یا یمین سے بنا بمعنی برکت و مبارک۔ چونکہ اسلام میں داہنا حصہ مبارک مانا گیا کہ قیامت میں نیکوں کے نامہ اعمال بھی اسی ہاتھ میں ہوں گے اسی لئے اسے ایمن یا یمین کہتے ہیں۔ یعنی جب کچھ پہنو تو داہنے ہاتھ پاؤں میں پہلے، بائیں میں بعد میں پہنو اور جب وضو یا غسل و تیمم کرو تو داہنی جانب سے شروع کرو مگر اتارنے میں اس کے برعکس۔

روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے اے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کا وضو نہیں جس نے اس پر اللہ کا نام نہ لیا ۲۔ اسے ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا احمد و ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے اور دارمی نے حضرت ابوسعید خدری سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا اس کے شروع میں بڑھایا کہ جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں ۳۔

۱۔ آپ کی کنیت ابوالاعور ہے، قرشی ہیں، عدوی ہیں، قدیم الاسلام ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، سوائے بدر کے تمام جنگوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے، حضرت عمر کی ہمشیرہ فاطمہ آپ کے نکاح میں تھیں جن کے ذریعہ حضرت عمر فاروق اسلام لائے، ستر سال سے زیادہ عمر ہوئی، مقام عنیق تھا وہیں ۱۵ھ میں وصال ہوا، آپ کی میت شریف مدینہ منورہ لائی گئی، جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

۲۔ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا عام علماء کے نزدیک سنت مستحبہ ہے اور یہاں کمال کی نفی ہے یعنی جو کوئی وضو کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو کامل نہیں، جیسے حدیث شریف میں ہے کہ مسجد سے قریب رہنے والے کی بغیر مسجد نماز نہیں ہوتی، یعنی نماز کامل نہیں ہوتی کیونکہ رب نے فرمایا جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنا منہ ہاتھ دھوؤ الخ، وہاں بسم اللہ کی قید نہیں، نیز تیسری فصل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن مسعود اور ابن عمر کی حدیث آرہی ہے کہ جو وضو کے اول میں بسم اللہ پڑھے اس کا تمام جسم پاک ہو جاتا ہے اور جو نہ پڑھے تو اس کے صرف اعضاء وضو پاک ہوتے ہیں۔ ان تمام سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ وضو میں فرض یا واجب نہیں، لہذا یہ حدیث نہ تو قرآن کے خلاف ہے نہ دیگر احادیث کے۔

۳۔ مراقاة نے فرمایا کہ یہاں دو غلطیاں ہیں: ایک یہ کہ اس حدیث کے حضور سے راوی خود ابوسعید خدری ہیں نہ کہ ان کے والد۔ دوسرے یہ کہ جملہ حدیث میں نہیں کہ جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں بلکہ حدیث "حَلَّيْهِ" پر ختم ہو گئی۔

روایت ہے حضرت لقیط ابن صبرہ سے اے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وضو کے متعلق خبر دیجئے فرمایا وضو پورا کرو انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک کے پانی میں مبالغہ کرو مگر جب تم روزہ دار

ہو ۲۔ (ابوداؤد) ترمذی اور نسائی نے روایت کی اور ابن ماجہ و دارمی نے بین الاصابع تک روایت کی۔

۱۔ آپ کا نام لقیط ابن عامر ابن صبرہ ہے، کنیت ابو رزین عقیلی ہیں، مشہور صحابی ہیں، طائف والوں میں آپ کا شمار ہے۔  
۲۔ یعنی اعضاء پورے دھوؤ اور تین تین بار دھوؤ ہاتھوں، اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرو، اگر پاؤں کی انگلیاں چپٹی ہوئی ہوں کہ بغیر خلال ان میں پانی نہ پہنچے تو خلال ضروری ہے، ورنہ سنت۔ حق یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں میں بھی خلال کرنا چاہیے، اس خلال میں چھنگلی شرط نہیں جیسے بھی ہو جائے کافی ہے۔ ناک میں پانی بانسے تک پہنچانا ضروری ہے حتیٰ کہ غسل میں فرض ہے اور اتنا چڑھانا کہ حلق میں اتر جائے بہتر ہے مگر روزے کی حالت میں صرف بانسے تک پہنچائے، اگر حلق میں چلا گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (اشعۃ المعات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم وضو کرو تو اپنی ہاتھ کی انگلیوں کا خلال کرو (ترمذی) اور ابن ماجہ نے اسی طرح روایت کی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱۔ بہتر یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کسبوں تک ہاتھ دھونے کے ساتھ کرے اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال پاؤں دھونے کے ساتھ کرے لیکن اگر یہ دونوں خلال پاؤں دھو کر کئے جب بھی جائز کیونکہ واؤ صرف جمع چاہتا ہے۔

روایت ہے مستورد ابن شداد سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب وضو کرتے تو اپنی چھنگلی سے پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرتے ۲۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱۔ آپ قرشی ہیں، قبیلہ بنی فہر سے ہیں، اونگا کوفہ میں، پھر مصر میں قیام رہا، حضور کی وفات کے وقت آپ بچے تھے لیکن سمجھدار تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا سماع ثابت ہے۔

۲۔ یعنی بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے اس طرح خلال کرتے کہ داہنے پاؤں کی چھنگلی سے شروع فرماتے اور بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم فرمادیتے، یہ خلال ہمارے ہاں مستحب ہے، امام مالک کے نزدیک فرض۔ لہذا کرنا چاہیے تاکہ اختلاف سے بچ جائیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تو ایک چلو پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے پہنچاتے جس سے اپنی داڑھی کا خلال کرتے اور فرماتے کہ میرے رب نے مجھے یوں ہی حکم دیا ہے۔ (ابوداؤد)

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ داڑھی شریف کا یہ خلال چہرہ دھونے کے ساتھ تھانہ کہ وضو کے بعد۔ اور امر رب سے مراد وحی خفی یعنی الہام ہے یا بواسطہ جبریل۔ معلوم ہوا کہ حضور پر وحی صرف قرآن ہی کی نہیں ہوئی اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔ خیال رہے کہ یہ امر وجوب کا نہیں بلکہ استحبابی ہے کیونکہ داڑھی کا خلال کسی کے ہاں فرض نہیں۔

روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے  
۱۔ (ترمذی، دارمی)

۱۔ یعنی اکثر نہ کہ ہمیشہ اس طرح کہ داہنے ہاتھ کی انگلیاں شریف ٹھوڑی کے نیچے سے داڑھی کی جڑ میں کنگھی کی طرح ڈال کر داڑھی کے نیچے لے جاتے تھے۔

روایت ہے حضرت ابو جہ سے ۱۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو دیکھا آپ نے وضو کیا تو اپنے ہاتھ دھوئے تاآنکہ انہیں صاف کر دیا پھر تین بار کلی تین بار ناک میں پانی کیا پھر اپنا منہ و کمنیاں تین تین بار دھوئے ایک بار سر کا مسح کیا ۲۔ پھر اپنے قدم ٹخنوں تک دھوئے ۳۔ پھر کھڑے ہوئے تو طہارت کا بچا ہوا پانی کھڑے کھڑے پیام پھر فرمایا میں نے چاہا تمہیں دکھا دوں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کیسا تھا ۵

۱۔ آپ کا نام عمرو ابن نصر، کنیت ابو جہ ہے، ہمدان کے باشندے ہیں، تابعی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

۲۔ صاف معلوم ہوا کہ اعضاء کا دھونا تین تین بار سنت ہے مگر مسح ایک ہی بار۔ یہ حدیث خفیوں کی قوی دلیل ہے۔

۳۔ یعنی مع ٹخنوں کے تین بار دھوئے۔ الیٰ بمعنی صاع ہے اور چونکہ پہلے تین تین بار کا ذکر ہو چکا ہے اس لیے یہاں ذکر نہ کیا۔

۴۔ معلوم ہوا کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے، چونکہ اس پانی سے ایک عبادت ادا کی گئی اس لئے یہ برکت والا بھی ہے اور حرمت والا بھی، جیسے آب زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم سے پیدا ہوا اس لئے اس کی بھی حرمت ہے وہ بھی کھڑے ہو کر پیا جاتا ہے، صحابہ کبار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا غسل پیتے اور آنکھوں سے لگاتے تھے۔ بعض مریدین اپنے پیر کا جھوٹا پانی اور ان کا دیا ہوا تبرک کھڑے ہو کر کھاتے پیتے ہیں اس احترام کی اصل یہ احادیث ہیں۔

۵۔ یعنی مجھے اس وقت وضو کی ضرورت نہ تھی تمہاری تعلیم کے لیے تمہیں وضو کر کے دکھایا۔ معلوم ہوا کہ عملی تبلیغ بھی ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت عبدخیر سے ۱۔ فرماتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوئے حضرت علی کو دیکھ رہے تھے جب انہوں نے وضو کیا اور اپنا داہنا ہاتھ ڈالا تو منہ بھر کر کلی کی اور ناک میں پانی لیا اور بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑی یہ تین بار کیا پھر فرمایا کہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو دیکھنا پسند ہو تو حضور کا



وضو یہ تھا ۲ (دارمی)

۱۔ آپ کا نام عبد خیر ابن یزید، کنیت ابو عمارہ ہے، کوفہ کے رہنے والے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کر سکے، اس لئے آپ جلیل القدر تابعی ہیں، حضرت علی کے ساتھیوں میں سے ہیں، ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔  
 ۲۔ یہ حدیث مختصر ہے جس میں صرف کلی اور ناک کے پانی کا ذکر ہے ورنہ حضرت علی مرتضیٰ نے پورا وضو کر کے دکھایا تھا۔ ہاتھ ڈالنے سے مراد بڑے برتن میں ہاتھ ڈال کر کلی وغیرہ کے لیے چلو بھرنا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے ۱۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ایک ہاتھ سے کلی کی اور ناک میں پانی لیا ۲۔ یہ تین بار کیا۔ (ابوداؤد ترمذی)

۱۔ آپ کا نام عبداللہ ابن زید ابن عبد ربہ ہے، انصاری ہیں، خزرجی ہیں، بیعت عقبہ اور جنگ بدر وغیرہ تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ۱۔ میں آپ نے ہی خواب میں اذان دیکھی، آپ ہی کی عرض کی ہوئی اذان اسلام میں مروج ہے۔ خود بھی صحابی ہیں اور والدین بھی، چونٹھ سال عمر پائی۔  
 ۲۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ہر چلو کے آدھے سے کلی کی اور آدھے سے ناک میں پانی لیا جیسا کہ مذہب شافعی ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی اور ناک میں پانی سے نہ کئے جیسے کہ منہ دھوتے وقت بلکہ ایک ہاتھ سے کئے لہذا یہ حدیث حنیفوں کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر و کانوں کا مسح فرماتے تھے اندرونی کانوں کا کلمہ کی انگلیوں سے ۱۔ بیرونی کانوں کا اپنے انگوٹھوں سے ۲۔ (نسائی)

۱۔ کلمہ کی انگلی کہ کفار عرب سبابہ کہتے تھے، یعنی گالیاں دینے والی انگلی، چونکہ گالی گلوچ کرتے وقت اس انگلی سے اشارہ کرتے جاتے تھے اس لیے اس کا یہ نام رکھا تھا۔ اسلام نے اس کا نام سباحہ یا مسباحہ رکھا یعنی تسبیح پڑھنے والی انگلی، اور اردو زبان میں اسے کلمے کی انگلی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ انگلی تسبیح اور کلمے میں استعمال ہوتی ہے کہ پہلے اسی پر شمار کی جاتی ہے۔  
 ۲۔ یعنی سر کے مسح کے بعد اسی پانی سے نہ کہ دوسرے پانی سے، لہذا یہ حدیث حنیفوں کی دلیل ہے۔ امام شافعی کے ہاں کان کا اندرونی حصہ منہ کے ساتھ دھویا جاتا ہے اور بیرونی حصے کا سر کے ساتھ مسح ہوتا ہے۔ یہ حدیث ان کے خلاف ہے، نیز ایک ہی عضو کا دھلنا اور مسح خلاف قانون ہے۔ غسل و مسح جمع نہیں ہونا چاہیے۔ بعض آئمہ کے نزدیک کان کے مسح کے لیے الگ پانی لیتے ہیں یہ حدیث ان کے بھی خلاف ہے۔

روایت ہے حضرت ربیع بنت معوذ سے ۱۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو فرماتے دیکھا تو آپ نے اپنے اگلے پچھلے حصہ، سر کا اور کنپٹیوں اور کانوں کا ایک بار مسح کیا ۲۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وضو کیا تو اپنی انگلیاں اپنے کانوں کے سوراخوں میں ڈالیں ۳۔ اسے ابوداؤد نے

روایت کیا ترمذی نے پہلی روایت اور احمد ابن ماجہ نے دوسری روایت نقل کی۔

۱۔ آپ انصاریہ، نجاریہ ہیں، بیعت الرضوان میں موجود تھیں، آپ کے دادا کا نام عفر ہے۔

۲۔ اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ کان کا شمار سر میں ہے اس کا مسح ہوگا دھویا نہ جائے گا اور مسح ایک بار ہوگا نہ کہ تین بار، لہذا یہ حنیفوں کے قوی دلیل ہے۔ کپٹیاں چہرے میں داخل ہیں کیونکہ چہرے کی حد چوڑائی میں کان کی نو سے دوسرے کان کی نو تک ہے لہذا چہرے کے ساتھ تین بار دھوئی جائیں گی۔ کان کے مسح کے ساتھ حضور کی انگلیاں کپٹی پر بھی لگ گئی ہوں گی اور یہ سمجھیں کہ آپ اس کا مسح فرما رہے ہیں جیسا کہ عمامہ کے مسح میں ذکر کیا گیا۔ لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں کپٹیوں کے دھونے کا حکم ہے۔

۳۔ یہ بھی سنت ہے۔ خیال رہے کہ دونوں کا مسح ایک ساتھ ہوگا داپنے سے شروع کرنا ان اعضاء میں ہوتا ہے جو دونوں ایک ساتھ نہ دھوئے جاسکتے ہیں اسی لئے کلائی تک دونوں ہاتھ ایک ساتھ دھوئے جاتے ہیں اور کبھی تک ترتیب وار کہ پہلے داہنا پھر بائیں۔ (مرقاۃ)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا اور آپ نے اپنے سر کا اس پانی سے مسح نہ کیا جو ہاتھوں کا بچا ہوا تھا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور مسلم نے کچھ زیادتیوں کے ساتھ۔

۱۔ یعنی مسح کے لیے الگ پانی لیا ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی سے مسح نہ کیا۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا ذکر کیا فرماتے ہیں کہ آپ آنکھ کے کونوں کو بھی ملتے تھے اور فرمایا کہ دونوں کان سر سے ہیں ۲۔ اسے ابن ماجہ، ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا دونوں نے کہا حماد فرماتے ہیں مجھے خبر نہیں کہ یہ قول کہ کان سر سے ہیں آیا ابو امامہ کا قول ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ہے ۳۔

۱۔ آپ کا نام سعد ابن حنیف ہے، انصاری، خزر جی، اوسی ہیں، اپنی کنیت میں مشہور ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے، اسی لئے آپ کا شمار تابعین میں ہے، ۸۲ سال عمر پائی ۱۰۰ھ میں وصال ہوا۔ ابو امامہ باہلی اور ہیں وہ صحابی ہیں۔

۲۔ یعنی ان کے ظاہر و باطن کا مسح سر ہی کے پانی سے ہوگا چہرے کے ساتھ دھوئے نہیں جائیں گے۔ خیال رہے کہ آنکھ کے کویوں پر انگلی پھیر لینا تاکہ پانی ان کے اندر پھیل جائے سنت ہے۔ یہاں مسح سے یہی مراد ہے کیونکہ کوءے کے مسح کا کوئی قائل نہیں۔

۳۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان شریف ہے کیونکہ ابو امامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے سلسلے میں یہ فرما رہے ہیں، نیز کانوں کا سر یا چہرے سے ہونا سن کر ہی کہا جاسکتا ہے، نہ کہ اپنی رائے سے کہ وضوء کے احکام عقل سے وراہ ہیں لہذا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ ایک بدوی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر وضو کے متعلق پوچھنے لگے تو آپ نے اسے تین بار وضو کر کے دکھایا اور فرمایا وضو یوں ہی ہے جو اس پر زیادتی کرے اس نے گناہ کیا تعدی کی اور ظلم کیا! اسے نسائی ابن ماجہ نے روایت کیا ابو داؤد نے اس کے معنی کو۔

۱۔ گناہ تو ترک سنت کا ہوا اور تعدی تین سے زیادہ کرنے پر کیونکہ دھونے کی حد تین بار ہے اور ظلم اپنی جان پر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، پانی میں اسراف کیا، اپنے نفس پر بے فائدہ مشقت ڈالی جو کوئی تین سے زیادہ کو سنت سمجھ لے تو اس کا اعتقاد بھی غلط ہوا۔ بہر حال تین سے کمی ہو سکتی ہے زیادتی نہیں ہو سکتی، نیز تین بار دھونے میں سارے عضو کے دھل جانے کا یقین ہو جاتا ہے اس پر زیادتی شیطانی وسوسہ کی بناء پر ہو سکتی ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے ۱۔ کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ کہتے سنا کہ الہی میں تجھ سے جنت کی داہنی طرف سفید محل مانگتا ہوں تو فرمایا کہ میرے بچے اللہ سے جنت مانگو اور دوزخ سے اس کی پناہ مانگو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس امت میں وہ قوم ہوگی جو وضو اور دعا میں حد سے تجاوز کیا کرے گی ۲۔ (احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ)

۱۔ آپ قبیلہ مزینہ کے ہیں، بیعت الرضوان میں حاضر ہوئے، مدینہ طیبہ قیام رہا، عہد فاروقی میں آپ کو بصرے بھیجا گیا تاکہ لوگوں کو علم سکھائیں، وہاں ہی ۶۰ھ میں انتقال ہوا۔  
۲۔ دعا میں تجاوز تو یہ ہے کہ ایسی تعین کی جائے جس کی ضرورت نہیں جیسے ان کے صاحبزادہ نے کیا۔ فردوس مانگنا بہت بہتر ہے کہ اس میں شخصی تعین نہیں نوعی تقرر ہے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ وضو میں حد سے بڑھنا دو طرح ہو سکتا ہے: تعداد میں زیادتی اور عضو کی حد میں زیادتی جیسے پاؤں گھٹنے تک دھونا اور ہاتھ بغل تک کہ یہ دونوں باتیں ممنوع ہیں۔

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ وضو کا ایک شیطان ہے جسے ولہان کہا جاتا ہے! تو پانی کے وسوسوں سے بچو ۲۔ (ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد محدثین کے نزدیک قوی نہیں کیونکہ ہم نے خارجہ کے سوا کسی کو نہ جانا جو اسے مرفوعاً

نقل کرے اور خارجہ ہمارے دوستوں کے نزدیک قوی نہیں۔

۱۔ ولہان ولہ سے بنا، بمعنی حیرت یا حرص۔ چونکہ یہ شیطان وضو کرنے والے کو حیرت میں ڈال دیتا ہے اور پانی کے زیادہ استعمال پر حریص کرتا ہے اس لئے اسے ولہان کہا جاتا ہے۔ زیادتی عشق کو بھی ولہ اور عاشق حیرت زدہ کو بھی ولہان کہتے ہیں۔ شیطان کی جماعتیں مختلف ہیں۔ جن کے علیحدہ علیحدہ کام ہیں ان میں سے ایک جماعت کا یہ کام اور یہ نام ہے۔

۲۔ دل میں جو شک بلا دلیل پیدا ہو اسے وسوسہ کہا جاتا ہے۔ بلا وجہ یہ خیال کرنا کہ شاید پانی نجس ہو، شاید کپڑوں پر چھینٹیں پڑ گئیں ہوں، شاید پانی پورے عضو پر نہ بہا ہو، یہ سب کچھ وسوسے ہیں۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ ہاتھوں کی لکیروں میں پانی پہنچاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت معاذ بن جبل سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب وضو کرتے تو اپنا چہرہ اپنے کپڑے کے کنارے سے پونچھتے! (ترمذی)

۱۔ اس سے چند مسائل معلوم ہوئے: ایک یہ کہ وضو کے بعد اعضائے وضو کا پونچھنا ممنوع نہیں بشرطیکہ تکبرانہ نہ ہو۔ ہاں مستحب یہ ہے کہ زیادہ مبالغہ سے نہ پونچھے، تری کا کچھ اثر باقی رہنے دے۔ دوسرے یہ کہ اعضائے کی تری ماء مستعمل نہیں، پانی کے جو قطرے عضو سے الگ ہو جائیں وہ مستعمل ہیں جو بعض کے نزدیک نجس ہیں مگر حق یہ ہے کہ پاک تو ہیں لیکن پاک کر نہیں سکتے۔ وہ جو حدیث پاک میں آیا کہ حضرت میمونہ نے حضور انور کی خدمت میں وضو کے بعد رومال پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور اعضا جھلاتے ہوئے تشریف لے گئے اس کی وجہ دوسری ہو سکتی ہے۔ رومال صاف نہ ہو یا اس وقت جلدی ہو۔ مرقاۃ نے فرمایا مستحب یہی ہے کہ نہ پونچھے لیکن پونچھنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے وضو کے بعد اپنے اعضا شریف پونچھا کرتے تھے! روایت کیا ترمذی نے اور فرمایا کہ یہ حدیث قوی الاسناد نہیں اور ابو معاذ راوی محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں! ۲

۱۔ یعنی کبھی کبھی نہ کہ ہمیشہ کیونکہ ابھی گزر گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دامن سے منہ شریف پونچھا، بعض میں یہ بھی ہے کہ اعضا بالکل نہ پونچھے، بعض روایات میں ہے کہ وضو کا پانی قیامت میں نور ہوگا۔ غرض کہ احادیث میں تعارض نہیں کبھی وہ اعمال کئے کبھی یہ۔

۲۔ ترمذی نے ان دونوں حدیثوں کو ضعیف کہا، پہلی حدیث کو رشد ابن سعد اور عبدالرحمان ابن زیاد افریقی کی وجہ سے اور اس حدیث کو ابو معاذ کی وجہ سے اور فرمایا کہ بعض لوگ اعضائے وضو پونچھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ اس میں عبادت کے اثر کو دور کر دینا ہے اور وضو کا پانی تسبیح بھی کرتا ہے۔ واللہ اعلم!

الفصل الثالث  
تیسری فصل

روایت ہے حضرت ثابت ابن ابی صفیہ سے ۱ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر سے جو محمد باقر ہیں ۲ عرض کیا آپ کو حضرت جابر نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار دو دو بار تین تین بار وضو کیا فرمایا ہاں ۳ (ترمذی، ابن ماجہ)

۱۔ ان کی کنیت ابو حمزہ ہے، یعنی ہیں، ازدی ہیں، محمد ابن علی باقر کے ہم نشین تھے۔ مرقاة نے فرمایا کہ یہ کوفہ میں رہتے تھے، اور نہایت ضعیف اور بہت وہمی تھے، عقیدہ رافضی تھے چھپے ہوئے۔ لہذا یہ حدیث ضعیف۔

۲۔ آپ محمد ابن علی یعنی (زین العابدین) ابن حسین ابن علی ہیں۔ رضوان اللہ علیہم۔ لقب امام باقر یعنی علم کو چیرنے والے، کنیت ابو جعفر، مدینہ منورہ کے عظیم الشان فقیہ اور بڑے محدث ہیں۔ امام زین العابدین، عبداللہ ابن عمر اور حضرت جابر سے بے شمار احادیث لی ہیں۔ عظیم الشان تابعی ہیں، ولادت شریف ۵۶ھ میں ہوئی، ۶۳ سال عمر شریف پائی، ۱۱۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی، جنت البقیع میں مزار پر انوار ہے۔ فقیر نے زیارت کی ہے۔

۳۔ حدیث لینے کے تین طریقے ہیں: ایک یہ کہ شاگرد پڑھے استاد سنے۔ دوسرے یہ کہ استاد پڑھے شاگرد سنے۔ تیسرے یہ کہ شاگرد حدیث کے الفاظ عرض کر کے پوچھے کہ کیا یہ حدیث آپ نے روایت کی ہے؟ استاد کہے ہاں، یہاں تیسری قسم کی روایت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور نے وضو کے اعضاء کبھی ایک ایک بار دھوئے، کبھی دو دو بار، کبھی تین تین بار۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو بار وضو کیا اور فرمایا کہ یہ نور پر نور ہے!

۱۔ یعنی اعضاء وضو دو دو بار دھوئے اور اسے نور پر نور قرار دیا کیونکہ ایک بار دھونا فرض ہے، دوسری بار سنت، فرض بھی نور ہے اور سنت بھی، یعنی قیامت میں مسنون عمل کرنے والوں کا نور بہت تیز ہوگا، لہذا جو تین تین بار اعضاء دھوئیں گے وہ بھی افضل ہیں۔

روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار وضو کیا اور فرمایا کہ یہ میرا اور مجھ سے اگلے نبیوں کا وضو ہے اور حضرت ابراہیم کا وضو ہے! ان دونوں حدیثوں کو رزین نے روایت کیا نووی نے شرح مسلم میں دوسری کو ضعیف بتایا۔

۱۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ وضو اسلام کے ساتھ خاص نہیں، پہلی امتوں میں بھی تھا، ہاں چروں کی چمک اس امت کی خصوصیات سے ہے۔ دوسری یہ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی وضو کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم وسارہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور جنت اسرائیلی نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ غرض کہ وضو بڑی پرانی سنت ہے۔ تیسرے یہ کہ تین تین بار اعضاء وضو دھونا بہت افضل ہے کیونکہ سنت انبیاء ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک یا دو بار اعضاء دھونا بیان جواز کے لیے ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے اور ہم کو ایک ہی وضو اس وقت تک کافی ہوتا جب تک بے وضو نہ ہوتے ۲ (دارمی)

۱۔ مراقاة نے فرمایا کہ اولاً حضور پر ہر نماز کے لیے وضو کرنا فرض تھا، پھر یہ فرضیت منسوخ ہوئی جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے یہ اس وقت کا ذکر ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ فرضیت کے منسوخ ہونے کا بعد کا ذکر ہوا اور اکثری حال مراد ہو، یعنی حضور اکثر ہر نماز کے لیے وضو فرمالتے تھے۔ اس آیت کے ظاہر پر عمل فرماتے ہوئے "إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا" الایہ۔ اب بھی ہر نماز کے لیے وضو کر لینا خواہ پہلا وضو ہو مستحب ہے۔ خیال رہے کہ یہاں نماز سے نماز فرض مراد ہے اور نماز اشراق فجر کے وضو سے پڑھنا مستحب ہے۔

۲۔ یعنی ہم لوگ اکثر ایک وضو سے چند نمازیں پڑھ لیتے تھے۔ خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے چار نمازیں پڑھیں تھیں۔ اور بعض صحابہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے مگر وہ واقعات اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں اکثری حالت کا ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت محمد ابن یحییٰ ابن حبان سے فرماتے ہیں کہ میں نے عبید اللہ ابن عبد اللہ ابن عمر سے کہا کہ بتائیے تو کہ عبد اللہ ابن عمر ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے با وضو ہوں یا بے وضو یہ کس سے لیا تو کہنے لگے کہ انہیں اسماء بنت زید ابن خطاب نے خبر دی ۲ کہ عبد اللہ ابن حنظلہ ابن ابی عامر غسیل نے انہیں خبر دی تھی ۳ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لیے وضو کا حکم دیا گیا تھا با وضو ہوں یا بے وضو لیکن جب یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دشوار ہوا تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیا گیا اور وضو موقوف کیا گیا ان سے مگر حدیث سے ۵ فرمایا عبد اللہ سمجھتے تھے کہ ان میں اس کی طاقت ہے (یعنی ہر نماز کے لیے تازہ وضو کی) تو وفات تک ہی کرتے رہے ۶ (احمد)

۱۔ آپ فقہ تابعی ہیں، انصاری ہیں، آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، امام مالک کے استاد ہیں، ۱۲۱ھ میں وفات پائی، علم و عبادت میں بڑے مشہور تھے۔

۲۔ یہ اسماء حضرت عمر کی بھتیجی ہیں، حضرت زید ابن خطاب عمر فاروق کے بڑے بھائی ہیں، جو آپ سے پہلے اسلام لائے، مہاجرین اولین میں سے ہیں، بدر اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، خلافت صدیقی جنگ یمامہ میں ۱۲ھ میں شہادت پائی۔ حضرت اسماء بھی صحابیات میں سے ہیں۔

۳۔ یہ عبد اللہ بھی صحابی ہیں، ان کے والد بھی صحابی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر سات برس تھی، واقعہ کربلا کے بعد جب اہل مدینہ نے یزید ابن معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تو سب نے انہیں کے ہاتھ پر بیعت کی، اسی وجہ سے یزید نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی جس کا نام جنگ حرہ ہے اسی میں آپ شہید ہوئے، حضرت حنظلہ کی شہادت اور آپ کا غسل ملائکہ ہونا پہلے مذکورہ ہو چکا ہے۔ حنظلہ کا باپ، ابو عامر راہب کافر مرا، حضرت حنظلہ غزوہ احد میں حالت جنابت شہید ہوئے، اس لئے انہیں فرشتوں نے غسل دیا لہذا "غسیل الملائکہ" کہلائے۔

۴۔ یعنی معراج میں خصوصی طور پر آپ کو ہر نماز کے لئے وضو کا حکم تھا نہ کہ امت کے لئے۔

۵۔ یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں اور نہ امام شافعی کی مؤید کیونکہ وہ بھی ہر نماز کے لئے مسواک مستحب مانتے ہیں اور یہاں فرضیت کا ذکر ہے، نیز بعد میں یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دفعہ ایک وضو سے چند نمازیں پڑھیں اور ہر نماز کے لیے مسواک نہ کی۔ خلاصہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ادا ہر نماز کے لئے وضو فرض تھا، پھر مسواک فرض رہی، پھر وہ بھی منسوخ ہو گئی۔

۶۔ انہوں نے سمجھا کہ فرضیت منسوخ ہو گئی مگر استحباب باقی ہے اور یہ صحیح تھا اب بھی اگر کوئی اس پر عمل کرے ثواب ہوگا۔

روایت ہے عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد پر گزرے جب وہ وضو کر رہے تھے تو فرمایا اے سعد یہ اسراف کیسا (فضول خرچی) عرض کیا کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ فرمایا ہاں۔ اگرچہ تم بہتی نہر پر ہو۔ (احمد و ابن ماجہ)	
---	--

۱۔ حضرت سعد یا تو ضرورت سے زیادہ پانی بہا رہے تھے، یا بجائے تین کے چار پانچ بار اعضاء دھو رہے تھے، یا اعضاء کی حدود میں زیادتی کر رہے تھے ان سب سے منع فرما دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وضو میں یہ تمام باتیں منع ہیں اور ان کا کرنا جرم۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ و ابن مسعود و ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو وضو کرے اور اللہ کا نام لے تو وضو اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے اور جو وضو کرے اور اللہ کا نام نہ لے تو صرف وضو کی جگہ ہی کو پاک کرتا ہے۔	
---	--

۱۔ یہاں گناہ سے پاکی مراد ہے یعنی وضو کے اول میں بسم اللہ پڑھ لینے کی برکت سے سارے جسم کے بیرونی اور اندرونی گناہ معاف ہو جاتے ہیں کیونکہ جسم میں دل اور دماغ بھی داخل ہے۔ بسم اللہ نہ پڑھنے سے ظاہری اعضاء کے گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں اسی لئے فقہا فرماتے ہیں بسم اللہ سے وضو شروع کرنا سنت ہے۔

روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے وضو کرتے تو اپنی انگلی کی	
---	--

انگوٹھی کو ہلاتے تھے ان دونوں کو دارقطنی نے روایت کیا  
اور ابن ماجہ نے اخیر کو۔

انگوٹھی اگر تنگ ہو کہ بغیر ہلائے اس کے نیچے پانی نہ پہنچے تو وضو میں اس کا ہلانا فرض ہے اور اگر ڈھیلی ہو کہ بغیر ہلائے بھی نیچے پانی پہنچ جائے تو اس کا ہلانا مستحب ہے، یہ حدیث دونوں کو شامل ہے۔

## باب الغسل

### نہانے کا بیان

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ اسلام میں غسل چار طرح کے ہیں: فرض، سنت، مستحب اور مباح۔ فرض غسل تین ہیں۔ جنابت سے، حیض سے، نفاس سے۔ جنابت خواہ شہوت سے منی نکلنے کی وجہ سے ہو یا صحبت سے انزال ہو یا نہ ہو۔ غسل سنت پانچ ہیں: جمعہ کا غسل، عیدین کا غسل، احرام کے وقت کا غسل، عرفہ کے دن کا غسل۔ غسل مستحب بہت ہیں: مسلمان ہوتے وقت، مردے کو نسلاکر، قربانی کے دن، طواف زیارت کے لیے، مدینہ منورہ حاضری کے موقع پر، وغیرہ۔ غسل مباح جو ٹھنڈک وغیرہ کے لیے کیا جائے۔ اس باب میں بہت سے اقسام کے غسل بیان ہوں گے۔ غسل میں تین فرض ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، تمام ظاہری بدن پر پانی بہانا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی عورت کے چاروں شانے کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے تو غسل واجب ہو گیا اگرچہ انزال نہ ہو (مسلم، بخاری)

۱۔ اس کی شرح وہ حدیث ہے جس میں فرمایا گیا کہ جب ختنہ ختنہ میں غائب ہو جائے تو غسل واجب ہے، وہی یہاں مراد ہے یعنی جب مشتات عورت سے صحبت کی جائے اور حشفہ غائب ہو جائے تو غسل واجب ہو گیا۔ چار شانوں سے چار ہاتھ پاؤں مراد ہیں، اور بیٹھنے کا ذکر اتفاقاً ہے، ورنہ جس صورت سے بھی صحبت ہو غسل واجب ہے۔ بہت چھوٹی غیر مشتات بچی اور جانور سے صحبت کرنے میں انزال شرط ہے بغیر انزال غسل واجب نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانی پانی سے ہی ہے (مسلم) شیخ امام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

۱۔ یعنی غسل کرنا منی نکلنے سے ہی واجب ہے جب کہ شہوت سے ہو۔

اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ پانی کا صرف پانی



سے ہونا احتلام میں ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا میں نے اسے بخاری و مسلم میں نہ پایا۔

۱۔ یعنی اگرچہ حدیث صحبت کے متعلق ہے تب تو منسوخ ہے اسکی ناخ ابوہریرہ کی گزشتہ حدیث ہے، نیز وہ حدیث جو آگے آرہی ہے۔ اور اگر احتلام کے بارے میں ہے تو محکم ہے کہ اب بھی احتلام میں انزال کے بغیر غسل واجب نہیں۔ اس کا ذکر اگلی حدیث میں بھی آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ حضرت ام سلیم نے عرض کیا یا رسول اللہ یشینا اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو فرمایا ہاں جب پانی دیکھے تو ام سلیم نے منہ چھپالیا اور بولیں یا رسول اللہ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں تمہارا ہاتھ گرد آلود ہو ورنہ بچہ اپنی ماں کے ہم شکل کیوں ہوتا ہے؟ (مسلم، بخاری)

۱۔ آپ کے نام میں اختلاف ہے، کنیت ام سلیم ہے، مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں، ان سے حضرت انس پیدا ہوئے، مالک کے قتل کے بعد ابو طلحہ کے نکاح میں آئیں، اس وقت تک ابو طلحہ مشرک تھے تو آپ نے اس شرط سے نکاح کیا کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

۲۔ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے یعنی خواب کی صورت میں بغیر تری دیکھے غسل واجب نہیں خواہ منی ہو یا مذی، کیونکہ کبھی منی پتلے ہونے کی صورت میں مذی محسوس ہوتی ہے۔

۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو بیبیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے والی ہوں انہیں احتلام بھی نہیں ہوتا، یعنی رب تعالیٰ انہیں زنا کے خیال سے بھی پاک رکھتا ہے یہ ہے ازواج پاک کی عصمت۔

۴۔ سبحان اللہ! کیسا حکیمانہ جواب ہے۔ مقصد یہ ہے کہ احتلام کی علت یا احتلام کی وجہ منی ہے اور منی عورت میں بھی ہے، لہذا احتلام بھی عورت کو ہونا چاہیے۔ اور منی کا ثبوت یہ ہے کہ کبھی بچہ ماں کی ہم شکل ہوتا ہے جب ماں کی منی باپ کی منی پر غالب ہو۔ ہاتھ کا خاک میں ملنا بدعا نہیں بلکہ عرب والے کبھی محبت میں بھی یہ کلمہ بولتے ہیں۔ جیسے اردو میں منڈی، مشنڈی، پنجانہ میں رڑ جائیں اور جانئیں وغیرہ۔

مسلم نے ام سلیم کی روایت سے یہ زیادتی کہ مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی پتلی زرد ان میں سے جو غالب یا پہلے ہو بچہ اس کے مشابہ ہوگا۔

۱۔ یہ اصلی حالت ہے ورنہ کبھی کمزور مرد کی منی پتلی اور کمزور ہو جاتی ہے اور طاقتور عورت کی منی سفید اور گاڑھی، بچہ ماں باپ کی مخلوط منی سے بنتا ہے جس کے اجزاء زیادہ ہوں گے بچہ اس کی جنس سے ہوگا۔ یعنی اگر عورت کی منی کے زیادہ اجزاء ہیں تو لڑکی ہوگی ورنہ لڑکا، اور رحم میں جس کی منی پہلے گرے گی بچہ اس کی شکل پر ہوگا۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل کرتے تو یوں شروع کرتے کہ پہلے دونوں ہاتھ دھوتے۔ پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرتے۔ پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے تو ان سے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے پھر اپنے سر پر دونوں ہاتھوں سے تین چلو ڈالتے۔ پھر اپنی تمام کھال پر پانی بہاتے۔ (مسلم، بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ یوں شروع کرتے کہ برتن میں ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھ دھوتے پھر اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر استنجا کرتے پھر وضو فرماتے۔

۱۔ خیال رہے کہ انبیاء کرام کو احتلام بھی نہیں ہوتا جیسا کہ طبرانی میں روایت میں ہے ان کی جنابت صرف صحبت سے ہوتی ہے۔ یہ ہاتھ کا دھونا وضو سے پہلے ہے کیونکہ وضو کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں عموماً بڑے برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی لیا جاتا تھا، اس لئے یہاں ہاتھ دھوئے جاتے تھے، نیز ہاتھ میں گندگی کا بھی احتمال ہوتا ہے۔

۲۔ کہ اگر تختہ وغیرہ پر ہوتے تو پاؤں بھی دھولیتے اور اگر کچی زمین پر ہوتے تو پاؤں غسل کے بعد دھوتے۔

۳۔ زلفوں والے آدمی کے لئے اب بھی سنت ہے کہ پہلے زلفوں کا خلال کرے اور سر کو دھوئے، پھر تمام جسم کے ساتھ بھی سر پر پانی ڈالے۔

۴۔ اس سے معلوم ہوا کہ غسل سے پہلے استنجا کرنا بھی سنت ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت میمونہ نے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غسل کا پانی رکھا پھر میں نے آپ کو کپڑے سے آڑ کر دی۔ اور آپ نے اپنے ہاتھوں پر پانی بہایا پھر انہیں دھویا پھر ہاتھوں پر بہایا پھر انہیں دھویا پھر داہنے ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالا اور استنجا کیا پھر اپنا ہاتھ زمین پر مارا انہیں صاف کیا پھر اسے دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی لیا اور اپنا منہ اور کھنٹیوں تک ہاتھ دھوئے پھر اپنے سر پر پانی بہایا اور اپنے تمام جسم پر بہایا۔ پھر وہاں سے ہٹ گئے اور اپنے قدم شریف دھوئے میں نے کپڑا پیش کیا قبول نہ فرمایا۔ اور ہاتھوں کو جھلاتے ہوئے تشریف لے گئے۔ (مسلم، بخاری) اور اس کے لفظ بخاری کے ہیں۔

۱۔ آپ کا نام میمونہ بنت حارث ہالیہ عامریہ ہے، پہلے آپ کا نام برہ تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نام تبدیل فرمایا، زمانہ جاہلیت میں مسعود ابن عمرو ثقفی کے نکاح میں تھیں، اس کے بعد ابو رہم کے نکاح میں آئیں، ان کے فوت ہو جانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیقعدہ ۷ھ میں عمرہ فضاء کے موقع پر مکہ معظمہ سے دس میل دور مقام سرف میں آپ سے نکاح کیا، اللہ کی شان کہ ۱۱ھ میں نکاح کی جگہ ہی آپ کی وفات ہوئی، آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیوی ہیں، جن کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے نکاح نہیں کیا۔ ام الفضل یعنی عبداللہ ابن عباس کی والدہ اور اسماء بنت عمیس کی آپ ہمیشہ ہیں، یعنی عبداللہ ابن عباس کی خالہ۔

۲۔ اگرچہ آپ تہبند باندھ کر غسل فرماتے تھے لیکن پھر بھی آپ چادر تان کر سامنے کھڑی ہو گئیں زیادتی ستر کے لیے۔ لہذا چاہیے یہ کہ تہبند باندھ کر غسل میں نہائے، بعض نے کہا کہ اس کے معنی ہیں پانی کو ڈھک دیا، مگر یہ درست نہیں۔ (مرقاۃ)

۳۔ غسل کی ترتیب یہ ہوئی کہ پہلے ہاتھ دھوئے جائیں، پھر استنجا، پھر وضو کیا جائے، پھر جسم پر بہایا جائے۔ چونکہ کچی زمین پر غسل فرمایا تھا اس لیے وضوء کے ساتھ پاؤں نہ دھوئے بلکہ بعد میں دھوئے اگر پختہ زمین پر غسل ہو تو پاؤں پہلے دھولے جائیں۔ خیال رہے کہ یہاں مسح سر کا ذکر نہیں یا تو حضور نے مسح کیا ہی نہیں کیونکہ سر کے دھلنے میں مسح بھی ہو جاتا ہے، یا مسح کیا تھا مگر ذکر نہیں لہذا یہ حدیث پہلی حدیث کے خلاف نہیں جس میں مسح کا ذکر ہے۔

۴۔ یا اس لئے کہ کپڑا صاف نہ تھا یا آپ جلدی میں تھے، یا وقت گرمی کا تھا، جسم کی تری اچھی معلوم ہوتی تھی، یا اس لئے کہ غسل و وضو کا پانی نہ پونچھنا افضل۔ بہر حال اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پونچھنا ممنوع ہے کیونکہ کچھلی روایتوں میں پونچھنے کا ثبوت بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وضو اور غسل کے بعد جسم پر جو تری رہ جاتی ہے وہ ماء مستعمل نہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ انصار کی ایک بی بی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے غسل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انہیں بتایا کہ یوں غسل کریں پھر فرمایا کہ مشک کا ٹکڑا لے کر اس سے پاک کرو بولیں اس سے کیسے پاکی کروں فرمایا اس سے پاکی کرو بولیں اس سے کیسے پاکی کرو فرمایا سبحان اللہ! اس سے پاکی کرو! تو انہیں میں نے اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا کہ خون کی جگہ ٹکڑا لگاؤ (مسلم، بخاری)

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ خفیہ مسائل کے متعلق تعلیم اشاروں کتابوں سے چاہیے، خصوصاً اجنبی عورتوں کے سامنے کہ ان بی بی صاحبہ کے بار بار پوچھنے پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کی وضاحت نہ فرمائی۔ مقصد یہ تھا کہ غسل کرنے کے بعد مشک کا ٹکڑا یا مشک میں بھیگے ہوئے کپڑے کا ٹکڑا وہاں پھیر لیں جہاں خون پہنچتا ہے تاکہ خون کی بوجاتی رہے۔ بعض نسخوں میں مُسَّك بھی ہے یعنی مشک میں بسا ہوا کپڑا۔

۲۔ سبحان اللہ! اس سے حضرت عائشہ صدیقہ کی ذہانت معلوم ہوئی کیوں نہ ہو کہ مزاج شناس رسول ہیں، بڑی فقیہہ عالمہ ہیں۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی عورت ہوں جو اپنے سر کے بال گوندھتی ہوں تو کیا جنابت کے غسل کے لیے انہیں کھولا کروں فرمایا نہیں تمہیں یہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لیا کرو۔ پھر اپنے پر پانی بہالیا کرو تو پاک ہو جاؤ گی! (مسلم)

۱۔ اسی بناء پر فقہاء فرماتے ہیں کہ عورت پر غسل میں سارے بال بھگوننا فرض نہیں تمام کی جڑیں بھیگ جانا کافی ہیں۔ اگر مرد کے بال ہوں تو پورے بھگونے پڑیں گے۔ تین بار کی قید یقین حاصل کرنے کے لیے ہے ورنہ اگر ایک لپ سے ہی تمام جڑوں میں پانی پہنچ جائے تو کافی ہے۔ اور اگر تین لپوں میں بھی نہ پہنچے تو ڈالنا ضروری ہے اور اگر اتنے سخت بال بندھے ہوں کہ بغیر کھولے ہوئے تمام کی جڑیں نہ بھیگ سکیں تو کھولنا ضروری ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد (دور طل) سے وضو کرتے تھے اور ایک صاع سے پانچ مد تک غسل فرماتے تھے! (بخاری، مسلم)

۱۔ خفیوں کے نزدیک مد دور طل کا ہوتا ہے، اور ایک رطل چالیس تولہ کا، اور ایک صاع چار مد کا۔ لہذا پاکستانی وزن سے ایک رطل نصف سیر کا اور ایک مد ایک سیر اور صاع چار سیر لیکن مد اور رطل کی مقدار میں اختلاف ہے، نیز ہلکی چیز صاع میں کم آئے گی اور بھاری زیادہ، اس لئے احتیاط یہ ہے کہ فطرہ میں آدھا صاع گندم تقریباً سوا دو سیر مانے جائیں یعنی ایک صاع میں پانی اندازاً چار سیر اور گندم ساڑھے چار سیر سمائے گی۔ خیال رہے کہ غسل اور وضو میں پانی مقرر نہیں۔ سنت یہ ہے کہ وضو ایک سیر پانی سے کم نہ ہو اور غسل چار سیر سے۔

روایت ہے حضرت معاذہ سے ۱۔ فرماتی ہیں فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے جو میرے اور آپ کے درمیان ہوتا ۲۔ پس آپ جلدی کرتے مجھ پر حتی کہ میں کہتی کہ میرے لیے بھی چھوڑیے فرماتی ہیں کہ وہ دونوں جنابت میں ہوتے ۳۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ آپ معاذہ بنت عبد اللہ عدویہ ہیں، ۳۔ ۳۔ میں آپ کا وصال ہوا، آپ تابعین میں سے ہیں۔  
۲۔ چوڑے منہ والا جس میں دونوں کے ہاتھ بخوبی پڑ سکیں۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ وہ حضرات تہبند باندھ کر غسل کیا کرتے تھے اگرچہ خاوند اور بیوی کا آپس میں حجاب نہیں۔ خیال رہے کہ اگر جنبی یا بے وضو ہاتھ دھو کر ضرورہ گھڑے یا ٹکے میں ہاتھ ڈال دے تو

پانی مستعمل نہ ہوگا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، لیکن اگر پاؤں یا سر ڈال دے تو پانی مستعمل ہو جائے گا کیونکہ یہ بلا ضرورت ہے، نیز اگر بغیر دھوئے یا بے ضرورت ہاتھ ڈالے تو پانی مستعمل ہو جائے گا۔ خیال رہے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو غسل یا وضو کرنا مکروہ ہے مگر ایک ساتھ غسل کرنا مکروہ نہیں۔  
سے معلوم ہوا کہ غسل کی حالت میں باتیں کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ تہبند بندھا ہو ننگے باتیں کرنا منع۔

الفصل الثانی  
دوسری فصل

<p>روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو تری تو پائے اور خواب یاد نہ ہو فرمایا غسل کرے اور اس کے بارے میں پوچھا گیا جو خیال کرے کہ اسے احتلام ہوا ہے اور تری نہ پائے فرمایا اس پر غسل نہیں۔ ام سلیم نے عرض کیا کہ کیا عورت پر بھی غسل ہے جو یہ دیکھے فرمایا ہاں عورتیں مردوں کی مثل ہیں۔ اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا اور دارمی اور ابن ماجہ نے "اَلَاغُسْلَ عَلَیْہِ" تک روایت کی۔</p>	
--	--

۱۔ کیونکہ احتلام میں منی کا نکلنا غسل واجب کرتا ہے خواب یاد ہونہ ہو تری مطلق غسل واجب کر دے گی اگرچہ مذی ہو کیونکہ کبھی پتلی منی مذی ہی محسوس ہوتی ہے، یہی ہمارا مذہب ہے، یہ حدیث ہماری دلیل ہے۔  
۲۔ یعنی اکثر احکام عورتوں مردوں کے یکساں ہیں اسی لئے قرآن و حدیث میں مذکر کے صیغے استعمال ہوتے ہیں اور عورتیں اس میں داخل ہوتی ہیں۔ شقائق جمع شقیقہ کی ہے بمعنی ٹکڑا و حصہ، اسی لئے بھائی کو شقیق کہا جاتا ہے۔ حضرت حوا آدم علیہ السلام کا جزو بدن تھیں لہذا عورتیں مردوں کا حصہ ہیں۔

<p>روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کو جب ختنہ ختنے میں غائب ہو جائے تو غسل واجب ہے میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کیا تو ہم نے غسل کیا۔ (ترمذی و ابن ماجہ)</p>	
--	--

۱۔ اُم المؤمنین نے اپنے فعل کا ذکر اظہار یقین کے لیے کیا یعنی میں یہ مسئلہ سنا سنا یا نہیں کہہ رہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اس پر عمل کر کے تجربہ کر چکی ہوں اور اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس مسئلے میں مہاجرین و انصار کا بڑا اختلاف ہو گیا تھا۔ انصار کہتے تھے کہ بلا انزال غسل واجب نہیں تب ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا کہ تم جھگڑا مت کرو میں اس کا فیصلہ حضرت عائشہ صدیقہ سے کرتا ہوں ضرورت کے موقع پر قرآن کریم نے بھی ایسی چیزوں کی تشریح فرمائی ہے فرماتا ہے: "لِقُرْوَجِهْم حِفْظُونَ" اور فرماتا ہے: "بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٌ" وغیرہ، لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بال کے نیچے ناپاکی ہے لہذا بال دھوؤ اور کھال صاف کرو۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے اور حارث ابن وجیہ راوی بوڑھے تھے اس مقام کے لائق نہیں ۱

۱۔ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ غسل میں جسم کے سارے بال بھگوننا فرض ہیں اگر ایک بال بھی خشک رہ گیا تو غسل نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اگر بدن پر خشک مٹی، گندھا ہوا آٹا یا موم لگا رہ گیا جس کے نیچے پانی نہ پہنچتا، تب بھی غسل نہ ہوگا لہذا اگر ناخنوں پر نیلی پالش لگی ہوئی ہے تو غسل درست نہیں، کیونکہ اس کے نیچے پانی نہ پہنچے گا۔ خیال رہے کہ گھنی داڑھی وضو میں مانع نہیں، کیونکہ اس میں بڑی مشقت ہے، وضو روزانہ کئی بار ہوتا ہے، غسل میں اس کے نیچے پانی پہنچانا چاہیے۔ (مرقاۃ)

۲۔ یعنی وجہ بڑھاپے کے انکا حافظہ کمزور ہو گیا تھا، اس لئے انکی روایت چنداں قوی نہیں۔ لفظ شیخ عدالت کی تعریف اور حافظہ کی جرح کے لیے آتا ہے یہاں جرح کے لئے ہے جیسا کہ اگلی عبارت سے ظاہر۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جنابت میں ایک بال کی جگہ چھوڑ دے جسے نہ دھوئے تو اسے آگ میں ایسا ایسا عذاب کیا جائے گا۔ حضرت علی فرماتے ہیں اسی لیے میں اپنے بالوں کا دشمن ہوں اسی لیے میں اپنے بالوں کا دشمن ہوں اسی لیے میں اپنے بالوں کا دشمن ہوں تین بار ۲۔ اسے ابوداؤد، دارمی نے روایت کیا مگر ان دونوں نے مکرر نہ کیا اسی لیے دشمن ہو گیا میں اپنے سر کا۔

۱۔ یعنی عذاب پر عذاب ہوگا ایک تو ناپاک رہنے کا دوسرے تمام نمازیں برباد کرنے کا لہذا غسل میں بڑی احتیاط چاہیے۔ ناف، بغل، کان کی لو، ان میں بہت خیال سے پانی پہنچائے کہ یہاں اکثر بغیر توجہ پانی نہیں پہنچتا۔

۲۔ یعنی زلفیں یا پٹے نہیں رکھواتا، ہمیشہ بال کٹواتا، منڈاتا رہتا ہوں۔ خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوا حج کے اور کبھی سر نہ منڈوایا، اس حدیث سے علی مرتضیٰ کا ہمیشہ سر منڈانا ثابت نہیں ہو سکتا کہ آپ بال کٹواتے ہوں، اگر منڈواتے بھی ہوں تو منڈوانے کا جواز ثابت ہوگا، نہ کہ اس کی سنیت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سر منڈوانا دہا ہیوں نجدیوں کی علامت قرار دیا، لہذا ہمیشہ ہی اور خصوصاً اس زمانہ میں سنی مسلمان سر منڈانے کی عادت سے بچیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں کرتے تھے (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۱۔ کیونکہ غسل سے پہلے وضو فرمالتے تھے، وہ وضو نماز کے لئے کافی ہوتا تھا، بلکہ اگر کوئی شخص بغیر وضو کے بھی غسل کرے اور پھر نماز پڑھے تو جائز ہے، کیونکہ طہارت کبریٰ کے ضمن میں طہارت صغریٰ بھی ہو جاتی ہے اور بڑے حدث کے ساتھ چھوٹا حدث بھی جاتا رہتا ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر شریف ناپاکی کی حالت میں خطمی سے دھوتے اسی پر کفایت کرتے ۱۔ کہ سر پر پانی نہ ڈالتے ۲۔ (ابوداؤد)

۱۔ یعنی غسل سے پہلے خطمی سے سر دھوتے، پھر تمام بدن کے ساتھ سر نہ دھوتے تاکہ خطمی کا کچھ اثر باقی رہے اور پہلا پانی کا بہا لینا غسل کے لیے کافی مانا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر غسل کے اعضاء آگے پیچھے دھلیں تو غسل درست ہے۔  
۲۔ یعنی غسل کے ساتھ خالص پانی سر پر نہ ڈالتے وہ ہی خطمی والا پانی کافی تصور فرماتے۔

روایت ہے حضرت یعلیٰ سے ۱۔ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو میدان میں نہاتے دیکھا ۲۔ تو آپ منبر پر چڑھے، پھر اللہ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حیا دار ہے، پردہ پوش ہے، حیا اور پردے کو پسند کرتا ہے ۳۔ تو جب تم میں سے کوئی نہائے تو پردہ کر لیا کرے ۴۔ (ابوداؤد نسائی) اور نسائی کی روایت میں ہے کہ اللہ پردہ پوش ہے جب تم میں سے کوئی نہانا چاہے تو کسی چیز سے آڑ کر لیا کرے ۵۔

۱۔ یعلیٰ دو ہیں ایک یعلیٰ ابن امیہ، دوسرے یعلیٰ ابن مرہ دونوں صحابی ہیں، پتہ نہیں کہ یہاں کون یعلیٰ مراد ہیں۔  
۲۔ یہ صاف میدان میں نہاتا تھے۔ اسی لئے ننگے نہا رہے تھے کہ وہاں اس وقت کوئی دیکھ نہ رہا تھا، نیز عرب میں اسلام سے پہلے کوئی شرم و حیا نہ تھا، حیا و شرم تو اسلام نے سکھائی۔  
۳۔ اگرچہ اکیلا ہو مرد تو تہبند باندھ کر میدان میں نہا سکتا ہے کہ اس کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے لیکن عورت غسل خانے یا آڑ ہی میں نہائے، کیونکہ اس کا ستر سر سے پاؤں تک ہے۔  
۴۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ تنہائی میں بلاوجہ ننگا ہونا منع ہے۔ اللہ سے حیا چاہیے۔  
۵۔ تنہائی میں آڑ کرنا مستحب ہے، اور سب کے سامنے واجب یہ امر دونوں کو شامل ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ پانی سے پانی ہے اول اسلام میں اجازت تھی پھر اس سے منع کر دیا گیا ۱۔ (ترمذی ابوداؤد، دارمی)

۱۔ یعنی شروع اسلام میں بغیر انزال صحبت کرنے سے غسل واجب نہ ہوتا تھا، اب حشفہ غائب ہونے سے غسل واجب ہوگا نزال ہو یا نہ ہو۔ مرقات نے فرمایا کہ اسلام میں اول صرف عقیدہ توحید فرض ہوا، پھر سورہ مزمل والی نماز یعنی رات کی، پھر پنج گانہ نماز کی فرضیت سے نماز شب کی فرضیت منسوخ ہوگئی، پھر بعد ہجرت روزے اور زکوٰۃ وغیرہ فرض ہوئے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا میں نے جنابت سے غسل کیا اور فجر پڑھ لی۔ پھر دیکھا کہ ناخن برابر جگہ کو پانی نہ پہنچا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم اس جگہ ہاتھ پھیر لیتے تو کافی ہوتا۔ (ابن ماجہ)

۱۔ یعنی اگر غسل کے وقت وہاں ہاتھ پھیر لیتے تو پانی بہہ جاتا غسل کے بعد وضو وغیرہ کے وقت ہاتھ پھیر کر پانی بہا لیتے تو بھی کافی ہوتا، اب وہ جگہ دھوؤ اور نماز دوبارہ پڑھو۔ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس جگہ پر صرف مسح کافی تھا، پانی بہانے کی حاجت نہیں، کیونکہ غسل میں سارے جسم پر پانی بہانا فرض ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر غسل کا کوئی عضو سوکھا رہ گیا اور بہت دیر کے بعد پتا لگے تو وہ دوبارہ غسل کرنا ضروری نہیں بلکہ صرف وہ جگہ دھو دینا کافی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نمازیں پچاس تھیں اور جنابت کا غسل سات بار اور کپڑے سے پیشاب دھونا سات بار۔ پس حضور انور عرض کرتے رہے یہاں تک کہ نمازیں پانچ رہیں اور جنابت کا غسل ایک بار اور کپڑا پیشاب سے دھونا ایک بار۔ (ابوداؤد)

۱۔ یعنی معراج میں اولاً یہ احکام دیئے گئے، پھر وہاں ہی منسوخ ہو گئے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے ان احکام پر عمل کسی نے نہیں کیا کیونکہ عمل سے پہلے نسخ جائز ہے۔

۲۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ تینوں نسخ معراج کی رات ہی میں ہو گئے۔ بعض نے فرمایا کہ شروع اسلام میں غسل اور کپڑا دھونا سات سات بار رہا جس پر کچھ روز عمل ہوا۔ خیال رہے کہ امام شافعی کے نزدیک نجس کپڑا ایک بار دھونا ہی فرض ہے، جیسے وضو اور غسل میں ایک بار اعضا دھونا فرض اور ہمارے امام صاحب کے یہاں جب کپڑے پر نجاست نظر نہ آتی ہو تو اتنا دھونا فرض ہے کہ اس کی پاکی کا گمان غالب ہو جائے اس طرح کہ تین بار دھوئے اور ہر دفعہ نچوڑے۔ مگر صاحبین کے نزدیک بھی جو کپڑے نچوڑنے کے قابل نہ ہوں جیسے بہت موٹی دریاں یا نہایت کمزور نازک ریشمی کپڑے ان میں بھی اس قدر پانی بہنا کافی ہوتا ہے، لہذا یہ حدیث امام صاحب کے خلاف نہیں۔



## باب مخالطۃ الجنب وما یباح له

## جنبی سے اختلاط کا باب اور کیا چیزیں جنبی کو جائز ہیں

الفصل الاول

پہلی فصل

۱۔ جنبی جنابت سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں دوری و علیحدگی۔ شریعت میں حدث اکبر جس سے غسل واجب ہو جنابت کہلاتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے انسان مسجد و نماز وغیرہ سے علیحدہ رہتا ہے۔ مذکر، مونث ایک اور چند سب کو جنب کہا جاسکتا ہے۔ اختلاط سے مراد اس کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، مصافحہ، معانقہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے۔ حالانکہ میں ناپاک تھا آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں آپ کے ساتھ چلا حتیٰ کہ آپ بیٹھ گئے میں چپکے سے نکل گیا منزل میں آیا غسل کیا پھر حاضر ہوا حالانکہ آپ تشریف فرما تھے۔ فرمایا اے ابوہریرہ کہاں تھے؟ میں نے واقعہ عرض کیا فرمایا سبحان اللہ! مؤمن گندہ نہیں ہوتا۔ یہ بخاری کے لفظ ہیں مسلم کی روایت میں اس کے معنی ہیں اور قُلْتُ کے بعد یہ بھی ہے کہ آپ مجھے ملے حالانکہ میں جنبی تھا میں نے غسل کے بغیر آپ کے پاس بیٹھنا ناپسند کیا۔ بخاری کی دوسری روایت میں ایسے ہی ہے۔

۱۔ یہ نہ فرمایا کہ میں حضور سے ملا کیونکہ آپ کا ارادہ ملنے کا نہ تھا اتفاقاً ملاقات ہو گئی، آپ تو غسل کرنے جا رہے تھے۔

۲۔ محبت اور شفقت کی بنا پر نہ کہ چلنے میں امداد لینے کے لیے جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا۔

۳۔ یہ ہے صحابہ کا انتہائی ادب، اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں مصافحہ وغیرہ سب ممنوع ہے مگر حیاء اور ادب کی وجہ سے اس وقت عرض نہ کر سکے، خیال تھا کہ بعد میں مسئلہ پوچھ لوں گا چونکہ اس کے ناجائز ہونے کا یقین نہ تھا، اس لئے خاموشی اختیار کی۔

۴۔ یعنی جنابت نجاست حقیقیہ نہیں تاکہ جنبی سے مصافحہ وغیرہ منع ہو۔ خیال رہے کہ کافر بھی نجس نہیں قرآن کریم میں جو مشرکوں کو نجس فرمایا گیا اس سے گندگی اعتقاد مراد ہے۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جنبی کا پسینہ یا جھوٹا نجس نہیں۔ دوسرے یہ کہ غسل جنابت میں دیر لگانا جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ جنابت کی حالت میں ضروری کام کاج کرنا جائز ہے۔ چھوٹے یہ کہ جنبی سے مصافحہ، معانقہ بلکہ اس کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا جائز۔

۵۔ احتیاطاً یہ سمجھے ہوئے کہ شاید جنبی پر نجس حقیقی کے احکام جاری ہوں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ انہیں رات میں جنابت پہنچتی ہے! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو کرو عضو خاص دھولو پھر سو جاؤ <sup>۱</sup> (بخاری و مسلم)	
---	--

۱۔ تو کیا اس وقت غسل کروں یا صبح کو، وہ سمجھے یہ تھے کہ شاید فوراً غسل واجب ہے اور کبھی فوراً غسل دشوار ہوتا ہے۔  
۲۔ یہ حکم استحبابی ہے کیونکہ وضو کر کے سونا سنت مستحبہ ہے بغیر وضو سونا نہ حرام ہے نہ مکروہ۔ (مرقاۃ وغیرہ)

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جنبی ہوتے اور کچھ کھانا یا سونا چاہتے تو نماز کا وضو فرمالتے <sup>۱</sup> (مسلم، بخاری)	
--	--

۱۔ یہ بھی سنت مستحبہ ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ بحالت جنابت بغیر وضو کھانا پینا رزق گھٹاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابی سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے پھر دوبارہ جانا چاہے تو بیچ میں وضو کرے <sup>۱</sup> (مسلم)	
--	--

۱۔ یہ بھی سنت مستحبہ ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ ہر بار غسل کرے لیکن فقط وضو بھی جائز اور بلا وضو بھی درست۔ بیچ میں طہارت سے لذت، صحت، قوت سب کچھ حاصل ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غسل سے اپنی ساری بیویوں پر دورہ فرماتے تھے <sup>۱</sup> (مسلم)	
--	--

۱۔ یعنی چند بیویوں کے پاس تشریف لے جاتے اور سب سے آخر میں غسل فرماتے۔ ظاہر یہ ہے کہ درمیان میں وضو فرماتے ہوں گے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج حضرت خدیجہ، عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، ام سلمہ، سوہہ، زینب، میمونہ ام مساکین، جویریہ، صفیہ رضی اللہ عنہن ہیں۔ جن میں حضرت خدیجہ کی موجودگی میں کسی سے نکاح نہ فرمایا۔ خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس جنتیوں کی طاقت دی گئی اور ایک جنتی میں سو مردوں کی طاقت ہوگی لہذا حضور میں چار ہزار مردوں کی طاقت تھی، نیز آپ کے ذمہ بیویوں کے درمیان عدل واجب نہ تھا اپنی طرف سے عدل فرماتے تھے اسی لیے ایک شب میں تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے ورنہ ہم کو ایک کی باری میں دوسری کے پاس جانا درست نہیں۔ بعض نے فرمایا کہ حضور باری والی کی اجازت سے یہ عمل فرماتے ہوں گے مگر یہ درست نہیں۔ (ازمرقاۃ وغیرہ)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر الہی کرتے تھے <sup>۱</sup> (مسلم) ہم ابن عباس کی	
---	--

حدیث ان شاء اللہ کھانوں کے باب میں بیان کریں گے ۲

۱ یعنی جنابت و طہارت ہر حال میں زبان شریف سے کلمہ طیبہ اور تمام وظائف وغیرہ پڑھا کرتے تھے کیونکہ جنابت میں صرف تلاوت قرآن حرام ہے۔

لطیفہ: مجھ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ جنابت میں درود شریف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی بے ادبی ہوگی، میں نے جواب دیا کہ اگر سمندر میں گندہ آدمی نہالے تو گندہ پاک ہو جاتا ہے سمندر ناپاک نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سمندر ہے ہم گندے ہیں، نیز جو عورتیں حیض و نفاس کی حالت میں مرتی ہیں انہیں مرتے وقت کلمہ اور درود کی بلاشبہ اجازت ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ذکر زبانی جسری کرتے تھے جبھی تو آپ سنتی تھیں۔ خیال رہے کہ حضرات قادر یہ و چشتیہ وغیرہم کے ہاں ذکر بالچہر افضل ہے ان کا ماخذ یہ حدیث بھی ہو سکتی ہے۔

۲ یعنی مصابیح میں وہ حدیث اسی مقام پر تھی مگر صاحب مشکوٰۃ نے اسے مناسبت کی وجہ سے وہاں ذکر کیا جس میں فرمایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر وضو کئے کھانا تناول فرمایا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی نے لگن میں غسل کیا۔ حضور نے اس سے وضو کرنا چاہا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ناپاک تھی۔ فرمایا پانی تو ناپاک نہیں ہوتا ۲ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) داری نے اس کی مثل۔

۱ وہ بیوی حضرت میمونہ تھیں۔ اور لگن میں غسل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پانی لے کر غسل کیا کہ اس میں بیٹھ کر یعنی بقیہ پانی حضرت میمونہ کا فضالہ تھا غسل نہ تھا۔

۲ یعنی عورت کے فضالے سے مرد وضو و غسل کر سکتا ہے۔ خیال رہے کہ تیسری فصل میں اس سے ممانعت بھی آرہی ہے مگر وہ ممانعت بیان کراہت کے لئے ہے اور یہ حدیث بیان جواز کے لیے یعنی عورت کے فضالے سے مرد کا وضو یا غسل کرنا بہتر نہیں لیکن اگر کرے تو جائز ہے۔

اور شرح سنہ میں انہیں سے وہ حضرت میمونہ سے راوی مصابیح کے الفاظ سے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت سے غسل فرماتے پھر میرے غسل سے پہلے مجھ سے گرمی حاصل کرتے۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی اور شرح سنہ میں مصابیح کے الفاظ ہیں۔

۱۔ اس طرح کہ میرے ساتھ بستر میں لیٹ جاتے اور بغیر کپڑے وغیرہ کی آڑ کے اپنا جسم پاک مجھ سے مس فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنبی کا جسم پاک ہے اور اس سے معانقہ جائز۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم پاخانہ سے آتے تو ہمیں قرآن پڑھاتے اور ہمارے ساتھ گوشت کھاتے تھے۔ جنابت کے سوا حضور کو قرآن سے کوئی چیز نہ روکتی تھی ۲ (ابوداؤد، نسائی) ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی۔	
--	--

۱۔ یعنی پاخانہ سے تشریف لاکر بغیر وضو کے اور ہاتھ دھوئے کلی کئے قرآن کی تلاوت بھی فرمالتے اور کھانا بھی کھالتے۔ معلوم ہوا کہ بغیر وضو تلاوت بھی جائز ہے اور کھانا پینا بھی درست، اگرچہ مستحب یہ ہے کہ ہاتھ دھو کر کھایا جائے۔ یہ عمل شریف بیان جواز کے لئے ہے۔

۲۔ یعنی حدیث اکبر ہی تلاوت قرآن سے مانع ہے۔ حدث اصغر یعنی بغیر وضو قرآن چھونا ممنوع ہے، تلاوت جائز ہے۔ خیال رہے کہ جنبی کو تلاوت قرآن ممنوع ہے لیکن قرآنی دعائیں بدعت دعا پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حائضہ اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھیں! (ترمذی)	
--	--

۱۔ یہاں شعی سے مراد پوری آیت ہے۔ اور حائضہ کے حکم میں نفاس والی عورت بھی داخل ہے یعنی حائضہ، نفاس والی، جنبی قرآن کریم کی پوری آیت تلاوت نہ کرے۔ یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آیت سے کم کی بھی تلاوت جائز نہیں ایک دولفظ پڑھ دینا جائز ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان گھروں کو مسجد سے پھیر دو! کیونکہ میں حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد کو حلال نہیں کرتا ۲ (ابوداؤد)	
--	--

۱۔ اولاً بعض صحابہ کے گھر کے دروازے مسجد نبوی شریف میں تھے جن کی وجہ سے گھروں میں آنا جانا مسجد کے راستے سے ہوتا تھا۔ حکم دیا کہ ان گھروں کے دروازے اور طرف نکالو یہ موجودہ دروازے بند کر دو۔

۲۔ یعنی اگر دروازے مسجد میں رہے تو جنبی، حائضہ، نفساء مسجد سے گزریں گے حالانکہ انہیں مسجد میں بیٹھنا بھی حرام ہے۔ یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے۔ امام شافعی وغیرہم کے ہاں مسجد سے گزرنا جائز ہے، وہاں ٹھہرنا حرام ہے۔ یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔ قرآن کریم میں جو ارشاد ہوا "وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ" وہاں "عابری سبیل" سے مراد مسافر ہے، یعنی جنابت کی حالت میں بغیر غسل نماز کے قریب نہ جاؤ ہاں اگر مسافر ہو اور پانی نہ پاؤ تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو وہاں مسجد سے گزرنا مراد نہیں، لہذا یہ حدیث اس

آیت کے خلاف نہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو مالک احکام بنایا ہے فرماتے ہیں میں حلال نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ حلال و حرام حضور کرتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس گھر میں فرشتے نہیں آتے جس میں تصویر ہو اور نہ اس میں جس میں کتا اور جنبی ہو (ابوداؤد، نسائی)
--

۱۔ یہاں فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں۔ تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے جو بلا ضرورت حرمت و عزت سے رکھی جائے۔ اور کتے سے مراد بلا ضرورت محض شوقیہ طور پر پالا ہوا کتا ہے۔ جنبی سے مراد وہ شخص ہے جو بلا ضرورت شرعیہ بے غسل رہا کرے۔ لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ کبھی روپیہ پیسہ میں فوٹو ہوتے ہیں جو ہر گھر میں رہتے ہیں، نہ یہ کہ کھیتی یا گھر بار کی حفاظت یا شکار کے لیے کتا پالنا جائز ہے، نہ یہ کہ رات کو جنبی وضو کر کے رات گزار سکتا ہے، نہ یہ کہ اگر ان گھروں میں فرشتے نہیں آتے تو ان لوگوں کی حفاظت یا نامہ اعمال کی تحریر کون کرتا ہے یا ان کی جان کون نکالے گا۔

روایت ہے حضرت عمار ابن یاسر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن کے قریب بھی فرشتے نہیں آتے کافر مردار خلوک سے لتھڑا ہوا اور جنبی مگر یہ کہ وضو کرے۔ (ابوداؤد)
--

۱۔ یہاں بھی فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں۔ کافر مردار سے کافر کا جسم مراد ہے زندہ ہو یا مردہ، یعنی کفار کے پاس رحمت کے فرشتے نہیں آتے اسی لئے کفار کے مجمع میں نماز نہ پڑھے، کفار کو نماز استتقاء کے لیے ساتھ نہ لے جائے۔ خلوک اس خوشبو کا نام ہے جس میں زعفران وغیرہ ہوتے ہیں اس کا رنگ ظاہر ہوتا ہے۔ مردوں کو صرف ایسی خوشبو لگانی چاہیے جو خوشبو دے رنگ نہ دے یہاں مردوں کے لئے ممانعت مقصود ہے، عورتیں اس حکم سے علیحدہ ہیں۔ (مرقاۃ وغیرہ) یونہی جنبی سے مراد وہ جنبی ہے جو ناپاک رہنے کا عادی ہو، نماز کے اوقات میں گندار ہے۔ لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔ دوسری احادیث سے متعارض نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ رات میں جنبی ہونے والا اگر یوں ہی بغیر وضو کے سو جائے تو رحمت کے فرشتے نہ آئیں گے، وضو کر کے سونا چاہیے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی بکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم سے کہ وہ خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن حزم کو لکھا اس میں یہ تھا کہ قرآن کو صرف پاک آدمی ہی چھوئے۔ (مالک دارقطنی)
---

۱۔ آپ خود، آپ کے والد اور دادا تمام تابعین میں سے ہیں، آپ مدینہ منورہ کے بڑے عالم، متقی، تابعی ہیں۔ انس بن مالک اور عروہ ابن زبیر وغیرہ صحابہ سے احادیث لیں، ستر سال عمر پائی، ۱۳۵ھ میں وفات ہوئی۔ آپ کے دادا محمد ابن عمرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں ۱۰ھ میں مقام نجران میں پیدا ہوئے، ۵۳ سال عمر پائی، حرہ کی جنگ میں شہید ہوئے ۶۳ھ میں۔

۲ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو ابن حزم انصاری کو یمن کے ایک علاقہ کا حاکم بنا کر بھیجا تب انہیں ایک فرمان نامہ لکھ کر عطا فرمایا جس میں فرائض، سنتیں، صدقات وغیرہ تحریر تھے۔ اس کا یہاں ذکر ہے۔

۳ یعنی اس فرمان نامہ میں دوسرے احکام کے علاوہ یہ حکم بھی تھا کہ قرآن کریم صاف پاک آدمی ہی چھوئے نہ تو اسے بے وضو ہاتھ لگائے، نہ جنبی، نہ حائضہ و نساء۔ خیال رہے کہ بلا حائل قرآن چھونا ان تمام کو حرام ہے، ہاں جزدوں یا کسی کپڑے کے ساتھ چھونا جائز ہے جیسے کہ کتب فقہ میں مصرح ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: "لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ"۔

روایت ہے حضرت نافع سے افرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ کسی کام میں گیا حضرت ابن عمر نے اپنی حاجت پوری کر لی اور آپ کی اس دن کی حدیث یہ تھی کہ فرمایا ایک آدمی گلیوں میں سے کسی گلی میں گزرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ملاقات ہو گئی ۳ حالانکہ آپ پاخانہ یا پیشاب سے آئے تھے ۴ اس نے سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا۔ حتیٰ کہ وہ شخص جب گلی میں چھپ جانے کے قریب ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے جن سے اپنے چہرے کا مسح کیا پھر دوبارہ ہاتھ مارے اور اپنے ہاتھوں پر پھیرے پھر اس شخص کا جواب دیا اور فرمایا کہ مجھے تمہارے جواب دینے میں رکاوٹ صرف یہ تھی کہ میں پاک نہ تھا۔ (ابوداؤد)

۱ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت نافع سیدنا عبد اللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں، تابعین میں سے ہیں، ولیم کے رہنے والے، ۷۱ھ میں وفات پائی، بڑے عالم متقی تھے۔

۲ ظاہر یہ ہے کہ یہاں حاجت سے مراد کوئی ضروری کام ہے نہ کہ استنجاء جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا یعنی آپ کسی کام کے لیے گئے میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔

۳ یعنی اتفاقاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہو گئی اس وقت ملاقات کا ارادہ نہ تھا۔

۴ ظاہر یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پیشاب یا پاخانہ سے بالکل فارغ ہو کر تشریف لائے تھے یعنی ڈھیلے پانی کا استنجاء بھی کر چکے تھے کیونکہ عادت کریمہ یہ نہیں تھی کہ پیشاب یا پاخانہ کے بعد ڈھیلے سے استنجاء کرتے ہوئے بازاروں یا گلیوں میں چلیں، بلکہ خاص موقع پر ہی خشک کر لیتے تھے کہ اس طرح چلنا مروت کے خلاف ہے۔

۵ جب اس شخص نے سلام کیا تو کوئی لائق تیمم دیوار سامنے موجود نہ تھی۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دیوار تک پہنچے اتنے میں وہ شخص گلی کے کنارے پر پہنچ گیا، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ فوراً ہی تیمم کیوں نہ کر لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کچی دیوار پر تیمم جائز ہے، یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔ تیمم کے لئے صرف ریت یا خشک مٹی ضروری نہیں۔

۱ یعنی میں اس وقت بے وضو تھا اور جواب میں کہنا ہوتا ہے "وعلیکم السلام" سلام اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے اگرچہ یہاں وہ معنی مراد نہیں پھر بھی اس لفظ کا احترام کرتے ہوئے میں نے بغیر وضو یہ لفظ بولنا مناسب نہ سمجھا۔ حضرت شیخ نے اشعۃ المعات میں فرمایا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خاص انوار الہیہ کی تجلی ہو رہی تھی جس کا اثر یہ تھا کہ آپ نے بغیر طہارت سلام کا لفظ بھی منہ نہ سے نکالا، یہ خصوصی حکم ہے، لہذا اس حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاخانے سے آکر قرآن پڑھاتے تھے، دعائیں پڑھتے تھے، وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھتے تھے اور یہاں بغیر وضو سلام کا لفظ بھی نہیں بولتے، کہ وہ عام حکم شرعی تھا اور یہ حکم خصوصی۔ شریعت و طریقت، فتویٰ و تقویٰ میں فرق ہے۔ نہ یہ اعتراض ہے کہ پانی کے ہوتے ہوئے تیمم درست نہیں ہوتا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تیمم کیوں کیا؟ اس تیمم سے نماز وغیرہ نہ پڑھی صرف جواب سلام دیا، نماز جنازہ جارہی ہو تو پانی کے ہوتے تیمم جائز ہے مگر اس سے دوسری نماز نہیں پڑھ سکتے۔ یہاں بھی جواب کا وقت جارہا تھا، آدمی چھپا جارہا تھا اس لیے یہ عمل فرمایا۔ غرض کہ یہ حدیث بے غبار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جواب سلام میں دیر لگانا ضرورہً جائز ہے اور اس دیر لگ جانے پر معذرت کر دینا سنت ہے تاکہ اس کو رنج نہ ہو۔

روایت ہے حضرت مہاجر بن قنفذ سے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ آپ پیشاب کر رہے تھے ۲ انہوں نے سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ وضو کر لیا۔ پھر ان سے معذرت کی اور فرمایا کہ میں نے یہ پسند نہ کیا کہ بغیر پانکی کے اللہ کا ذکر کروں ۳ (ابوداؤد) اور نسائی نے "کَتَبْتُ تَوَضُّأً" تک روایت کی اور فرمایا کہ جب وضو کر لیا تو اس کا جواب دیا۔

۱۔ آپ کا نام خلف ابن عمیر ہے، لقب مہاجر کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم سچے مہاجر ہو آپ قریشی ہیں، تیمی ہیں، فتح مکہ کے دن ایمان لائے، بصرہ میں قیام رہا، وہاں ہی وفات ہوئی۔

۲۔ پیشاب یا پاخانہ کرنے والے پر سلام کرنا منع ہے اور اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں، لیکن قضائے حاجت کے بعد جواب دے دیا جائے تو جائز ہے اس حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔ چونکہ ان صحابی کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا اسی لئے انہوں نے اس حالت میں سلام کیا۔

۳۔ اس کی پوری بحث اوپر گزر چکی۔ یہاں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے جواب دیا کیونکہ یہاں سلام کرنے والے کہیں جا نہ رہے تھے، بلکہ حضور کے پاس ہی تھے۔ اس لئے جواب کی جلدی نہ تھی، وضو کیا، پھر جواب دیا وہاں سلام والا جارہا تھا، لہذا فرق ہو گیا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے پھر سو جاتے پھر جاگتے ۱ پھر سو جاتے۔ (احمد)

۱۔ یعنی بحالت جنابت اوگاً وضو کر کے سوجاتے، پھر جاگتے، پھر دوبارہ سونے کے لئے وضو نہ کرتے پہلا وضو کافی ہوتا، کیونکہ حضور کی نیند وضو نہیں توڑتی۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ ہم کو بھی یہ درست ہے کہ اوگاً وضو کر کے سوجائیں پھر اگر جاگ جائیں تو سونے کے لئے دوبارہ وضو کی ضرورت نہیں پہلا وضو ہی کافی ہے۔ (اشعۃ الملعات)

روایت ہے حضرت شعبہ سے ۱ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جب ناپاکی سے غسل کر لیتے تو داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات بار پانی ڈالتے ۲ پھر استنجاء کرتے ایک دفعہ بھول گئے کہ کتنی بار پانی ڈالا ہے مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم فرمایا تمہاری ماں نہ رہے تمہیں کس چیز نے جاننے سے روکا ۳ پھر نماز کا سا وضو کرتے پھر اپنے جسم پر پانی بہاتے پھر فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں ہی طہارت فرماتے تھے ۴ (ابوداؤد)

۱۔ آپ شعبہ ابن دینار ہیں، سیدنا عبد اللہ ابن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ شعبہ ضعیف ہیں، دیگر محدثین ان کی توثیق کرتے ہیں۔

۲۔ کیونکہ ہاتھ میں نجاست لگی ہوئی تھی اور شروع اسلام میں نجاست سات بار دھوئی جاتی تھی، پھر سات کا حکم منسوخ ہو گیا، استحباب اب بھی باقی ہے۔ (ازمرقات) لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں تین بار ہاتھ دھونے کا ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ یہ عمل کبھی کرتے ہوں نہ کہ ہمیشہ۔

۳۔ ماں نہ رہے پیار میں بھی بولتے ہیں اور عتاب میں بھی۔ یہاں دونوں احتمال ہیں۔ مولیٰ اور استاد کو حق ہے کہ بلاوجہ بھی عتاب کر دے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شاگرد کو اپنے استاد کے ہر حال کا خیال رکھنا چاہیے تاکہ بوقت ضرورت استاد کو بھی بتا سکے، اور لوگوں تک بھی پہنچا سکے۔ یہاں ہاتھ دھونے کی گنتی مراد ہے۔

۴۔ کبھی کبھی یا سات کا حکم منسوخ ہونے سے پہلے یا اس وقت جب کہ نجاست سخت ہو کر بغیر سات بار کے نہ چھوٹے۔

روایت ہے حضرت ابو رافع سے ۱ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں پر دودھ فرمایا ان کے پاس بھی غسل کیا اور انکے پاس بھی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ آخر میں ایک ہی غسل کیوں نہیں کر لیتے فرمایا کہ یہ خوب پسندیدہ اور بہت صاف ہے ۲ (احمد و ابوداؤد)

۱۔ آپ کا نام اسلم ہے کنیت ابو رافع، قبیلی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں، بدر کے سوا تمام غزوات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی نے پہنچائی اور اسی خوشی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں آزاد کیا۔ ان کے باقی حالات پہلے گزر چکے ہیں۔



۲ چونکہ ہر دفعہ غسل کے لئے ابو رافع ہی پانی لاتے ہوں گے، اس لئے انہیں اندازے سے پتا لگا کہ آپ ہر بار غسل جنابت فرما رہے ہیں۔ تب یہ سوال کیا اس قسم کے اظہار میں اور مسئلہ پوچھنے میں نہ عقلاً کوئی مضائقہ ہے نہ شرعاً، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل شریف سے مسائل معلوم ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر چند بار صحبت کی جائے تو ہر دفعہ نہالینا سنت ہے۔ باقی بحث اسی باب میں پہلے گزر چکی۔

روایت ہے حضرت حکم ابن عمرو سے افرماتے ہیں کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہ مرد و عورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے ۲ (ابوداؤد، ابن ماجہ) اور ترمذی نے ان دونوں سے زیادہ کیا فرمایا عورت کے جوٹھے سے اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱ آپ صحابی ہیں، غفاری ہیں، بصرہ میں قیام رہا، زیاد نے پہلے آپ کو بصرہ کا، پھر خراسان کا حاکم بنایا، ۱۵ھ مقام مرہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

۲ یہ ممانعت تنزیہی ہے یعنی عورت کے غسل یا وضو سے بچے ہوئے پانی سے مرد کا غسل یا وضو کرنا بہتر نہیں، لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اپنی بعض ازواج کے بچے ہوئے پانی سے وضو کیا اور فرمایا کہ پانی جنب نہیں ہوتا کیونکہ وہ حدیث بیان جواز کے لئے ہے اور یہ بیان استحباب کے لئے ہے۔

روایت ہے حمید حمیری سے افرماتے ہیں کہ میں اس شخص سے ملا جو حضرت ابو ہریرہ کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں چار سال رہے ۲ فرمایا منع کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے کہ عورت مرد کے بچے ہوئے سے غسل کرے یا مرد عورت کے بچے ہوئے سے غسل کرے ۳ مسدد نے یہ بڑھایا ۴ کہ دونوں ایک ساتھ چلو لیں ۵ اسے ابوداؤد، نسائی نے روایت کیا اور احمد نے اس کے اول میں یہ بھی زیادتی کی کہ حضور نے منع فرمایا اس سے کہ ہم میں سے کوئی روزانہ گنگھی کرے یا غسل خانہ میں پیشاب کرے ۶ اسے ابن ماجہ نے عبد اللہ ابن سرجس سے روایت کیا۔

۱ آپ حمید ابن عبدالرحمن ہیں، بصرہ کے باشندے، قبیلہ حمیر سے ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں اپنے زمانہ میں بڑے عالم تھے۔  
۲ وہ صحابی یا حکم ابن عمرو ہیں یا عبد اللہ ابن سرجس اور یا عبد اللہ ابن مغفل، چونکہ تمام صحابہ عادل ہیں اس لئے صحابی کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں۔

۳ یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے یعنی ایسا کرنا بہتر نہیں اگر کرے تو حرج بھی نہیں۔  
 ۴ آپ کا نام مسدود (دال کے فتح) سے ابن مسرحد ہے، تبع تابعین میں ہیں، بصرہ کے باشندے ہیں، ۲۸ھ میں وفات ہوئی۔  
 ۵ یعنی اگر عورت و مرد ایک برتن سے وضو یا غسل کریں تو آگے پیچھے چلو نہ لیں بلکہ ایک ساتھ لیں تاکہ ان میں سے کوئی دوسرے کے فضلہ سے طہارت نہ کرے اگرچہ آئندہ چلوؤں میں فضلہ سے ہی طہارت ہوگی مگر یہ معاف ہے۔  
 ۶ غسل خانہ میں پیشاب کرنا و سوسہ کی بیماری پیدا کرتا ہے خصوصاً جب کہ پانی نکلنے کی کوئی نالی وغیرہ نہ ہو اور روزانہ بال کاڑھنے مانگ نکالنے میں غفلت پیدا ہوتی ہے۔ یہ کام کبھی کبھی کرنا سنت ہے، بال پراگندہ رکھنا بھی ٹھیک نہیں۔

## باب احکام المیاء

### پانیوں کے احکام کا باب

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱ چونکہ پانی بہت سی قسم کے ہیں: بارش کا پانی، چشمے، کنوئیں، تالاب وغیرہ کا پانی، جاری اور غیر جاری، مستعمل اور غیر مستعمل، حیوانات کا جھونا اور دھوپ وغیرہ سے گرم شدہ پانی اور ان پانیوں کے احکام جداگانہ ہیں اس لئے میناہ بھی جمع لائے اور احکام بھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے پانی میں جو بہتا نہ ہو مگر پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل کرے گا (مسلم، بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا تم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں ٹھہرے پانی میں غسل نہ کرے لوگوں نے کہا کہ اے ابوہریرہ پھر کیا کرے فرمایا اس میں سے لے لے لے ۲

۱ یعنی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا ہر گز جائز نہیں کیونکہ اس سے پانی نجس ہو کر غسل و وضو وغیرہ کے قابل نہ رہے گا جس سے اسے بھی تکلیف ہوگی اور دوسروں کو بھی۔ اور بہت سے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا مناسب نہیں کہ اگرچہ وہ ناپاک تو نہ ہوگا لیکن اس کے پینے یا وضو کرنے سے دل کراہت کرے گا۔ پہلی صورت میں ممانعت تحریمی ہے اور دوسری صورت میں تنزیہی۔ یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے کہ دو قلعے پانی نجاست پڑنے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ اگر ناپاک نہ ہوتا تو یہ ممانعت اس تاکید سے نہ فرمائی جاتی۔ اس کی تحقیق ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

۲ یعنی چھوٹے حوض یا گڑھے میں جو پانی بھرا ہو جنہی اس میں گھس کر نہ نہائے بلکہ چلوؤں، پتوں، یا برتن سے لے کر الگ نہائے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ تھوڑا پانی جنہی کے گھس جانے سے ماء مستعمل بن جاتا ہے لہذا جنہی یا بے وضو اگر کنوئیں میں گھسا تو پانی مستعمل ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ ناپاک آدمی بوقت ضرورت ناند یا چھوٹے حوض میں سے چلو یا پ بھر سکتا ہے اس سے پانی مستعمل نہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب کیا جائے! (مسلم)

۱۔ ٹھہرا پانی خواہ دوقلے ہوں یا اس سے کم و بیش اس میں پیشاب پاخانہ ممنوع ہے بلکہ اس میں تھوک و ریٹ ڈالنا بھی برا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ رات کو ٹھہرے پانی میں پیشاب ہرگز نہ کرے کہ اس وقت وہاں جنات رہتے ہیں تکلیف پہنچائیں گے، ہاں تالاب وغیرہ کا یہ حکم نہیں۔ تالاب وہ ہے کہ اگر اس کے ایک کنارے سے پانی ہلایا جائے تو دوسرے کنارے کا پانی نہ ہلے یعنی سوا تھ کی سطح والا پانی اسی کو آب کثیر بھی کہتے ہیں اس سے کم پانی قلیل کہلاتا ہے۔

روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے! فرمایا مجھے میری خالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئیں عرض کیا یا رسول اللہ میرا بھانجا بیمار ہے آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے دعائے برکت کی ۲ پھر وضو فرمایا میں نے وضو کا پانی پیاس ۳ پھر میں آپ کے پس پشت کھڑا ہوا تو میں نے مہر نبوت دیکھی جو آپ کے کندھوں کے درمیان مسہری کی گھنڈی کی طرح تھی ۴ (مسلم، بخاری)

۱۔ آپ ازدی ہیں، خذلی، ۲۔ میں پیدا ہوئے، اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے، اس وقت سات سال کے تھے، نو عمر صحابی ہیں، عہد فاروقی میں بازار مدینہ کے حاکم تھے۔

۲۔ غالباً آپ کے سر میں درد ہی تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی برکت سے جاتا رہا اس ہاتھ کی برکت یہ ہوئی کہ حضرت سائب کی عمر سو سال ہوئی لیکن نہ کوئی بال سفید ہوا اور نہ دانت گرا۔ (مرقاۃ) اس سے معلوم ہوا کہ بیماروں کو بزرگوں کے پاس دم درود کے لیے لے جانا اور بزرگوں کا تکلیف کی جگہ ہاتھ پھیرنا سنت سے ثابت ہے۔

۳۔ فضالہ شریف (بچا ہوا پانی) یا غسل (دھون شریف) دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ صحابہ کرام اس غسل شریف کو حاصل کرنے کے لئے لڑتے تھے۔ خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو یا غسل کا غسل نجس ہے مگر ہمارا غسل نہ کہ حضور کا، وہ تو تبرک اور نور ہے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات شریف امت کے لئے پاک ہیں۔ (مرقاۃ واشعۃ)

۴۔ مہر نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن کے نیچے دو کندھوں کے درمیان ایک پارہ گوشت تھا جس پر کچھ تل تھے۔ کبوتری کے انڈے یا مسہری کی گھنڈی کے برابر پارہ گوشت نہایت چمکیلا اور نورانیت تھا، تل سیاہ آس پاس بال، ان کے اجتماع سے یہ جگہ نہایت بھلی ہوتی تھی نیچے سے دیکھو تو پڑھنے میں آتا تھا "اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ" اوپر سے دیکھو تو پڑھا جاتا ہے "تَوَجَّهَ حَيْثُ كُنْتَ فَإِنَّكَ مَنْصُورٌ" اسے مہر نبوت اس لیے کہتے تھے کہ گزشتہ آسمانی کتب میں اس مہر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم النبیین ہونے کی علامت قرار دیا گیا تھا وفات کے وقت یہ مہر شریف غائب ہو گئی تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ بوقت ولادت موجود تھی یا نہیں۔ بعض نے فرمایا کہ شق صدر کے بعد فرشتوں نے جو ٹانگے لگائے تھے ان سے یہ مہر پیدا ہو گئی تھی۔ صحیح یہ ہے کہ بوقت ولادت اصل

مہر موجود تھی مگر اس کا ابھار ان ٹانگوں کے بعد ہوا۔ ان شاء اللہ اس کی زیادہ تحقیق آخر کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے بیان میں کی جائے گی۔

الفصل الثانی  
دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے بارے میں پوچھا گیا جو میدانی زمین میں ہو اور اس پر چو پائے اور درندے آتے ہوں فرمایا جب پانی دو قلعے ہو تو گندگی کو نہیں اٹھاتا (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ) ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ وہ نجس نہیں ہوتا۔

۱۔ یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ دو مٹکے پانی گندگی پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ مٹکوں سے حجر کے مٹکے مراد لیتے ہیں جو ڈھائی مشک کا ہوتا ہے اور شرعی پچاس من کا۔ روافض بھی یہی کہتے ہیں۔ ہمارے امام اعظم اس حدیث پر چند طرح گفتگو فرماتے ہیں: ایک یہ کہ حدیث صحیح نہیں حتیٰ کہ امام بخاری کے استاد علی ابن مدینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ دوسرے یہ کہ حدیث اجماع صحابہ کے خلاف ہے کہ ایک بار چاہ زمزم میں ایک حبشی گھر گر گیا تو حضرت ابن عباس و ابن زبیر نے تمام صحابہ کی موجودگی میں کنواں پاک کرنے کا حکم دیا کسی نے انکار نہ کیا حالانکہ چاہ زمزم میں ہزاروں قلعے پانی تھا۔ تیسرے یہ کہ لفظ قلعہ مشترک ہے جس کے بہت معانی ہیں۔ چنانچہ پہاڑ کی چوٹی، اونٹ کا کوبان، سر کی کھوپڑی، بڑے مٹکے سب کو قلعہ کہا جاتا ہے۔ پھر مٹکے کی مقدار حدیث میں معین نہیں، اتنے اجمال کے ہوتے ہوئے اس حدیث پر عمل کیونکر کیا جاتا ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حدیث امام شافعی کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر قلتین میں اتنی گندگی گر جائے جس سے پانی کی بو، مزہ یا رنگ بدل جائے تو پانی نجس ہو جاتا ہے، مگر اس حدیث کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی نجس نہیں ہوتا۔ پانچواں یہ کہ یہ حدیث اس معنی سے دوسری احادیث صحیحہ کے سخت خلاف ہوگی۔ حضور نے فرمایا کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب نہ کرو، نیز ارشاد فرمایا کہ جب کتا پانی کے برتن میں منہ ڈال دے تو پانی ناپاک اور برتن بھی پلید ہو گیا۔ ان دونوں حدیثوں میں قلتین کا اشتناء نہیں کیا گیا۔ چھٹے یہ کہ لَمْ يَحْمِلْ كَيْفَ مَعْنَى يَحْمِلُ ہوسکتے ہیں کہ قلتین میں پانی نجاست کو برداشت نہیں کرتا، یعنی نجس ہو جاتا ہے، رب فرماتا ہے: "مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا"۔ عرف میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص صدمہ نہیں اٹھاسکتا۔ ساتویں یہ کہ اس حدیث کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ جب جاری پانی کو دو انسانوں کے قدموں کے برابر بہنے کا موقع مل جائے تو گندگی پڑنے سے ناپاک نہیں ہوگا، وہ ماء جاری ہے اس کی طرح کہ ایک گڑھے سے پانی آ رہا ہے دوسرے میں گر رہا ہے دونوں گڑھوں کے درمیان دو قد انسانی قریباً دس فٹ کا فاصلہ ہے تو چونکہ یہ پانی جاری ہے لہذا گندگی سے ناپاک نہ ہوگا۔ اس صورت میں حدیث پر کوئی اعتراض نہ پڑے گا لہذا مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نہایت قوی ہے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا ہم بضاعہ کنویں سے وضو کریں! وہ

ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے لئے کتوں کے گوشت اور گندگیاں ڈالے جاتے تھے ۲ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ۳ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

۱۔ یہ کنواں مدینہ منورہ محلہ بنی ساعدہ میں واقع ہے، بنی ساعدہ خزرج کا ایک قبیلہ ہے۔ فقیر نے اس کنوئیں کی زیارت بھی کی ہے اور اس کا پانی بھی پیا ہے۔

۲۔ یعنی یہ کنواں گویا مدفون کوڑی تھا کہ مدینہ کی گلیاں و کوچے صاف کر کے کوڑا کرکٹ وہاں ڈال دیا تھا جیسے ہمارے ہاں بھی ایسے گڑھے دیکھے گئے ہیں۔

۳۔ اَلْمَاءُ میں الف لام عہدی ہے یعنی یہ پانی پاک ہے ان گندگیوں سے ناپاک نہیں ہوتا۔ امام شافعی کے نزدیک تو اس لئے کہ وہ پانی قلتین سے زیادہ تھا، امام اعظم کے نزدیک اس لیے کہ وہ پانی جاری تھا یعنی مدفون نہر پر یہ کنواں واقع تھا جیسا کہ مکہ مکرمہ میں نہر زبیدہ پر اور مدینہ طیبہ میں نہر زرقاء پر تمام کنوئیں ہیں جو بظاہر کنوئیں معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں دبی ہوئی نہر، امام اعظم کا قول قوی ہے کیونکہ قلتین تو کیا سینکڑوں قلعے پانی اتنی گندگی پڑنے سے بگڑ جائے گا ہمارے کنوئیں میں اگر ایک بلی پھول پھٹ جائے تو پانی سڑ جاتا ہے، لہذا یہ حدیث امام شافعی کے خلاف ہوگی۔ ہاں جاری پانی چونکہ سب کچھ بہا کر لے جائے گا، اس لئے کہ اس کے ناپاک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب بھی بیر بضاعہ وغیرہ میں جھانک کر دیکھو تو پانی بہتا ہوا نظر آتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا عرض کیا یا رسول اللہ ہم سمندر میں سوار ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا پانی لے جاتے ہیں اگر اس سے وضو کر لیں تو پیاسے رہ جائیں تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کیا کریں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے ۲ اور اس کا مردار حلال ۳ (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

۱۔ اسائل کو شبہ یہ تھا کہ سمندر کا پانی سخت کڑوا ہے پینے کے قابل نہیں لہذا اس آیت کے تحت نہیں آتا: "وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ

مَاءً طَهُورًا" کیونکہ بارش کا پانی میٹھا اور مطہر ہے اور سمندر کا پانی میٹھا نہیں تو چاہیے کہ مطہر بھی نہ ہو۔

۲۔ یعنی سمندر کے پانی کا یہ مزہ اصلی ہے یا زیادہ ٹھہرنے کی وجہ سے کسی نجاست نے اس کا مزہ نہیں بدلا لہذا پاک بھی ہے، مطہر بھی۔ خیال رہے کہ اگر کنوئیں کا پانی بہت ٹھہرا ہونے کی وجہ سے بد مزہ یا بدبودار ہو جائے تو پاک رہے گا۔

۳۔ احناف کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ مچھلی کو ذبح کرنا ضروری نہیں۔ اگر ہمارے پاس آکر مر جائے یا سمندر کی موج اسے کنارے پر پھینک جائے جس سے وہ مر جائے تو حلال۔ لیکن اگر اپنی بیماری سے مر کر پانی پر تیر جائے تو حرام کیونکہ اب وہ سمندر کا مردار

نہیں، بلکہ بیماری کا مردار ہے، بعض آئمہ نے اس کے معنی یہ سمجھے کہ پانی کا ہر جانور حلال حتیٰ کہ مینڈک کچھو وغیرہ بھی مگر یہ معنی درست نہیں کیونکہ دریائی انسان اور دریائی سور کو وہ بھی حرام جانتے ہیں۔ تو انہیں بھی حدیث میں قید لگانی پڑے گی۔

روایت ہے ابو زید سے وہ عبداللہ ابن مسعود سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کی رات ان سے فرمایا کہ تمہارے برتن میں کیا ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا نبیذ ہے۔ فرمایا کھجور پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا اس ابو داؤد، احمد، ترمذی نے زیادہ کیا کہ پھر اس سے وضو فرمایا۔ ترمذی کہتے ہیں کہ ابو زید مجہول ہے۔

۱ یعنی جس رات جنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام لانے کے لیے حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تبلیغ کرنے کے لئے ابن مسعود کو اپنے ساتھ لے کر شہر سے باہر تشریف لے گئے حضرت ابن مسعود کے پاس حسب عادت پانی کا لونا تھا۔  
۲ یعنی کھجور کا زلال (نتھرا ہوا شربت) کہ رات کو کھجوریں پانی میں بھگو دی جائیں، صبح کو نتھار لیا جائے۔  
۳ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے وضو کیا جیسا کہ مصابیح کی روایت میں ہے۔ یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ کھجور کے شربت سے وضو جائز ہے بشرطیکہ گاڑھا نہ پڑا ہو بلکہ خوب پتلا ہو۔  
۴ یعنی ان کے حالات کا علم نہ ہو سکا کہ کیسے تھے۔ لیکن امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ابو زید عمرو ابن حریث کے آزاد کردہ غلام ہیں، ان سے راشد ابن کیسان اور ابو رفاق نے روایت لی ہے اور جس راوی سے ایسے محدثین روایت لے لیں وہ مجہول نہیں رہتا۔ توریشتی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت سی ضعیف اسنادوں سے مروی ہے لیکن بہت ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جاتی ہیں دیکھو کتب اصول حدیث۔

حضرت علقمہ بروایت صحیح حضرت عبداللہ ابن مسعود سے نقل ہے فرماتے ہیں میں جنات کی رات حضور کے ساتھ تھا ہی نہیں (مسلم)

۱ خیال رہے کہ لیلة الجن چھ ہیں: ایک بار بقیع الغرقہ میں جنات کو تبلیغ اسلام کی اس میں حضرت ابن مسعود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، دو بار مکہ معظمہ میں ایک بار مدینہ طیبہ میں زبیر ابن عوام ہمراہ تھے۔ لہذا علقمہ کی یہ روایت بھی درست ہے کہ ابن مسعود ہمراہ نہ تھے، اور وہ بھی درست ہے کہ ہمراہ تھے اور نبیذ کا واقعہ پیش آیا۔ یا علقمہ کی روایت کا یہ مطلب ہے کہ حضرت ابن مسعود "لیلة الجن" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تبلیغ کے وقت نہ تھے کیونکہ حضور ان کو دور چھوڑ گئے تھے اور آپ کے ارد گرد حصار کے لئے گول خط کھینچ کر فرما گئے تھے کہ اس سے آگے نہ نکلنا جیسا کہ دوسری روایات میں ہے، اسی سے صوفیائے کرام حصار کے مسائل مستنبط کرتے ہیں۔ لہذا حضرت علقمہ کی یہ حدیث اس دوسری حدیث کے خلاف نہیں۔ (مرقاۃ و اشعۃ) خیال رہے کہ کھجور کے نبیذ سے وضو جائز ہونا خلاف قیاس ہے کیونکہ نبیذ مطلق پانی نہیں اور وضو صرف مطلق پانی سے ہی ہو سکتا ہے مگر چونکہ حدیث پاک میں وارد ہو گیا لہذا سوا کھجور کی نبیذ کے اور کسی نبیذ سے وضو جائز نہیں جیسے کشمش وغیرہ کا نبیذ۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ امام اعظم حدیث کے مقابل قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ!

یہ بھی خیال رہے کہ کھجور کے نبیذ سے وضو جب ہی درست ہے جب کہ گاڑھانہ ہو پانی کے اجزاء غالب ہوں اگر کھجور کے اجزاء غالب ہو گئے ہوں اور پانی گاڑھا پڑ گیا ہو تو وضو جائز نہیں، تیمم کیا جائے۔ اور اگر اس غلبہ میں شک ہو تو وضو بھی کرے اور تیمم بھی۔ لہذا امام صاحب سے جو مروی ہے کہ آپ نے کبھی تو نبیذ سے وضو کا حکم دیا، کبھی وضو سے منع فرمایا، تیمم کا حکم دیا اور کبھی دونوں کا، یہ مختلف حالات میں ہے۔

روایت ہے حضرت کعبہ بنت کعب ابن مالک سے آپ ابو قتادہ کے فرزند کی بیوی تھیں۔ ابو قتادہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے ابو قتادہ کے لیے وضو کا پانی انڈیلایا لیکن اس سے پینے لگی آپ نے اس کے لیے برتن جھکا دیا حتیٰ کہ اس نے پی لیا کعبہ فرماتی ہیں کہ مجھے ابو قتادہ نے اپنی طرف دیکھتے ہوئے ملاحظہ کیا تو بولے بھتیجی کیا تم تعجب کرتی ہو بولیں ہاں تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی نجس نہیں وہ تو تم پر پھرنے والے یا پھرنے والیوں میں سے ہے (مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

۱۔ آپ خود بھی صحابیہ ہیں، آپ کے والد کعب ابن مالک بھی صحابی ہیں، جن کی توبہ کا واقعہ مشہور ہے، جن کے بارے میں سورہ توبہ کی آیات اتری ہیں، عبداللہ ابن ابی قتادہ کی زوجہ ہیں۔

۲۔ آپ کا نام حارث ابن ربیع ہے، انصاری ہیں، مشہور شاہ سوار ہیں، آپ کے بیٹے کا نام عبداللہ ہے۔

۳۔ اس حدیث سے بعض علماء نے اس پر دلیل پکڑی کہ بلی کا جوٹھا نہ تو ناپاک ہے نہ مکروہ اس سے بلا کراہت وضو جائز ہے۔ ہمارے امام صاحب کے ہاں اگر بلی چوہا نجاست کھا کر بغیر منہ صاف کئے برتن میں ڈال دے تو پانی بھی نجس اور برتن بھی گند۔ اور اگر منہ صاف کر کے پانی پی جائے تو وہ پانی مکروہ ہے اور اس سے وضو کرنا مکروہ تنزیہی۔ امام صاحب کا قول قوی ہے۔ اور ان علماء کا اس حدیث سے استنباط ضعیف کیونکہ یہ حضرت ابو قتادہ کا اجتہاد ہے حضور نے صرف یہ فرمایا کوئی نجس نہیں یعنی اس کا جسم ناپاک نہیں اس میں یہ کہاں ہے کہ اس کا لعاب اور جوٹھا بھی بالکل پاک ہے۔ دیکھو کتے کا سوکھا جسم نجس نہیں مگر اس کا جوٹھا نجس ہے۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور فرماتے ہیں جب بلی برتن چاٹ جائے تو اسے ایک یا دو باردھو، نیز اسی طحاوی میں ہے کہ سیدنا ابن عمر کتے، بلی اور گدھے کے جوٹھے سے وضو نہیں کرتے تھے، بلکہ اس سے منع فرماتے تھے۔ اس کے متعلق اور بہت سی روایات طحاوی میں منقول ہیں۔ نیز جس کا گوشت ناپاک اور حرام ہو اس کا جوٹھا بھی پاک نہ ہوگا، بلی کا گوشت ناپاک اور حرام ہے لہذا اس کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہیے تھا مگر چونکہ یہ گھروں میں آتی جاتی ہے، نیز نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتی لہذا جوٹھا مکروہ ہے جیسے چھوٹے بچے جو نجاست سے پرہیز نہ کر سکیں اگر وہ پانی میں ہاتھ ڈال دیں تو پانی مکروہ ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوداؤد ابن صالح ابن دینار سے وہ اپنی والدہ سے راوی کہ ان کی مالکہ نے انہیں ہر یہ دے کر

حضرت عائشہ کے پاس بھیجا۔ میں نے آپ کو نماز پڑھتے پایا مجھے اشارہ کیا کہ رکھ دو۔ ایک بلی آئی جو اس میں سے کھاگئی جب حضرت عائشہ نماز سے فارغ ہوئیں تو آپ نے وہاں سے ہی کھایا جہاں سے بلی نے کھایا تھا۔ فرمانے لگیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی نجس نہیں وہ تو تم پر گھومنے والوں سے ہے۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بلی کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

۱۔ داؤد ابن صالح مدنی ہیں، جمیل القدر تابعی ہیں، ابو قتادہ انصاری کے آزاد کردہ غلام ہیں، آپ کی والدہ بھی کسی کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ ہر یسہ ہرس سے بنا بمعنی سخت کوٹنا عرب کا مشہور حلوہ ہے۔

۲۔ انگلی سے اشارہ کیا یا سر کی حرکت سے نماز میں بوقت ضرورت اتنا ہلکا سا اشارہ جائز ہے۔

۳۔ اس میں بھی حضرت عائشہ صدیقہ کا اجتہاد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے جسم کو پاک فرمایا، لعاب یا جوٹھے کا ذکر نہیں کیا۔

۴۔ یہ جملہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف نہیں کیونکہ اس سے وضو صرف مکروہ تنزیہی ہے۔ حضور نے بیان جواز کے لیے کیا اور ممکن ہے کہ دوسرا پانی نہ ہونے پر اس سے وضو کیا گیا ہو۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا ہم گدھوں کے جوٹھے سے وضو کر لیں فرمایا ہاں اور اس سے بھی جنہیں تمامی درندوں نے بھی جوٹھا کیا۔ (شرح سنہ)

۱۔ اس حدیث کی بناء پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام درندوں کا جوٹھا پاک ہے۔ امام اعظم و امام احمد کے ہاں نجس۔ امام اعظم کا قول قوی ہے، اور اس حدیث میں تالابوں کا پانی یا بہتا ہوا پانی مراد ہے جو نجاست پڑ جانے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تیسری فصل میں آ رہا ہے۔ ورنہ یہ حدیث امام شافعی کے بھی خلاف ہوگی کیونکہ کتا و سور بھی درندے ہیں تو چاہیے کہ ان کا جوٹھا بھی پاک ہو، جب درندوں کے گوشت نجس ہیں تو ان کا جوٹھا بھی نجس ہونا چاہیے کیونکہ لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ گدھے کا جوٹھا پاک تو ہے مگر اس کی مطہریت میں شک ہے کیونکہ اس میں صحابہ کرام کا بہت اختلاف ہے۔ بلا ضرورت اس سے وضو نہ کرے۔ اگر دوسرا پانی نہ ملے تو وضو بھی کرے، اس کے ساتھ تیمم بھی۔

روایت ہے حضرت ام ہانی سے کہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ نے اس لگن سے وضو کیا جس میں گندھے آٹے کا اثر تھا۔ (نسائی و ابن ماجہ)



۱۔ آپ کا نام فاختہ یا عاتکہ ہے، علی مرتضیٰ کی حقیقی بہن ہیں، آپ کے گھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی، ہُبَیوٰۃ ابن ابی وہب کی زوجیت میں تھیں، بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام دیا مگر نکاح نہیں ہو سکا، فتح مکہ کے دن ایمان لائیں، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۵۰ھ کے بعد وفات پائی۔

۲۔ یعنی صرف اثر تھا۔ پانی اس سے نہ سفید پڑا نہ گاڑھا، ایسے پانی سے بلا کراہت وضو جائز ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت یحییٰ ابن عبدالرحمان سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اس قافلہ میں تشریف لے گئے جن میں حضرت عمرو ابن عاص تھے حتیٰ کہ ایک حوض پر پہنچے تو عمرو نے کہا اے حوض والے کیا تیرے حوض پر درندے ہوتے ہیں؟ تو حضرت عمر ابن خطاب نے فرمایا اے حوض والے نہ بتانا کیونکہ ہم درندوں پر اور درندے ہم پر آتے ہیں۔ (مالک)

۱۔ یعنی اگر درندے اس سے پانی پیتے ہوں تو ہم اس سے نہ وضو و غسل کریں اور نہ پیئیں۔ انہیں آب قلیل و کثیر کافرک معلوم نہ تھا۔  
۲۔ یعنی چونکہ یہ پانی کثیر ہے لہذا کسی جانور کے پی جانے سے نجس نہیں ہوتا اور کسی گندگی کے پڑ جانے سے گندا نہیں ہوتا، تا وقتیکہ پانی کی بویا مزہ اور رنگ گندگی کی وجہ سے نہ بدلے۔ یہ حدیث گزشتہ حدیث جابر کی تفسیر ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قوی دلیل ہے۔

اور زمین نے یہ بھی زیادہ کیا کہ کہا کہ بعض راویوں نے حضرت عمر کے فرمان میں یہ بڑھایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو درندے اپنے پیٹوں میں لے گئے وہ ان کا اور جو بیچ رہا وہ ہمارا پانی بھی ہے اور طہارت بھی!۔

۱۔ اس جملے میں بھی آب کثیر ہی مراد ہے۔ لہذا یہ حدیث ہماری دلیل ہے نہ کہ شوافع کی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مطلق پانی کے لئے ہے تھوڑا ہو یا بہت مگر یہ توجیہ اگلی آنے والی حدیث کے خلاف ہے۔ نیز فصل ثانی کے شروع میں گزر گیا کہ جب پانی دو قلعے ہو تو درندوں کے پینے سے ناپاک نہ ہوگا اگر درندوں کا جھوٹا پاک ہے تو وہاں دو قلعوں کی قید کیوں ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے متعلق پوچھا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہیں جن پر درندے کتے اور گدھے سب آتے ہیں ان سے وضو کرنا کیسا فرمایا کہ وہ جو اپنے پیٹوں میں لے گئے وہ ان کا جو بچا وہ ہمارا وہ ہمارے لئے پاک کن ہے۔ (ابن ماجہ)

۱۔ یہ حدیث گزشتہ کی تفسیر ہے، یعنی جب پانی زیادہ ہو تو درندوں کے پینے سے ناپاک نہ ہوگا۔ خیال رہے کہ ان احادیث میں ان حوضوں کی مقدار کا ذکر نہیں۔ ہمارے امام صاحب کے ہاں سو"ہاتھ مربع پانی کثیر ہے، جس کی دلیل پیر"بالوع" کا مسئلہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ ایک کنوئیں کا حریم دس ہاتھ ہے کہ اس حدیث میں دوسرا کنواں نہ کھودا جائے۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے آپ نے فرمایا کہ  
دھوپ کے گرم شدہ پانی سے غسل نہ کرو اس لئے کہ وہ  
کوڑھ پیدا کرتا ہے! (دارقطنی)

۱۔ یہ اگرچہ فاروق اعظم کا قول ہے، لیکن صحابہ کرام کی موجودگی میں ہے اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا جس سے یہ مسئلہ اجماعی ہو گیا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے ہر پانی مراد ہے تھوڑا ہو یا زیادہ، لہذا حوض کا پانی جب دھوپ میں گرم ہو جائے تو اس سے وضو نہ کیا جائے۔

## باب تطہیر النجاسات

### نجاستوں کے پاک کرنے کا باب

الفصل الاول

پہلی فصل

۱۔ یہاں نجاستوں سے حقیقی ناپائیاں مراد ہیں نہ کہ حکمی کیونکہ انکا ذکر تو پہلے ہو چکا وضو اور غسل کی بحث میں۔ چونکہ حقیقی نجاستیں بہت سی قسم کی ہیں۔ خفیفہ، غلیظہ وغیرہ اس لئے نجاست جمع فرمایا گیا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کسی کے برتن میں  
کتا پی جائے تو اسے سات بار دھوؤ (مسلم، بخاری) اور مسلم کی  
روایت میں ہے کہ فرمایا تم میں سے کسی کے برتن کی پاکی  
جب اس میں کتا چاٹ جائے تو اسے ساتھ بار دھوئے پہلی  
بار مٹی سے!

۱۔ یہی مذہب ہے امام شافعی وغیرہ فقہاء واکثر محدثین کا کہ کتے کے چاٹنے پر برتن کا سات بار دھونا اور مٹی سے مانجنا ان کے ہاں فرض ہے۔ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا حکم بھی دوسری نجاستوں کی طرح ہے کہ اس کے دھونے میں نہ تعداد مقرر ہے نہ مٹی سے صاف کرنا لازم، بلکہ گندگی کا اثر دور کرنا ضروری ہے کہ مٹی وغیرہ کا برتن جس میں مسام ہوں تین بار دھویا جائے۔ تانبہ، شیشہ وغیرہ جس میں مسام نہ ہوں اس کا ایک بار دھونا یا پونچھ دینا کافی ہے۔ اس لئے کہ دارقطنی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

ہیں جب کتاب برتن چاٹ جائے تو اسے تین بار، پانچ بار، یا سات بار دھوؤ۔ نیز ابن عربی نے مرفوعاً روایت کی کہ جب کتاب برتن چاٹ جائے تو پانی پھینک دو اور برتن تین بار دھو لو۔ نیز دارقطنی نے بسند صحیح حضرت عطاء سے روایت کی کہ خود حضرت ابوہریرہ کا یہ عمل تھا جب ان کا برتن کتاب چاٹ جاتا تو پانی گرا دیتے اور برتن تین بار دھو ڈالتے، لہذا سات بار کی حدیث منسوخ ہے اور یہ احادیث مذکورہ ناسخ۔ اولاً کتوں کا پالنا ممنوع اور ان کا قتل کرنا واجب تھا، اس ہی زمانہ میں یہ پابندیاں بھی تھیں۔ جب ضرورتاً کتاب پالنا جائز قرار دیا گیا اور اس کا قتل واجب نہ رہا تو سات بار کا حکم بھی منسوخ ہو گیا، نیز اگر کتا یا سور برتن میں پیشاب کر دے تو تین بار دھونا کافی۔ کتے کا لعاب تو پیشاب سے بدتر نہیں، لہذا اس میں بھی تین بار دھونا کافی ہونا چاہیے۔ یہ سات کا حکم ایسا ہی ہے جیسے شروع میں شراب کے برتنوں کا توڑ دینا فرض تھا، پھر وہ حکم نہ رہا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کر دیا اسے لوگوں نے پکڑ لیا اور ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہا دو۔<sup>۲</sup> کیونکہ تم آسانی کرنے والے بھیجے گئے مشکل میں ڈالنے والے نہیں بھیجے گئے۔<sup>۳</sup> (بخاری)

۱۔ یعنی اسے نہ مارو پیٹو کیونکہ یہ شرعی احکام سے ناواقف ہے۔ اسلام سے پہلے لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اور سب کے سامنے ننگے ہونے کو عیب نہ جانتے تھے، نیز وہ مسجد کے آداب وغیرہ سے بے علم تھے۔ معلوم ہوا کہ ناواقف پر سختی نہ کی جائے اسے نرمی سے سمجھایا جائے۔

۲۔ بعض نے فرمایا کہ سجد اور ذنوب کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ڈول بڑا ہو یا چھوٹا۔ بعض نے کہا ہے کہ سجد بڑے ڈول کو کہتے ہیں، اور ذنوب مطلقاً ڈول کو۔ خیال رہے کہ یہ سجد اس کے زرع اور ل کے سکون سے ہے، اس اور ج کے زرع اور ل کے شد سے سجد، بمعنی کاتب و مثنیٰ، یونہی ذنوب کے زرع سے بمعنی ڈول اور ذکے پیش سے ذنب کی جمع، بمعنی گناہ۔

۳۔ خیال رہے کہ زمین اگرچہ سوکھ کر پاک ہو جاتی ہے لیکن زمین کا دھونا بہت ہی بہتر ہے کہ اس سے گندگی کا رنگ و بو بھی جلدی جاتا رہتا ہے اور اس سے تیمم بھی جائز ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ ناپاک زمین بغیر دھوئے پاک نہیں ہو سکتی جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد دھلوانا اس لئے تھا کہ وقت نماز قریب تھا، زمین جلدی سوکھ کر پاک نہ ہو سکتی تھی، نیز مسجد میں پاکی کے علاوہ صفائی بھی چاہیے اور یہ دھلنے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے فرمایا ٹھہر ٹھہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے نہ روکو چھوڑ دو اور لوگوں نے چھوڑ دیا حتیٰ کہ اس نے پیشاب کر لیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا کر فرمایا کہ یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی کے لیے

نہیں یہ تو صرف اللہ کے ذکر نماز اور تلاوت قرآن کے لیے ہیں یا جیسا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۲ فرماتے ہیں کہ قوم کے ایک آدمی کو حکم دیا وہ پانی کا ڈول لایا جسے اس پر بہادیا۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ کیونکہ پیشاب بیچ میں روکنے سے سخت بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فن طب سے پورے واقف ہیں اور امت پر بہت رحیم و کویم۔ فرمایا مسجد دُھل جائے گی، لیکن اگر یہ بیمار ہو گیا تو اس کو اور ہم کو سخت دشواری ہوگی۔  
۲۔ اس میں مبلغین کو طریقہ تبلیغ کی تعلیم ہے کہ تبلیغ اخلاق اور نرمی سے ہونی چاہیے۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! فرمائیے تو ہم میں سے جب کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو کیا کرے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اسے مل دے پھر پانی سے دھو دے پھر اس میں نماز پڑھ لے۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حیض کا خون نجاست غلیظہ ہے اس لئے اس کے دھونے میں مبالغہ کرنا چاہیے اسی لئے سرکار نے دھونے سے قبل ملنے کا حکم دیا۔ دوسرے یہ کہ ناپاک کپڑا دھلتے ہی پاک ہو جاتا ہے اس لئے سوکھنا شرط نہیں۔ تیسرے یہ کہ نضح کے معنی چھڑکنایا چھیننا دینا نہیں بلکہ دھونا ہیں کیونکہ حیض کا خون پانی کے چھیننے سے پاک نہیں ہوتا، خوب دھویا جاتا ہے، لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ شیر خوار لڑکے کا پیشاب چھیننے سے پاک نہیں ہوتا اس کا دھونا ضروری ہے کیونکہ وہاں بھی لفظ نضح ہی آ رہا ہے۔

روایت ہے حضرت سلیمان ابن یسار سے ۱ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے منی کے بارے میں پوچھا جو کپڑے کو لگ جائے فرمانے لگیں کہ میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے دھوتی تھی پس آپ نماز کو تشریف لے جاتے تھے حالانکہ دھونے کا اثر آپ کے کپڑے میں ہوتا ۲۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ آپ ام المؤمنین حضرت میمونہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، فقیہ، تابعی ہیں، عطاء بن یسار کے بھائی ہیں، ۳۷ سال کی عمر پائی ۱۰ھ میں وفات پائی۔

۲ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ منی نجس ہے، ریٹ یا تھوک کی طرح پاک نہیں، جیسا کہ شوافع کا خیال ہے ورنہ دھونے کی ضرورت نہ پڑتی۔ دوسرے یہ کہ اپنی بیوی سے منی کا کپڑا دھلوانا جائز ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی خدمت ہے۔ تیسرے یہ کہ نجس کپڑا دھونے کے بعد ہی پاک ہو جاتا ہے۔ چوتھے یہ کہ گیلے کپڑے میں نماز جائز ہے۔

روایت ہے حضرت اسود ۱ اور ہمام سے ۲ وہ حضرت عائشہ سے راوی فرماتی ہیں کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی مل دیتی تھی (مسلم)

۱ آپ کا نام اسود ابن ہلال محاربی نخعی ہے، علقمہ ابن قیس کے بھتیجے ہیں، ابراہیم نخعی کے ماموں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، دیدار نہ کر سکے، خلفائے راشدین کے ساتھیوں میں سے ہیں، ۸۰ حج و عمرے کئے، تاوفات ہمیشہ روزہ دار رہے اور دو شب میں ایک ختم قرآن کرتے تھے، ۸۴ھ میں وصال ہوا۔ (مرقاۃ و اشعہ)

۲ آپ نخعی تابعی کوئی ہیں، ۶۵ھ میں وفات پائی، حضرت عائشہ صدیقہ و ابن مسعود وغیرہم صحابہ کی زیارت کی۔

اور علقمہ اسود کی ایک روایت میں حضرت عائشہ سے اسی طرح ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ اسی میں نماز پڑھ لیتے!

۱ اس حدیث سے امام شافعی فرماتے ہیں کہ منی پاک ہے کیونکہ یہ انسان کا مادہ پیدائش ہے، کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسی پاک چیز ناپاک سے پیدا ہو، ہمارے امام صاحب کے نزدیک منی نجس ہے، ورنہ اس کے نکلنے سے غسل واجب نہ ہوتا، ہاں آسانی کے لئے خنک منی کا مل کر جھاڑ دینا کافی ہے، جیسے کہ کھلیان کا گندم جس پر نیل پیشاب پاخانہ کرتے ہیں تقسیم سے پاک ہو جاتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ گوبر اور پیشاب پاک ہو۔ یہ بھی ضعیف ہے کہ پاک انسان ناپاک منی سے کیسے بنا، ماں کا دودھ جو انسان کی پہلی غذا ہے حیض کے خون سے بنتا ہے، بلکہ خود منی خون سے بنی ہے تو کیا خون کو بھی پاک کہو گے۔ یہ تو خدا کی شان ہے کہ ناپاک کو پاک سے اور پاک کو ناپاک سے بناتا ہے۔ چنانچہ دارقطنی نے حضرت عمار ابن یاسر سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا اے عمار پانچ چیزوں سے کپڑا دھوؤ: پیشاب، پاخانہ، قے، خون، اور منی۔ وہ جو حدیث ابن عباس مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منی تھوک و ریٹ کی طرح ہے جس کا کپڑا یا گھاس سے پونچھ دینا کافی ہے۔ اولاً تو وہ حدیث صحیح نہیں اگر صحیح مان لی جائے تو ان احادیث سے مرجوح یا منسوخ ہے کیونکہ اگر اباحت و حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔ (فتح القدر و مرقاۃ و اشعہ)

روایت ہے ام قیس بنت محسن سے ۱ کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو جو کھانا نہ کھاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں حضور نے اسے اپنی گود میں بٹھالیا اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا حضور نے پانی منگایا اس پر پانی بہا دیا خوب نہ دھویا ۲ (مسلم، بخاری)

۱ آپ حضرت عکاشہ ابن محسن کی بہن ہیں، قبیلہ بنی اسد سے ہیں، مکہ معظمہ میں اسلام لائیں، پھر ہجرت کی۔

۲۔ اس حدیث کی بناء پر بعض لوگوں نے کہا کہ شیر خوار لڑکے کا پیشاب پاک ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ناپاک تو ہے لیکن صرف پانی کے چھینٹے سے پاک ہو جاتا ہے، دھونے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے امام صاحب کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے، دھونا فرض۔ یہاں نَضْح کے معنی پانی بہانا ہے نہ کہ چھینٹا دینا اور لَمْ یَغْسِلْ کے معنی ہیں بہت مبالغہ سے نہ دھویا کیونکہ ایسے لڑکے کا پیشاب پتلا اور کم بدبودار ہوتا ہے، ورنہ یہی نَضْح حضرت اسماء کی حدیث میں حیض کے خون کے بارے میں آچکا ہے اگر یہاں اس لفظ سے شیر خوار لڑکے کا پیشاب پاک مانا جائے یا وہاں چھینٹا مانا جائے تو حیض کا خون بھی پاک ماننا پڑے گا اور وہاں چھینٹا کافی ماننا پڑے گا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب کھال پکالی جائے تو پاک ہو جاتی ہے (مسلم)

۱۔ یعنی مردار کی کھال دھوپ میں خشک کر لی جائے یا نمک یا کیکر کی چھال چھڑک کر سکھالی جائے تو پاک ہو جائے گی۔ انسان اور سور کے سوا تمام کھالوں کا حکم یہی ہے کھال کے دھونے کی ضرورت نہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ حضرت میمونہ کی لونڈی کو بکری صدقہ دی گئی وہ مر گئی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر گزرے تو فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتار لی تم اسے پکالیتے اور نفع اٹھاتے لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو مردار ہے فرمایا کہ اس کا کھانا صرف حرام ہے (مسلم، بخاری)

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردار جانور کی کھال پکنے سے پاک ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ مردار کے بال، سوکھی ہڈیاں، پٹھے پاک ہیں۔ سوا کھانے کے اور کام میں لائے جاسکتے ہیں۔ دیکھو ہاتھی کا دانت اور مری بھینسوں کے سینگ وغیرہ کی کنگھیاں اور کنگن بنائے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہرا کو ہاتھی کے دانت کے کنگن پہنائے۔

روایت ہے سودہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے فرماتی ہیں کہ ہماری بکری مر گئی ہم نے اس کا چمڑا پکالیا پھر ہم اس میں نبیذ بناتے رہے حتیٰ کہ وہ پرانی مشک بن گئی (بخاری)

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردار کی کھال اگر پختہ طور پر پکالی جائے تو بھیک کر بھی ناپاک نہ ہوگی، ہاں اگر صرف دھوپ سے پکائی گئی ہے تو بھیک کر بدبو بھی دے گی اور ناپاک بھی ہو جائے گی۔

الفصل الثانی  
دوسری فصل

روایت ہے حضرت لبابہ بنت حارث سے فرماتی ہیں کہ حضرت حسین ابن علی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے کہ آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا ۲ میں نے عرض کیا کہ اور کپڑا پہن لیجئے اپنا

تہ بند مجھے دے دیجئے کہ دھوؤں فرمایا لڑکی کے پیشاب کو خوب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب سے پانی بہادیا جاتا ہے ۳ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱۔ آپ کی کنیت ام فضل ہے، قبیلہ بنی عامر سے ہیں، حضرت میمونہ کی ہم شیرہ اور سیدنا عباس کی زوجہ ہیں، حضرت عباس کی اکثر اولاد آپ سے ہی ہے، بی بی خدیجہ کے بعد سب سے پہلے عورتوں میں آپ اسلام لائیں، عبد اللہ بن عباس اور فضل ابن عباس جیسے اسلام کے شہزادوں کی ماں ہیں۔  
۲۔ عشاق کہتے ہیں کہ نانا کی گود میں پیشاب کرنا سنت حسین ہے اور نواسے سے اپنے کپڑوں پر پیشاب کرنا سنت رسول اللہ ہے۔ سنا گیا ہے کہ حضرت مجدد سر ہندی رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد میرے ایک نواسہ (یعنی بیٹی کا لڑکا) ہوگا اس بچے سے میری قبر پر پیشاب کر دیا جائے پھر قبر دھو دی جائے کیونکہ ساری سنتوں پر میں نے عمل کیا، نواسے سے پیشاب کر لینے کی سنت ادا نہیں ہو سکی، یہ سنت میری قبر پر ادا کرائی جائے۔ سبحان اللہ! فتویٰ عشق کچھ اور ہی ہے۔

۳۔ کیونکہ شیر خوار بچی کا پیشاب بچے کے پیشاب سے زیادہ بدبودار ہوتا ہے، نیز کپڑے پر پھیلتا زیادہ ہے اس لئے معمولی پانی سے دھلتا نہیں، لڑکے کا پیشاب اس کے برعکس ہے۔ یہ حدیث امام اعظم کی خلاف نہیں۔

اور ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ابی سمح سے ہے فرماتے ہیں کہ لڑکی کے پیشاب سے دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر چھینٹا دیا جاتا ہے!

۱۔ یرش حضرت ابو سمح کا اپنا قول ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان، وہ اپنے خیال میں ینضح کے معنی کر رہے ہیں۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں نضح کے معنی پانی بہانا ہے نہ کہ چھینٹا مارنا۔ خیال رہے کہ ابو سمح کا نام ایاد ہے اور آپ حضور کے آزاد کردہ غلام و خادم ہیں، بعض علماء نے فرمایا کہ چھوٹے لڑکوں کو عموماً والد اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور مجلس میں لے جاتے ہیں اس لئے ان کے پیشاب دھونے میں آسانی کی گئی، لڑکیاں اکثر ماں کی گود ہی میں رہتی ہیں، اس لئے اس کی نرمی کی ضرورت نہ تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے جوتے سے پلیدی کو روندے تو مٹی اس کے لیے پاکی ہے ۱ (ابوداؤد) اور ابن ماجہ کی روایت میں اس کے معنی ہیں۔

۱۔ یہاں نجاست سے سوکھی ناپاکی مراد ہے یعنی اگر جوتے یا چمڑے کے موزے سے سوکھی ناپاکی لگ جائے تو آئندہ چلنے کی وجہ سے وہ الگ ہو جائے گی، نیز اگر گیلی ناپاکی بھی جوتے وغیرہ میں لگ کر سوکھ جائے وہ بھی زمین سے رگڑ کھا کر پاک ہو جاتی ہے مگر تر ناپاکی جب تک کہ تر رہے رگڑ سے پاک نہیں ہو سکتی، نیز غیرول والی نجاست جیسے پیشاب یا شراب اگر جوتے یا موزے میں لگ کر سوکھ جائے تو بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگا، یہ حدیث مجمل ہے اس کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم کرو۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ ان سے کسی عورت نے کہا میرا دامن لمبا ہے اور میں گندی جگہ میں چلتی ہوں

آپ بولیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسے بعد والی زمین پاک کر دے گی ۱ (مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی) ان دونوں نے کہا کہ وہ عورت ابراہیم ابن عبدالرحمان بن عوف کی ام ولد تھیں ۲

۱۔ یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ ابراہیم کی ام ولد مجہول ہیں۔ علماء امت کا اس پر اجماع ہے کہ ناپاک کپڑا بغیر دھوئے پاک نہیں ہو سکتا۔ چونکہ یہ حدیث صحت کو پہنچتی ہی نہیں، نیز اجماع امت بھی اس کے خلاف ہے۔ لہذا احادیث میں تاویل کی ضرورت نہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں سوکھی ناپاک مراد ہو یعنی اگر کپڑے سے سوکھا گوہر وغیرہ لگ گیا تو آگے جا کر جدا ہو جائے گا کپڑا پاک ہو جائے گا۔

۲۔ ان کا نام حُمَيْدَةُ تھا ان کے حالات زندگی کا پتہ نہیں ملا۔

روایت ہے حضرت مقدم ابن معدیکرب سے ۱ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھال پہننے اور اس پر سوار ہونے سے منع فرمایا ۲ (ابو داؤد، نسائی)

۱۔ مشہور صحابی ہیں، اہل شام سے ہیں، قبیلہ بنی کنذہ سے ہیں، شامیوں کا وفد اسلام لانے کے لئے جو حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اس میں آپ بھی تھے، تمص میں قیام رہا، ۸۷ھ میں شام میں وفات پائی۔  
۲۔ اس لئے نہیں کہ وہ نجس ہیں بلکہ اس لئے کہ اس سے تکبر و غرور پیدا ہوتا ہے اور یہ ممانعت تزیہی ہے۔ درندوں کی کھال پر سوار ہونا، بیٹھنا، ان کی پوستین پہننا وغیرہ سب مکروہ و تقویٰ کے خلاف ہے۔

روایت ہے حضرت ابی الملیح ابن اسامہ سے وہ اپنے والد سے ۱ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ حضور نے درندوں کی کھالوں سے منع فرمایا ۲ (احمد، ابوداؤد، نسائی) اور ترمذی اور دارمی نے یہ بڑھایا یہ کہ بچھایا جائے۔

۱۔ آپ کا نام عامر ابن اسامہ ابن عمیر ہے، حُزلی ہیں، جلیل الشان تابعی ہیں، آپ کے والد اسامہ صحابی ہیں۔

۲۔ اس کی شرح پہلی حدیث میں گزر چکی، یعنی ان پر بیٹھنے، سوار ہونے، پہننے سے منع فرمایا اور ممانعت تزیہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابی الملیح سے کہ انہوں نے درندوں کے چمڑوں کی قیمت کو ناپسند جانا ۱ (ترمذی)

۱۔ پکانے سے پہلے، کیونکہ وہ نجس ہے اس کی بیع جائز نہیں یا پکانے کے بعد بھی۔ اس صورت میں یہ ابوالملیح کا اپنا مذہب ہے۔ تمام آئمہ کے نزدیک جائز ہے۔ یہ روایت ترمذی کی ہے مگر مصنف کو نہ ملی اس لیے انہوں نے یہاں سفیدی چھوڑ دی ہے۔

اور روایت ہے عبداللہ ابن کلیم سے ۱ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آیا کہ تم نہ مردار کی کھال سے نفع اٹھاؤ نہ پٹھے سے ۲



۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۱۔ آپ تابعین میں سے ہیں کہ حضور کا زمانہ پایامگر ملاقات نہ کر سکے، قبیلہ بنی بلہ سے ہیں یا جمنیہ سے، حضرت عمر فاروق، ابن مسعود، حضرت حذیفہ سے ملاقات ہے، کوفہ میں قیام رہا۔  
۲۔ کچی کھال کو اہاب کہتے ہیں اور پکی کو جلد۔ مردار کی کچی کھال بھی نجس ہے اور پٹھا بھی کہ نہ اس سے نفع لینا جائز نہ اس کی تجارت حلال۔ پکانے اور خشک کرنے کے بعد سب کچھ جائز ہے کہ مردار کا سینگ، ناخن وغیرہ جن میں زندگی کا اثر نہیں ہوتا اور جن کے کاٹنے سے اسے تکلیف بھی نہیں ہوتی ان سے نفع اٹھانا مطلقاً جائز ہے، یہی تمام آئمہ کا مذہب ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار کی کھالوں سے نفع حاصل کرنے کا حکم دیا جب پکالی جائیں۔ (مالک، ابوداؤد)

۱۔ یہ حکم اباحت اور اجازت کا ہے نہ کہ وجوب کا۔ مردار سے مراد خنزیر اور انسان کے سوا باقی حیوانات ہیں۔ خیال رہے کہ مردار کی کھال تو پک کر پاک ہوتی ہے، لیکن ذبح شدہ جانور کی کچی کھال بھی پاک ہے، جانور حلال ہو یا حرام حدیث بالکل صحیح ہے۔

روایت ہے حضرت میمونہ سے فرماتی ہیں کہ قریش کے کچھ لوگ حضور پر گزرے جو اپنی مری بکری کو گدھے کی طرح بھینچ رہے تھے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اس کی کھال لے لی ہوتی وہ بولے کہ یہ تو مردار ہے ۱۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے پانی اور ببول کے پتے پاک کر دیتے ہیں ۲۔ (احمد و ابوداؤد)

۱۔ انکا یہ خیال تھا کہ قرآن پاک کا فرمان "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ" مراد کی ہر چیز کو شامل ہے کہ نہ اس کا کھانا جائز اور نہ اس کی کسی چیز کا استعمال کسی طرح حلال، اس خیال پر وہ اسے پھینکنے کے لئے جارہے تھے۔ معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کی سمجھ ناممکن ہے۔

۲۔ خیال رہے کہ کھال کی پاکی کے لئے دھونا فرض نہیں لہذا یہاں پانی سے مراد کچی دباغت ہے یعنی دھو کر سکھا لینا، اور ببول کی پتے اور چھال سے مراد پکی دباغت ہے، اور ہو سکتا ہے کہ پانی سے مراد دھونا ہی ہو، اور حکم استحبابی ہو یعنی کھال دھو کر پکانا بہت بہتر ہے۔

روایت ہے حضرت سلمہ ابن محبت سے ۱۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک میں ۲۔ ایک کے گھر تشریف لے گئے وہاں مشک لٹکی ہوئی تھی آپ نے پانی مانگا وہ بولے یا رسول اللہ یہ مردار کی کھال ہے فرمایا اس کا پکالینا اس کی پاکی ہے ۳۔ (احمد و ابوداؤد)

۱۔ آپ صحابی ہیں، شام کے رہنے والے۔ بعض لوگوں نے محبت کی ب کو زیر پڑھا ہے مگر صحیح فتح ہے۔ آپ سے خواجہ حسن بصری وغیرہ نے روایت لی ہیں۔

۲۔ تبوک مدینہ منورہ اور شام کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، غزوة تبوک ۹ھ میں ہوا یہ حضور کا آخری باقاعدہ غزوه ہے۔  
۳۔ ان لوگوں نے اپنے خیال میں اس مشک کو ناپاک خیال کیا ہوا تھا اور اس کا پانی پیتے نہ تھے بلکہ گارے وغیرہ میں استعمال کرتے تھے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ پکنے سے پاک ہو چکی ہے اس کا پانی پینا جائز ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے بنی عبدالاششل کی ایک بی بی صاحبہ سے ۱۔ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا مسجد کا راستہ غلیظ ہے جب بارش ہو تو ہم کیا کریں ۲۔ فرمایا کیا اس کے بعد اس سے اچھا راستہ نہیں ہے میں بولی ہاں فرمایا تو وہ اس کے بدلے میں ہے ۳۔ (ابوداؤد)	
---	--

۱۔ ان بی بی صاحبہ کا نام نہ معلوم ہو سکا نہ حالات زندگی مگر چونکہ صحابیہ ہیں لہذا یہ بے علمی مضر نہیں کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں، رب فرماتا ہے:

":وَكَلَّا وَعَدَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ"

۲۔ یعنی خشک زمانہ میں وہاں گزرنا بھی آسان اور اس کی گندگی جو توتوں کو لگتی بھی نہیں مگر بارش میں گندگیاں جو توتوں کو لگ جاتی ہیں اس صورت میں جوتے ناپاک ہوں گے یا پاک۔

۳۔ اس کا مطلب پہلے بیان ہو چکا کہ اگر جسم والی ترنجاستیں جوتے یا چڑے کے موزے کو لگ جائیں تو وہ خشک مٹی سے رگڑ کر پاک ہو جاتے ہیں وہی یہاں مراد ہے۔ پیشاب، تیلی نجاستیں بغیر دھلے پاک نہیں ہو سکتیں، نیز کرتے کے دامن یا پانجامہ بغیر دھلے پاک نہ ہوں گے۔ لہذا یہ حدیث واضح ہے فقہی مسئلہ اس کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ننگے پاؤں چلنے سے وضو نہ کرتے تھے ۱۔ (ترمذی)	
--	--

۱۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ پاؤں ہی نہ دھوتے تھے، کیونکہ اس میں نجاست نہ لگی ہوتی تھی۔ صرف ننگے پاؤں چلنا اور اس میں گرد و غبار لگ جانا اسے نجس نہیں کر دیتا۔ دوسرے یہ کہ اگر پاؤں نجس بھی ہو جاتے تو صرف پاؤں دھولیتے تھے وضو نہ کرتے تھے کیونکہ وضو حدث سے ٹوٹتا ہے نہ کہ کسی عضو میں ظاہری گندگی لگ جانے سے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے لیکن صحابہ اس کی وجہ سے مسجد نہ دھوتے تھے ۱۔ (بخاری)	
---	--

۱۔ اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ کتے کا جسم سوکھا ہو یا گیلا نجس نہیں اور اس کے مسجد میں آجانے کی وجہ سے زمین گندی نہ ہوگی، ہاں کتے کا لعاب ناپاک ہے یا کتنا نجاست میں بھیگا ہو تب اس کا جسم ناپاک۔ خیال رہے کہ اس حدیث میں اسلام کے ابتدائی حالات کا ذکر ہے۔ جب مسجد نبوی میں نہ دروازہ تھا نہ کوئی آڑ اور نہ مسجد کے احترام کے اتنے سخت احکام تھے، پھر بعد میں مسجد میں دروازے بھی لگائے گئے، کتنا تو کیا وہاں نہ سمجھ بچوں کا لانا، نجس کپڑے پہن کر آنا حتیٰ کہ جس کے بدن سے بو آ رہی ہو، یا جس نے کچا پیاز اور لہسن کھایا ہو، یا منہ میں بدبو ہو ان کا داخلہ تک منع کر دیا گیا، جیسا کہ "باب المساجد" میں اس قسم کی بہت سی احادیث آئیں گی۔ لہذا اس حدیث کو دیکھ کر اب مسجدوں کو بے آڑ رکھنا یا وہاں ہر گندے اور ناپاک کو آنے دینا درست نہیں، ہاں حکم یہی ہے کہ اگر اتفاقاً مسجد میں کتا گھس جائے جس کے جسم پر تر ناپاکی نہ ہو تو اسکو دھونا واجب نہیں۔

روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں جس کا گوشت کھایا جائے۔

اور جابر کی روایت میں ہے کہ جس کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب سے کوئی حرج نہیں!

۱۔ یعنی حلال چرندوں کا پیشاب پاک ہے۔ اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے حلال جانوروں کے پیشاب کو پاک مانا مگر ہمارے امام صاحب کے ہاں ناپاک ہے، انکی دلیل وہ حدیث ہے جو باب "عذاب قبر" میں گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیشاب کی چھینٹوں سے بچو کہ عموماً عذاب قبر اس سے ہوتا ہے۔ اور جسکی قبر پر کھجور کی تر شاخ گاڑھی تھی اس کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ اونٹوں کا چرواہا تھا۔ اس میں حرج سے مراد سخت حرج ہے یعنی جیسے حرام جانوروں کا پیشاب نجاست غلیظہ ہوتا ہے کہ ایک درہم کی بقدر لگنے سے کپڑا نجس ہو جاتا ہے، ایسا حلال جانوروں کا پیشاب نہیں بلکہ وہ نجاست خفیفہ ہے کہ چہارم کپڑا آلود ہو تو ناپاک ہوگا۔ لہذا یہ حدیث امام صاحب کے خلاف نہیں۔ عربینہ والوں کی حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹوں کا پیشاب کی اجازت دی، اس کی تحقیق اسی حدیث کے ماتحت کی جائے گی۔ ان شاء اللہ یہاں صرف اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ سخت ضرورت کے موقع پر دواء حرام چیز کا استعمال جائز ہے۔

## باب المسح علی الخفین

### موزوں پر مسح کرنے کا باب

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ چونکہ وضو مکمل ہے اور مسح جز، نیز موزے کا مسح پاؤں دھونے کا نائب ہے اس لیے اس باب کو وضو کے بعد لائے۔ خیال رہے کہ مسح موزے پر ہوتا ہے نہ کہ موزے میں، نیز چڑے کے موزے پر مسح ہوگا نہ کہ باریک کپڑے یا سوت کے اس لیے مصنف نے علی اور حُفَیْن ارشاد فرمایا۔ خیال رہے کہ موزے کا مسح اشارۃً قرآن شریف سے اور صراحۃً بے شمار احادیث سے ثابت ہے، لہذا اس کا انکار گمراہی ہے۔ حضرت انس سے پوچھا گیا کہ اہل سنت کی علامت کیا ہے، فرمایا "تَقْضِيْلُ الشَّيْخَيْنِ وَحُبُّ الْخَتَمَيْنِ وَالْمَسْحُ عَلَى الْحُقْفَيْنِ"۔ خواجہ حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ سے ملاقات کی سب موزوں پر مسح کے قائل تھے۔ امام کرخی فرماتے ہیں کہ مسح کے منکر کے کفر کا اندیشہ ہے کیونکہ موزے کا مسح متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ خیال رہے کہ ابن عباس و عائشہ صدیقہ نے اولاً اس مسح کا انکار کیا تھا، پھر تمام صحابہ کی موافقت فرمائی، حضرت عائشہ صدیقہ بھی مسح کی قائل ہیں۔ وہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ فرماتی ہیں میرا پاؤں کٹ جائے تو اچھا موزے پر مسح کرنے سے، یہ محض غلط اور بناوٹی ہے۔

روایت ہے حضرت شریح ابن ہانی سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی ابن ابی طالب سے موزوں پر مسح کے متعلق پوچھا فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لیے تین دن رات اور مقیم کے لیے ایک دن رات مقرر فرمائی (مسلم)

۱۔ آپ تابعی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں پیدا ہو چکے تھے، آپ کے والد ہانی صحابی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی کنیت ابو شریح رکھی، حضرت علی مرتضیٰ کے مخصوص ساتھیوں میں سے ہیں۔

۲۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ کا سوال مدت مسح کے متعلق تھا نہ کہ طریقہ مسح یا دلائل مسح کے متعلق، جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔

۳۔ یعنی مسافر بحالت سفر ایک بار موزے پہن کر مسلسل تین دن و رات مسح کر سکتا ہے۔ اور مقیم ایک دن و رات۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں کہ علی مرتضیٰ نے اس مدت کی تعیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی۔ دوسرے یہ کہ مدتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو اول سے آخر تک ایک حال پر رہیں، یعنی مثلاً پہننے وقت بھی مقیم ہوں اور آخر تک مقیم رہیں۔ اگر پہننے وقت تو مقیم تھا مگر مدت ختم ہونے سے پہلے مسافر ہو گیا تو اب مسافر کی مدت پوری کرے گا۔ یوں ہی مسافر اگر مقیم ہو جائے تو مقیم کی مدت پوری کرے۔ تیسرے یہ کہ مسح کی مدت حدث کے وقت سے شروع ہوگی کہ نہ پہننے کے وقت سے، نہ مسح کے وقت سے۔ چوتھے یہ کہ شرعاً مسافر وہ ہے جو تین دن کی راہ کا سفر کرے اس سے کم سفر سے مسافر نہ ہوگا۔ ورنہ ایک دن مسافت کا مسافر اس حدیث پر عمل نہیں کر سکتا، حالانکہ حدیث ہر مسافر کو عام ہے۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوة تبوک میں شرکت کی مغیرہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن فجر سے پہلے پاخانے گئے میں آپ کے ساتھ ایک برتن لے گیا جب واپس آئے تو آپ کے ہاتھ شریف پر برتن سے پانی ڈالنے لگا آپ نے اپنا ہاتھ اور منہ دھویا آپ پر اونی جبہ تھا آپ کسنیوں سے چڑھانے لگے لیکن جبے کی آستین تنگ تھی ۳۔ تو آپ نے اپنے ہاتھ شریف جبے کے نیچے سے نکالے اور

جب اپنے کندھوں پر ڈال لیا ۴ کمینوں تک ہاتھ دھوئے، پھر پیشانی اور پگڑی پر مسح کیا۔ پھر میں نے آپ کے موزے اتارنے کا ارادہ کیا فرمایا انہیں رہنے دو کیونکہ میں نے انہیں پائی پر پہنا ہے۔ پھر ان پر مسح فرمایا، پھر آپ سوار ہوئے اور میں بھی ہم قوم تک پہنچے جو نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے انہیں عبدالرحمان ابن عوف نماز پڑھا رہے تھے ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔ جب انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک رکعت پائی جب انہوں نے سلام پھیرا تو حضور انور کھڑے ہو گئے میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا جو رکعت رہ گئی تھی ہم نے پڑھ لی ۹ (مسلم)

۱۔ تاکہ حضور پانی سے استنجاء اور وضو کریں۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خدمت کے لیے حاضر رہنا اور بغیر حکم کے تیاری خدمت کرنا سنت صحابہ ہے اور نماز کی تیاری وقت نماز سے پہلے سنت ہے۔

۲۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ وضو میں دوسرے سے مدد لینا سنت سے ثابت ہے۔ دوسرے یہ کہ بزرگوں کو اس طرح وضو کرانا کہ لوٹا خادم کے ہاتھ میں ہو سنت صحابہ ہے۔ خیال رہے کہ یہاں کلی اور ناک میں پانی کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ دونوں چہرے میں داخل ہیں۔

۳۔ پشینہ اور انکے لباس پہننا جو کہ صوفیائے کرام کا طریقہ ہے، اسی لئے انہیں صوفی کہا جاتا ہے (صوف والے)۔ اس کا ماخذ یہ حدیث ہے حضور کی آستین خوب کشادہ ہوتی تھیں یہ ننگ آستینوں والا جبہ کسی جہاد میں غنیمتاً آیا ہوگا۔ یہاں مراقا نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کفار کے بنائے ہوئے کپڑے اور دوسرے ملک کی وضع کا لباس پہننا جائز ہے، ان کپڑوں پر خواجخواہ ناپاک ہونے کا وہم نہ کرو۔ حضرت عمر فاروق نے کھدک کے حلے پہننے سے ممانعت فرمائی اور فرمایا سنا گیا ہے کہ وہ لوگ کپڑے پیشاب سے دھوتے ہیں، ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ عہد نبوی میں یہ جوڑے ہم نے بھی پہنے ہیں اور حضور نے بھی تب آپ نے اپنا حکم واپس لیا۔ دوسری قوم کا لباس پہننا جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ کفار یا فساق کی علامت نہ ہو۔

۴۔ نیچے قمیض اور تہبند بھی تھا، ورنہ بے پردگی ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیک وقت کرتہ واسکٹ اچکن وغیرہ چند کپڑے پہننا جائز ہے۔ ۵۔ پیشانی سے مراد سر کا اگلا چوتھائی حصہ ہے کہ یہ عموماً پیشانی کی بقدر ہی ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ حضور ہمیشہ پورے سر کا مسح ہی کرتے تھے۔ چہارم سر کا مسح اس حدیث سے ثابت ہے یہ فرض اور وہ سنت۔ سرکار نے عمامہ پر مسح نہیں کیا تھا، بلکہ اسے پکڑا تھا تاکہ گر نہ جائے، حضرت مغیرہ اسے مسح سمجھے۔ لہذا یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے خلاف نہیں کہ آپ نے فرمایا عمامہ پر مسح جائز نہیں۔ جب تک کہ سر پر ہاتھ نہ پھیرا۔ (مراقا)

۶ یعنی پہلے وضو کر لیا، پھر موزے پہنے ہیں۔ خیال رہے کہ اگر کوئی شخص پہلے پاؤں دھو کر موزے پہن لے پھر وضو کے باقی اعضاء دھوئے تب بھی جائز ہے۔ اس حدیث سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ فرمایا موزے پہنتے وقت میرا پاؤں پاک تھے۔ یہ نہ فرمایا کہ میں با وضو تھا۔

۷ یہ اس لئے ہوا کہ جماعت صحابہ کو خیال گزرا کہ حضور نے اور جگہ نماز پڑھ لی ہوگی کیونکہ سرکار ان سے دور تھے اور حالت سفر کی تھی، ورنہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نماز نہ پڑھتے تھے اگرچہ وقت تنگ ہوتا، جیسا کہ بہت سی روایات میں ہے۔

۸ کہ پیچھے نہ ہٹو نماز پڑھاتے رہو۔ اس سے چند مسائل معلوم ہوئے: ایک یہ کہ صحابہ کرام عین نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آہٹ کا خیال رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ صحابہ نماز میں حضور کا ادب کرتے تھے جس سے ان کی نماز ناقص نہ ہوتی، بلکہ کامل تر ہو جاتی تھی۔ تیسرے یہ کہ اگر عین جماعت نماز کی حالت میں حضور تشریف لے آئیں تو موجودہ امام کی امامت منسوخ ہو گئی اور اس وقت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام ہوں گے ورنہ حضرت عبدالرحمان پیچھے ہٹنے کی کوشش نہ کرتے۔ چوتھے یہ کہ اس امام کو اگر حضور امامت کا حکم دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہو کر امامت کرے گا۔ پانچویں یہ کہ افضل کی نماز مفضول کے پیچھے جائز ہے۔ خیال رہے کہ حضور نے صرف یہ ایک رکعت دوسرے کے پیچھے پڑھی ہے باقی تمام نمازیں پڑھائی ہیں کسی کے پیچھے پڑھی نہیں، ایسا ہی واقعہ صدیق اکبر کو بھی پیش آیا تھا حضور نے انہیں اقامت پر قائم رہنے کا اشارہ کیا تھا مگر صدیق اکبر نہ مانے اور مقتدی بن گئے وہ صدیق اکبر کا ادب تھا اور یہ حضرت عبدالرحمان کی فرمانبرداری، دونوں اللہ کے پیارے ہیں مگر صدیق صدیق ہی ہیں۔

۹ اس سے معلوم ہوا کہ مسبوق اپنی باقیماندہ رکعت ادا کرنے کے لئے امام کے دو طرفہ سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہوا جیسا کہ "فَلَمَّا سَلِمَ" سے معلوم ہوا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو بکر سے ۱ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے مسافر کو تین دن و رات کو اور مقيم کو ایک دن و رات تک موزوں پر مسح کی اجازت دی جب کہ پاک ہو کر پہنے ہوں ۲۔ اثرم نے اپنی سنن میں اور ابن خزیمہ اور دار قطنی نے۔ اور خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے یوں ہی منتقی میں ہے ۳۔

۱۔ آپ کا نام شریف نفع ہے، ثقفی ہیں، مشہور صحابی ہیں، غزوہ طائف میں ایمان لائے، آخر عمر شریف میں بصرہ میں قیام رہا، ۳۹ھ میں وہیں وفات پائی۔

۲۔ اس کی پوری شرح اور اس سے مسائل کا استنباط پہلے گزر چکا۔ عام علماء کا یہی قول ہے کہ مسافر تین دن سے زیادہ اور مقيم ایک دن سے زیادہ مسح نہیں کر سکتے۔ ہاں حنفیوں کے نزدیک یہ مدت حدیث کی وقت سے شروع ہوگی۔

۳۔ منتقی ابن تیمیہ حنبلی کی کتاب ہے۔ (مرقاۃ) شیخ فرماتے ہیں کہ یہ خطابی کی تصنیف ہے۔

روایت ہے حضرت صفوان ابن عسال سے فرماتے ہیں کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم سفر میں ہوں تو تین دن رات موزے نہ اتاریں ۲ مگر جنابت سے لیکن پاخانہ پیشاب اور نیند سے (موزے نہ اتاریں) ۳ (ترمذی، نسائی)

۱۔ مشہور صحابی ہیں، قبیلہ بنی مراد سے ہیں، کوفہ میں قیام رہا، حضور کے ساتھ بارہ غزوں میں شریک رہے۔

۲۔ یہ حکم اجازت کا ہے نہ کہ وجوبی، کیونکہ مسافر کو تین دن تک مسح کرنا جائز ہے۔

۳۔ یعنی حدث اصغر میں موزوں کا مسح درست اور حدث اکبر میں ناجائز، غسل میں پاؤں دھونا ہی فرض ہیں۔ اس عبارت میں عجیب لطف ہے کہ اِلَّا نے نفی توڑ کر ثبوت کیا، پھر لکن نے اِلَّا کا ثبوت توڑ کر نفی پیدا کی، اس پر نحو یوں نے معرکہ آرا بحثیں کی ہیں۔

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا تو آپ نے موزے کے اوپر نیچے مسح فرمایا ۱ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث معلول ہے اور میں نے ابوزرعہ اور محمد یعنی امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو ان بزرگوں نے فرمایا کہ صحیح نہیں یوں ہی ابوداؤد نے اسے ضعیف فرمایا ۲

۱۔ یہ حدیث ضعیف ہے، اور ان احادیث کے خلاف ہے جن میں صرف اوپر کے مسح کا ذکر ہے، لہذا لائق عمل نہیں، مسح صرف موزے کے اوپر ہوگا نہ کہ نیچے، جیسا کہ اگلی احادیث میں آ رہا ہے۔ یہی ہمارے امام صاحب کا مذہب ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تلوہ دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا ہو اور دانے ہاتھ سے اوپر مسح کیا ہو دیکھنے والے سمجھے کہ آپ نیچے بھی مسح کر رہے ہیں۔

۲۔ اس حدیث کے ضعف کی دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ اس کی اسناد حضرت مغیرہ تک متصل نہیں، بلکہ اس کے راوی وراذ ہیں، یعنی حضرت مغیرہ کے غلام۔ دوسرے یہ کہ اس کی اسناد میں ثور ابن یزید، رجا بن حیوہ جیسے راوی ہیں، اور ثور کی ملاقات رجا سے ثابت نہیں، نیز یہ حدیث حضرت مغیرہ کی اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں فقط اوپر کا ذکر ہے، لہذا حدیث میں اضطراب بھی ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے ۱ (ترمذی، ابوداؤد)

۱۔ یہ حدیث صحیح بھی ہے اور متصل بھی اس میں صرف ظاہر موزہ کا ذکر ہے نیچے کا نہیں، یہی ہمارے امام صاحب کا قول ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جرابوں اور پاتا بولوں پر مسح کیا ۱ (احمد ترمذی ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱۔ اونی یا سوتی موزوں کو جراب کہا جاتا ہے۔ ان پر مسح تین صورتوں میں جائز ہے: ایک یہ کہ بہت موٹے ہوں کہ بغیر باندھے پندلی پر ٹھہر جائیں، چلنے پھرنے سے ڈھلک نہ جائیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے صرف تلے میں چڑا سلا ہو جسے منقل کہتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس کے ظاہری قدم پر

بھی چڑاسلا ہو جسے مجلد کہتے ہیں۔ یہاں پہلی صورت کی جرابیں مراد ہیں یعنی موٹی نعلین سوتی پاتا بے کسلاتے ہیں جو جرابوں پر ان کی حفاظت کے لیے پہنے جاتے ہیں۔ اگر یہ باریک ہوں کہ مسح کی تری جراب تک پہنچ جائے تو ان پر مسح جائز ہے ورنہ نہیں۔

الفصل الثالث  
تیسری فصل

روایت ہے حضرت مغیرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے فرمایا بلکہ تم بھول گئے مجھے میرے رب عزوجل نے اسی کا حکم دیا۔ (احمد، ابوداؤد)

۱۔ چونکہ حضرت مغیرہ نے اس سے پہلے موزوں کا مسح نہ دیکھا تھا، اس لیے یہ سوال کیا اور بزرگوں کی طرف بھول کی نسبت کرنا خود اپنی غلطی اور بھول ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم طریقہ ادب بھول گئے۔ اس حدیث کے آخری جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ موزوں پر مسح قرآن شریف سے بھی ثابت ہے، کیونکہ "وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ" میں ایک قرات اَرْجُلْ کے لام کے کسرہ سے بھی ہے اور عام قرات فتح سے۔ مطلب یہ ہوا کہ موزے پہنے ہوں تو مسح کرو، نہ پہنے ہوں تو دھولو۔ اور ممکن ہے کہ یہاں اللہ کا حکم سے مراد وحی خفی ہو۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں اگر دین رائے سے ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح کرنا اوپر مسح کرنے سے بہتر ہوتا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے۔ (ابوداؤد) دارمی نے اس کے معنی کی روایت کی۔

۱۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ موزوں کے صرف ظاہر پر مسح ہوگا نہ کہ تلے پر جیسا کہ ہمارے امام صاحب کا قول ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر عقل حکم شرع کے خلاف ہو تو عقل مردود ہے، اور حکم شرع مقبول۔ دیکھو حضرت علی کی عقل کہتی تھی کہ موزے کے نیچے مسح ہونا چاہیے کیونکہ زمین سے وہی حصہ لگتا ہے اور گندگی سے وہی قریب رہتا ہے مگر حکم شرع کے مقابل آپ نے اپنی رائے چھوڑ دی۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ اگر دین رائے سے ہوتا تو میں پیشاب سے غسل واجب کرتا اور منی سے وضو کیونکہ پیشاب بالاتفاق نجس ہے اور منی بعض علماء کے ہاں پاک بھی ہے۔ اور میں لڑکی کو لڑکے سے دگنی میراث دیتا کیوں کہ لڑکی کمزور ہے۔ (مرقاۃ)

## باب التیمم

### تیمم کا باب

الفصل الاول



## پہلی فصل

۱۔ تیمم لغت میں قصد اور ارادے کو کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ"۔ شریعت میں پانی کی نیت سے زمین پر دوبارہ ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر پھیرنے کو تیمم کہتے ہیں۔ تیمم جنابت سے بھی ہوتا ہے اور بے وضو سے بھی، دونوں کا طریقہ ایک ہی ہے صرف نیت میں فرق ہے، تیمم صرف جنس زمین سے ہو سکتا ہے۔ جنس زمین وہ ہے جو زمین سے پیدا ہو اور آگ میں نہ لگے، نہ راکھ بنے، اس کے مسائل فقہ میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم کو دوسروں لوگوں پر تین چیزوں سے بزرگی دی گئی ۱۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح کی گئیں ۲۔ ہمارے لیے ساری زمین مسجد بنا دی گئی ۳۔ اور جب پانی نہ پائیں تو اس کی مٹی پاک کرنے والی کر دی گئی ۴۔ (مسلم)

۱۔ یعنی یہ تین چیزیں وہ ہیں جو ہماری امت کو ملیں ہمارے سوا کسی کو ان میں سے ایک بھی نہ ملی۔ خیال رہے کہ یہ تین حصر کے لیے نہیں کیونکہ اس امت کی اس کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں۔

۲۔ یعنی نمازوں کی صفیں جماعت میں اور غازیوں کی صفیں میدان جہاد میں ایسی اعلیٰ اور افضل ہیں جیسے مقرب فرشتوں کی صفیں بارگاہ الہی میں بوقت عبادت۔

۳۔ کہ ہر جگہ نماز ہو سکتی ہے، پچھلی امتوں کی نمازیں صرف گرجوں اور کنیسوں ہی میں ہو سکتی تھیں، زمین میں، پہاڑ، دریائی اور ہوائی جہاز وغیرہ سب داخل ہیں۔ خیال رہے کہ روڑی، قبرستان، بت خانہ، مذبح وغیرہ میں نماز درست نہیں۔ مگر یہ ایک عارضہ کی وجہ سے ہے اگر یہ عارضہ ہٹ جائے تو نماز درست، لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۴۔ پانی نہ پانے سے مراد اس کے استعمال پر نہ قادر ہونا ہے، خواہ اس لیے کہ پانی موجود نہ ہو یا اس لیے کہ موجود تو ہو، مگر دشمن یا موذی کی وجہ سے استعمال نہ کر سکے۔ مٹی سے مراد جنس زمین کی ہر چیز ہے۔ ریتا، پتھر، کان کا نمک، پتھری، کوئلہ وغیرہ سب داخل ہیں۔

روایت ہے حضرت عمران سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک شخص کو دیکھا جو الگ تھا قوم کے ساتھ نماز نہ پڑھی فرمایا اے فلاں تجھے قوم کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس نے روکا؟ عرض کیا مجھے جنابت پہنچی اور پانی ہے نہیں تو فرمایا تیرے لیے مٹی ہے ۲۔ وہ تجھے کافی ہے ۳۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ یعنی تو نے جماعت کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھی؟ اس عتابانہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت نماز سے علیحدہ بیٹھا رہنا برا ہے اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ جو جماعت سے نماز نہ پڑھ سکے وہ جماعت اولیٰ کے وقت جماعت کی جگہ نہ بیٹھے کہ اس میں جماعت سے روگردانی ہے بلکہ وہاں سے چلا جائے۔

۲۔ امام شافعی یہاں صعید کے معنی مٹی کرتے ہیں، ان کے نزدیک تیمم صرف مٹی سے ہو سکتا ہے۔ امام اعظم و امام مالک صعید کے معنی روئے زمین کرتے ہیں (مَا صَعِدَ عَلَى الْأَرْضِ)، اس لئے ان دو بزرگوں کے ہاں ہر جنس زمین سے تیمم جائز۔ ان دو بزرگوں کی دلیل بخاری شریف کی حدیث جابر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا" اس میں ہر قسم کی زمین کو مطہر قرار دیا گیا۔ بخاری شریف کی یہ حدیث "صعید" اور پچھلی حدیث جس میں "تربت" کا ذکر ہوا، کی تفسیر ہے۔

۳۔ عَابًا ان صاحب کو تیمم کا طریقہ آتا تھا مگر یہ خبر نہ تھی کہ تیمم جنابت سے بھی ہو جاتا ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طریقہ نہ بتایا۔

روایت ہے حضرت عمار سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر ابن خطاب کی خدمت میں آیا اور وہ بولا کہ میں جنبی ہو جاتا ہوں اور پانی پاتا نہیں! تب حضرت عمار نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین کیا آپ کو یاد نہیں کہ ہم اور آپ سفر میں تھے آپ نے تو نماز نہ پڑھی اور میں خوب لوٹا پھر نماز پڑھ لی! پھر میں نے یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو فرمایا کہ تم کو یہ کافی تھا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونکا! پھر انہیں منہ اور ہاتھ پر پھیر لیا! (بخاری) اور مسلم میں اسی کی مثل ہے اس میں یہ بھی ہے کہ تمہیں یہ کافی تھا کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارتے پھر پھونک لیتے پھر انہیں اپنے منہ اور ہاتھوں پر پھیر لیتے! ۵

۱۔ تو کیا کروں؟ آپ نے جواب دیا نماز نہ پڑھو جب تک کہ پانی نہ ملے اس لئے کہ تیمم صرف وضو کے موقع پر ہو سکتا ہے۔ (مرقاۃ) یا آپ جواب سے خاموش رہے کیونکہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ (اشعۃ الملتعات) خیال رہے کہ حضرت عمرو ابن مسعود جنابت تیمم کے قائل نہ تھے، حضرت ابن مسعود نے مسئلہ معلوم ہونے پر اس سے رجوع کر لیا لیکن عمر فاروق نے توقف کیا۔

۲۔ یعنی سفر میں میں اور آپ جنبی ہو گئے پانی تھا نہیں تیمم کا مسئلہ کسی کو معلوم نہ تھا آپ نے تو پانی کے انتظار میں نماز ہی نہ پڑھی اور میں نے تیمم غسل کو غسل پر قیاس کیا اور تمام جسم پر مٹی لگائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عہد نبوی میں ضرورت کے وقت صحابہ کرام قیاس کرتے تھے، نیز کبھی قیاس میں غلطی بھی کر جاتے تھے لیکن حضور انہیں غلطی پر ملامت نہ فرماتے تھے بلکہ اصلاح فرمادیتے تھے، چونکہ خطاء اجتہادی پر گرفت نہیں۔

۳ تاکہ تیمم میں چہرے پر مٹی نہ لگ جائے کیونکہ تیمم کا مقصد پاکی ہے نہ کہ چہرہ لیتھڑ کر سادھو بن جانا اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ فیشن کے لئے چہرے پر پوڈر وغیرہ ملنا ناجائز ہے، کہ یہ مثلہ ہے یعنی چہرہ بگاڑنا۔

۴ اس ظاہری معنی کی بناء پر امام احمد و اوزاعی تیمم میں ایک بار ہی ہاتھ مارتے ہیں، لیکن پہلے بھی گزر گیا اور آئندہ بھی آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم میں دوبار زمین پر ہاتھ مبارک مارے اور اسی کا حکم بھی دیا، لہذا یہاں مراد نہیں بلکہ بیانِ نوعیت ہے، یعنی جنابت کے تیمم میں زمین پر لوٹنے کی ضرورت نہیں صرف مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے و ہاتھوں پر پھیر لینا کافی ہے تاکہ احادیث میں تعارض نہ ہو، نیز یہاں کفین سے مراد ہتھیلیاں یا کلائیوں تک پورے ہاتھ ہیں جیسا کہ دیگر احادیث میں ہے یہ حدیث مجمل ہے اور وہ احادیث اس کی تفصیل۔ کبھی ید بول کر کلائیوں مراد لیتے ہیں جیسے "فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا"۔

۵ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر کے بھی دکھایا ہو اور فرما بھی دیا ہو، لہذا ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں، بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر فاروق کو یہ واقعہ یاد نہ آیا اور حضرت عمار سے کہا اے عمار خدا سے ڈرو۔

روایت ہے حضرت جہیم ابن حارث ابن صمہ سے اے فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا جب کہ آپ پیشاب کر رہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ آپ دیوار کی طرف گئے اسے لائھی سے جو آپ کے ساتھ تھی کھر چا ۲ پھر اپنے ہاتھ دیوار پر لگائے پھر اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا ۳ پھر میرا جواب دیا ۴ میں نے یہ روایت نہ تو صحیحین میں پائی اور نہ کتاب حمیدی میں لیکن اسے شرح سنہ میں ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے ۵

۱ مشہور صحابی انصاری ہیں، ابی ابن کعب کے بھانجے ہیں، امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

۲ کیونکہ دیوار کے ظاہری حصے پر پاپیلیدی تھی یا کیڑے مکوڑے اس کھرچنے سے تیمم کے لئے پاک و صاف مٹی ظاہر ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی دیوار پر بغیر اجازت تیمم کر لینا اور ضرورتاً کچھ کھرچ لینا جس سے دیوار کو نقصان نہ ہو جائز ہے۔

۳ یعنی دوبار ہاتھ مارے ایک بار چہرے کے لیے اور دوسری بار کہنی تک ہاتھوں کے لئے۔

۴ خیال رہے کہ قضاء حاجت کی حالت میں سلام کرنا منع اور اگر کوئی کر دے تو جواب واجب نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب دینا اخلاق کریمانہ کی بناء پر تھا۔ اس کی تحقیق "بَابُ مَحَاَلَطَةِ الْجُنُبِ" میں کی جا چکی ہے کہ حضور کا یہاں جواب سلام کے لیے تیمم کرنا ایک خاص حال تھا اور طہارت وغیر طہارت ہر حال میں ذکر خدا کرنا قانون شرعی تھا، نیز پانی کے ہوتے ہوئے تیمم کرنا ایسا تھا جیسے نماز جنازہ کے لئے تیمم کر لینا، لہذا نہ حدیثیں متعارض ہیں اور نہ اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ تیمم جائز کیونکر ہوا۔

۵ یہ مصنف پر اعتراض ہے کہ وہ فصل اول میں غیر شیخین کی روایت لے آئے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے ابو ذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پاک مٹی مسلمان کا آب وضو ہے اگرچہ دس سال پانی نہ پائے! پھر جب پانی پائے تو اس سے اپنا بدن دھوئے کہ یہ یقیناً بہتر ہے! (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی نے اس کی مثل روایت کی دس سال کے قول تک۔

۱۔ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ تیمم وضو کی طرح طہارت مطلقہ اور کاملہ ہے، لہذا ایک تیمم سے ایک وقت میں بھی چند نمازیں پڑھ سکتے ہیں اور ایک وقت کے تیمم سے کئی وقت تک نمازیں پڑھ سکتے ہیں کیونکہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو قرار دیا تو جو وضو کا حکم ہے وہی اس کا حکم ہے۔ امام شافعی کے ہاں تیمم ضرورت طہارت ہے کہ وقت نماز نکل جانے سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے اور ایک تیمم سے چند نمازیں نہیں پڑھ سکتے۔ سیدنا ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ ہر نماز کے لیے الگ تیمم کرتے تھے۔ یہ استحباباً تھا جیسے وضو پر وضو کر لینا۔

۲۔ بہتر سے مراد اصل ہے یعنی پانی اصل طہارت ہے اور اس کی عدم موجودگی میں تیمم اس کا نائب، جب اصل آگیا تو نائب کی گنجائش نہ رہی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تیمم بھی جائز ہے مگر وضو بہتر، رب فرماتا ہے: "أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا"۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے تو ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا جس نے اس کے سر میں زخم کر دیا پھر اسے احتلام ہو گیا تو اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم میرے لیے تیمم کی اجازت پاتے ہو وہ بولے تیرے لیے تیمم کی اجازت نہیں پاتے! تو تو پانی پر قادر ہے اس نے غسل کر لیا پس مر گیا! جب ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو اس کی خبر دی گئی فرمایا انہیں خدا غارت کرے اسے انہوں نے مار دیا! جب جانتے نہ تھے پوچھ کیوں نہ لیا بے علمی کا علاج پوچھ لینا ہے! اسے یہ کافی تھا کہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر کیڑا لپیٹ لیتا پھر اس پر ہاتھ پھیر لیتا اور باقی جسم دھو ڈالتا! (ابوداؤد)

۱۔ مگر وہ سمجھے کہ تیمم بیمار کے لئے نہیں صرف پانی نہ ملنے کی حالت میں ہے کیونکہ رب فرماتا ہے: "فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا" یہ ہے اجتہاد کی غلطی اور خطا۔

۲۔ یہ ہے صحابہ کا تقویٰ اور خوف خدا کہ جان دیدی مگر نماز چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

یعنی یہ لوگ اس کی موت کا سبب بن گئے نہ ایسا فتویٰ دیتے نہ وہ غسل کر کے وفات پاتا اور یہ بددعا اظہار ناراضی کے لئے ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر خطا اجتہادی کی بنا پر قتل بھی واقع ہو جائے تب بھی مجتہد پر قصاص، یادیت، بلکہ گناہ بھی نہیں۔ لہذا حضرت علی و امیر معاویہ و عائشہ صدیقہ کی جنگوں میں جو مسلمانوں کا کشت و خون ہوا اس کی پکڑ کسی پر نہیں۔

یعنی انہیں چاہیے تھا کہ اسے خود حکم نہ دیتے بلکہ میرے پاس آنے تک صبر کرتے مجھ سے مسئلہ پوچھتے۔

۵ امام اعظم کے نزدیک وَيُعَصِّبُ کا واؤ بمعنی آو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ غسل بالکل نہ کر سکتا تھا تب تو تیمم کر لیتا اور اگر صرف سر پر پانی ڈالنا مضر تھا تو زخم پر پٹی باندھ کر مسح کر لیتا باقی جسم دھو لیتا۔ امام شافعی اس واؤ کو جمع کے لئے مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں تیمم بھی کر لے اور غیر مجروح حصے کا غسل بھی، لیکن امام اعظم کا قول بہت قوی ہے کیونکہ تیمم غسل کا نائب ہے اور نائب واصل کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ نیز محدثین کے نزدیک یہ حدیث ضعیف بھی ہے، دیکھو مرتقاہ۔ خیال رہے کہ مشکوک پانی کی صورت میں غسل و تیمم دونوں کرتے ہیں اس کی وجہ ہماری اپنی بے علمی ہے کہ یہ پانی مطہر ہے یا نہیں، وہاں اصل و نائب کا اجتماع نہیں، وہاں یا غسل ہی طہارت ہے یا تیمم ہی۔

اور ابن ماجہ نے حضرت عطاء ابن رباح سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ دو شخص سفر میں گئے وقت نماز آگیا ان کے ساتھ پانی نہ تھا تو انہوں نے پاک مٹی سے تیمم کر لیا پھر نماز پڑھ لی پھر وقت ہی میں پانی پالیا تو ان میں سے ایک نے وضو سے نماز لوٹائی دوسرے نے نہ لوٹائی۔ پھر دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ ماجرا عرض کیا تو جس نے نماز نہ لوٹائی تھی اس سے فرمایا کہ تو نے سنت پالی اور تیری نماز کافی ہو گئی اور جس نے وضو کر کے لوٹائی تھی اس سے فرمایا کہ تجھے دوہرا ثواب ہے ۲۔ اسے ابو داؤد، دارمی نے روایت کیا نسائی نے اس کی مثل۔

۱۔ یہ ہوا اجتہاد کا اختلاف، ان میں ایک صاحب ہی حق پر تھے مگر کسی نے کسی پر اعتراض نہ کیا۔ ہم جو کہا کرتے ہیں کہ چاروں مذہب برحق، اس کا مطلب یہی ہے کہ کسی پر ملامت یا اعتراض نہیں۔ اس کا ماخذ یہی حدیث ہے۔

۲۔ اس لئے کہ فرض پہلے ادا ہو چکا تھا، دوسری نماز نفل بن گئی اور نفل کا ثواب بھی ملتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اجتہاد کا دگنا ثواب ملایا تو پہلے کو ملا ہوگا کہ اس کا اجتہاد درست تھا۔ خطا اجتہادی پر ایک ثواب ہوتا ہے اور صحیح اجتہاد پر دوہرا۔

اور نسائی و ابو داؤد نے عطاء ابن یسار سے مرسل روایت کی۔

<p>روایت ہے حضرت ابو الجہیم ابن حارث ابن صمہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاہ جمل کی طرف سے تشریف لائے۔ تو آپ کو ایک شخص ملا اس نے سلام کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ آپ ایک دیوار کے پاس تشریف لائے تو چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا پھر اسے سلام کا جواب دیا۔<sup>۱</sup> (مسلم، بخاری)</p>	
--	--

۱۔ جمل ایک بستی ہے جسے مدینہ بھی کہتے ہیں، یہ کنواں اس کی طرف منسوب ہے اور اب اس بستی کا نام بر جمل ہو گیا، یہیں حضرت علی مرتضیٰ و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی جنگ ہوئی۔

۲۔ یعنی تیمم کے بعد اس کا ذکر ابھی کچھ پہلے گزر چکا۔ اور پوری تحقیق "بَابُ مُخَالَطَةِ الْجُنُبِ" میں بھی گزر گئی۔

<p>روایت ہے حضرت عمار ابن یاسر سے وہ بیان کرتے تھے کہ صحابہ نے پاک مٹی سے نماز فجر کے لیے تیمم کیا جب کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو انہوں نے مٹی پر اپنے ہاتھ پھیرے پھر ایک بار اپنے منہ پر ہاتھ پھیر لیا پھر دوبارہ مٹی پر ہاتھ مارے تو اپنی ہتھیلیوں سے پورے ہاتھوں کا کندھوں اور بغلوں تک مسح کیا۔<sup>۱</sup> (ابوداؤد)</p>	
--	--

۱۔ اس حدیث کی بناء پر امام زہری فرماتے ہیں کہ تیمم میں ہاتھوں کا مسح بغلوں تک کیا جائے مگر صحیح یہی ہے کہ کھنیوں تک مسح ہو، کیونکہ تیمم وضوء کا نائب ہے اور وضوء میں ہاتھ کھنی تک ہی دھوئے جاتے ہیں۔ ان صحابہ کا یہ عمل اپنے اجتہاد سے تھا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے، انہوں نے قرآن کریم کی یہ آیت دیکھی "فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيكُمْ مِنْهُ"۔ اور بعض صحابہ کا اجتہاد واجب العمل نہیں خصوصاً جب کہ حدیث مرفوع کے مخالف واقع ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وضوء میں بغل تک ہاتھ دھوتے تھے۔ حضرت عمار ابن یاسر غسل کے تیمم کے لیے زمین پر لوٹے تھے۔

## باب الغسل المسنون

### مسنون غسل کا باب

۱۔ غسل غ کے فتح سے بمعنی دھونا، غ کے زیر سے، بمعنی نہانے یا دھونے کا پانی، غ کے پیش سے، بمعنی نہانا۔ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ غسل پانچ قسم کا ہے: غسل فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح۔ غسل فرض تین ہیں: حیض سے، نفاس سے، جنابت سے۔ غسل واجب ہے: میت کو غسل۔ غسل سنت پانچ ہیں: جمعہ کا، عیدین کا، احرام کے وقت، عرفہ کے دن۔ غسل مستحب چند ہیں: میت کو نہلا کر، فصد کھلوا کر، اسلام لاتے وقت، ٹھنڈک، صفائی وغیرہ کے لیے نہانا غسل مباح ہے۔ اس باب میں سنت اور مستحب غسلوں کا ذکر ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے آئے تو غسل کر لیا کرے! (مسلم، بخاری)

۱۔ امام اعظم اور جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم وجوب کا نہیں بلکہ سنت کا ہے اور یہ حدیث منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ امام مالک اور احمد کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے ان کے ہاں غسل نماز جمعہ واجب ہے، مگر امام اعظم کا قول قوی ہے، جیسا کہ آئیندہ صحیح روایت میں آرہا ہے کہ جمعہ کے غسل کا وجوب منسوخ ہو چکا ہے۔ خیال رہے کہ غسل نماز جمعہ کے لیے سنت ہے، لہذا جن پر جمعہ فرض نہیں ان کے لئے یہ غسل سنت بھی نہیں جیسا کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا، بعض علماء نے آحد کو نصب اور جمعہ کو ضمہ پڑھا ہے اور حدیث کے معنی یہ کہے کہ جب تم میں سے کسی کے پاس جمعہ کا دن آئے غسل کرے، ان کے نزدیک غسل جمعہ مطلقاً سنت ہے، نماز جمعہ فرض ہو یا نہ ہو، لہذا چاہیے یہ کہ جمعہ کا غسل صبح کے بعد کیا جائے رات میں کر لینے سے یہ سنت ادا نہ ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے! (مسلم، بخاری)

۱۔ اگر واجب بمعنی ثابت ہو تو حدیث محکم ہے منسوخ نہیں اور اگر بمعنی ضروری ہے تو منسوخ ہے، جیسا کہ آئیندہ آرہا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل جمعہ جمعہ کے دن کی وجہ سے ہے، نماز جمعہ فرض ہو یا نہ ہو۔ بہت سے علماء کا یہ بھی قول ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لازم ہے ہر مسلمان پر کہ ہر سات دن میں ایک دن غسل کرے جس میں سر و جسم دھوئے! (مسلم، بخاری)

۱۔ یہاں ایک دن سے مراد جمعہ کا دن ہے جیسا کہ دوسری روایتوں سے معلوم ہوا۔ اور لزوم سے لغوی لزوم مراد ہے نہ کہ شرعی۔ مطلب یہ ہے کہ ہفتہ میں جمعہ کے دن غسل کر لینا چاہیے تاکہ بدن بھی صاف ہو جائے اور کپڑے بھی اور جمعہ کی بھیڑ میں مسلمانوں کو تکلیف نہ ہو، چونکہ سر میں میل جوئیں زیادہ ہو جاتی ہیں، اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا ورنہ جسم میں یہ بھی داخل تھا۔ غسل میں کلی اور ناک میں پانی لینا اور تمام جسم کا دھونا ہمارے ہاں فرض ہے۔ غسل سے پہلے وضو کر لینا داہنی طرف سے ابتداء کرنا سنتیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سرہ ابن جنذب سے فرماتے ہیں فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جمعہ کے دن وضو کرے تو خیر اور اچھا کیا اور جو نہائے تو نہانا بہت اچھا ہے ۱  
(احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی)

۱۔ یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے کہ غسل جمعہ فرض یا واجب نہیں سنت ہے۔ اس کی تائید مسلم شریف کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا حضور نے جو جمعہ کے دن غسل کرے نماز کے لئے آئے، مجھ سے قریب بیٹھے، خاموشی سے خطبہ سنے تو اس کے دس دن کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو میت کو غسل دے وہ خود بھی غسل کرے ۱ (ابن ماجہ) احمد و ترمذی نے یہ بھی زیادہ کیا کہ جو میت کو اٹھائے وہ وضو کرے ۲

۱۔ عام علماء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے۔ میت کو نہلا کر غسل کر لینا بہتر ہے کیونکہ میت کے غسل کے چھینٹے جسم پر پڑھنے کا احتمال ہے۔ جامع اصول میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی زوجہ اسماء بنت عمیس نے صدیق اکبر کی وفات کے بعد غسل دیا پھر صحابہ سے بولیں کہ میں روزے دار ہوں اور ٹھنڈک بہت ہے کیا مجھے غسل کرنا ضروری ہے؟ سب نے کہا نہیں۔  
۲۔ اٹھانے کی وجہ سے نہیں بلکہ نماز جنازہ کے لئے کہ میت کے جنازہ گاہ میں پہنچتے ہی نماز جنازہ میں شرکت کر سکے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں سے غسل کرتے تھے جنابت (ناپاکی) سے اور جمعہ کے دن اور سنگھی لگوانے سے اور میت کو نہلانے سے ۱ (ابوداؤد)

۱۔ یہاں غسل سے مراد غسل کا حکم دینا ہے، یعنی ان چاروں موقعوں پر غسل کا حکم دیتے تھے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی میت کو غسل نہیں دیا، جیسے حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز کو رجم کیا یعنی رجم کا حکم دیا (مرقاۃ وغیرہ) مگر ان حکموں میں غسل جنابت کا حکم وجوبی ہے اور باقی احکام سنت کے، چونکہ سنگھی پچھنے میں خون کی چھینٹیں جسم پر پڑ جاتی ہیں اور خون نکلنے سے گرمی اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے لہذا اس کے بعد غسل کر لینا بہتر ہے۔

روایت ہے قیس ابن عاصم سے ۱ کہ وہ مسلمان ہوئے تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پانی اور پیری سے غسل کریں ۲ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

۱۔ آپ صحابی ہیں، تمیم کے وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، ۹ھ میں ایمان لائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ در والوں یا بادیہ نشینوں کے سردار ہیں، بہت حکیم، عاقل و عابد تھے، بصرہ میں قیام رہا۔



۲ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام لاتے وقت کلمہ پڑھنے سے پہلے غسل کرنا بہتر ہے۔ کہ بعض علماء کے نزدیک اگر کافر زمانہ کفر میں جنبی ہوا، پھر اسلام لایا تو اس پر جنابت کی وجہ سے غسل فرض ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سرمندانے کا حکم بھی دیا تھا اسی لئے اسلام لاتے وقت سرمندانہ بھی سنت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عکرمہ سے فرماتے ہیں کہ کچھ عراقی لوگ آئے اور بولے کہ اے ابن عباس کیا آپ جمعہ کے دن کا غسل واجب سمجھتے ہیں فرمایا نہیں، لیکن یہ بہت پاکی ہے اور غسل کرنے والے کے لئے اچھا ہے اور جو غسل نہ کرے اس پر ضروری نہیں ۳ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ غسل شروع کیسے ہوا۔ لوگ مشقت میں تھے کہ اون پہننے اور اپنی پیٹھ پر مزدوریاں کرتے تھے ان کی مسجد تنگ تھی جس کی چھت نیچے تھی جو صرف چھپر (خس پوش) تھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک گرم دن میں تشریف لائے اور لوگ اسی اون میں پسینہ پسینہ تھے کہ ان سے بو پھیل گئی جس کی وجہ سے بعض نے بعض سے تکلیف پائی ۴ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بو پائی ۵ تو فرمایا اے لوگو جب یہ دن ہوا کرے تو نہالیا کرو، اور چاہیے کہ ہر ایک اپنا بہترین تیل و خوشبو مل لیا کرے ۶ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ پھر اللہ نے مال دیا ۷ اور لوگوں نے اون کے علاوہ اچھے لباس پہنے اور کام کاج سے چھوٹ گئے ۸ ان کی مسجد فراخ ہو گئی ۹ اور پسینہ سے جو بعض کو بعض سے تکلیف پہنچتی تھی وہ جاتی رہی۔ (ابوداؤد)

۱ آپ بربری ہیں، سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام ہیں، تابعین میں سے ہیں اور مکہ مکرمہ کے فقہاء میں سے ہیں، اپنے زمانہ کے بڑے عالم تھے، ۸۲ سال عمر ہوئی، ۷۰ھ میں وفات پائی۔

۲ عراق ملک عرب کا پانچواں صوبہ ہے، طول میں عبدا ان سے موصل تک اور عرض میں قادسیہ سے حلوان تک پھیلا ہوا ہے، اس کا دار الخلافہ بغداد ہے۔ کوفہ اور بصرہ وہاں کے مشہور شہر ہیں، کربلا اور نجف بھی عراق کی ہی بستیاں ہیں۔

۳ تقریباً تمام صحابہ کا یہی مذہب ہے اور جمہور علماء بھی اس غسل کو سنت ہی مانتے ہیں۔

۴۔ وہ بھی ایسا کہ لکڑیوں کے ستون قائم کر کے کھجور کی شاخوں اور پتوں کی چھت ڈال دی گئی تھی، بارش میں پانی چھنتا تھا اور عام دنوں میں دھوپ مگر اس مسجد کا درجہ عرش معلیٰ سے افضل تھا کہ یہاں کے امام امام الانبیاء تھے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ معلوم ہوا کہ مسجد کا کمال عمارت سے نہیں بلکہ امام سے ہے۔

۵۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ صحابہ نے اس کی شکایت نہ کی کیونکہ صحابروں کے سردار تھے۔ دوسرے یہ کہ حضور کو اپنی امت کے دکھ درد کا بڑا خیال ہے کیونکہ نہ ہو وہ امت کے رکھوالے ہیں کوئی اپنا دکھ بیان کرے یا نہ، سب کا خیال ہے۔ حضور کی یہ خبر گیری قیامت تک ہے، رب فرماتا ہے: "عَزِيزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ"۔

۶۔ تیل سر و جسم میں اور خوشبو کپڑوں میں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مجموعوں میں اچھے کپڑے پہن کر جانا چاہیئے، شادی، عرس، تبلیغ کے جلسے سب میں اس بات کا خیال رکھا جائے۔ مجلسوں میں ہار پھول ڈالنے کی اصل یہ حدیث ہے۔ کے چونکہ یہ مال اسلام کے ظہور اور مسلمانوں کے غلبہ کی علامت تھی اس لیے اسے خیر فرمایا، ورنہ اکثر فقر غنا سے اور صبر شکر سے افضل ہے۔

۷۔ کیونکہ جہادوں میں بہت غنیمتیں ہاتھ آئیں اور مسلمان لوٹتی غلاموں کے مالک ہوئے۔

۸۔ مرثیہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے قریب خود مسجد بڑھائی۔ اشعۃ میں ہے کہ پھر سیدنا عمر فاروق نے مسجد میں توسیع کی، پھر عثمان غنی نے اپنے زمانہ خلافت میں بہت شاندار اور وسیع مسجد بنائی، محراب عثمانی اب تک آپ کی یادگار موجود ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام میں اولاً غسل جمعہ فرض تھا مذکورہ وجوہات سے، پھر سنت رہ گیا فرضیت منسوخ ہو گئی۔

## باب الحيض

### حيض کا باب

#### الفصل الاول

#### پہلی فصل

۱۔ غسل مسنون کے بعد فرض غسلوں کا ذکر فرما رہے ہیں۔ حیض اور حوض کے لغوی معنی بہنا ہیں۔ شریعت میں عورتوں کے ماہواری خون کو جو رحم سے آئے حیض کہا جاتا ہے۔ ولادت کے بعد آنے والا خون نفاس کہلاتا ہے۔ بیماری کا خون استحاضہ۔ حیض کی مدت کم از کم تین دن رات اور زیادہ سے زیادہ دس دن و رات۔ نفاس کی کم مدت ایک ساعت اور زیادہ چالیس دن ہے، استحاضہ کی کوئی مدت نہیں۔ حیض و نفاس کے احکام جنابت کی طرح ہیں کہ اس میں نماز و روزہ، قرآن شریف پڑھنا، چھونا، مسجد میں جانا سب حرام ہے۔

روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ یہودی ۱۔ جب ان میں عورت حائضہ ہوتی تو نہ اس کے ساتھ کھاتے اور نہ انہیں گھروں میں ساتھ رکھتے ۲۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے یہ مسئلہ حضور سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری "لوگ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے

ہیں "السخ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحبت کے سوا سب کچھ کر سکتے ہو۔ یہ خبر یہود کو پہنچی تو بولے کہ یہ صاحب ہمارے دینی کاموں میں سے کوئی چیز بغیر مخالفت کیے نہیں چھوڑتے۔ پھر حضرت اسید ابن خنیسہ اور عباد بن بشر حاضر ہوئے بولے یا رسول اللہ! یہود ایسا کیا کہتے ہیں تو کیا ہم حائفہ سے صحبت بھی نہ کر لیا کریں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور غصہ میں بدل گیا حتیٰ کہ ہم سمجھے کہ آپ ان پر ناراض ہو گئے۔ وہ دونوں چلے گئے ان کے پیچھے حضور کی بارگاہ میں دودھ کا ہدیہ آیا تو حضور نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا (بلانے کے لیے) پھر انہیں دودھ پلایا تب سمجھے کہ حضور ان پر ناراض نہ ہوئے۔ (مسلم)

۱۔ یعقوب علیہ السلام کی اولاد یہودی کہلاتی ہے، اس لئے کہ انکے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھا یا اس لئے کہ انہوں نے مچھڑے کی پرستش سے اعلیٰ درجے کی توبہ کی۔ قرآن کریم میں ہے "إِنَّا هَدَيْنَاكَ الْيَك" غرض کہ ان کی نسبت یا اپنے جد کی طرف ہے یا اس نیک عمل کی طرف۔

۲۔ اکثر ہندو قبیلوں میں یہ رواج اب بھی ہے مگر یہ عمل اکثر بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

۳۔ یعنی حائفہ کے ساتھ رہنا، بسنا، اس کے ہاتھ کی چیز کھانا، اس کے ساتھ لیٹنا، بیٹھنا، بلکہ معانقہ وغیرہ سب حلال، ہاں اس سے صحبت حرام قطعی ہے جس کا منکر کافر ہے۔

۴۔ یعنی انکے دین کا دار و مدار ہماری مخالفت پر ہے کہ جسے ہم برا جانیں اسے یہ جائز کہہ دیتے ہیں۔ یہود کی یہ بکواس اسلام اور پیغمبر اسلام پر بہتان تھی، اسلام نے کسی کی ضد میں اچھی چیز کو برا اور بری چیز کو اچھا نہ کہا۔

۵۔ آپ انصاری ہیں، اوسی ہیں، حضرت مصعب ابن عمیر کے ہاتھ پر سعد ابن معاذ سے پہلے اسلام لائے، دوسری بیعت عقبہ میں شریک تھے، بدر اور تمام غزوات میں حضور کیساتھ رہے۔

۶۔ آپ انصاری ہیں، قبیلہ بنی عبدالاششل سے ہیں، حضور کی ہجرت سے پہلے مصعب کے ہاتھ پر اسلام لائے، تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۷۔ تاکہ یہود کی پوری مخالفت ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دلوں میں کفار سے نفرت کمال درجہ کی تھی اور یہ نفرت کمال ایمان کی علامت ہے۔

۸۔ حضور کا یہ اظہار غضب بڑی مصلحت پر مبنی تھا وہ یہ کہ منصوص احکام کسی قوم کی مخالفت کے لئے نہیں بدلے جاسکتے، داڑھی رکھنا اور مونچھیں کٹانا اسلام کا حکم ہے، لیکن اب سکھوں کی مخالفت کے لئے داڑھی منڈائی نہ جائے گی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض احکام صراحتاً دیئے جاتے ہیں، بعض اشارتاً۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے حالانکہ ہم دونوں جنبی ہوتے آپ مجھے حکم دیتے، میں تہنڈباندھ لیتی تو مجھ سے جسم مس کرتے حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔ اور اپنا سر مبارک بحالت اعتکاف میری طرف نکال دیتے میں دھوتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ سے مس جائز ہے مگر یہ اس کے لئے ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو اگر صحبت کر لینے کا اندیشہ ہو تو نہ کرے، جیسے روزے دار کے لئے بیوی کا بوسہ کہ جو ان کے لئے مکروہ، بوڑھے کے لئے جائز۔ اپنا واقعہ اس لئے ارشاد فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ میں سنی سنائی نہیں کہہ رہی ہوں بلکہ تجربہ سے کہتی ہیں میرا خود عمل رہا یہ ایک قسم کی تبلیغ ہے بے تہذیبی نہیں۔ آج ڈاکٹر طبی مسائل نہایت کھلے کھلے بیان کرتے ہیں، قرآن کریم فرماتا ہے: "لِفَرُوجِهِمْ حِفْظُونَ" اسے بد تہذیبی کہنا حماقت ہے۔

۲۔ کیونکہ حضور کے حجرے کا دروازہ مسجد میں تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معتکف مسجد سے نکل نہیں سکتا لیکن بعض اعضاء نکال سکتا ہے۔ اور حائضہ اپنے خاوند کی خدمت کر سکتی ہے کہ اس کے جسم کو چھو سکتی ہے۔

روایت ہے انہی سے کہ میں بحالت حیض پیتی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی برتن دے دیتی تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ والی جگہ پر رکھ کر پیتے اور میں بحالت حیض ہڈی چوستی پھر آپ کو دے دیتی تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ کی جگہ رکھتے۔ (مسلم)

۱۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اپنی بیوی کا جھوٹا کھانا پینا جائز ہے بلکہ سنت سے ثابت ہے۔ فقہاء جو مرد کو عورت کا جھوٹا کھانا منع کرتے ہیں وہاں اجنبی عورت مراد ہے۔ لہذا وہ مسئلہ اس حدیث کے خلاف نہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک نہایت سادہ اور بے تکلف تھی امت کو سادگی اختیار کرنی چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ ہڈی منہ سے چوسنا سنت ہے، کانٹے سے کھانا طریقہ نصاریٰ ہے۔ چوتھے یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ وہ خوش نصیب بی بی ہے کہ بارہا نکالنا لعب حضور کے لعب کے ساتھ جمع ہوا، خصوصاً وفات شریف کے وقت مسواک میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہڈی چوسنا، گوشت چوسنا، گوشت چھوڑانے کے لئے نہ ہوتا تھا وہ تو پہلے چھوٹ چکا ہوتا تھا بلکہ محبوبیت ظاہر فرمانے کے لئے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں تکیہ لگاتے حالانکہ میں حائضہ ہوتی پھر قرآن تلاوت کرتے۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے زانو یا گود میں سر رکھ کر قرآن پڑھنا جائز ہے کیونکہ حائضہ کی نجاست حکمی ہے حقیقی نہیں۔ مردہ غسل دینے سے پہلے نجس حقیقہ بھی ہوتا ہے اس لئے قبل غسل اس کے پاس بلا ڈھکے ہوئے قرآن پڑھنا منع ہے، لہذا یہ حدیث اس مسئلے کے خلاف نہیں۔ خیال رہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی گود قرآن اور قرآن والے محبوب کی رحل بنی، اس وقت بھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

وفات کے وقت بھی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال آپ کی گود میں ہوا اور آپ کا حجرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرام گاہ بنا، لہذا آپ کی گود اور آپ کا حجرہ عرش عظیم سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ اس دامن میں مجھ سے نالائق گنہگار کو جگہ دے۔ آمین! شعر

انکا پہلو ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ  
ان کے حجرہ میں قیمت تک بنی ہیں جاگزیں

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد سے ہم کو چٹائی دے دو میں بولی کہ میں تو حائضہ ہوں فرمایا تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے! (مسلم)	
---	--

یعنی تم کو اس حالت میں مسجد میں جانا منع ہے نہ کہ وہاں سے ہاتھ بڑھا کر کچھ لے لینا۔ اب بھی یہ ہی مسئلہ ہے کہ حائضہ و جنبی مسجد سے باہر رہتے ہوئے مسجد میں ہاتھ ڈال کر چیز اٹھا سکتے ہیں۔ اس حدیث میں چٹائی سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ملک کی چٹائی ہوگی نہ کہ مسجد کی وقف چٹائی کیونکہ موقوفہ چٹائی کو گھر میں لا کر اس پر نماز ممنوع ہے۔

روایت ہے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک چادر میں نماز پڑھتے تھے جس کا کچھ حصہ مجھ پر ہوتا اور کچھ حصہ حضور پر حالانکہ میں حائضہ ہوتی! (مسلم، بخاری)	
--	--

یعنی ایک ہی چادر مجھ پر بھی ہوتی اور بحالت نماز حضور پر بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا جسم نجس حقیقی نہیں، ورنہ ایسا کپڑا جس کا بعض حصہ نجاست پر ہو اسے اوڑھ کر یا پہن کر نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ خیال رہے کہ اس حدیث کے یہ الفاظ نہ بخاری میں ہیں، نہ مسلم میں، بلکہ اس کا بعض مضمون بخاری میں ہے۔ (مرقاۃ)

الفصل الثانی  
دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حائضہ عورت سے جماع کرے یا عورت کے پاخانہ کی جگہ یا کاہن کے پاس جائے اس نے محمد مصطفیٰ پر اترے ہوئے کا انکار کیا! اسے ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ان دونوں کی روایت میں یہ ہے کہ کاہن کے کہے ہوئے کی تصدیق کرے تو کافر ہو گیا۔ ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو صرف حکیم اثرم سے جانتے ہیں جو ابو تمیمہ سے ۲ وہ ابو ہریرہ سے راوی ہیں۔	
--	--

یعنی یہ تینوں شخص قرآن و حدیث کے منکر ہو کر کافر ہو گئے۔ خیال رہے کہ یہاں سے شرعی کفر ہی مراد ہے اسلام کا مقابل۔ اور ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو عورت سے درمیں، یا بحالت حیض صحبت کو جائز سمجھ کر صحبت کریں، اور کاہن نجومی کو عالم الغیب جان کر اس سے فال

کھلوائیں، یا غیبی خبریں پوچھیں۔ اور اگر گناہ سمجھ کر یہ کام کریں تو فسق ہے، کفر نہیں۔ یا یہاں کفر سے مراد لغوی معنی ہیں ناشکری، رب فرماتا ہے: "وَأَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ"۔ خیال رہے کہ حائضہ سے صحبت کرنے کی حرمت نص قرآنی سے ثابت ہے، رب فرماتا ہے: "قُلْ هُوَ أَذَىٰ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ"۔ اور عورت سے در میں صحبت کی حرمت قطعی قیاس قطعی سے ثابت ہے، ان دونوں کا منکر کافر ہے۔ اس قسم کی احادیث حرمت قطعی ثابت نہیں کر سکتیں۔ اس کی بحث اسی جگہ مرقاۃ میں دیکھو اور ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول قیاس کی بحث میں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ احادیث ظنیہ ہیں اور حرمت قطعی ثابت کرنے کے لئے قطعی دلیل درکار ہے۔

۲ ابو تمیمہ جہیمی کا نام ظریف ابن ماجہ ہے، حکیم ابن اثرم کو بعض محدثین نے ضعیف فرمایا، ظریف کو بعض نے ثقہ کہا، ان کا انتقال ۹۷ھ میں ہوا، امام بخاری نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔ (اشعہ)

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے میری بیوی سے بحالت حیض کیا کام حلال ہے فرمایا وہ جو تہبند سے اوپر ہو اور بچنا اس سے بھی بہتر ہے (رزین) صحیح السنۃ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد قوی نہیں۔

۱ یعنی حائضہ عورت جب کہ پانچامہ یا تہبند مضبوطی سے باندھے ہو تو اس کے ساتھ لپٹنا اور اس سے بوس و کنار درست ہے لیکن بچنا بہتر، خصوصاً اس جوان کو جو ایسی حالت میں اپنے نفس پر قابو نہ رکھتا ہو۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل شریف خود کرنا بیان جواز کے لیے ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غیر مستحب بلکہ مکروہ کاموں پر عمل فرما کر جواز ثابت کرتے تھے، یہ تبلیغ کی قسم تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر بھی ثواب ملتا تھا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کر بیٹھے تو آدھا دینار خیرات کرے (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

۱ یہ حکم استحبابی ہے، یعنی چونکہ اس نے بڑا گناہ کیا جس سے وہ عذاب کا مستحق ہو گیا۔ صدقہ و خیرات عذاب دفع کرنے کے لئے اکسیر ہے، اس لئے ایسا کر دے ورنہ اس گناہ کا اصل کفارہ تو توبہ ہی ہے۔ آج کل بعض علماء جو بعض گناہوں پر خیرات و صدقہ کا حکم دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ یہاں وہ شخص مراد ہے جو حرام جانتے ہوئے یہ جرم کرے اور اگر حلال جان کر ایسا کیا تو کافر ہو گیا و بارہ اسلام لائے اور تجدید نکاح کرے۔

روایت ہے انہی سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب خون سرخ ہو ایک دینار دے اور جب خوب پیلا ہو تو آدھا دینار (ترمذی)

۱ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث متن و اسناد دونوں کے لحاظ سے مضطرب ہے کیونکہ انہیں کی بعض روایات میں ہے کہ پانچ دینار خیرات کرے، بعض میں ہے کہ ایک دینار اور اگر نہ ہو سکے تو آدھا دینار، بعض میں ہے کہ اگر حیض کا جوش نہ ہو خون سرخ آ رہا ہو تو ایک دینار خیرات کرے اور اگر حیض کا جوش ٹوٹ چکا ہو اور خون کارنگ پیلا پڑ چکا ہو تو آدھا دینار۔ خیال رہے کہ دینار دس درہم کا ہوتا ہے اور درہم ساڑھے چار

آنہ کا لہذا دینار قریباً پونے تین روپے کا ہوا، چونکہ سونے کا بھاؤ بہت تیز ہے تو دینار کی قیمت بھی زیادہ ہو گئی مگر ان احکام میں وہ ہی اس زمانہ کی قیمت معتبر ہوگی۔

الفصل الثالث  
تیسری فصل

روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے ۱ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور عرض کیا اپنی بیوی سے بحالت حیض مجھے کیا چیز حلال ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کا تہبند مضبوط باندھ دو پھر تہبند کے اوپر تمہارا کام ہے ۲ اسے مالک و دارمی نے مرسلًا روایت کیا۔

۱۔ آپ اہل مدینہ سے ہیں، جلیل الشان تابعی ہیں، حضرت عمر فاروق کے آزاد کردہ غلام ہیں، بڑے عالم تھے حتیٰ کہ امام زین العابدین آپ کی مجلس میں شرکت فرماتے اور آپ سے احادیث لیتے تھے۔ (اشعہ و مرقات)  
۲ یعنی حائضہ سے صحبت حرام ہے اور جب وہ ازار باندھے ہو تو اس سے بوس و کنار حلال۔ اس کی بحث گزر چکی کہ جو ان مرد کو ممنوع بوڑھے کو مباح کہ اسے صحبت کر بیٹھنے کا خطرہ کم ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب میں حائضہ ہوتی تو بستر سے چٹائی پر اتڑ آتی پھر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب نہ ہوتے یہاں تک کہ ہم پاک ہو جاتے ۱ (ابوداؤد)

۱ یعنی ہم تمام ازواج پاک بحالت حیض حضور انور کے پاس نہ لیٹتے تھے بلکہ علیحدہ چٹائی پر آپ کے بستر سے دور، یہ تو ہمارا اپنا عمل تھا کہ اس حالت میں آپ کے پاس لیٹنے، بیٹھنے کی جرات و ہمت نہ کرتے تھے، ہاں اگر حضور انور خود ہی ہم کو بلا لیتے تو تعمیل حکم کرتے تھے، لہذا یہ حدیث ان گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں جن میں مباشرت اور مس ثابت ہے کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا ہے اور یہاں ازواج پاک کی اپنی ہمت و جرات کا ذکر ہے۔ بعض نے فرمایا یہ حدیث منسوخ ہے اور گزشتہ احادیث نسخ مگر پہلی توجیہ قوی ہے۔

## باب المستحاضہ

### مستحاضہ کا باب ۱

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ مستحاضہ وہ عورت ہے جسے استحاضہ کا خون آتا ہو۔ استحاضہ بیماری ہے جس میں عورت کی رگ کھل کر خون جاری ہو جاتا ہے۔ یہ خون حیض یا نفاس کا نہیں ہوتا، اس کی کوئی مدت نہیں اور اس میں نماز، روزہ، صحبت، مسجد میں داخلہ کچھ بھی منع نہیں، بلکہ اس کا حکم معذور کا سا ہے کہ ایک وقت وضو کر کے نماز پڑھتی رہے اگرچہ خون آتا رہے وقت نکل جانے پر وضو ٹوٹ جائے گا۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابو حبیب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بولیں کہ یا رسول اللہ! میں استحاضے والی عورت ہوں کہ پاک ہی نہیں ہوتی تو کیا نماز چھوڑ دوں فرمایا نہیں یہ تو رگ ہے حیض نہیں ۲۔ جب تمہارا حیض آیا کرے تو نماز چھوڑ دیا کرو اور جب چلا جائے تو خون دھو ڈالا کرو پھر نماز پڑھ لیا کرو ۳۔ (مسلم و بخاری)

۱۔ مسئلہ پوچھنے اور دین حاصل کرنے کے لئے، آپ فاطمہ بنت حبیب ابن عبدالمطلب ابن اسد ابن عبدالعزیٰ ابن قصی ابن کلاب ہیں، یہ عبدالمطلب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نہیں وہ تو عبدالمطلب ابن ہاشم ہیں۔

۲۔ یعنی رحم کے قرب کی کوئی رگ کھل گئی ہے جس سے یہ خون جاری ہو گیا ہے رحم کا خون نہیں ہے، لہذا اس کے احکام حیض و نفاس کے سے نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت عالم سے مسئلہ پوچھنے میں اور عالم مسئلہ بتانے میں شرم نہ کرے ورنہ دین کی تبلیغ کیسے ہوگی۔

۳۔ یعنی استحاضہ کی بیماری لگنے سے پہلے تمہیں جن تاریخوں میں حیض آتا تھا وہ ہی تاریخیں اب بھی حیض کی مانو، ان میں نماز وغیرہ چھوڑ دو اور ان تاریخوں کے بعد خون استحاضہ کا شمار کرو اور نماز وغیرہ شروع کر دو اور جس عورت کو بالغہ ہوتے ہی استحاضہ شروع ہو جائے، حیض کی تاریخیں مقرر نہ ہونے پائیں وہ ہر مہینہ کے اول دس دن حیض شمار کرے اور بیس دن استحاضہ کے کہ اسی میں احتیاط ہے۔ یہاں خون دھو ڈالنے سے مراد اگر حیض کا خون ہے تب تو دھو ڈالنے سے مراد غسل کرنا ہے کیونکہ حیض جانے پر غسل فرض ہے۔ اور اگر استحاضہ کا خون مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ اپنے بدن و کپڑے سے استحاضہ کا خون دھو کر پھر وضو کر کے نماز پڑھ لیا کرو۔ اس میں غسل واجب نہیں لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ مستحاضہ حیض کے بعد غسل ضرور کرے گی مگر یہاں صرف خون دھونے کا حکم دیا گیا۔

الفصل الثانی  
دوسری فصل

روایت ہے عروہ ابن زبیر سے وہ فاطمہ بنت ابی حبیب سے راوی کہ وہ مستحاضہ ہو جاتی تھیں ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حیض کا خون ہو تو وہ کالا خون ہوتا ہے جو پہچان لیا جاتا ہے۔ تو جب یہ ہو تو نماز سے رک جاؤ اور جب دوسرا ہو تو وضو کرو اور نماز پڑھو کہ وہ تورگ ہے ۲۔ (ابوداؤد، نسائی)



۱۔ یہ اکثر کا حکم ہے نہ کہ کلیہ، یعنی اکثر حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے جو پہچان لیا جاتا ہے، ورنہ کبھی یہ خون سرخ، پیلا بھی ہوتا ہے اور فرق مشکل ہو جاتا ہے۔

۲۔ اس کا مطلب پہلے بیان ہو چکا کہ زمانہ استحاضہ میں ہر نماز کے وقت وضو کر کے نماز پڑھو، یہ مطلب نہیں کہ حیض گزرنے پر صرف وضو کر لو اس وقت تو غسل فرض ہے، لہذا یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرمائی ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خون گراتی تھی اس کے متعلق حضرت ام سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا فرمایا کہ وہ رات دن مہینے کے گن لے جن میں اس بیماری کے لگنے سے پہلے حیض آتا تھا مہینے میں اتنے دن نماز چھوڑ دے پھر جب یہ دن گزر جائیں تو غسل کرے اور کپڑے کا لنگوٹ باندھے پھر نماز پڑھتی رہے ۳۔ (مالک، ابوداؤد، دارمی) نسائی نے اس کے معنی کی روایت کی۔

۱۔ ان بی بی صاحبہ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ تھَرَاتُ اور تَهْرِيْقُ دونوں طرح روایت ہے لا زائدہ ہے۔ باب افعال کا مضارع معروف یا مجہول تَهْرِيْقُ یا تَرَاتُ تھا۔

۲۔ یعنی خود تو شرم کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھ سکیں حضرت ام المؤمنین ام سلمہ سے پوچھا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے انہیں مسئلہ بتایا۔ خیال رہے کہ ان پاک بیبیوں کے مختلف حال تھے، بعض تو تحقیق مسئلہ کو شرم پر مقدم رکھتی تھی، اور بعض شرم سے خود نہ پوچھتیں دوسرے ذریعہ سے دریافت کرا لیتی تھیں، وہ سب اللہ کی پیاری تھیں "وَكَلَّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنَى" سب سے جنت کا وعدہ ہو چکا ہے۔

۳۔ یعنی مستحاضہ اپنے ہر مہینہ کے دو حصے کرے، ایک حصہ کو حیض شمار کرے، تین دن سے دس دن تک جس قدر پہلے حیض آتا رہا ہو وہ حیض باقی استحاضہ۔ مستحاضہ کو لنگوٹ باندھنے کا حکم استجبانی اور احتیاطی ہے تاکہ خون سے مصلے اور کپڑے گندے نہ ہوں وجوبی نہیں، اگر بغیر لنگوٹ کسی اور ذریعہ سے یہ مقصد حاصل ہو جائے تو وہ کرے اور اگر کسی طرح خون رکتا نہ ہو تو نماز پڑھتی رہے اگرچہ خون مصلے پر ٹپکتا رہے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔ تمام معذوروں کو یہی حکم ہے جیسے نکسیر، سلسل بول والے لوگ۔

روایت ہے حضرت عدی ابن ثابت سے ۱۔ وہ اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے راوی یحییٰ ابن معین کہتے ہیں کہ عدی کے دادا کا نام دینار ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استحاضہ والی کے لیے فرمایا کہ وہ اپنے حیض کے زمانہ میں جن میں اسے حیض آتا تھا نماز چھوڑ دیا کرے پھر نہائے اور ہر نماز کے وقت وضو کرے

۲ اور روزے رکھے اور نماز پڑھے ۳ (ترمذی، ابوداؤد)

۱ یہ عدی کوئی ہے، انصاری ہے، اس پر رخص کا شبہ کیا گیا ہے۔ (مرقاۃ) بعض نے فرمایا کہ ثابت ان کے باپ کا نام ہے، بعض نے فرمایا دادا کا نام ہے اور دینار پڑدادا، باپ کا نام قیس ابن الحطیم ہے۔ واللہ اعلم! عدی کوفہ میں روافض کی مسجد کا امام تھا، ۱۱۶ھ میں فوت ہوا۔

۲ یعنی غسل تو صرف ایک بار کرے حیض ختم ہونے پر اور وضو ہر نماز کے وقت کیا کرے، جیسا کہ مستحاضہ عورت کا حکم ہے لہذا "عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ تَتَوَضَّأُهَا كَظَرْفٍ هِيَ نَهَى تَتَغْتَسِلُ"۔

۳ چونکہ روزہ مستحاضہ کے لئے نماز سے زیادہ اہم ہے کہ اس پر زمانہ حیض کے روزوں کی قضاء ہے، نماز کی نہیں لہذا روزے کو نماز پر مقدم رکھا گیا۔

روایت ہے حضرت حمنہ بنت جحش سے! فرماتی ہیں کہ مجھے بہت سخت استحاضہ آتا تھا ۲ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسئلہ پوچھنے اور یہ خبر دینے حاضر ہوئی میں نے حضور کو اپنی بہن زینب بنت جحش کے گھر پایا ۳ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بہت سخت استحاضہ آتا ہے آپ اس بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں مجھے تو اس نے روزہ نماز سے روک دیا ہے ۴ فرمایا میں تمہارے واسطے گدی تجویز کرتا ہوں کہ یہ خون چوس لے گی ۵ عرض کیا وہ تو اس سے زیادہ ہے فرمایا تو لنگوٹ باندھو ۶ عرض کیا وہ اس سے بھی زیادہ ہے فرمایا تو کپڑا رکھ لو ۷ عرض کیا وہ خون اس سے بھی زیادہ ہے میں تو خون ڈالتی بہاتی ہوں ۸ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو دو باتوں کا حکم دیتا ہوں ان میں جو کر لو گی وہ دوسرے سے کفایت کرے گا اگر دونوں کر سکو تو تم جانو ۹ فرمایا یہ بیماری شیطان کے چوکھوں ہی سے ایک چوکھ ہے ۱۰ تم چھ یا سات دن حیض کے شمار کر لیا کرو رب کے علم میں ۱۱ پھر نہالیا کرو، پھر جب یہ سمجھو کہ تم خوب پاک اور صاف ہو گئیں تو تینیس یا چوبیس دن ورات نمازیں پڑھو، روزے رکھو ۱۲ کہ یہ تمہیں کافی ہوگا، ہر مہینہ یوں ہی کر لیا کرو جیسے عموماً عورتیں اپنے حیض و طہر کے اوقات میں ناپاک و پاک رہتی ہیں ۱۳ اور اگر تم اس پر طاقت رکھو کہ ظہر دیر سے اور عصر جلدی پڑھو تو ایک غسل

کرو اور دو نمازیں ظہر و عصر جمع کر لیا کرو اور مغرب دیر سے  
عشاء جلدی پڑھو تو غسل کرو اور دو نمازیں جمع کر لو تو ایسا کرو  
اور فجر کے ساتھ غسل کرو تو ایسا کر لیا کرو ۱۴ اور روزے رکھو  
اگر اس پر قادر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ  
دونوں کاموں میں مجھے یہ زیادہ پسند ہے ۱۵  
(احمد، ابوداؤد، ترمذی)

- ۱۔ آپ حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش کی بہن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی ہیں۔ اولاً حضرت مصعب ابن عمیر کے نکاح میں تھیں ان کی شہادت کے بعد طلحہ ابن عبد اللہ کے نکاح میں آئیں رضی اللہ عنہما۔
- ۲۔ یعنی مجھے استحاضہ کا خون بہت آتا تھا اور بہت عرصہ تک رہا، کثیدہ اور شدیدہ میں ان دونوں کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں استحاضہ پر مجازاً حیض بولا گیا۔
- ۳۔ یعنی اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی باری میری بہن زینب بنت جحش کے گھر تھی اس سے مجھے پوچھنے میں اور آسانی ہو گئی۔
- ۴۔ کیونکہ حضرت حمنہ صحیحی ہوئی تھیں کہ حیض کی طرح استحاضہ میں بھی نماز روزہ ممنوع ہے۔ یہ عرض و معروض اپنے علم کے مطابق ہے۔
- ۵۔ یعنی گدی وغیرہ کا مشورہ اس لئے ہے کہ خون کپڑوں کو نہ لگے اور کپڑے خراب نہ ہوں لہذا یہ مشورہ ہے حکم نہیں۔
- ۶۔ اس طرح کہ نیچے گدی رکھو فرج سے متصل اس پر کپڑے کا لنگوٹ کس کو باندھو تاکہ خون نہ ٹپکے۔
- ۷۔ اس طرح کہ نیچے روئی کی گدی ہو اوپر لنگوٹ اور لنگوٹ پر تیسرا کپڑا جو خون جذب کرنے میں مدد دے۔
- ۸۔ ثبج بہنے والی بارش کو کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے: "مَاءٌ ثَجَّاجًا" یعنی مجھے خون ایسا آتا ہے جیسے بارش کا بہنے والا پانی جو کسی تدبیر سے نہ ٹھیرتا ہے نہ کسی چیز میں جذب ہوتا ہے۔
- ۹۔ یعنی اگر ہمارے بتائے ہوئے دونوں کام کر لو تو بہتر ورنہ ایک ہی عمل کافی ہے، یعنی ایک پر عمل رخصت ہے دونوں پر عمل عزیمت۔
- ۱۰۔ یعنی یہ جو خون کی زیادتی شیطان کے اثرات سے ہے کہ اس نے تیرے رحم کی رگ میں انگلی ماری جس سے یہ بیماری پیدا ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ جیسے انسان کی مار سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، سر پھٹ جاتے ہیں، ایسے ہی شیطان کے اثر سے بعض بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، قرآن کریم فرماتا ہے: "يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ"۔ معلوم ہوا کہ شیطان انسان کو چھو کر دیوانہ کر دیتا ہے، فرماتا ہے: "وَمَا أَدْنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ"۔ معلوم ہوا کہ شیطان کے اثر سے نسیان و بھول کا مرض پیدا ہو جاتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ یہ وہم کہ مجھ پر نماز فرض نہ رہی، یا استحاضہ نماز سے روکتا ہے یہ شیطان کی طرف سے ہے یا حیض و نفاس کا خلط ہو جانا اس میں فرق نہ کر سکتا شیطان کی طرف سے ہے۔

۱۱۔ علم اللہ سے مراد اللہ کا حکم ہے، یعنی اس بیماری سے پہلے تمہارے متعلق جو اللہ کا حکم تھا کہ مہینہ میں اتنے دن حیض جس میں نمازیں معاف، اتنے دن کی پاکی جن میں نماز فرض یا علم اللہ سے مراد اللہ کا تانا ہے، یعنی جو کچھ رب نے تمہیں اس بیماری سے پہلے اپنے ایام حیض اور زمانہ طہارت کے متعلق علم بخشا تھا اس کا لحاظ رکھو وہ ہی حساب اب بھی ہوگا۔

۱۲۔ یعنی اگر تمہیں اس بیماری سے پہلے مہینہ میں چھ دن حیض آتا تھا اور چوبیس دن پاک رہتی تھیں تو اب بھی وہ ہی حساب رکھو۔ اور اگر سات دن حیض تھیں دن پاکی رہا کرتی تھی تو وہی حساب اب بھی رکھو اور ایام حیض گزرنے پر صرف ایک بار غسل کر لیا کرو باقی دنوں میں ہر نماز کے وقت وضو کر کے نماز پڑھتی رہو اگرچہ خون آتا رہے تمہیں یہ کافی ہے۔

۱۳۔ یعنی اس مسئلہ میں استحاضہ کی بیماری والی کا حال تندرست عورتوں کی طرح ہی ہوگا۔

۱۴۔ یہ عمل خوب پاکی و صفائی کا ذریعہ بھی ہے اور اس بیماری کا علاج بھی، حضور حکیم جان و ایمان بھی ہیں، اور حکیم اجسام بھی۔ اس عمل کا خلاصہ یہ ہے کہ مستحاضہ عورت روزانہ تین بار غسل کرے ایک تو فجر کی نماز کے لیے اور دوسرا ظہر کے آخری وقت کہ نہاتے ہی ظہر پڑھے اور ظہر پڑھتے ہی وقت عصر آجائے وہ بھی پڑھے، ظہر آخر وقت میں ادا کرے عصر اول وقت میں۔ تیسرا غسل مغرب کے آخر وقت میں جس غسل سے نماز مغرب و عشاء دونوں ادا ہو جائیں، مغرب آخر وقت عشاء اول وقت، جیسے مسافر بحالت سفر نمازیں جمع کرتا ہے، یہ جمع نماز بھی حکم شرعی لازمی نہیں، اگر عورت پانچوں نمازوں کے لئے پانچ غسل کرے تو بہت اچھا۔ غرض کہ یہ مشورہ ہے حکم لزومی نہیں۔ فقیر کی یہ شرح بفضلہ تعالیٰ اس حدیث کو حل کر دے گی اور مذہب حنفی کے خلاف نہ ہوگی۔ امام اعظم اس عورت کو یہ اختیار دیتے ہیں رضی اللہ عنہ۔ یہی قول ہے حضرت علی، ابن مسعود، ابن زبیر اور اکثر تابعین کا رضی اللہ عنہم۔

۱۵۔ یعنی صرف ایک بار غسل کرنے سے روزانہ تین بار غسل کرنا مجھے بہت پسند ہے کہ اس میں پاکی و صفائی بھی زیادہ ہے اور ان شاء اللہ صحت و تندرستی بھی، لہذا روزانہ پانچ بار غسل کی ممانعت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت اسماء بنت عمیس سے ۱۔ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فاطمہ بنت ابی حبیب اتنی مدت سے استحاضہ میں مبتلا ہیں ۲۔ کہ نماز نہ پڑھ سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ ۳۔ یہ تو شیطان کی طرف سے ہے ۴۔ وہ لگن میں بیٹھ جایا کریں ۵۔ جب زردی پانی پر دیکھ لیں ۶۔ تو ظہر و عصر کے لیے ایک غسل کر لیا کریں اور مغرب و عشاء کے لیے ایک غسل اور فجر کے لیے ایک غسل ۷۔ اور ان کے درمیان وضو کرتی رہیں ۸۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔

۱۔ مشہور صحابیہ ہیں، بہت عاقلہ صالحہ عابدہ تھیں، اوما حضرت جعفر ابن ابی طالب کے نکاح میں تھیں انہیں کے ساتھ آپ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی، ان سے آپ کے تین بیٹے ہوئے عبداللہ ابن جعفر، محمد، عون۔ حضرت جعفر کی شہادت کے بعد حضرت ابو بکر صدیق کے

نکاح میں آئیں جن سے محمد ابن ابوبکر پیدا ہوئے۔ حضرت صدیق کی وفات کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کے نکاح میں آئیں جن سے یحییٰ ابن علی پیدا ہوئے۔ آپ سے حضرت عمر، عبداللہ ابن عباس، ابوموسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر صحابہ نے احادیث نقل کیں۔  
۲۔ کیونکہ وہ سمجھیں کہ حیض کی طرح استحاضہ بھی نماز سے مانع ہے لیکن جب استحاضہ بند ہی نہ ہوا تو گھبرائیں کہ کب تک نماز سے محروم رہوں تب مسئلہ پوچھا۔ خیال رہے کہ اس صورت میں آپ کو استحاضہ کے زمانے کی نمازیں قضا کرنے کا حکم دیا گیا مگر یہاں اس کا ذکر نہ ہوا کیونکہ مسئلہ سے بے خبری عذر نہیں، ہاں اس پر عتاب نہ ہوا کہ بے خبری کی وجہ سے قصور موجب عتاب نہیں۔  
۳۔ یہ سبحان اللہ تعجب کے لیے ہے کہ تم جیسی عاقلہ سنجیدہ بی بی نے بغیر دریافت کئے نماز چھوڑ دی ہم سے یا فقہاء صحابہ سے مسئلہ معلوم کرنا چاہیے تھا۔

۴۔ یعنی استحاضہ کی بیماری شیطانی اثر سے ہے۔ اس کی تحقیق پچھلی حدیث میں گزر چکی کہ جب ہوا و پانی بلکہ مٹی و غذا میں بیمار کردینے کا اثر موجود ہے تو شیطان بھی اثر کر کے بیمار کر سکتا ہے یا تمہارا بغیر پوچھے نماز چھوڑے رہنا شیطانی اثر اور اس کی دھوکہ سے ہے۔ خیال رہے کہ اللہ کے محبوب بندوں پر بھی شیطان کا داؤ چل جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو گندم کھانے کی رغبت شیطان ہی نے دی "فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ" ہاں ان مقبولوں کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا گمراہی اور چیز ہے، فسق اور چیز اور خطا و غلطی اور، رب فرماتا ہے: "إِنَّ عِبَادِيَ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ" اور خود شیطان نے کہا تھا "لَأَعْوَيْنَهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ"۔

۵۔ یعنی پانی کی لگن پر بھر کر بیٹھ جائیں تاکہ اس سے وقت ظہر کی روانگی اور عصر کی آمد معلوم کر لیں (اشعہ مراقاة وغیرہ)، یا خود اس بھری لگن میں بیٹھ جایا کریں ٹھنڈک کے لئے تاکہ اس ٹھنڈک سے مرض کا زور ٹوٹ جائے۔  
۶۔ یعنی پانی پر آفتاب کی شعائیں زرد ہو کر پڑنے لگیں جس سے معلوم ہوا کہ اب وقت عصر قریب ہے تو غسل کر کے ظہر و عصر پڑھیں۔ (مراقات وغیرہ) یا جب استحاضہ کے خون کا اثر پانی پر نمودار ہو جائے کہ پانی کا رنگ زرد پڑ جائے تب لگن سے نکل آیا کریں۔ پہلی توجیہ پر یہ لگن کا عمل وقت معلوم کرنے کے لیے ہے۔ دوسری توجیہ پر یہ عمل علاج کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ دھوپ کا پیلا پڑنا اور ہے، یہ تو عصر کے آخر وقت ہوتا ہے جب نماز مکروہ ہو جاتی ہے اور پانی پر شعاعوں کی زردی معلوم ہونا کچھ اور، یہ ظہر کے آخر وقت ہوتا ہے، لہذا حدیث بے غبار ہے۔

۷۔ یعنی روزانہ تین بار غسل کر لیا کریں تاکہ اللہ انہیں استحاضہ کی بیماری سے شفاء دے جیسے کہ پہلے گزر چکا کہ یہ حکم علاج کے طور پر ہے، حکم شرعی نہیں اور نہ مستحاضہ پر یہ غسل شرعاً واجب۔  
۸۔ یعنی اگر ان کے سوا اور وقت نفل یا تلاوت قرآن وغیرہ کے لئے وضو کرنا ہو تو صرف وضو کافی ہے غسل نہ کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم محض علاج کے لئے ہے۔

اور فرمایا کہ مجاہد حضرت ابن عباس سے راوی ہیں کہ جب ان پر غسل بھاری پڑا تو انہیں دو نمازیں جمع کرنے کا حکم دیا۔

۱۔ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انہیں دن میں صرف تین غسلوں کا حکم دیا ان کی مجبوری کی وجہ سے، ورنہ پانچ بار غسل اور بھی بہتر تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ حکم علاج کے لئے ہے شرعی نہیں۔ دو نمازیں جمع کرنے سے مراد صرف صورتاً جمع کرنا ہے کہ ظہر آخر

وقت میں پڑھے عصر اول وقت میں نہ کہ حقیقتاً جمع کرنا، کہ مستحاضہ کے لئے نمازیں جمع کرنے کا کوئی قائل نہیں۔ مسافر میں اختلاف ہے ہمارے امام صاحب کے ہاں وہ بھی جمع نہیں کر سکتا۔

## کتاب الصلوٰۃ

### نماز کا بیان

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ صَلَوةٌ صَلِيٌّ سے بنا بمعنی گوشت بھونا، آگ پر پکانا، رب فرماتا ہے: "سَيَصْلِي نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ"۔ نیز آگ سے لکڑی سیدھی کرنے کو تصلیہ کہا جاتا ہے، چونکہ نماز اپنے نمازی کے نفس کو مجاہدہ و مشقت کی آگ پر جلاتی ہے، نیز اسے سیدھا کرتی ہے اس لئے اسے صَلَوةٌ کہتے ہیں۔ اب صَلَوةٌ کے معنی دعا، رحمت، انزال، رحمت، استغفار، سرین ہلانا ہیں۔ چونکہ یہ سب چیزیں نماز میں ہوتی ہیں اس لئے نماز کو صَلَوةٌ کہتے ہیں۔ اسلام میں سب اعمال سے پہلے نماز فرض ہوئی، یعنی نبوت کے گیارہویں سال ہجرت سے دو سال کچھ پہلے، نیز ساری عبادتیں اللہ تعالیٰ نے فرش پر بھیجیں مگر نماز اپنے محبوب کو عرش پر بلا کر دی اس لئے کلمہ شہادت کے بعد سب سے بڑی عبادت نماز ہے۔ جو نماز سیدھی کر کے پڑھے تو نماز سے بھی سیدھا کر دیتی ہے۔ نماز کے اسرار اور نکات ہماری کتاب "اسرار الاحکام" اور "تفسیر نعیمی" پارہ اول میں دیکھو۔ نمازیں چار قسم کی ہیں: فرض، واجب، سنت مؤکدہ، نفل۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک او رمضان سے رمضان تک درمیان کے گناہ مٹانے والی ہیں۔ جب کبیرہ گناہوں سے بچا رہے ۲ (مسلم)۔	
---	--

۱۔ یعنی نماز پنجگانہ روزانہ کے صغیرہ گناہ کی معافی کا ذریعہ ہے، اگر کوئی ان نمازوں کے ذریعہ گناہ نہ بخشو اس کا تو نماز جمعہ ہفتہ بھر کے گناہ صغیرہ کا کفارہ ہے، اگر کوئی جمعہ کے ذریعہ بھی گناہ نہ بخشو اس کا کہ اسے اچھی طرح ادا نہ کیا تو رمضان سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے، لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب روزانہ کے گناہ پنجگانہ نمازوں سے معاف ہو گئے تو جمعہ اور رمضان سے کون سے گناہ معاف ہوں گے۔ خیال رہے کہ گناہ کبیرہ جیسے کفر و شرک، زنا، چوری وغیرہ یوں ہی حقوق العباد بغیر توبہ و ادائے حقوق معاف نہ ہوتے۔

۲۔ خیال رہے کہ جو اعمال گنہگاروں کی معافی کا ذریعہ ہیں وہ نیک کاروں کی بلندی درجات کا ذریعہ ہیں، چنانچہ معصومین اور محفوظین نماز کی برکت سے بلند درجے پاتے ہیں۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر چاہیے کہ نیک لوگ نمازیں نہ پڑھیں کیونکہ نمازیں گناہوں کی معافی کے لئے ہیں وہ پہلے ہی سے بے گناہ ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر ہو	
--	--

کہ اس میں روزانہ پانچ دفعہ نہائے کیا کچھ میل رہے گا  
لوگوں نے عرض کیا کہ بالکل میل نہ رہے گا فرمایا یہ پانچ  
نمازوں کی مثال ہے کہ اللہ ان کی برکت سے گناہ مٹاتا ہے!  
(مسلم، بخاری)

۱۔ یہاں خطاؤں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، کبیرہ گناہ اور حقوق العباد اس سے علیحدہ ہیں کہ وہ نماز سے معاف نہیں ہوتے جیسا کہ پہلے گزر  
گیا۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پنجگانہ کو نہر سے تشبیہ دی نہ کہ کنوئیں سے دو وجہ سے: ایک یہ کہ کنوئیں میں  
اگر گھسا جائے تو اکثر اس کا پانی نہانے کے لائق نہیں رہتا کیونکہ وہ پانی جاری نہیں، نہر کا پانی جاری ہے ہر ایک کو ہر طرح پاک کر دیتا  
ہے، یوں ہی نماز ہر طرح پاک کر دیتی ہے کیسا ہی گندا ہو۔ دوسرے یہ کہ کنوئیں کا پانی تکلف سے حاصل ہوتا ہے، رسی ڈول کی ضرورت  
پڑتی ہے کمزور آدمی پانی کھینچ نہیں سکتا مگر نہر کا پانی بے تکلف حاصل ہوتا ہے، ایسے ہی نماز بے تکلف ادا ہو جاتی ہے جس میں کچھ نہیں  
کرنا پڑتا اور جب دروازے پر نہر ہو تو غسل کے لئے دور جانا بھی نہیں پڑتا۔ خیال رہے کہ گناہ دل کا میل ہے اور نماز میل دل کے لیے پانی۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ایک مرد  
نے کسی عورت کا بوسہ لیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی  
خدمت میں آیا آپ کو یہ خبر دی تب اللہ تعالیٰ نے یہ  
آیت اتاری کہ دن کے کناروں اور رات کی ساعتوں میں  
نماز قائم کرو۔ نیکیاں گناہ دور کرتی ہیں اس نے کہا یا رسول  
اللہ! کیا یہ صرف میرے لیے ہے فرمایا میری ساری امت کے  
لیئے اور ایک روایت میں ہے کہ میری امت سے جو یہ عمل  
کرے۔ (مسلم و بخاری)

۱۔ ان مرد کا نام ابوالیسر ہے، کھجوروں کی دکان کرتے تھے، ایک عورت خریدنے کے لئے آئی، ان کا دل اس کی طرف مائل ہو گیا، بولے اچھی  
کھجوریں گھر میں ہیں، اس بہانے سے اندر لے جا کر بوسہ لے لیا، وہ بولی اللہ کے بندے خدا سے ڈر، یہ سخت نام ہوئے اس لئے ثابت ہو  
اکہ اجنبی عورت سے تنہائی بڑی خطرناک ہے۔ (اشعۃ مرآة)

۲۔ صحابہ کرام خطائیں معاف کرانے کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اس آیت پر یہ عمل کرتے ہوئے "وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ  
ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ" الایہ۔ اب بھی ہم گنہگاروں کو معافی کے لیے اس آستانے پر حاضری ضروری ہے۔ یہ خیال نہ کرو کہ  
وہ صرف مدینہ میں رہتے ہیں بلکہ مؤمنوں کے سینے ان کا کاشانہ رحمت ہیں۔

۳۔ مرآة نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا میں اپنے رب کے حکم کا انتظار کرتا ہوں عصر کے بعد یہ آیت اتری۔ خیال  
رہے کہ نماز فجر اور ظہر دن کے اس کناروں کی نمازیں ہیں اور عصر و مغرب دوسرے کنارے کی اور عشاء رات کی، لہذا یہ آیت پانچویں

نمازوں کو شامل ہے، زلف زلفت سے بنا، بمعنی قرب یعنی رات کا وہ ٹکڑا جو دن سے قریب ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَإِذَا الْجَنَّةُ أُرْلِفَتْ"۔

یعنی یہ آیت اگرچہ تیرے بارے میں اتنی مگر اس کا حکم عام ہے۔ کوئی مسلمان کوئی گناہ صغیرہ کرے اس کی نمازیں وغیرہ معافی کا ذریعہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجنبیہ سے خلوت اور بوس و کنار گناہ صغیرہ ہے، ہاں یہ جرم بار بار کرنے سے کبیرہ بن جائے گا کیونکہ صغیرہ پر دوام کبیرہ ہے اور یہ جان کر بوس و کنار کرنا کہ نماز سے معاف کرائیں گے کفر ہے، کہ یہ اللہ پر امن ہے۔ یہ حدیث اس کے لئے ہے جو اتفاقاً ایسا معاملہ کر بیٹھے پھر شرمندہ ہو کر توبہ کرے، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اس میں ان حرکتوں کی اجازت دے دی گئی۔ یہاں مِنْ اُمَّتِي فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ آسانیاں صرف اس امت کے لئے ہیں گزشتہ امتوں کی معافی بہت مشکل ہوتی تھی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص حاضر ہوا بولایا رسول اللہ! میں حد کو پہنچ گیا۔ وہ مجھ پر قائم فرمادیتے فرماتے ہیں اس سے حضور نے کچھ پوچھا نہیں ۲ نماز حاضر ہوئی اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ۳ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کر لی وہ کھڑا ہو گیا عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے حد پائی مجھ پر اللہ کی کتاب قائم کر دیں ۴ فرمایا کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی عرض کیا ہاں فرمایا اللہ نے تیرا گناہ یا تیری حد بخش دی ۵ (مسلم، بخاری)

یعنی میں نے ایسا گناہ کر لیا جو شرعی سزا کا باعث ہے۔ حد سزائے مقرر کو کہتے ہیں جیسے زانی کے لئے سنگساری اور چور کے ہاتھ کاٹنا۔ تعزیر وہ سزا ہے جو شرعاً مقرر نہ ہو قاضی اپنی رائے سے مقرر کرے۔ ان بزرگوں نے کوئی معمولی گناہ کیا تھا مگر سمجھے یہ کہ شاید اس میں بھی سزائے شرعی ہوگی۔ یا حد لغوی معنی میں ہے یعنی مطلقاً سزا۔

۲ کیونکہ حضور انور کو کشف سے معلوم تھا کہ انہوں نے معمولی جرم کیا تھا اور پوچھنے سے ان کی رسوائی ہوگی یہ ہے شان ستاری۔ (ازمرقاۃ)

۳ صرف ایک نمازیہ نماز عصر تھی جیسا کہ مرقاۃ وغیرہ میں ہے۔

۴ لائق حد ہو یا نہ ہو جو بھی فرمان الہی ہو حد یا کفارہ یا کوئی اور چیز اسی لئے یہاں کتاب اللہ فرمایا۔ یہ صحابہ کرام کی قوت ایمانی ہے کہ دوسرے مجرم اپنے جرم چھپا کر جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ حضرات اپنے قصور ظاہر کر کے جانوں پر کھیل کر ایمان بچاتے ہیں۔

۵ یعنی جس گناہ کو تونے قابل حد سمجھا تھا وہ اس نماز کی برکت سے معاف ہو گیا، لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ نماز سے شرعی سزائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ خیال رہے کہ گناہ صغیرہ پر کبھی حد نہیں ہوتی اور سوا ڈھکیٹی کی حد کے کوئی حد توبہ سے معاف نہیں ہوتی، ڈاکو اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کرے تو سزا نہیں پاتا، یونہی اگر کافر بعد زنا مسلمان ہو جائے تو رجم وغیرہ کا مستحق نہیں۔ (مرقاۃ) شیخ عبدالحق نے



فرمایا مَعْنَا سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنا سنا ہوں کی معافی کے لیے اکسیر ہے۔ نماز کی عظمت امام کی عظمت کے مطابق ہے۔ سبحان اللہ! جن کے ساتھ والی نماز مجرموں کو بخشوادے وہ ذات کریم خود کیسی ہوگی۔

<p>568 - [ 5 ] [ متفق علیہ ]          وعن عبد الله بن مسعود قال : سألت النبي صلى الله عليه وسلم أي الأعمال أحب إلى الله قال : " الصلاة لوقتها " قلت ثم أي قال : " بر الوالدين " قلت ثم أي قال : " الجهاد في سبيل الله " قال حدثني من ولو استزدته لزدني</p>	<p>روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کو کون سا عمل زیادہ پیارا ہے فرمایا وقت پر نماز میں نے کہا پھر کون سا فرمایا ماں باپ سے بھلائی میں نے کہا پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد فرمایا مجھے حضور نے یہ باتیں بتائیں اگر زیادہ پوچھتا تو زیادہ بتاتے (مسلم، بخاری)</p>
--	--

۱۔ یعنی ہمیشہ نمازیں وقت مستحب پر ادا کرنا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ جن روایتوں میں جہاد کو نماز سے پہلے بیان کیا گیا وہ بعض ہنگامی حالات میں ہے جب جہاد فرض عین ہو چکا ہو اور دشمن کی یلغار بڑھ گئی ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ جہاد نماز ہی کے لئے ہوتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ سالکین کے لحاظ سے حضور کے جواب مختلف ہوئے، کسی کے لئے جہاد افضل تھا، کسی کے لیے غریبوں کو کھانا کھلانا، کسی کے لیے زبان کی حفاظت، کسی کے لئے چھپ کر خیرات، لہذا احادیث متعارض نہیں۔

۲۔ یہ تربیت سیدنا ابن مسعود کے حال کے لحاظ سے ہے، ورنہ بعض روایات میں اس کے برعکس بھی آیا ہے۔  
 ۳۔ یعنی میں نے سوال ہی اتنے کئے۔ خیال رہے کہ ماں باپ کی خدمت کو نماز سے بہت مناسب ہے کہ نماز کی عبادت ہے اور یہ خدمت مرئی کی اطاعت اسی لیے قرآن شریف میں اس خدمت کو عبادت کے ساتھ بیان فرمایا گیا: "وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا" الا یہ۔

<p>روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنا ہے! (مسلم)</p>	
---	--

۱۔ یعنی بندہ مؤمن اور کفر کے درمیان نماز کی دیوار حائل ہے جو اس تک کفر کو نہیں پہنچنے دیتی جب یہ آڑھٹ گئی تو کفر کا اس تک پہنچنا آسان ہو گیا، ممکن ہے کہ آئندہ یہ شخص کفر بھی کر بیٹھے۔ خیال رہے کہ بعض آئمہ ترک نماز کو کفر بھی کہتے ہیں، بعض کے نزدیک بے نمازی لائق قتل ہے اگرچہ کافر نہیں ہوتا، ہمارے امام صاحب کے نزدیک بے نمازی کو مار پیٹ اور قید کیا جائے جب تک کہ وہ نمازی نہ بن جائے۔ ہمارے ہاں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بے نمازی قریب کفر ہے یا اس کے کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے یا ترک نماز سے مراد نماز کا انکار ہے، یعنی نماز کا منکر کافر ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

<p>روایت ہے حضرت عباده ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے</p>	
--	--

فرض کیں۔ جو ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں صحیح وقت پر ادا کرے اور ان کا رکوع و خشوع پورا کرے۔ اس کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ اسے بخش دے۔ اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لیے اللہ کا وعدہ نہیں اگرچاہے بخشے اور اگرچاہے اسے عذاب دے۔ (احمد، ابو داؤد) مالک و نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

۱۔ معلوم ہوا کہ نماز بھنگانہ کے سوا کوئی اور نماز فریضہ اسلام نہیں۔ عیدین اور وتر واجب ہیں فرض نہیں، نماز جمعہ ان پانچ میں ہی داخل ہیں، کیونکہ وہ ظہر کے قائم مقام ہے اسی لیے جس پر جمعہ فرض ہے اس پر ظہر نہیں اور جس پر ظہر فرض ہے اس پر جمعہ نہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی پر ظہر اور جمعہ دونوں فرض ہوں تو نمازیں چھ ہو جائیں گی۔ نذر کی نماز اگرچہ فرض ہے مگر وہ فریضہ اسلام نہیں۔

۲۔ چونکہ رکوع اسلامی نماز کی خصوصیات میں سے ہے، دوسری امت کی نمازوں میں عموماً رکوع نہ تھا، نیز رکوع مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے، نیز رکوع ارکان نماز میں فاصل ہے، اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا، خشوع دل کا اور ہے، اعضاء کا اور۔ یہ بحث ہماری "تفسیر نعیمی" میں دیکھو۔

۳۔ اس طرح کہ اس کے گناہ صغیرہ معاف کر دے اور کبیرہ گناہ سے توبہ کی اور حقوق العباد ادا کر نیکی توفیق دے۔ خیال رہے کہ نماز پورا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے سارے شرائط ادا کئے جائیں، ایمان بھی نماز کی شرط ہے۔ لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ نمازی آدمی جو چاہے گناہ کرے معاف ہو جائیں گے اور نہ یہ اعتراض کہ منافقین اور بہت سے بے دین نمازی تھے اور ہیں مگر ان کی مغفرت نہیں۔

۴۔ اس سے معلوم ہوا کہ بے نمازی کافر نہیں اور ترک نماز کفر نہیں، کیونکہ کفر کی بخشش نہیں ہوتی، رب فرماتا ہے: "إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ" الایہ۔ آیت میں شرک بمعنی کفر ہے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پانچ نمازیں پڑھو اور اپنے مہینہ کا روزہ رکھو اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو اپنے حکم والے کی اطاعت کرو۔ اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (احمد و ترمذی)

۱۔ حکم والوں سے خلیفۃ المسلمین، اسلامی حکام، علمائے دین سب ہی مراد ہیں۔ اطاعت سے مراد ان کے جائز احکام میں فرمانبرداری کرنا ہے، خلاف شرع حکم کی اطاعت لازم نہیں، چونکہ رمضان کے روزے صرف اسی امت پر فرض ہوئے اس لیے شہرہ کرم فرمایا، زکوٰۃ روزے کے بعد فرض ہوئی اس لئے اس کا ذکر بھی روزے کے بعد ہوا۔

۱۔ اعمال کی نسبت بندوں کی طرف کی اور جنت کی رب کی طرف تاکہ خرید و فروخت کے معنی ظاہر ہوں، فرماتا ہے: "إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ"۔ خیال رہے کہ مختلف احادیث مختلف اوقات کی ہیں جس زمانہ میں کوئی عبادت نہ آئی تھی تب فرمایا گیا جس نے کلمہ پڑھ لیا جنتی ہو گیا جب نماز آگئی تو نماز ہی پر جنت کا وعدہ فرمایا گیا اور جب زکوٰۃ روزے وغیرہ بھی آگئے تب جنتی ہونے کے لئے ان اعمال کی بھی قید لگی، لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

<p>روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اور انہیں نماز پر مارو جب وہ دس سال کے ہوں اور علیحدگی کر دو ان کے درمیان خواہ گاہ ہوں میں ۲۔ (ابوداؤد) یوں ہی اسے شرح سنہ میں انہی سے روایت کیا اور مصابیح میں ابن معبد سے۔</p>	
---	--

۱۔ ان عمروں میں اگرچہ ان پر نماز فرض نہیں کہ وہ نابالغ ہیں لیکن عادت ڈالنے کے لئے انہیں ابھی سے نمازی بناؤ، چونکہ دس سال کی عمر میں بچے کو سمجھ بوجھ کافی ہو جاتی ہے اس لئے مارنے کا بھی حکم دیا، چونکہ نماز زیادہ اہم ہے اس لیے اس ہی پر مارو وغیرہ کا حکم دیا گیا۔ صُورًا سے معلوم ہوا کہ بچے کو سات سال سے پہلے بھی رغبت دی جائے مگر اس کا حکم سات سال کی عمر میں۔

۲۔ یعنی بہن بھائیوں کو علیحدہ بستروں پر سلاؤ کہ اب وہ مراہق یعنی قریب بلوغ ہو گئے۔

<p>روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ معاہدہ جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے وہ نماز ہے۔ تو جس نے اسے چھوڑ دیا یقیناً کفر کیا۔ ۲۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)</p>	
---	--

۱۔ ان سے مراد منافقین ہیں، یعنی مسلمانوں اور منافقین کے درمیان نماز ہی ایک وہ چیز ہے جو منافقوں کے لئے باعث امان ہے کہ اسی وجہ سے ہم انہیں قتل نہیں کرتے اور ان پر اسلامی احکام جاری کرتے ہیں۔ اب جو منافق نماز کو چھوڑ دے گا اس کا کفر ظاہر ہو جائے گا اور وہ لائق قتل ہوگا۔

۲۔ یعنی نماز کے چھوڑنے سے اس منافق کا کفر ظاہر ہو گیا۔ یہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے "مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَدِّدًا فَقَدْ كَفَرَ" اس کا مطلب یہ نہیں کہ بے نمازی کافر ہے۔

الفصل الثالث  
تیسری فصل

<p>روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابولا</p>	
--	--

یا رسول اللہ میں نے مدینہ کے کنارے میں ایک عورت کو گلے لگالیا اور صحبت کی حد تک نہ پہنچا تو میں یہ ہوں میرے بارے میں جو چاہیں فیصلہ کریں ۲۔ حضرت عمر نے فرمایا اللہ نے تیری پردہ پوشی کی تھی کاش کہ تو بھی اپنے پردہ پوشی کرتا ۳۔ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا وہ شخص کھڑا ہو کر چل دیا ۴۔ اس کے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا اسے بلایا اس پر آیت تلاوت فرمائی کہ نماز قائم کرو دن کے کناروں اور رات کی ساعتوں میں یقیناً نیکیاں گناہ مٹا دیتی ہیں یہ ماننے والوں کے لئے نصیحت ہے ۵۔ قوم میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ کیا یہ اسی کے لئے ہے فرمایا سارے لوگوں کے لئے (مسلم)

۱۔ غالب یہ ہے کہ یہ صاحب ابوالیسر کے علاوہ اور کوئی ہیں کیونکہ دونوں قصوں میں فرق ہے۔

۲۔ یعنی زنا کے سوا اور سب کچھ کر لیا جو شرعی سزا تجویز ہو میں حاضر ہوں، وہ یہ سمجھ کر آئے ہوں گے اس کی سزا بھی رجم ہے کہ اسباب زنا گویا زنا ہی ہیں۔ سبحان اللہ! یہ ہے قوت ایمانی اور خوفِ الہی۔

۳۔ یعنی خفیہ گناہ کی توبہ بھی خفیہ کر لیتا تو اچھا تھا کیونکہ چھپے گناہ پر اعلان کرنا برا ہے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ چھپے گناہ کی توبہ چھپ کر کرے اور علانیہ کی توبہ علانیہ کرے۔ دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نیکیاں پیش کرنا ریا نہیں اور حضور پر اپنے گناہ ظاہر کرنا بخشوانے کے لئے گناہ نہیں۔ بیمار اپنی بیماری طیب پر ظاہر کرتا ہے علاج کے لیے، اس لیے حضور نے ان پر ملامت نہ فرمائی کہ تو نے اپنا گناہ کیوں ظاہر کیا، لہذا عمر فاروق کا فرمانا بھی برحق اور سرکار کی خاموشی بھی۔

۴۔ یہ چل دینا بھاگنے کے لئے نہ تھا بلکہ وہ سمجھے کہ شاید میرے بارے میں کوئی آیت کریمہ آئے گی تب مجھے بلا کر فیصلہ کر دیا جائے گا اگر معافی ہوگی شکر کروں گا، سزا تجویز ہوگی تو برداشت کروں گا، لہذا ان صاحب پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر پوچھے کیوں چل دیئے کیونکہ یہ کام منع جب ہے جب لوٹنے کا ارادہ نہ ہو، جیسے اذان کے بعد مسجد سے نکلنا اس وقت ممنوع ہے جب لوٹنے کا قصد نہ ہو، یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ حضور کی مجلس سے بغیر پوچھے نہ جاؤ۔

۵۔ اس آیت کی تفسیر ابھی کچھ پہلے گزر گئی۔ مقصد یہ ہے کہ اس گناہ پر سزا کوئی نہیں کیونکہ یہ صغیرہ ہے جو تجھ سے اتفاقاً سرزد ہو گیا۔ خیال رہے کہ حضور نے پہلے ہی اسے یہ آیت نہ سنائی بلکہ چلے جانے کے بعد اسے واپس بلا کر سنائی کیونکہ غالباً حضور کو امید تھی کہ شاید اس کے بارے میں کوئی اور آیت اترے۔

۶۔ عرض کرنے والے عمر فاروق ہیں یا معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما۔

۷۔ کیونکہ اگرچہ اس آیت کا نزول خاص موقع پر ہوا لیکن اس کے الفاظ عام ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں النَّاس سے مراد مسلمان ہیں، یعنی جو مسلمان پابندی نماز کرے گا اس کے صغیرہ گناہ معاف ہوتے رہیں گے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سردی کے موسم میں تشریف لے گئے۔ جب پتے جھڑ رہے تھے تو حضور نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑ لیں ۲ فرمایا کہ پتے جھڑنے لگے راوی فرماتے ہیں کہ فرمایا اے ابوذر! میں نے کہا حضور حاضر ہوں فرمایا کہ جب مسلمان بندہ اللہ کی رضا کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی جھڑ جاتے ہیں جیسے پتے اس درخت سے جھڑ گئے ۳ (احمد)

۱۔ مدینہ منورہ سے باہر کسی جنگل میں اور یہ موسم خزاں کا تھا جبکہ شاخیں ہلانے سے پتے جھڑ جاتے ہیں اور ویسے بھی پتے جھاڑ ہوتا رہتا ہے۔

۲۔ غالباً یہ درخت کوئی جنگل خود رو تھا جس کے پھل، پھول، پتے ہر راہ گیر توڑ سکتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ درخت آپ کا اپنا ہو یا کسی ایسے شخص کا ہو جو حضور کے اس عمل شریف سے راضی ہو، ورنہ دوسرے کے درخت سے بلا اجازت پتے وغیرہ جھاڑنا ممنوع ہے۔ (مرقاۃ)

۳۔ یعنی اخلاص کی نماز موسم خزاں کی اس نیز ہوا کی طرح ہے جو پتے جھاڑ کر دیتی ہے۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہاں گناہوں سے صغیرہ گناہ مراد ہے۔

روایت ہے حضرت زید ابن خالد جہنی سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دو رکعتیں پڑھے جن میں کچھ بھولے نہیں تو اللہ اس کے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے ۲ (احمد)

۱۔ آپ قبیلہ جہنیہ سے ہیں، کوفہ میں رہے، وہیں وفات پائی۔

۲۔ غالباً ان دو رکعتوں سے مراد وضو کے نفل ہیں جیسا کہ دوسری حدیث میں صراحتاً مذکور ہے۔ نہ بھولنے سے مراد دل کا حاضر رہنا ہے، یعنی جو کوئی حضور دل سے وضو کے نفل پڑھے تو اس کے سارے گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں، اب باقی نماز فرائض، سنتیں وغیرہ اس کے درجے بلند کریں گی۔ خلاصہ یہ کہ جب نفل نماز کا یہ فائدہ ہے تو فرائض اور واجبات کا کتنا بڑا فائدہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے ایک دن نماز کا ذکر کیا تھا فرمایا کہ جو اس پر پابندی کرے گا ۱ نماز اس کے لیے قیامت کے دن روشن دلیل اور نجات ہو جائے گی ۲ اور جو اس پر پابندی نہ کرے گا تو اس کے لیے نہ نور ہوگا نہ دلیل نہ نجات اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا ۳ (احمد، دارمی، بیہقی، شعب الایمان)

۱۔ اس طرح کہ نماز ہمیشہ پڑھے، صحیح پڑھے، دل لگا کر اخلاص کے ساتھ ادا کیا کرے۔ یہی معنی ہیں نماز قائم کرنے کے جس کا حکم قرآن کریم نے بارہا دیا: "اقِمْوا الصَّلَاةَ"۔

۲۔ قیامت میں قبر بھی داخل ہے کیونکہ موت بھی قیامت ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نماز قبر میں اور پل صراط پر روشنی ہوگی، کہ سجدہ گاہ تیز بیٹری کی طرح چمکے گی، اور نماز اس کے مؤمن بلکہ عارف باللہ ہونے کی دلیل ہوگی، نیز اس نماز کے ذریعہ سے اسے ہر جگہ نجات ملے گی کیونکہ قیامت میں پہلا سوال نماز کا ہوگا اگر اس میں بندہ کامیاب ہو گیا تو ان شاء اللہ آگے بھی کامیاب ہوگا۔

۳۔ ابی ابن خلف وہ مشرک ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن اپنے ہاتھ سے قتل فرمایا۔ مرقاۃ میں ہے اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ بے نمازی کا حشر ان کافروں کے ساتھ ہوگا اور نمازی مؤمن کا حشر ان شاء اللہ نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ بے نمازی کافر ہو جائے اور نمازی نبی، بلکہ بے نماز کو قیامت میں ان کفار کے ساتھ کھڑا کیا جاوے گا جیسے کسی شریف آدمی کو ذلیل کے ساتھ بٹھادینا اس کی ذلت ہے، لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ خیال رہے کہ قیامت میں ہر شخص کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے دنیا میں محبت تھی۔ اور جس کی طرح وہ کام کرتا تھا، بے نماز چونکہ کافروں کے سے کام کرتا ہے لہذا اس کا حشر بھی ان کے ساتھ ہوگا، نمازی نبیوں، صدیقوں کی نقل کرتا ہے لہذا ان کا حشر ان کے ساتھ ہوگا، اسی لئے کہتے ہیں کہ اچھوں کی نقل بھی اچھی اور بروں کی نقل بھی بری۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن شقیق سے! فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اعمال میں سے کسی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہ سمجھتے تھے سوائے نماز کے! (ترمذی)

۱۔ آپ عظیم الشان تابعی ہیں، حضرت عمر، علی، عثمان، وعائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی، قبیلہ بنی عقیل سے ہیں، بصرہ میں قیام رہا، ۱۰۸ھ میں وفات پائی۔

۲۔ کیونکہ اس زمانہ میں نماز پڑھنا مؤمن کی علامت تھی اور نہ پڑھنا کافر کی پہچان جیسے آج سر پہ چوٹی، نیچے دھوتی ہندو کی پہچان ہے، اس لئے وہ حضرات جسے نماز نہ پڑھتے دیکھتے سمجھتے کافر ہوگا، لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ نماز چھوڑنا کفر ہو اور بے نمازی کافر ہو، اور نہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہے جن میں فرمایا گیا کہ مؤمن اگرچہ زانی ہو چور ہو پھر بھی جنتی یعنی جنت کا مستحق۔

روایت ہے حضرت ابی الدرداء سے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب نے وصیت کی کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تم مارڈالے جاؤ یا جلادیئے جاؤ اور فرض نماز جان کر نہ چھوڑو کہ جس نے اسے عمداً چھوڑا اس سے ذمہ بری ہو گیا! اور شراب نہ پیو کہ یہ ہر شرکی چابی ہے! (ابن ماجہ)

۱۔ وصیت سے مراد تاکید کی حکم ہے، رب فرماتا ہے: "يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ"۔ شرک نہ کرنے سے مراد دلی شرک ہے، یعنی

عقیدہ شرک اختیار نہ کرو۔ لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ" کیونکہ آیت میں سخت مجبور کو زبان سے کفر کہہ دینے کی اجازت دی گئی ہے اور یہاں عقیدہ کفر رکھنے سے ممانعت ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت

میں رخصت کا ذکر ہو اور یہاں عزیمت کا یعنی اگرچہ معذور کو کفر بولنے کی اجازت مگر ثواب اسی میں ہے کہ قتل ہو جاؤ مگر زبان سے کفر نہ نکالو۔

۲ یعنی بے نمازی سے اسلام کی امان اٹھ گئی اسے حاکم اس پر سخت سے سخت سزا دے سکتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ نمازی اللہ کی امان میں رہتا ہے صدا مصیبتوں سے محفوظ، بے نماز اس دولت سے محروم۔

۳ کیونکہ شراب عقل بگاڑ دیتی ہے اور عقل ہی برائیوں سے روکتی ہے، بے عقلی میں انسان سب کچھ کر بیٹھتا ہے۔ خیال رہے کہ خمر صرف انگوری شراب کو کہتے ہیں، مگر یہاں ہر نشہ والی شراب مراد ہے جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے۔

## باب المواقیت

### وقتوں کا باب

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ مواقیت وقتوں کی جمع ہے۔ میقات بمعنی وقت ہے، جیسے معیاد بمعنی وعدہ، میلاد بمعنی ولادت، معراج بمعنی عروج، یہاں نماز کے اوقات مراد ہیں۔ نماز کے اوقات تین قسم کے ہیں: وقت مباح، وقت مستحب اور وقت مکروہ۔ نماز کے اوقات تشریحی چیزیں ہیں جن میں عقل کو دخل نہیں مگر ان میں حکمتیں ضرور ہیں۔ یہ حکمتیں ہماری کتاب "اسرار الاحکام" میں دیکھو۔ چونکہ نماز کے لئے وقت شرط اول ہے اس لئے صاحب مشکوٰۃ نے نماز کے بیان میں پہلے اس کا ذکر کیا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کا وقت ۱ جب ہے کہ سورج ڈھل جائے ۲ اور آدمی کا سایہ اس کے قد کی برابر ہو جائے ۳ جب تک کہ عصر نہ آئے ۴ اور عصر کا وقت جب تک ہے کہ سورج زرد نہ پڑ جائے ۵ اور نماز مغرب کا وقت جب تک ہے کہ شفق غائب نہ ہو جائے ۶ اور عشاء کی نماز کا وقت رات کے درمیانی آدھے تک ہے ۷ اور نماز صبح کا وقت صبح چمکنے سے اس وقت تک ہے کہ سورج نہ چمکے۔ جب سورج چمک جائے تو نماز سے باز ہو ۸ کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان نکلتا ہے ۹ (مسلم)

۱۔ ظہر یا ظہور سے بنایا ظہیرہ سے (دوپہری) چونکہ معراج کے بعد اونگاہی نماز ظاہر ہوئی اور سب سے پہلے یہی پڑھی گئی، نیز یہ دوپہری میں ادا کی جاتی ہے لہذا اسے ظہر کہا جاتا ہے۔

۲ آفتاب صبح سے دوپہر تک چڑھتا ہے اور دوپہر سے شام تک چمچم کی طرف اترتا ہے جس حد پر چڑھنا ختم ہو جائے اور اس کے بعد اترنا شروع ہو وہ نصف النہار سے آگے بڑھنے کا نام زوال ہے، یہ زوال ہی وقت ظہر کی ابتداء ہے وہی یہاں مراد۔

۳ زوال کے وقت سایہ برابر ہونا بعض ملکوں اور بعض زمانوں میں ہوگا۔ سردی میں چونکہ سورج جنوب کی طرف ہوتا ہوا جاتا ہے لہذا اس وقت بعض جگہ یہ سایہ چیز کے برابر ہوجاتا ہے، لیکن کبھی بعض ملکوں میں اس وقت سایہ بالکل نہیں ہوتا یا ہوتا ہے مگر بہت تھوڑا۔ جس زمانہ میں حضور نے یہ فرمایا ہوگا وہ موسم سردی کا ہوگا، لہذا یہ حدیث بالکل ظاہر ہے اور آئندہ حدیثوں کے خلاف نہیں جن میں اس سایہ کی مقدار تسمہ کی برابر بیان فرمائی گئی کیونکہ وہاں موسم گرمی کا ذکر ہے اور یہاں سردی کا اور ہو سکتا ہے کہ اس جملہ میں ظہر کا آخری وقت مراد ہو اور حدیث کے معنی یہ ہوں کہ آفتاب ڈھلنے سے ظہر شروع ہوتی ہے اور ایک مثل سایہ پر ختم، اس صورت میں یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے کیونکہ ہمارے ہاں دو مثل پر ظہر کا وقت نکلتا ہے ان کے ہاں ایک مثل پر لیکن ان کی یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ اس میں اصلی سایہ کا ذکر نہیں، امام شافعی کے ہاں اصلی سایہ کے علاوہ ایک مثل سایہ چاہئے۔

۴ پہلی تفسیر پر یہ جملہ ظہر کے آخر وقت کا بیان ہے اور دوسری تفسیر پر پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظہر و عصر کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں یعنی ظہر جاتے ہی عصر آجاتی ہے۔

۵ یہ عصر کے وقت مستحب کا بیان ہے یعنی دھوپ پہلی پڑنے سے پہلے عصر کی نماز پڑھ لینی چاہئے، ورنہ غروب آفتاب تک وقت عصر ہے، جیسا کہ مسلم و بخاری کی روایات میں ہے۔ خیال رہے کہ آفتاب ڈوبنے سے بیس منٹ قبل پیلا پڑتا ہے۔

۶ یعنی مغرب کا وقت آفتاب ڈوبنے سے شروع ہوتا ہے اور شفق غائب ہونے پر ختم۔ امام اعظم کے نزدیک شفق اس سفیدی کا نام ہے جو آسمان کے مغربی کنارے پر سرخی کے بعد نمودار ہوتی ہے۔ اور امام شافعی و صاحبین کے نزدیک سرخی کا نام شفق ہے، یعنی سفیدی کا وقت امام صاحب کے نزدیک مغرب ہے، یہی قول سیدنا ابوہریرہ، امام اوزاعی اور عمر ابن عبدالعزیز کا ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک یہ وقت عشاء ہے، یہی قول سیدنا عبداللہ ابن عمر اور ابن عباس کا ہے۔ احتیاط یہ ہے کہ سفیدی آنے سے پہلے مغرب پڑھ لے اور سفیدی ڈوبنے کے بعد عشاء پڑھے تاکہ اختلاف سے بچ جائے۔

۷ یہاں بھی وقت مستحب مراد ہے، یعنی مستحب یہ ہے کہ آدھی رات سے پہلے پڑھ لے، ورنہ وقت عشاء صبح صادق تک رہتا ہے۔ درمیانی سے مراد یا درمیانی رات ہے، یا درمیانی آدھا یعنی راتیں لمبی بھی ہوتی ہیں، چھوٹی بھی اور درمیانی بھی، تم درمیانی رات کے آدھے تک پڑھ لو، یا پورے آدھے تک نماز پڑھ لو، نہ کم نہ زیادہ۔

۸ یعنی سورج نکلنے وقت کوئی نماز نہ پڑھو، نہ نفل، نہ فرض۔ یہاں دو مسئلے سمجھنا چاہیے: ایک یہ کہ تین وقت مطلقاً نماز ممنوع ہے، سورج نکلنے وقت، بیچ دوپہر یعنی نصف النہار پر، سورج ڈوبتے وقت کہ ان اوقات میں فرض و نفل نماز بلکہ سجدہ ہی حرام ہے، البتہ سورج ڈوبتے وقت آج کی عصر درست ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تک سورج میں تیزی نہ آجائے تب تک طلوع مانا جائے گا یعنی سورج چمکنے سے بیس منٹ تک سجدہ حرام ہے۔

۹ یعنی ایک شیطان سورج نکلنے وقت سورج کے سامنے اس طرح کھڑا ہوجاتا ہے کہ سورج اس کے دونوں سینوں کے درمیان معلوم ہو، تاکہ اپنے دوسرے شیاطین کو دکھائے کہ سورج کی پوجا کرنے والے مجھے پوج رہے ہیں، بہت مشرکین اس وقت سورج کو سجدہ کرتے ہیں اس کی طرف پانی پھینک کر اس کی تعظیم کرتے ہیں، مسلمانوں کو اس وقت سجدہ حرام ہے تاکہ مشرکوں سے مشابہت نہ ہو اور شیطان یہ نہ کہہ سکے کہ مسلمان مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ خیال رہے کہ سورج ہر وقت کہیں نہ کہیں طلوع کرتا ہے تو مطلب یہ ہے



کہ شیطان سورج کے ساتھ اسی طرح گردش کرتا ہے کہ جہاں سورج طلوع ہو رہا ہو وہاں اس وقت وہ نمودار ہوتا ہے اس کی بہت تفسیریں ہیں۔

روایت ہے حضرت بریدہ<sup>۱</sup> سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارے میں پوچھا تو فرمایا تم ہمارے ساتھ ان دو دنوں میں نماز پڑھو۔<sup>۲</sup> تو جب سورج ڈھل گیا حضرت بلال کو حکم دیا اور انہوں نے اذان کہی پھر حکم دیا انہوں نے ظہر کی تکبیر کہی۔<sup>۳</sup> پھر انہیں حکم دیا تو عصر کی تکبیر کہی جب کہ سورج بلند سفید صاف تھا۔<sup>۴</sup> پھر انہیں حکم دیا تو مغرب کی تکبیر کہی۔<sup>۵</sup> جب سورج چھپ گیا پھر انہیں حکم دیا تو عشاء کی تکبیر کہی جب شفق غائب ہو گئی پھر انہیں حکم دیا تو فجر کی تکبیر کہی جب کہ صبح چمکی پھر دوسرا دن ہوا تو انہیں حکم دیا ظہر کو ٹھنڈا کیا بلکہ اسے خوب ٹھنڈا کیا۔ اور عصر جب پڑھی کہ آفتاب اونچا تھا اس سے زیادہ دیر لگائی جو کل تھامے اور مغرب پڑھی شفق غائب ہونے سے پہلے۔<sup>۶</sup> اور عشاء پڑھی تہائی رات گزرنے کے بعد اور فجر پڑھی خوب اجالا ہونے پر پھر فرمایا کہاں ہے نماز کے اوقات پوچھنے والا وہ شخص بولا میں ہوں یا رسول اللہ تو فرمایا کہ تمہارے نماز کے اوقات اس کے درمیان ہیں جو تم نے دیکھا۔<sup>۷</sup> (مسلم)

۱۔ آپ کا نام بریدہ ابن حصیب ہے، بنی اسلم قبیلہ سے ہیں، سواہ بدر تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے، خراسان میں غازیانہ شان سے گئے، مدینہ میں وفات پائی، وہاں ہی آپ کی اولاد اب تک ہے۔ (مرقات)

۲۔ تاکہ تمہیں ہر نماز کے وقت کی ابتداء و انتہا معلوم ہو جائے۔ پتا لگا کہ عملی تبلیغ قوی تبلیغ سے زیادہ مفید ہے۔ غالباً یہ صاحب کہیں باہر کے ہوں گے، ورنہ صحابہ کرام تو ہر نماز حضور انور کے ساتھ ہی پڑھا کرتے تھے۔

۳۔ یعنی سورج ڈھلتے ہی بغیر توقف ظہر کی اذان کہلوائی پھر سنتوں کا وقت دے کر تکبیر کا حکم دیا لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ اذان کے بعد فوراً تکبیر ہوئی، سواہ مغرب باقی تمام نمازوں میں اذان و تکبیر میں فاصلہ چاہئے اس لئے یہاں ٹھہر فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ تکبیر اذان سے کچھ بعد ہوئی۔

۴۔ یعنی عصر کے وقت آتے ہی عصر کی اذان کہلوائی دو مثل سایہ ہو جانے پر، جیسا اگلے باب میں ان شاء اللہ بیان کیا جائے گا۔ سورج کے صاف اور روشن ہونے سے یہ لازم نہیں کہ ایک مثل سایہ پر اذان ہوئی، دو مثل پر بھی سورج صاف ہوتا ہے۔  
۵۔ یعنی مغرب کی اذان کہتے ہی تکبیر کہی چونکہ یہ اذان و تکبیر ملی ہوئی تھیں اس لئے صرف تکبیر کا ذکر ہوا۔

۱ یعنی ظہر آخر وقت ادا کی جب گرمی بالکل جاتی رہی وقت خوب ٹھنڈا ہو گیا۔ غالباً یہ گرمی کا موسم تھا ورنہ سردی میں تو ہر وقت ٹھنڈک رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آج ظہر ایک مثل سایہ کے بہت بعد پڑھی ورنہ ایک مثل سایہ تک سخت گرمی رہتی ہے، لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہو سکتی ہے۔

۲ یہاں بھی وقت مستحب کا ذکر ہے اگرچہ وقت عصر آفتاب غروب تک رہتا ہے مگر حضور نے سورج زرد پڑنے سے پہلے آج عصر پڑھی کراہت سے بچنے کے لئے۔

۳ اس سے معلوم ہوا کہ وقت مغرب سورج ڈوبنے سے شروع ہو کر شفق غائب ہونے تک رہتا ہے، یہ ہی قول ہمارے امام اعظم کا ہے۔ امام شافعی و مالک علیہما الرحمۃ کے نزدیک وقت مغرب ادائے مغرب کی بقدر ہے، یہ حدیث ہمارے امام کی قوی دلیل ہے رضی اللہ عنہ۔

۴ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہاں بعض نمازوں کے مستحب وقتوں کا ذکر ہے۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ وقت مستحب کی ابتداء و انتہا یہ ہے، لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو بار حضرت جبریل نے بیت اللہ کے پاس میری امامت کی ۱ تو مجھے ظہر پڑھائی جبکہ سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمہ کی برابر ہوا ۲ اور مجھے عصر پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا ۳ اور مجھے مغرب پڑھائی جبکہ روزے دار افطار کرتا ہے ۴ مجھے عشاء پڑھائی جب کہ شفق غائب ہو گئی ۵ اور مجھے فجر پڑھائی جب کہ روزے دار پر کھانا پینا حرام ہوتا ہے ۶ پھر جب کل ہوئی تو مجھے ظہر جب پڑھائی کہ چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا ۷ اور مجھے عصر جب پڑھائی کہ چیز کا سایہ دوگنا ہو گیا ۸ اور مجھے مغرب پڑھائی جب کہ روزے دار افطار کرتا ہے ۹ اور مجھے عشاء تہائی رات تک پڑھائی اور مجھے فجر پڑھائی اجالا کر کے پھر میری طرف متوجہ ہوئے عرض کیا اے محمد مصطفیٰ ۱۰ یہ آپ سے پہلے نبیوں کے اوقات ہیں ۱۱ اور ان وقتوں کے درمیان وقت نماز ہے ۱۲ (ابوداؤد، ترمذی)

۱ یعنی شب معراج کے سویرے جبریل امین نے دو دن مجھے نماز پڑھائی سب سے پہلے ظہر پڑھائی۔ خیال رہے کہ حضرت جبریل حضور کے استاد نہیں بلکہ خادم ہیں، یہ نماز پڑھانا پیغام الہی پہنچانے کے لئے تھا۔ یہ عملی رسالت تھی جو ادا کی اور کبھی مقتدی امام سے افضل

ہوتا ہے۔ حضور نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کے پیچھے نماز فجر پڑھی حالانکہ حضور نبی تھے وہ امتی، نیز اس امامت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے کیونکہ آج یہ نمازیں حضرت جبریل پر فرض ہو گئی تھیں، جب رب نے انہیں یہ حکم دیا تو فرض ہو گئیں۔ یہ واقعہ بیت اللہ کے دروازے سے متصل ہوا جہاں اب بھی لوگ نفل پڑھتے ہیں، یہاں حوض کی طرح جگہ نیچی ہے، غسل کعبہ کے وقت یہاں ہی زمزم بھرا جاتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضرت جبریل کی یہ تعلیم امت کے لئے تھی نہ کہ حضور کے لئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نماز کا طریقہ اس کے اوقات اوّل سے ہی جانتے تھے پہلی وحی جب آئی تو آپ غار حرا میں معکف تھے، نیز معراج کو جاتے وقت بیت المقدس میں سارے رسولوں کو نماز پڑھا کر گئے، پھر بیت المعمور میں سارے فرشتوں کو نماز پڑھائی وہ تو نبیوں اور فرشتوں کے امام ہیں مگر امت کو تعلیم احکام کے نزول کے بعد ہوتی ہے۔

۲ یعنی اس دن آفتاب ڈھلنے پر انسان کا سایہ جو تہ کے تمہ کے برابر تھا کیونکہ گرمی کا موسم تھا یہ سایہ موسموں کے لحاظ سے گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں سایہ سے مراد عام انسانوں کا سایہ ہے نہ کہ حضور کا سایہ، نہ حضرت جبریل کا کہ یہ دونوں نور ہیں نور کا سایہ نہیں ہوتا، حضور کا سایہ نہ تھا اگرچہ سارے عالم پر انہیں کا سایہ ہے۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب رسالہ "نور" میں دیکھو۔

۳ اس حدیث سے امام شافعی و صاحبین نے دلیل پکڑی کہ ایک مثل پر عصر کا وقت ہو جاتا ہے۔ ہمارے امام اعظم کے نزدیک دو مثل پر ہوتا ہے۔ مگر یہ حدیث ان کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس میں سایہ اصلی کا ذکر نہیں، حالانکہ ان بزرگوں کے نزدیک بھی عصر کا وقت سایہ اصلی کے سوا ایک مثل سایہ ہونے پر ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اوقات کی یہ حدیث منسوخ ہے، جیسے کہ اس دن ہر نماز دو رکعت تھی ایسے ہی اس دن اوقات نماز یہ تھے۔ بعد میں نمازوں کی رکعتوں میں بھی زیادتی ہوئی اور اوقات میں بھی تبدیلی۔ ان شاء اللہ اس کی تحقیق اگلے باب میں ہوگی اور ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں بھی ملاحظہ کرو۔ اس کی ناخ احادیث کا بھی ذکر آ رہا ہے۔

۴ یعنی آج کل جس وقت افطار ہوتا ہے اس وقت مغرب پڑھائی سورج ڈوبتے ہی، ورنہ اس دن نہ روزہ فرض تھا نہ افطار تھا۔ روزے بعد ہجرت فرض ہوئے لہذا حدیث پر اعتراض نہیں۔

۵ اس کا وہی مطلب ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی غروب آفتاب کی سرخی کے بعد وہ سفیدی شفق ہے اس کے چھپنے پر وقت عشاء ہو جاتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے جیسا کہ ان شاء اللہ اگلے باب میں آ رہا ہے۔

۶ اس کا وہی مطلب ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی آج کل جب پو پھٹنے پر روزہ دار کو کھانا پینا حرام ہوتا ہے اس وقت نماز فجر پڑھائی ورنہ اس وقت نہ روزے تھے نہ سحری و افطار۔

۷ ظاہر یہ ہے کہ آج ظہر اس وقت پڑھائی جس وقت کل عصر پڑھائی تھی، یعنی ایک مثل سایہ پر۔ لہذا یہ حدیث بالاتفاق منسوخ ہے۔ کسی کا مذہب یہ نہیں کہ ظہر کا آخر اور عصر کا اول بالکل ایک وقت ہے، سب کے نزدیک ظہر کے بعد عصر کا وقت ہوتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں تقریبی وقت مراد ہے یعنی قریباً ایک مثل سایہ تھا ایک مثل سے کچھ ہی پہلے۔ بعض نے فرمایا کہ نماز ظہر ختم ہونے پر ایک مثل ہوانہ کہ شروع پر۔ بعض نے فرمایا کہ ایک مثل مع سایہ اصلی کے مراد ہے، یعنی کل عصر پڑھائی ایک مثل پر، علاوہ سایہ اصلی کے اوپر، آج ظہر پڑھائی ایک مثل مع سایہ اصلی کے۔ غرض کہ یہ حدیث مشکلات میں سے ہے حق یہ ہے کہ منسوخ ہے۔

۸ یہ خبر بھی بالاتفاق منسوخ ہے کیونکہ سب کے نزدیک وقت عصر آفتاب چھپنے پر ختم ہوتا ہے نہ کہ سایہ دوگنا ہونے پر بلکہ امام اعظم کے ہاں اس وقت عصر شروع ہوتی ہے۔

۹ یعنی مغرب دو دن ایک ہی وقت پڑھائی، امام شافعی و مالک کا یہ ہی قول ہے۔ مگر ہمارے ہاں یہ حدیث ہی منسوخ ہے۔ کچھلی حدیث میں گزر گیا کہ حضور نے دوسرے دن مغرب شفق غائب ہونے سے کچھ پہلے پڑھائی۔ اگر وقت مغرب صرف ادا نماز کے بقدر ہوتا تو اس تاخیر کے کیا معنی ہیں؟ اور وہ حدیث اس کے بعد کی ہے کیونکہ آج تو اسلام کی پہلی نمازیں ادا ہو رہی ہیں۔

۱۰ یہ کلمہ حضور انکسار کے طور پر اپنے الفاظ میں ادا فرما رہے ہیں ورنہ حضرت جبریل نے نہایت ادب سے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ، جیسے آج کوئی عالم کہے کہ مجھے جلسہ والوں نے کہا کہ تو بھی کچھ کہہ حالانکہ جلسے والے ادب سے عرض کرتے ہیں۔ حضرت جبریل صرف نام شریف لے کر کیسے پکار سکتے ہیں یہ تو حکم قرآنی کے خلاف ہے، رب فرماتا ہے: "لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ

الرَّسُولِ" الایہ۔

۱۱ یعنی ان نمازوں میں سے جس نبی نے جو نماز پڑھی وہ ان ہی وقتوں میں پڑھی۔ خیال رہے کہ کسی نبی پر یہ پانچ نمازیں جمع نہ ہوئیں یہ اجتماع حضور کی امت کی خصوصیت ہے، لہذا حدیث صاف ہے بلکہ ابوداؤد، بیہقی، ابن ابی شیبہ کہتے ہیں حضور نے فرمایا کہ نماز عشاء تم سے پہلے کسی امت نے نہ پڑھی، ہو سکتا ہے کہ یہ نماز بعض انبیاء نے پڑھی ہوں ان کی امت پر فرض نہ ہو جیسے آج نماز تہجد ہمارے حضور پر فرض تھی ہم پر فرض نہیں۔ طحاوی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نماز فجر حضرت آدم نے پڑھی جب توبہ قبول ہوئی، نماز ظہر حضرت ابراہیم نے پڑھی حضرت اسماعیل کا فدیہ دینے پر، نماز عصر حضرت عزیر نے پڑھی جب سو برس کے بعد آپ زندہ ہوئے، نماز مغرب حضرت داؤد نے پڑھی اپنی توبہ قبول ہونے پر، مگر چار رکعت کی نیت باندھی تھی تین رکعت پر سلام پھیر دیا تھک گئے تھے لہذا تین ہی رہ گئیں، نماز عشاء ہمارے حضور نے پڑھی۔ بعض نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پڑھی جب آگ لینے طور پر گئے، خیریت سے نبوت لے کر آئے، بیوی صحابہ کو بخیریت پایا کہ بچہ پیدا ہو چکا تھا۔ واللہ اعلم!

۱۲ ظاہر یہ ہے کہ ان دو دنوں میں صرف حضور نے حضرت جبریل کے ساتھ نمازیں پڑھیں ان میں صحابہ ساتھ نہ تھے جیسا کہ اہل سنت سے معلوم ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نماز پڑھ کر پڑھنے کا حکم دیتے تھے یا حضور بطور نفل حضرت جبریل کے ساتھ پڑھتے رہے اور بعد میں صحابہ کو پڑھاتے رہے۔ خیال رہے کہ معراج کے سویرے نماز فجر نہ پڑھی گئی نہ قضاء کی گئی کیونکہ قانون بیان سے پہلے عمل کے لائق نہیں ہوا، معراج کی رات نماز فرض ہوئی اور پہلے ظہر پڑھی گئی لہذا آج چار نمازیں ہوئیں پھر پانچ اس کی تحقیق ہماری کتاب "تفسیر نعیمی" وغیرہ میں دیکھو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن شہاب سے ۱ کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے عصر کچھ دیر سے پڑھی ۲ تو ان سے عروہ نے کہا کہ حضرت جبریل اترے انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے نماز پڑھی ۳ حضرت عمر نے ان سے کہا کہ جو کہتے ہو سمجھ کے کہو اے عروہ ۴ وہ بولے میں نے بشیر ابن ابی مسعود کو کہتے ہوئے سنا انہوں نے ابی مسعود کو سنا کہ وہ

کہتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سناہ کہ اترے حضرت جبریل انہوں نے میری امامت کی میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی اپنی انگلیوں پر پانچ نمازیں گناتے تھے (مسلم، بخاری)

۱۔ یہ امام زہری کی کنیت ہے، آپ کا نام محمد ہے، کنیت ابو بکر اور ابن شہاب ہے، مشہور تابعی ہیں۔  
 ۲۔ یعنی معمول سے زیادہ دیر سے پڑھی، عمر ابن عبدالعزیز خلفاء میں سے پانچویں خلیفہ برحق ہیں۔ (مرقات) پانچواں اس لئے کہا گیا کہ حضرت امام حسن نے خلافت سے دستبرداری کر لی تھی، آپ کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔  
 ۳۔ سبحان اللہ! کیا ادب ہے حضرت عروہ نے یہ نہ کہا کہ حضور کو نماز پڑھائی بلکہ یوں کہا کہ آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھ کر دکھائی، حضرت عروہ عائشہ صدیقہ کے بھانجے اور حضرت اسماء کے فرزند ہیں۔ آپ کے باغ کے کنوئیں کا پانی فقیر نے بھی پیا ہے۔  
 ۴۔ یعنی اے عروہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت جبریل حضور سے آگے کھڑے ہوں، رب تو فرماتا ہے: "لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ" تمہاری یہ خبر مجھے قرآن کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔

۵۔ خیال رہے کہ حضرت عروہ ابن زبیر خود بھی صحابی ہیں مگر پھر بھی اسناد سے حدیث بیان کی۔ مقصد یہ ہے کہ میں نے حضور سے خود بھی یہ حدیث سنی ہے، میرے علاوہ اور صحابہ نے بھی سنی اور ان سے دوسرے مسلمانوں نے بھی۔ غرض کہ بطور گواہی یہ اسناد پیش کی ورنہ جب صحابی خود حضور سے حدیث سن لیں تو انہیں اسناد کی ضرورت نہیں۔  
 ۶۔ حضرت عروہ نے اس جگہ نماز کے اوقات کا ذکر نہ کیا کیونکہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو اس پر تو کوئی شبہ نہ تھا، انہیں شبہ یہ تھا کہ حضرت جبریل حضور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کیونکر پڑھا سکتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو امام الاولین و الاخرین ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کو جاتے ہوئے سارے نبیوں کو نماز پڑھائی، بیت المقدس میں ان مقتدیوں میں حضرت جبریل و میکائیل بلکہ سارے براتی فرشتے اس معراج والے دولہا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے تھے، آج حضرت جبریل امام کیسے ہو گئے اس لئے اسناد سے صرف نماز پڑھانے کا واقعہ عرض کیا۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ معراج کی نماز نماز عشق تھی نہ کہ نماز شرعی ورنہ گزشتہ نبی یہ نماز نہ پڑھتے کہ بعد وفات احکام شرعیہ ختم ہو جاتے ہیں اور یہ نماز تھی اور احکام شرعیہ لانے والے حضرت جبریل تھے، عشق حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت جبریل امین کو سکھایا اور شریعت کے احکام حضرت جبریل علیہ السلام لائے "اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَي سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ"۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے آپ نے اپنے حکام کو لکھا کہ میرے نزدیک سارے کاموں سے زیادہ اہم نماز ہے جس نے اسے محفوظ رکھا اور اس کی پابندی کی اس نے اپنا دین محفوظ رکھا اور جس نے اسے ضائع کر دیا تو وہ نماز

کے سوا کہ بہت ضائع کرے گا ۲ پھر لکھا کہ ظہر اس وقت پڑھو جب سایہ ایک گز ہو جائے ۳ یہاں تک پڑھو کہ ہر ایک کا سایہ اس کے برابر ہو جائے ۴ اور عصر جب پڑھو کہ سورج اونچا سفید صاف ہو جس قدر کہ سوا آفتاب ڈوبنے سے پہلے دو تین کوس چل لے ۵ اور مغرب جب پڑھو کہ سورج ڈوب جائے اور عشاء اس وقت کہ شفق غائب ہو جائے تہائی رات تک ۶ تو جو عشاء سے پہلے سو جائے خدا کرے اس کی آنکھیں نہ سوئیں، جو سو جائے اس کی آنکھیں نہ سوئیں، جو سو جائے اس کی آنکھیں نہ سوئیں اور فجر پڑھو کہ تارے چمکتے ہوں گئے ہوئے ہوں ۷ (مالک)

۱ یعنی سلطنت کے کام ملکی انتظام نماز کے بعد ہیں جب نماز کا وقت آجائے تو سارے کام ویسے ہی چھوڑ دو اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ سلطان اسلام کو چاہیے کہ رعایا کے دینی حالات سنبھالے صرف دنیا پر نظر نہ رکھے۔ دوسرے یہ کہ بڑوں کو سنبھالو چھوٹے خود سنبھال جائیں گے اسی لئے آپ نے حکام کو خصوصیت سے خطاب فرمایا۔

۲ حفظ سے مراد نماز کو درست کر کے پڑھنا ہے اور محافظت سے مراد ہمیشہ اور صحیح وقت پر پڑھنا۔ اس فرمان سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز کی پابندی تمام نیکیوں کا دروازہ کھول دیتی ہے ایسے ہی نماز چھوڑنا گناہوں کا دروازہ کھولتا ہے، رب فرماتا ہے: "إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ الْإِيْمَةِ"

۳ سایہ سے مراد عام انسان کا سایہ ہے، گز سے شرعی گز مراد ہے، یعنی ۲۴ انگل یا ڈیڑھ فٹ۔ آپ کا یہ فرمان اس موسم کے لحاظ سے ہے جب خط لکھا تھا اس وقت اس ملک میں ایک ہاتھ سایہ ہونے پر ہی وقت ظہر شروع ہوتا ہوگا ورنہ مختلف وقتوں اور مختلف علاقوں میں وقت ظہر مختلف رہتا ہے۔

۴ اس قسم کی تمام احادیث امام شافعی کی دلیل ہیں کہ وقت ظہر ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، امام اعظم کے نزدیک دو مثل تک وقت ظہر رہتا ہے، ان کے ہاں ایک مثل کی احادیث منسوخ ہیں ان کی ناسخ وہ احادیث ہیں جو الگلے باب میں آرہی ہیں۔ حضرت عمر کا یہ فرمان بیان مستحب کے لئے ہے، یعنی بہتر یہ ہے کہ ظہر ایک مثل تک پڑھ لو۔ ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ ظہر ایک مثل تک پڑھ لے اور عصر دو مثل کے بعد ورنہ ظاہری معنی سے یہ حدیث امام شافعی کے بھی خلاف ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک بھی اصلی سایہ کے سوا ایک مثل سایہ چاہیے اور یہاں اصلی سایہ کا ذکر نہیں۔

۵ یعنی سورج ڈوبنے سے ۵۰ منٹ پہلے کیونکہ بیس منٹ پہلے سورج پیلا پڑتا ہے۔ یہ وقت کراہت ہے اس سے آدھا گھنٹہ پہلے عصر شروع کرنی چاہیے اتنی دیر میں سوار دو تین کوس بخوبی چل لے گا۔

۶ یہاں بھی وقت مستحب ہی کا ذکر ہے ورنہ وقت مغرب شفق ڈوبنے تک رہتا ہے اور وقت عشاء صبح صادق تک، مگر مستحب یہ ہے کہ مغرب سورج ڈوبتے ہی پڑھ لی جائے اور عشاء تہائی رات سے پہلے۔

کے جناب فاروق اعظم کی یہ بددعا اظہار غضب کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ نماز عشاء سے پہلے سو جانا اور عشاء کے بعد بلا ضرورت جاگتے رہنا سنت کے خلاف اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناپسند ہے لیکن نماز سے پہلے سو کر نماز ہی نہ پڑھنا اور ایسے ہی عشاء کے بعد جاگ کر فجر قضاء کر دینا حرام ہے کیونکہ حرام کا ذریعہ بھی حرام ہوتا ہے۔

۱ یعنی فجر اندھیرے میں پڑھو، یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے۔ امام اعظم کے نزدیک فجر اجیلا کر کے پڑھنی چاہیے، امام صاحب کے دلائل اگلے باب میں آرہے ہیں۔ اور اوقات نماز کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اندازہ ظہر گرمی میں تین قدم سے پانچ قدم تک اور سردی میں پانچ قدم سے سات قدم تک تھا۔ (ابوداؤد، نسائی)

۱ یعنی حضور گرمی کے موسم میں اگر ظہر جلدی پڑھتے تو جب پڑھتے تھے کہ درمیانی انسان کا سایہ تین قدم ہو جاتا، اور اگر دیر میں پڑھتے تو اس وقت پڑھتے جب انسانی قدم کا سایہ پانچ قدم ہو جاتا، اور سردی میں اگر جلدی پڑھتے تو پانچ قدم سایہ پر اور دیر میں پڑھتے تو سات قدم پر کیونکہ بمقابلہ گرمیوں کے سردی میں سایہ اصلی لمبا ہوتا ہے۔ یہ اندازہ ملک عرب کے لحاظ سے ہے دیگر ممالک میں جاری نہیں ہو سکتا کیونکہ جگہ کا جس قدر عرض بلد زیادہ ہوگا اسی قدر سایہ لمبا ہوگا۔

## باب التعمیل الصلوۃ

### جلد نماز پڑھنے کا باب

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱ خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک نماز مغرب ہمیشہ اور نماز ظہر سردیوں میں جلدی پڑھنا مستحب ہے کہ وقت داخل ہوتے ہی نماز شروع کر دی جائے ان دو کے سوا باقی تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا مستحب ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک نماز جلدی پڑھنے کے معنی یہ ہیں کہ وقت شروع ہوتے ہی نماز پڑھ لی جائے دیر نہ لگائی جائے، بعض آئمہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ نماز کا وقت آتے ہی پڑھ لی جائے مگر نماز عشاء میں تہائی رات تک دیر لگانا سب کے نزدیک مستحب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عشاء کی تاخیر اور مغرب میں جلدی پونہی سردیوں میں ظہر کی جلدی پر سب متفق ہیں باقی نمازوں میں اختلاف ہے۔

روایت ہے حضرت سیرا بن سلامہ سے فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد حضرت ابی برزہ اسلمی کے پاس گئے ان سے میرے باپ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرائض کیسے پڑھتے تھے وہ بولے کہ دوپہری کی نماز جسے تم پہلی کہتے ہو تب پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا اور عصر پڑھتے پھر ہم

میں سے ایک کنارہ مدینہ میں اپنے گھر پہنچ جاتا حالانکہ سورج صاف ہوتا ہے اور جو کچھ مغرب کے بارے میں فرمایا وہ میں بھول گیا اور آپ عشاء جسے تم عتمہ کہتے ہو اسے دیر سے پڑھنے کو پسند فرماتے تھے ۵ اور اس سے پہلے سونا اور اس کے بعد بات چیت ناپسند فرماتے تھے ۶ اور نماز فجر سے جب فارغ ہوتے جب کہ آدمی اپنے پاس والے کو پہچان لیتا حالانکہ آپ ساٹھ سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے ۷ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ عشاء کو تہائی رات تک تاخیر کرنے میں پروا نہ کرتے تھے اس سے پہلے سونا اور اس کے بعد بات چیت کرنا ناپسند فرماتے تھے۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ آپ مشہور تابعی ہیں، بصری، قبیلہ بنی تمیم سے ہیں، بہت صحابہ سے ملاقات ہے۔

۲۔ آپ کا نام نفلہ ابن عبیدہ ہے، صحابی ہیں، حضور کی وفات کے بعد مسلمان دور دور سے صحابہ کی زیارت کرنے، ان سے مسائل پوچھنے آیا کرتے تھے اس سلسلے میں آپ کی حاضری بھی تھی۔

۳۔ یعنی ظہر اول وقت پڑھ لیتے تھے، یہاں سردی کے زمانہ کی ظہر مراد ہے، ورنہ اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ حضور نے فرمایا ظہر ٹھنڈی کرو کیونکہ دوپہری کی گرمی دوزخ کی بھڑک سے ہے، لہذا یہ حدیث نہ اگلی حدیث سے متعارض ہے نہ حنفیوں کے خلاف۔

۴۔ یعنی آفتاب ڈوبنے سے قریباً پچاس منٹ پہلے اور پیلا پڑنے سے آدھا گھنٹہ پہلے عصر پڑھتے تھے، قریباً دس منٹ میں نماز سے فراغت ہوتی تھی، چالیس منٹ میں انسان بخوبی مدینہ منورہ کے کنارے پہنچ سکتا ہے۔ یہ فقیر آدھے گھنٹے میں پیدل مسجد قباء شریف پہنچ جاتا تھا، لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور ایک مثل میں پڑھتے تھے یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں۔

۵۔ شریعت میں اس نماز کا نام عشاء ہے مگر بدوی لوگ عتمہ کہتے ہیں یعنی اونٹنی دوہنے کے وقت کی نماز۔ خیال رہے کہ نماز کے وہی نام لینے چاہئیں جو شریعت نے مقرر کئے، ظہر کو پیشی، عصر کو دیگر، مغرب کو شام، اور عشاء کو خفتاں کہنا جیسا کہ پنجاب میں مروج ہے۔ براہے۔ یہاں تاخیر سے مراد تہائی رات تک دیر لگانا ہے، جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔

۶۔ اس کی شرع پہلے گزر چکی۔ بات سے دنیاوی غیر ضروری باتیں مراد ہیں یہی مکروہ ہیں، لہذا دینی جلسے، دینی کتب کا مطالعہ عشاء کے بعد منع نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ عشاء کے بعد جلدی سو جاؤ صبح کو جلدی اٹھو۔

۷۔ یعنی فجر اتنی جلدی شروع کرتے کہ ساٹھ یا سو آیتیں پڑھ کر فارغ ہونے پر اتنا اجیلا ہوتا کہ ساتھی پہچان لیا جائے، یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جن کے نزدیک فجر اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے۔ امام اعظم کے نزدیک یہ اندھیرا مسجد کا ہوتا تھا نہ کہ وقت کا کیونکہ مسجد نبوی بہت گہری ہے، باہر کی روشنی وہاں بہت دیر میں پہنچتی ہے اور اگر مان لیا جائے کہ یہ وقت کا اندھیرا تھا تو یہ حضور کا خصوصی عمل ہے، فرمان آگے آرہا ہے کہ فرمایا فجر اجالا کر کے پڑھو کہ اس کا ثواب زیادہ ہے اور جب حضور کے فرمان و عمل شریف میں تعارض معلوم ہو تو فرمان کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ عمل میں احتمال ہے کہ آپ کی خصوصیات میں سے ہو۔ خیال رہے کہ ایسی حدیث کوئی نہیں جس میں اندھیرے میں فجر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو مگر اجیالے کے حکم کی بہت حدیثیں موجود ہیں، نیز عام صحابہ فجر اجیالے میں ہی پڑھتے



تھے۔ حضرت علی قبر سے فرمایا کرتے تھے اے قبر خوب اجیلا کرو، خوب اجیلا کرو (طحاوی) صدیق اکبر جب فجر سے فارغ ہوتے تو محسوس ہوتا تھا کہ آفتاب نکلا جاتا ہے۔ (بیہقی) ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کا جیسا اتفاق فجر و عصر کے اجیالے پر ہے ایسا بہت کم مسائل پر ہے۔ (طحاوی و خسرو) فقیر نے "جاء الحق" حصہ دوم میں اجیالہ فجر کی انتیس<sup>۹</sup> احادیث پیش کی ہیں حتیٰ کہ دیلمی کی روایت نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو فجر روشنی میں پڑھے اللہ اس کی قبر اور دل میں روشنی کرے۔

روایت ہے حضرت محمد ابن عمرو ابن حسن ابن علی سے فرماتے ہیں ہم نے جابر ابن عبد اللہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں پوچھا فرمایا ظہر دوپہری میں پڑھتے تھے اور عصر جب کہ سورج صاف ہوتا اور مغرب جب کہ سورج ڈوب جاتا ہے اور عشاء جب لوگ زیادہ ہوتے تو جلدی پڑھ لیتے اور جب تھوڑے ہوتے تو دیر میں پڑھتے اور صبح اندھیرے میں لے (مسلم، بخاری)

۱۔ اس کی شرح پہلے گزر گئی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر وقت میں گنجائش ہو تو لوگوں کے اجتماع کا خیال رکھا جائے۔ ریل کا سا وقت نہ ہو کہ نمازی ہوں یا نہ ہوں نماز پڑھ لی جائے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کہ اگر لوگ کم ہوتے تو عشاء دیر سے پڑھتے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر پڑھتے تو گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے لے (مسلم، بخاری) لفظ بخاری کے ہیں۔

۱۔ یہ گرمی فرش کی ہوتی تھی نہ کہ وقت کی۔ سرکار ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے مگر فرش تپا ہوتا تھا جیسے کہ اب بھی حرمین شریفین میں دیکھا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نمازی اپنے پہنے ہوئے کپڑے پر ضرور سجدہ کر سکتا ہے، یہی امام صاحب کا قول ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گرمی تیز ہو نماز ٹھنڈی کرو۔

اور بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابوسعید سے ہے کہ ظہر ٹھنڈی کرو کیونکہ گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے ۲۔ آگ نے اپنے رب سے شکایت کی تھی کہا تھا اے رب میرے بعض نے بعض کو کھا ڈالا رب نے اسے دو سانسوں کی اجازت دی ایک سانس سردی میں اور ایک گرمی میں یہ وہی تیز گرمی اور ٹھنڈک ہے جسے تم محسوس کرتے ہو ۳۔ (مسلم، بخاری) اور بخاری کی ایک روایت میں یوں

ہے کہ جو تیز گرمی تم پاتے ہو یہ دوزخ کی گرم سانس سے ہے اور جو تیز ٹھنڈک تم پاتے ہو یہ اس کی ٹھنڈی سانس سے ہے۔

۱۔ یہ حدیث ان تمام احادیث کی شرح ہے جن میں فرمایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوپہری میں ظہر پڑھتے تھے، اس نے بتایا کہ وہاں جاڑوں کی ظہر مراد ہے، گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرنے کا تاکید حکم ہے۔ اس سے حنیفوں کے دو مسئلے ثابت ہوئے: ایک یہ کہ گرمی کی ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنا سنت ہے۔ دوسرے یہ کہ ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے کیونکہ ایک مثل تک ہر جگہ خصوصاً عرب میں بہت تپش رہتی ہے۔ نیز بخاری، ابوداؤد و بیہقی، طحاوی، ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوزر غفاری سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں ظہر جب پڑھی جب کہ ٹیلوں کا سایہ پڑ گیا اور ٹیلہ کا سایہ ایک مثل کے بعد ہی پڑتا ہے، نیز بخاری شریف نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود ان مزدوروں کی طرح ہیں جو صبح سے ظہر تک ایک قیراط پر کام کریں، عیسائی وہ مزدور ہیں جو ظہر سے عصر تک ایک قیراط پر محنت کریں، اور تم وہ مزدور ہو جو عصر سے مغرب تک دو قیراط کے بدلے کام کریں تمہارا کام کم اور مزدوری زیادہ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقت عصر وقت ظہر سے کم ہے ورنہ یہ مثال درست نہ ہوتی اگر ایک مثل پر عصر شروع ہو جایا کرے تو اس کا وقت ظہر کی برابر بلکہ گرمیوں میں اس سے کہیں زیادہ ہو جائیگا۔ اس مسئلہ پر امام صاحب کے اور بہت دلائل ہیں اگر شوق ہو تو ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم کا یہ باب دیکھو۔

۲۔ خیال رہے کہ فلاسفہ کے نزدیک گرمی آفتاب کے قرب سے آتی ہے مگر آفتاب میں گرمی دوزخ سے آئی۔ ہو سکتا ہے کہ گرمی آفتاب سے بھی ہو اور دوزخ کی بھڑک کی توجہ سے، اگرچہ گرمیوں کے موسم میں بعض پہاڑوں اور بعض مقامات پر ٹھنڈک رہتی ہے لیکن یہ اس کے خلاف نہیں جیسے سورج کی گرمی ایک ہے لیکن اس کے اثر کا ظہور زمین پر مختلف، کہیں سردی، کہیں گرمی، ایسے ہی ادھر بھی ہے کہ بھڑک کی توجہ جہاں زیادہ ہے وہاں گرمی، جہاں کم ہے وہاں سردی، لہذا اس حدیث پر نہ تو آریوں اور عیسائیوں کا کوئی اعتراض ہو سکتا ہے نہ چکڑالویوں کا۔

۳۔ یعنی دوزخ جب اوپر کو سانس لیتا ہے تو دنیا میں عموماً سردی کا زور ہوتا ہے اور جب نیچے کو سانس چھوڑتا ہے تو عموماً گرمی کی شدت۔ خیال رہے کہ یہ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں ہر چیز میں قدرت نے زندگی اور شعور بخشے ہیں، قرآن کریم فرماتا ہے: "فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ" کفار کے مرنے پر آسمان و زمین نہیں روتے یعنی مسلمان کے مرنے پر روتے ہیں، اور فرماتا ہے: "وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ" بعض پتھر اللہ کے خوف کی وجہ سے گر جاتے ہیں۔ چکڑالویوں کو ان احادیث پر اعتراض کرنے سے پہلے یہ آیات دیکھنی چاہئیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر اس وقت پڑھتے تھے کہ سورج بلند اور صاف ہوتا تھا کہ جانے والا اطراف مدینہ کی طرف جاتا وہاں اس وقت پہنچ جاتا کہ سورج بلند ہوتا حالانکہ بعض اطراف مدینہ سے چار میل یا اس کی مثل تھے ۱۔

(مسلم، بخاری)

۱۔ اس حدیث سے نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ عصر دو مثل سے پہلے پڑھتے تھے اور نہ یہ کہ عصر اول وقت پڑھ لیتے تھے، حنفی وقت میں (غروب آفتاب سے ۵۰ منٹ پہلے) عصر پڑھ کر اتنی دورے تکلف چلا جاسکتا ہے۔ طحاوی شریف میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ اس وقت عصر پڑھتے جب دھوپ اونچے پہاڑ پر نظر آتی تھی۔ اور سیدنا فاروق اعظم نے اپنے عمال کو لکھا کہ صحابہ کرام نماز عصر دیر میں پڑھتے تھے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہو سورج کا انتظار کرتا رہے حتیٰ کہ جب پیلا پڑ جائے اور شیطان کے دو سینگوں کے بیچ آجائے تو کھڑا ہو کر چار چوٹیاں مارے کہ ان میں اللہ کا تھوڑا ہی ذکر کرے! (مسلم)

۱۔ اس حدیث سے تین مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ دنیوی کاروبار میں پھنس کر نماز عصر دیر سے پڑھنا منافقوں کی علامت ہے۔ دوسرے یہ کہ غروب سے ۲۰ منٹ پہلے کراہت کا وقت ہے، وقت مستحب میں عصر پڑھنا چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ رکوع اور سجدہ بہت اطمینان سے کرنا چاہیئے، حضور نے جلد باز سجدے کو مرغ کے چونچ مارنے سے تشبیہ دی جو وہ دانہ چگتے وقت زمین پر جلدی جلدی مارتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کی نماز عصر جاتی رہی گویا اس کا گھر بار اور مال لٹ گیا۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ یعنی جیسے اس شخص کو وہ نقصان پہنچا جس کی تلافی نہیں ہو سکتی ایسے ہی عصر چھوڑنے والے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے اس کی وجہ اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو نماز عصر چھوڑے اس کے عمل ضبط ہو گئے! (بخاری)

۱۔ غالباً عمل سے مراد وہ دنیوی کام ہے جس کی وجہ سے اس نے نماز عصر چھوڑی۔ ضبطی سے مراد اس کام کی برکت کا ختم ہونا، یا یہ مطلب ہے کہ جو عصر چھوڑنے کا عادی ہو جائے اس کے لئے اندیشہ ہے کہ وہ کافر ہو کر مرے جس سے اعمال ضبط ہو جائیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ عصر چھوڑنا کفر و ارتداد ہے۔ خیال رہے کہ نماز عصر کو قرآن کریم نے بیچ کی نماز فرما کر اس کی بہت تاکید فرمائی، نیز اس وقت رات و دن کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے اور یہ وقت لوگوں کی سیر و تفریح اور تجارتوں کے فروغ کا وقت ہے، اس لئے کہ اکثر لوگ عصر میں سستی کر جاتے ہیں ان وجوہ سے قرآن شریف نے بھی عصر کی بہت تاکید فرمائی اور حدیث شریف نے بھی۔

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب پڑھتے تھے تو ہم میں

سے ایک اس وقت لوٹتا جب اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتا۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ یعنی مغرب سے فارغ ہو کر اتنا اجالا ہوتا تھا کہ کمان سے پھینکا ہوا تیر جہاں گرتا نظر آتا تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز مغرب ہمیشہ اول وقت پڑھنی چاہئے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ صحابہ نماز عشاء شفق غائب ہونے سے رات کی اگلی تہائی کے درمیان پڑھتے تھے۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ اگر جلدی پڑھتے تو شفق غائب ہونے کے بعد پڑھتے کہ اس سے پہلے وقت عشاء ہوتا ہی نہیں، لہذا یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر پڑھتے تھے پھر عورتیں اپنی چادروں میں لپیٹی ہوئی لوٹ جاتی تھیں اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ یہ اندھیرا یا تو مسجد کا ہوتا تھا کیونکہ مسجد نبوی بہت گہری تھی یا وقت کا کیونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر اول وقت میں ادا فرماتے تھے ان نمازی عورتوں کی وجہ سے تاکہ اندھیرے ہی میں اپنے گھر چلی جائیں پھر عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا گیا تب یہ حکم بھی بدل گیا۔ پہلی صورت میں یہ حدیث محکم اور ہمارے واسطے لائق عمل ہے۔ دوسری صورت میں یہ عمل اس وقت کے لحاظ سے ہے اور حضور کی خصوصیات سے۔ ہم نے توجیہ میں اس لئے کہیں کہ آگے فجر اجیالے میں پڑھنے کا حکم آ رہا ہے اس توجیہ کی بنا پر یہ فعلی حدیث اس قولی کے خلاف نہ ہوگی۔ غالباً یہ یہیماں سلام پھیرتے ہی دعا سے پہلے چلی جاتی تھیں جیسا کہ فَتَنَّا صَبْرَهُمْ کی "ف" سے معلوم ہو رہا ہے اور مرد دعا کے بعد جاتے تھے تاکہ عورتوں اور مردوں کا اختلاط نہ ہو۔ خیال رہے کہ حضرت عمر فاروق نے عورتوں کو مسجد سے روک دیا حضرت عائشہ صدیقہ نے اس کی تائید کی اور فرمایا کہ اگر حضور انور بھی آج کے حالات دیکھتے تو عورتوں کو مسجد سے روک دیتے افسوس ان لوگوں پر جو اس دور میں اپنی عورتوں کو بے پردہ سینما اور بازاروں میں بھیجیں۔

روایت ہے حضرت قتادہ سے کہ وہ حضرت انس سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور زید ابن ثابت نے سحری کھائی جب سحری سے فارغ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف اٹھے اور نماز پڑھ لی ہم نے حضرت انس سے کہا کہ ان بزرگوں کے سحری سے فراغت اور نماز کی مشغولیت میں کتنا فاصلہ تھا فرمایا اس قدر کہ کوئی شخص چپاس آیتیں پڑھ لے۔ (بخاری)

۱۔ آپ مشہور تابعین میں سے ہیں، بہترین حافظ و مفسر تھے، مادر زاد نابینا تھے، حافظ غضب کا پایا تھا، قبیلہ سدوس سے تھے، بصرے میں قیام تھے، ۷۷ھ میں وفات پائی۔ آپ سے خواجہ حسن بصری جیسے بزرگوں نے روایت لیں۔

۲۔ یعنی سحری بالکل آخر وقت کھائی اور فجر بالکل اول وقت پڑھی۔ مرقات نے فرمایا کہ سحری اور نماز فجر میں صرف اتنا فاصلہ حضور انور کی خصوصیات سے ہے کیونکہ آپ دین میں خطا سے معصوم تھے حضور کو سحری اور نماز کے اوقات کا یقینی علم تھا۔ ہمیں صرف اتنے فاصلہ پر فجر جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ ہم وقت کی پہچان میں غلطی کر کے، یا سحری وقت کے بعد کھالیں، یا نماز وقت سے پہلے پڑھ لیں۔ خیال رہے کہ فجر جلدی پڑھنے کی عملی احادیث ہیں لیکن قولی حدیث ایک بھی نہیں مگر دیر سے فجر پڑھنے کی قولی حدیثیں بہت موجود ہیں، لہذا مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے حکام مسلط ہوں گے جو نمازوں کو فوت کر دیا کریں گے یا ان کے وقتوں سے پیچھے کر دیا کریں گے! میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ کیا حکم دیتے ہیں فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر پڑھ لیا کرنا اگر ان کے ساتھ بھی پالو تو پھر پڑھ لینا، کہ وہ تمہارے نفل ہوں گے! (مسلم)

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے حضور کو علوم غیبیہ بخشے۔ دیکھو حضور نے اس جگہ ابوذر غفاری کی درازی عمر کی بھی خبر دی اور آئندہ لاپرواہ حکام کے تسلط کی بھی، یعنی اے ابوذر! خلفائے راشدین کے بعد تم زندہ رہو گے اور ایسے بے پرواہ اور ظالم حکام کا زمانہ پاؤ گے کہ تم انہیں نماز بھی صحیح وقت پر نہ پڑھو سکو گے۔

۲۔ اس جملے سے بہت سے فقہی مسائل معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جماعت کے لالچ میں نماز وقت مستحب سے نہ ہٹائی جائے بلکہ اکیلے پڑھ لی جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر حاکم صحیح وقت جماعت نہ ہونے دے تو مسجد میں یا گھر میں اپنی نماز علیحدہ پڑھ لے جیسا کہ آج حاجیوں کو نجدی حکام کی وجہ سے پیش آتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر ظالم حاکم کے سامنے مجبوراً کلمہ حق نہ کہہ سکے تو گنہگار نہیں۔ چوتھے یہ کہ نماز پڑھ چکنے کے بعد اگر جماعت ملے تو بہ نیت نفل اس میں شریک ہو جائے مگر یہ حکم صرف ظہر و عشاء میں ہے کیونکہ فجر و عصر کے بعد نفل مکروہ ہیں اور مغرب کی تین رکعتیں ہیں۔ پانچویں یہ کہ اگر ظالم حاکم کے ساتھ نماز نہ پڑھنے میں ایذا اور تکلیف پہنچ جانے کا اندیشہ ہو تو مجبوراً ان کے پیچھے نماز پڑھ لے مگر نماز لوٹالے جیسا کہ آجکل اہل سنت کو حریم شریفین میں پیش آتا ہے۔ چھٹے یہ کہ نفل والے کی نماز فرض والے کے پیچھے جائز ہے۔ ساتویں یہ کہ اگر بادشاہ کا مقرر کردہ امام بد مذہب ہو اور کوئی سچا مسلمان ان کی جماعت کے وقت وہاں پھنس جائے تو معذوری کی حالت میں یہی کرے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سورج نکلنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے اس نے فجر پالی اور جو سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے اس نے عصر پالی! (مسلم، بخاری)

۱۔ یعنی اگر نماز فجر کے دوران میں سورج نکل آئے یا عصر کی نماز پڑھتے ہوئے آفتاب غروب ہو جائے تو نماز ہو گئی۔ اس کی تحقیق اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے وہ اپنی نماز پوری کر لے اور جب سورج چمکنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے تو اپنی نماز پوری کرے! (مسلم، بخاری)

۱۔ کیونکہ اس نے نماز کا وقت پایا اور اس کی یہ نماز ادا ہوگی نہ کہ قضاء۔ خیال رہے کہ اس بارے میں احادیث متعارض ہیں۔ اس حدیث سے تو معلوم ہوا کہ طلوع و غروب کے وقت نماز صحیح ہے مگر دوسری روایت میں آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وقتوں میں نماز پڑھنے سے سخت منع فرمایا، لہذا قیاس شرعی کی ضرورت پڑی جو ان میں سے ایک حدیث کو ترجیح دے۔ قیاس نے حکم دیا کہ اس صورت میں عصر درست ہوگی اور فجر فاسد ہو جائے گی کیونکہ عصر میں آفتاب ڈوبنے سے پہلے وقت مکروہ بھی آتا ہے یعنی سورج کا پیلا پڑنا، لہذا یہ شروع بھی ناقص ہوئی اور ختم بھی ناقص، لیکن فجر میں آخر تک وقت کامل ہے اس صورت میں نماز شروع تو کامل ہوئی اور ختم ناقص، لہذا عصر میں اس حدیث پر عمل ہے اور فجر میں ممانعت کی حدیث پر۔ اس کی زیادہ تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔ غرض کہ سورج نکلنے کے وقت کوئی نماز درست نہیں، اور سورج ڈوبتے وقت اس دن کی عصر جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو نماز بھول جائے یا اس سے غافل ہو کر سو جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے تو پڑھ لے ایک روایت میں ہے اس کا کفارہ اس کے سوا اور کچھ نہیں! (مسلم، بخاری)

۱۔ اس طرح کہ یونہی لیٹا سونے کا ارادہ نہ تھا کہ آنکھ لگ گئی وقت نماز گزر جانے پر آنکھ کھلی تو معذور ہے، لیکن اگر جان بوجھ کر بغیر نماز پڑھے سو گیا یا رات کو بلا عذر دیر سے سویا جس سے فجر کے وقت آنکھ نہ کھلی تو مجرم ہے۔ رب تعالیٰ نیت و ارادہ کو جانتا ہے، اسی لئے بعد نماز عشاء جلد سو جانے کا حکم ہے لہذا اس حدیث سے آج کل کے فاسق نماز سے بے پرواہ و دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۲۔ یعنی جیسے روزہ رہ جانے میں کبھی کفارہ پڑ جاتا ہے اور جیسے کبھی ارکان حج چھوٹ جانے پر کفارہ لازم آتا ہے ایسے نماز میں نہ ہوگا اس میں صرف قضاء ہے۔ اِذَا ذَكَرَ سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ چھوٹی ہوئی نماز اگر قطعاً یاد ہی نہ آئے تو آدمی گنہگار نہیں۔ دوسرے یہ کہ یاد آجانے پر دیر نہ لگائے فوراً قضا ادا کرے اب دیر لگانا گناہ ہے کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں تمام عبادات کا یہی حال ہے۔ خیال رہے کہ یہاں صرف ذکر اور یاد آجانے کا تذکرہ فرمایا یہ بیداری کا ذکر نہ ہوا کیونکہ قضا یاد آنے سے واجب ہوتی ہے نہ کہ محض جاگنے سے اگر جاگنے پر یاد نہ آئے قضا نہیں۔

روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سو جانے میں کوتاہی (قصور) نہیں

کو تاہی صرف بیداری میں ہے! تو جب کوئی نماز بھول جائے  
یا اس سے غافل ہو کر سوجائے جب یاد آئے تو پڑھ لے  
چونکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری یاد کے وقت نماز قائم  
کرو! (مسلم)

۱۔ یعنی اگر نماز کے وقت اتفاقاً آنکھ نہ کھلے اور نماز قضا ہو جائے تو گناہ نہیں۔ گناہ اس میں ہے کہ انسان جاگتا رہے اور دانستہ نماز قضا کر دے۔ خیال رہے کہ اگر وقت پر آنکھ نہ کھلنا اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہو تو گناہ ہے جیسے رات کو بلاوجہ دیر میں سونا جس سے دن چڑھے آنکھ کھلے یقیناً جرم ہے۔

۲۔ یعنی جب میں یاد آؤں تو نماز پڑھو اس آیت کی اور بہت تفسیریں ہیں۔ بہت پیاری اور قوی تفسیر وہی ہے جو خود حضور فرمائیں۔ خیال رہے کہ یہاں یہ نہ فرمایا کہ جب نماز یاد آجائے تو پڑھو بلکہ فرمایا جب میں یاد آؤں تو پڑھو، کہ معلوم ہوا کہ خدا کو یاد رکھنے والا نماز نہیں بھول سکتا اور نماز پابندی کرنے والا ان شاء اللہ خدا سے غافل نہیں ہو سکتا۔ اس آیت کی اور بہت سی تفسیریں ہماری تفسیر "نور العرفان" میں دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا نبی صلی  
اللہ علیہ وسلم نے اے علی تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ نماز جب  
آجائے! اور جنازہ جب تیار ہو جائے اور لڑکی جب اس کا ہم  
قوم مل جائے! (ترمذی)

۱۔ یعنی جب نماز کا وقت مستحب آجائے تو دیر مت لگاؤ، لہذا یہ حدیث نہ تو حنفیوں کے خلاف ہے نہ شوافع کی تائید، نہ دوسری احادیث سے متعارض کیونکہ عشاء سب کے نزدیک دیر سے ہی پڑھنا چاہئے۔

۲۔ آپہ اصل میں آیوم تھا واؤ، ہی ہو کر ی میں مدغم ہو گیا۔ آپہ بے خاندن والی بالغہ عورت کو کہتے ہیں کنواری ہو یا بیوہ، یعنی جب لڑکی کے لئے مناسب رشتہ مل جائے تو بلاوجہ دیر مت لگاؤ کہ اس میں ہزار ہا فتنہ ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر وقت مکروہ میں جنازہ آئے تب بھی اس پر نماز پڑھ لیجائے یہی حنفیوں کا مذہب ہے۔ ممنوع یہ ہے کہ جنازہ پہلے تیار ہو مگر نماز وقت مکروہ میں پڑھی جائے، لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور نے سورج نکلنے، ڈوبنے اور بیچ دوپہری میں نماز جنازہ سے منع فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اول وقت میں اللہ کی  
خوشنودی ہے اور آخر وقت میں اللہ کی معافی! (ترمذی)

۱۔ اول وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے اور آخر وقت سے وقت مکروہ مراد ہے، یعنی وقت مستحب شروع ہوتے ہی نماز پڑھ لینا رضا الہی کا سبب ہے اور وقت مکروہ میں نماز پڑھنا تو چاہئے یہ تھا کہ سخت گناہ ہو اور نماز قضا مانی جائے مگر رب نے معافی دیدی۔ ہماری اس تفسیر سے یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ عشاء دیر سے پڑھو۔

روایت ہے حضرت ام فروہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون سا عمل بہتر ہے فرمایا اول وقت نماز پڑھنا (احمد و ترمذی، ابوداؤد) ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث صرف عبداللہ ابن عمر عمری سے مروی ہے اور وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ۲

۱ یعنی وقت مستحب کے اول نماز پڑھنا جیسا کہ بارہا عرض کیا جا چکا۔ خیال رہے کہ بیان فضیلت میں حدیثیں مختلف ہیں۔ بعض میں ہے کہ افضل عمل جہاد ہے، بعض میں ہے کہ بہترین عمل ماں باپ کی خدمت، مگر ان میں تعارض نہیں، کیونکہ مطلقاً فضیلت اول وقت نماز پڑھنے میں ہے، لیکن بعض ہنگامی حالات میں جہاد یا خدمت والدین افضل ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ مختلف جوابات پوچھنے والوں کے لحاظ سے ہوں، کسی سے فرمایا کہ تیرے لئے جہاد افضل، کسی سے فرمایا تیرے لئے ماں باپ کی خدمت افضل، طبیب کا نسخہ مریض کی حالت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

۲ ان کا نام عبداللہ ابن عمر ابن حفص ابن عاصم ابن عمر ابن خطاب ہے، بڑے عابد و زاہد، پرہیزگار تھے مگر حافظہ کسی قدر کمزور تھا، اسی لئے ان کی وفات ہوئی۔ ان کے بھائی عبید اللہ ابن عمر بڑے ثقہ راوی تھے۔ خیال رہے کہ یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے، اس لئے حسن لغیرہ ہے (مرقاۃ واشعہ)

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز اس کے آخر وقت میں دوبار بھی نہ پڑھی حتیٰ کہ رب نے آپ کو وفات دی (مرقاۃ)

۱ یہ حدیث بہت مشکل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دفعہ بہت نمازیں آخر وقت میں پڑھیں، کیونکہ جبریل امین نے دوسرے دن ساری نمازیں حضور کو آخر وقت میں پڑھائیں، پھر کئی دفعہ خود حضور نے نماز کے اوقات بتانے کے لئے صحابہ کرام کو ایک دن اول وقت نمازیں پڑھائیں، ایک دن آخر وقت میں، غزوہ خندق میں پانچ نمازیں قضاء کر کے پڑھیں، تشریح کی رات فجر کی نماز قضاء کر کے پڑھی، ایک دفعہ فجر کے بالکل آخر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی، بہت جلدی میں نماز ادا کی اور فرمایا کہ میں نے رب کو خواب میں دیکھا اس سے ہمکلامی میں مشغول تھا الخ۔ لہذا یہ حدیث واجب التاویل ہے۔ یا تو یہ سارے واقعات ام المؤمنین کے علم میں نہ آئے یا یکھنے سیکھنے کے واقعات کا آپ کا ذکر نہیں فرما رہی ہیں یا مطلب یہ ہے کہ میرے نکاح میں آنے کے بعد میرے گھر میں حضور نے کوئی نماز آخر وقت نہ پڑھی، نیز یہ حدیث قوی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد متصل نہیں۔ محدث میرک فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تاہل ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت بھلائی پر یا فرمایا فطرت پر، یہی جب تک مغرب کو تاروں کے گٹھ جانے تک پیچھے نہ کریں ۲ (ابوداؤد)



۱۔ فطرت سے مراد اسلام ہے، یا سنت انبیاء، یا اسلام کی دائمی سنت۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ مغرب میں اتنی تاخیر مکروہ ہے جب تارے خوب چمک جائیں اور سارے تارے ظاہر ہو کر گھنے پڑ جائیں، جیسے روافض کی مغرب کا وقت۔ یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ شفق سفیدی کا نام ہے نہ کہ سرخی کا، سفیدی میں وقت مغرب رہتا ہے کیونکہ تاروں کا گھٹنا اور گھٹنا پڑنا سرخی کے وقت نہیں ہوتا، سفیدی کے وقت ہوتا ہے اس وقت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کا آخری وقت قرار دیا، اسے تاخیر مغرب فرمایا، قضاء نہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان شاء اللہ اہل سنت خیر پر ہیں اور رہیں گے کیونکہ یہ مغرب جلدی پڑھتے ہیں۔

دارمی نے حضرت عباس سے روایت کی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈال دوں گا تو انہیں حکم دیتا کہ عشاء کو تہائی یا آدھی رات تک پیچھے کریں! (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

۱۔ اَوْ نَصْفِهِ میں راوی کو شک ہے کہ حضور نے یا تہائی فرمایا یا آدھا، یہ حدیث ان احادیث کی شرح ہے جن میں اول وقت نماز پڑھنے کی ترغیب ہے، اس حدیث نے بتایا کہ وہاں اول وقت سے اول وقت مستحب مراد تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر امت پر گرانی کا خیال نہ ہوتا تو میں عشاء کی اتنی تاخیر کو فرض قرار دے دیتا کہ اس سے پہلے عشاء جائز ہی نہ ہوتی، اب یہ تاخیر سنت تو ہے فرض نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باذن الہی احکام شرعیہ کے مالک و مختار ہیں کہ بحکم پروردگار جو چاہیں فرض نہ کریں۔ اس کے لئے ہماری کتاب "سلطنت مصطفیٰ" دیکھو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور امت پر ایسے رحیم و کریم ہیں کہ عبادات میں بھی امت کی راحت کا خیال رکھتے ہیں۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس نماز کو دیر سے پڑھا کرو کیونکہ تم کو اس کی وجہ سے ساری امتوں پر بزرگی دی گئی کہ تم سے پہلے یہ نماز کسی امت نے نہ پڑھی (ابوداؤد)

۱۔ یعنی چونکہ نماز عشاء تم ہی کو ملی ہے اس لئے اسے دیر میں پڑھا کرو تاکہ تمہیں انتظار نماز کا ثواب ملے اور اس کے بعد زیادہ باتوں کا وقت نہ رہے فوراً سو جایا کرو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کی امت ساری امتوں سے افضل ہے۔ اس فضیلت کی بہت سی وجوہ ہیں: جن میں سے ایک عشاء کا ملنا بھی ہے۔ خیال رہے کہ نماز عشاء ہم سے پہلے کسی امت پر فرض نہ تھی، ہاں بعض نبی بطور نفل اسے پڑھتے رہے ہیں، لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں جبریل نے عرض کیا تھا کہ یہ اوقات آپ کے اور آپ سے پہلے انبیاء کی نمازوں کے وقت ہیں اور نہ اس روایت کے خلاف ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے وادی سینا سے آکر اپنی بیوی "صفوراء" کو بخیریت پا کر نماز عشاء پڑھی۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرمایا کہ میں اس نماز یعنی آخری عشاء کے نماز کا وقت خوب جانتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز تیسری شب کے چاند ڈوب جانے پر پڑھا کرتے تھے۔ (ابوداؤد، دارمی)

۱۔ یہ وقت سردیوں میں تقریباً ساڑھے نو بجے شب بنتا ہے جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہوا۔

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر روشنی میں پڑھو کیونکہ اس کا ثواب بڑا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی) ۲ اور نسائی کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ اس کا ثواب بڑا ہے۔

۱۔ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ فجر اجالے میں پڑھنی چاہیے۔ خیال رہے کہ تاریکی میں فجر پڑھنے کی عملی حدیثیں تو ہیں مگر قوی حدیث کوئی نہیں۔ ان احادیث میں احتمال ہے کہ شاید مسجد کی تاریکی ہوتی ہو نہ کہ وقت کی مگر اس حدیث میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی، اسی لئے صحابہ کرام فجر اجالے میں پڑھتے تھے، جیسا کہ بہت احادیث سے ثابت ہے۔ ہم نے وہ احادیث اپنی کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں جمع کی ہیں۔ اس حدیث کی تائید دو چیزوں سے ہوتی ہے: ایک یہ کہ مسلم، بخاری نے سیدنا ابن مسعود سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں فجر کی نماز روزانہ کے وقت سے پہلے پڑھی تو اگر حضور روز پوچھتے ہی فجر پڑھتے ہوتے تو آج مزدلفہ میں کس وقت پڑھی؟ کیا وقت شروع ہونے سے پہلے پڑھ لی؟ لہذا اس حدیث کا یہی مطلب ہوگا کہ روزانہ اجالے میں پڑھتے تھے آج اندھیرے میں پڑھی، یہی حنیفوں کا مذہب ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز فجر بہت چیزوں میں نماز مغرب کے حکم میں ہے، مغرب میں اجالا سنت ہے تو یہاں بھی اجالا ہی چاہئے، ہاں وہاں اجالا اول وقت ہوتا ہے، فجر میں آخر وقت۔ اس کی پوری بحث "جاء الحق" میں دیکھو۔

۲۔ ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، نیز یہ حدیث ابن ماجہ، بیہقی، ابوداؤد، طیالسی اور طبرانی میں بھی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے پھر اونٹ ذبح کیا جاتا پھر اس کے دس حصے کئے جاتے پھر پکایا جاتا ہم سورج ڈوبنے سے پہلے بھنا گوشت کھا لیتے (مسلم، بخاری)

۱۔ تجربہ شاہد ہے کہ اہل عرب جانور ذبح کرنے اور گوشت بنانے میں بہت تیز و ماہر ہیں۔ فقیر نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ تو دو مثل کے بعد عصر پڑھ کر یہ سارے کام بخوبی ہو سکتے ہیں، خصوصاً گرمیوں میں کہ اس زمانہ میں وقت عصر تقریباً دو گھنٹہ ہوتا

ہے، لہذا اس حدیث سے ایک مثل پر عصر پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہوتا، نیز جوان اونٹ کا گوشت جلدی گلتا ہے، اور بعض ماہر پکانے والے جلدی گلا لیتے ہیں، پاکستانی قضائی اور باورچی اتنے کام سارے دن میں نہیں کر سکتے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم ایک رات آخری عشاء کی نماز کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے ہوئے بہت بیٹھے! آپ تب تشریف لائے جب تہائی رات گزر گئی یا اس کے بھی بعد ہمیں خبر نہیں کہ حضور کو کسی کام نے اپنے گھر میں روک رکھا یا کچھ اور سبب تھا! جب تشریف لائے تو فرمایا کہ تم ایسی نماز کا انتظار کر رہے ہو جس کا تمہارے سوا کوئی دین والا انتظار نہیں کر رہا ہے! اگر میری امت پر گراں نہ ہوتا تو میں ان کو یہ نماز اس ہی وقت پڑھایا کرتا! پھر مؤذن کو حکم دیا انہوں نے نماز کی تکبیر کہی اور نماز پڑھی۔ (مسلم)

۱۔ خیال رہے کہ نماز پڑھنا بھی عبادت اور نماز کا انتظار بھی، خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنا بہترین عبادت ہے۔ اس سے صحابہ کا ادب معلوم ہوا کہ وہ حضرات کبھی حضور کو نہ پکار کر بلاتے تھے نہ نمازیوں کے جمع ہو جانے کی خبر دیتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ خیر کو خبر دینا کیا، نیز قرآن کریم نے پکار کر بلانے والوں کو بے عقل قرار دیا فرمایا ہے: "إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ" الخ۔ صحابہ کرام حضور کو نماز کے لئے جگاتے بھی نہ تھے۔

۲۔ کیونکہ نہ دیر کی وجہ بتائی اور نہ بے ادبی کے خوف سے ہم نے پوچھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرید مرشد سے ہر بات پوچھنا نہ کرے صبر سے کام لیا کرے۔ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ تم میرے کسی عمل پر سوال مت کرنا۔  
۳۔ یعنی تمہارا یہ انتظار بھی عبادت ہے اور اس انتظار میں اب تک جاگنا، مسجد میں بیٹھنا، مشقت اٹھانا سب عبادت، اتنی عبادت کا مجموعہ کسی نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ اس حدیث کی بناء پر بعض علماء فرماتے ہیں کہ عشاء عصر سے بھی افضل ہے۔  
۴۔ معلوم ہو رہا ہے کہ بمقابلہ اور دن کے آج عشاء زیادہ دیر میں پڑھی گئی تھی، نماز پڑھانے سے مراد ان کو اس وقت پڑھنے کا حکم دینا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر بن سمرہ سے! فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں تمہاری ہی نمازوں کی طرح پڑھتے تھے! لیکن عشاء کی نماز تمہاری نماز سے کچھ دیر میں پڑھتے تھے! اور نماز ہلکی پڑھتے تھے! (مسلم)

۱۔ آپ خود بھی صحابی ہیں، والد بھی صحابی، حضرت سعد ابن ابی وقاص کے بھانجے ہیں، کوفہ میں قیام رہا، ۶۳ھ یا ۶۶ھ میں وفات پائی۔

۲ یہ تابعین سے خطاب ہے، یہ حضرات آپ سے حضور کی نماز کے اوقات پوچھتے تھے تو آپ یہ جواب دیتے تھے کہ تم نمازیں صحیح وقت پر پڑھ رہے ہو حضور بھی ان ہی اوقات میں پڑھتے تھے۔  
 ۳ خیال رہے کہ عشاء کو عتمہ کہنا منع ہے۔ یا تو حضرت جابر کو اس ممانعت کا علم نہیں ہوا یا وہ لوگ عشاء کا مطلب سمجھتے نہ تھے، عتمہ کہنے سے سمجھتے تھے، جیسے پنجاب کے دیہاتی عصر کو دیگر، اور عشاء کو خفتاں کہنے سے سمجھتے ہیں۔  
 ۴ یعنی جب نماز پڑھاتے تو ہلکی کرتے اپنی اکیلی نماز بہت دراز پڑھتے تھے جیسے تہجد وغیرہ اور یہ بھی اکثری ہے، ورنہ کبھی حضور نے مغرب میں سورہ اعراف پڑھی ہے مگر کتنی ہی دراز پڑھتے صحابہ کو ہلکی معلوم ہوتی۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی پس تشریف نہ لائے حتیٰ کہ قریباً آدھی رات گزر گئی۔ پھر فرمایا اپنی جگہ بیٹھے رہو چنانچہ ہم اپنی جگہ بیٹھے رہے پھر فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ چکے اور اپنے بستروں پر چلے گئے ۲ اور تم نماز ہی میں رہے جب تک کہ نماز کا انتظار کرتے رہے اور اگر کمزوروں کی کمزوری اور بیماروں کی بیماری نہ ہوتی تو میں اس نماز کو آدھی رات تک مؤخر (پیچھے) کر دیتا ۳ (ابوداؤد، نسائی)

۱ نماز پڑھنے سے مراد پڑھنے کا ارادہ کرنا ہے۔ صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ حضور خواہ کتنی ہی دیر میں تشریف لاتے مگر نہ حضور کو نماز کے لئے بلاتے تھے نہ اکیلے پڑھ لیتے اور نہ اپنی جماعت علیحدہ کر لیتے، وہ سمجھتے تھے کہ حضور کے ساتھ قضا علیحدہ اسے افضل ہے۔  
 ۲ ظاہر یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد وہ مسلمان ہیں جنہوں نے اپنی مسجدوں میں عشاء پڑھ لی یا وہ عورتیں، بچے جو گھروں میں اکیلے عشاء پڑھ کر سو گئے، اہل کتاب مراد نہیں کیونکہ ان کے دین میں عشاء تھی ہی نہیں۔  
 ۳ شطربیل سے مراد تقریباً آدھی رات ہے یعنی تہائی۔ اَحْزَنْتُ سے معلوم ہوا کہ حضور کو نمازیں آگے پیچھے کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، آپ بقاء الہی احکام شرعیہ کے مالک ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ نماز کا انتظار مطلقاً عبادت ہے مگر مسجد میں بیٹھ کر انتظار پڑی عبادت، اسی لئے اس حالت میں انگلیوں میں انگلی ڈالنا منع ہے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بمقابلہ تمہارے ظہر جلدی پڑھتے تھے اور تم عصر حضور سے جلدی پڑھتے ہو (احمد و ترمذی)

۱ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز وقت شروع ہوتے ہی نہ پڑھے کچھ دیر سے پڑھے۔ اگر حضور وقت شروع ہوتے ہی پڑھا کرتے تو یہ حضرات اس سے پہلے کیسے پڑھ سکتے، لہذا یہ حدیث امام اعظم کی تاخیر عصر پر قوی دلیل ہے۔ حضرت ام سلمہ ان سے فرما رہی ہیں کہ اگر تم سنت کی اتباع چاہتے ہو تو عصر دیر سے پڑھا کرو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گرمی ہوتی تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے

اور جب سردی ہوتی تو جلدی پڑھتے۔ (نسائی)

۱۔ نماز سے مراد ظہر ہے، جمعہ بھی اس میں شامل ہے جیسا کہ بخاری شریف میں صراحۃً اس کی روایت ہے، یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ ظہر اور جمعہ گرمیوں میں دیر سے پڑھے اور ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے کیونکہ ٹھنڈک ایک مثل کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس حدیث نے ان تمام حدیثوں کا بیان کر دیا جن میں جلدی ظہر پڑھنے کا ذکر ہے، یہ بھی بتا دیا کہ صحابہ کرام کا ظہر میں گرمی کی وجہ سے کپڑوں پر سجدہ کرنا گرم فرش کی وجہ سے تھا نہ کہ گرم وقت کی وجہ سے۔ مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث ان احادیث کی ناسخ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ان کا بیان ہے۔

روایت ہے حضرت عبادہ بن صامت سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد تم پر ایسے حکام ہوں گے جنہیں کچھ چیزیں وقت پر نماز پڑھنے سے روک دیں گی۔ یہاں تک کہ ان کے وقت نکل جایا کریں گے تو تم وقت پر نماز پڑھ لیا کرو۔ ایک صاحب بولے کہ یا رسول اللہ ان کے ساتھ بھی ہم نماز پڑھا کریں فرمایا ہاں۔ (ابوداؤد)

۱۔ اس میں خطاب صحابہ سے ہے اور اس میں نبی خبر ہے اور یہ خبر ہو ہو پوری ہوئی، چنانچہ یزید ابن معاویہ اور حجاج ابن یوسف کے زمانہ میں ایسے حکام مقرر ہوئے جو نمازوں میں سستی کرتے اور مکروہ وقت میں پڑھتے تھے اور ان کے بغیر امام نماز نہ پڑھا سکتے تھے۔ یہ ہے حضور کا علم غیب اب تو حکام کو نماز سے کچھ تعلق ہی نہیں انہوں نے مسجد کا راستہ بھی نہیں دیکھا۔ (الامام شفاء اللہ!)  
۲۔ یعنی ان کی وجہ سے تم نماز مکروہ وقت میں نہ پڑھنا بلکہ اپنے گھروں میں یا مسجدوں میں اکیلے یا اپنی جماعت الگ کر کے وقت مستحب پر ادا کر لیا کرنا۔

۳۔ تاکہ ان کے شر سے بچو کیونکہ اگر تم ان کے ساتھ نمازوں میں شامل نہ ہو گے تو وہ تم پر بدگمانی کر کے تمہیں ایذا پہنچائیں گے۔

روایت ہے حضرت قبیسہ ابن وقاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بعد تم پر ایسے حکام ہوں گے جو نماز میں دیر لگایا کریں گے تو وہ تمہارے لئے مفید اور ان پر وبال ہے۔ تم ان کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا جب تک وہ کعبے کی طرف نماز پڑھیں۔ (ابوداؤد)

۱۔ اس لئے کہ تم علیحدہ وقت مستحب میں نماز پڑھ چکو گے اور ان کے ساتھ بہ نیت نفل شریک ہو کر ڈبل ثواب پالو گے اور وہ فرض ہی ان مکروہ اوقات میں پڑھیں گے، لہذا تم نفع میں اور وہ نقصان میں رہیں گے۔ اور اگر تم صحیح وقت پر الگ نماز نہ پڑھ سکتے ان کے ساتھ ہی پڑھنے پر مجبور ہوئے تو معذوری کی وجہ سے تم گنہگار نہ رہو گے۔

۲۔ شرح اکبر میں ملا علی قاری نے فرمایا کہ ان جیسے مقامات میں کعبہ کی طرف نماز پڑھنے سے مراد صحیح العقیدہ مسلمان ہونا ہے نہ کہ فقط نماز میں کعبہ کو منہ کر لینا، اس زمانہ میں منافقین اور آج کل مرزائی، چکڑالوی وغیرہ مرتدین سب ہی نماز میں کعبہ کو منہ کر لیتے ہیں

حالانکہ ان کی اقتداء میں نماز قطعاً باطل ہے۔ جب گندے کپڑے والے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی تو گندے عقیدے اور گندے دل والے کے پیچھے نماز کیسے ہوگی؟ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ان حکام کے عقائد خراب نہ ہوں صرف عمل خراب ہوں تب تک ان کے پیچھے نماز پڑھ لو، اسی لئے فقہا فرماتے ہیں کہ فاسق کو امام بناؤ مت لیکن اگر بن گیا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لو اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ خیال رہے کہ جو فاسق خود نماز میں کسی حرام کا مرتکب ہو رہا ہو تو اس کے پیچھے نماز درست نہیں، اگر پڑھ لی تو لوٹانا واجب ہے۔ پہلے کی مثال جیسے چور زانی کے پیچھے نماز کے وہ نماز میں یہ حرکتیں نہیں کر رہا ہے۔ دوسرے کی مثال جیسے داڑھی منڈے، ریشمیں یا پلائی کپڑے پہنے ہوئے یا شراب کے نشے میں مست کے پیچھے نماز، لہذا فقہاء کے فتاویٰ میں اختلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عدی ابن خیار سے کہ وہ حضرت عثمان کے پاس گئے جب کہ آپ محاصرہ میں تھے ۲ عرض کیا کہ آپ عام لوگوں کے امام ہیں اور آپ پر وہ بلا اتری ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں اور ہم کو فتنے کا امام نماز پڑھا رہا ہے ۳ ہم اس میں حرج سمجھتے ہیں آپ نے فرمایا کہ نماز انسان کے سارے اعمال سے بہتر ہے تو جب لوگ بھلائی کریں تو تم بھی ان کے ساتھ بھلائی کرو ۴ اور جب برائی کریں تو تم ان کی برائی سے بچو (بخاری)

۱۔ آپ عظیم الشان تابعی ہیں، قرشی ہیں، زہری یا نوفلی ہیں، حضور کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے مگر آپ کے ہوش سنبھالنے سے پہلے حضور کی وفات ہو گئی۔

۲۔ مصر کے باغیوں نے آپ کو خلافت سے معزول کرنے یا شہید کرنے کے ارادہ سے آپ کا گھر اس طرح گھیر لیا تھا کہ آپ کئی وقت نماز کے لئے مسجد نبوی میں نہ آسکے، اور آپ کے گھر میں پانی کا ایک قطرہ نہ جاسکا، آپ کی شہادت کا یہ واقعہ بہت دراز ہے، کچھ "کتاب المناقب" میں بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ حضرت عبداللہ کسی صورت سے آپ کے پاس گھر میں پہنچ گئے۔

۳۔ یعنی خلیفہ المسلمین تو آپ ہیں، نماز پڑھانے کا حق آپ کو یا آپ کے مقرر کردہ امام کو تھا مگر باغیوں نے مسجد نبوی شریف میں اپنا امام مقرر کر دیا ہے ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ، باغیوں کے مقرر کردہ امام کا نام کنانہ بن بشر تھا۔

۴۔ یعنی نیک کاموں میں ان کے ساتھ ہو جاؤ اور انکی برائیوں میں شریک نہ ہو، نہ ان کو مدد دو، نماز نیک عمل ہے ان کے پیچھے پڑھ لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر بد عقیدہ کی بد عقیدگی کفر تک نہ پہنچی ہو اور وہ امام بن گیا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے، یہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھو، یہی فقہاء فرماتے ہیں۔

## باب فضائل الصلوة

### نماز کے فضائل کا باب

الفصل الاول

## پہلی فصل

۱۔ اگرچہ شروع کتاب الصلوٰۃ میں نماز کے فضائل آچکے ہیں، لیکن وہاں نماز کے فضائل تھے یہاں نماز کے اوقات کے، اسی لئے اس کا الگ باب باندھا اور یہ باب "باب الاوقات" کے بعد رکھا۔

روایت ہے حضرت عمارہ ابن روبیہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص آگ میں ہرگز داخل نہ ہوگا جو سورج نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے کی نمازیں پڑھتا رہے یعنی فجر اور عصر (مسلم)

۱۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ فجر و عصر کی پابندی کرنے والا دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہ جائے گا، اگر گیا تو عارضی طور پر، لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ بعض لوگ قیامت میں نمازیں لے کر آئیں گے مگر ان کی نمازیں اہل حق کو دلوادی جائیں گی۔ دوسرے یہ کہ فجر و عصر کی پابندی کرنے والوں کو ان شاء اللہ باقی نمازوں کی بھی توفیق ملے گی اور سارے گناہوں سے بچنے کی بھی کیونکہ یہی نمازیں زیادہ بھاری ہیں جب ان پر پابندی کر لی تو ان شاء اللہ بقیہ نمازوں پر بھی پابندی کرے گا، لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ نجات کے لئے صرف یہ دو نمازیں ہی کافی ہیں باقی کی ضرورت نہیں۔ خیال رہے کہ ان دو نمازوں میں دن رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، نیز یہ دن کے کناروں کی نمازیں ہیں، نیز یہ دونوں نفس پر گراں ہیں کہ صبح سونے کا وقت ہے اور عصر کا و بار کے فروغ کا، لہذا ان کا درجہ زیادہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دو ٹھنڈی نمازیں پڑھا کرے جنت میں جائے گا (مسلم، بخاری)

۱۔ ٹھنڈی نمازوں سے مراد فجر و عشاء ہے یا فجر و عصر باقی تفسیر ابھی گزر چکی۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں رات اور دن کے فرشتے باری باری سے آتے ہیں اور فجر اور عصر کی نمازوں میں جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر جو تم میں رات گزاریں وہ چڑھ جاتے ہیں۔ ان سے ان کا رب پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں نماز پڑھتے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے (مسلم، بخاری)

۱۔ یہاں فرشتوں سے مراد یا تو اعمال لکھنے والے دو فرشتے ہیں یا انسان کی حفاظت کرنے والے ساٹھ فرشتے۔ ہر نابالغ کے ساتھ ساٹھ فرشتے رہتے ہیں اور بالغ کے ساتھ ۶۲، اسی لئے نماز کے سلام اور دیگر سلاموں میں ان کی نیت کی جاتی ہے، ان ملائکہ کی ڈیوٹیاں بدلتی

رہتی ہیں دن میں اور رات میں مگر فجر و عصر میں پچھلے فرشتے جانے نہیں پاتے کہ اگلے ڈیوٹی والے آجاتے ہیں تاکہ ہماری ابتداء و انتہا کے گواہ زیادہ ہوں۔

۲۔ اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف جہاں ان کا مقام ہے۔

۳۔ یہ سوال یا تو ان فرشتوں کو گواہ بنانے کے لئے ہے یا نمازوں کی عظمت ان کے دلوں میں قائم کرنے کے لئے کیونکہ انسان کی پیدائش کے وقت فرشتوں نے کہا تھا کہ اے رب تو فسادی اور خون ریزیاں کرنے والوں کو خلافت کیوں دے رہا ہے؟ معلوم ہوا کہ پوچھنا بے علمی کی دلیل نہیں اگر حضور نے کسی سے کوئی بات پوچھی تو اس سے آپ کی بے علمی ثابت نہیں ہوتی۔

۴۔ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ فرشتے نمازیوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں کہ آس پاس کی نیکیوں کا ذکر اور درمیان کے گناہوں سے خاموشی یا یہ مطلب ہے کہ اے مولا جن بندوں کی ابتداء اور انتہا ایسی اعلیٰ ہو ان کے درمیانی اعمال بھی اچھے ہوں گے، جس دکان کی یونی اچھی ہو اس میں ہمیشہ برکت ہی رہتی ہے۔

روایت ہے حضرت جناب قسری سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو فجر کی نماز پڑھ لے وہ اللہ کی امان میں ہے۔ لہذا تم سے اللہ اپنی امان کے بارے میں کچھ مواخذہ نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی سے اپنے عہد کا مواخذہ کرے گا تو اسے پکڑ لے گا پھر اسے اونڈھے منہ دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا (مسلم) اور مصابیح کے بعض نسخوں میں بجائے قسری کے قشیری ہے۔

۱۔ یعنی فجر کی نماز پڑھنے والا اللہ کی امان میں ایسا ہوتا ہے جیسے ڈیوٹی کا سپاہی حکومت کی امان میں کہ اس کی بے حرمتی حکومت کا مقابلہ ہے۔ خیال رہے کہ کلمہ کی امان اور قسم کی ہے اور نماز کی امان اور قسم کی، لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۲۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ تم نمازی کو ستاؤ اور قیامت میں سلطنت الہیہ کے باغی بن کر پکڑے جاؤ۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر لوگ جان لیں کہ اذان اور پہلی صف میں کیا ثواب ہے۔ پھر بغیر قرعہ ڈالے اسے نہ پاسکیں تو قرعہ ہی ڈالیں۔ اور اگر جانتے کہ دوپہری کی نماز میں کیا ثواب ہے تو اس کی طرف دوڑ کر آتے۔ اور اگر جانتے کہ عشاء اور فجر میں کیا ثواب ہے تو ان میں گھسٹتے ہوئے بھی پہنچتے۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ اگرچہ ہم نے ان دونوں کے فضائل بہت بیان کر دیئے، لیکن اس کے باوجود کما حقہ بیان نہیں ہو سکے، وہ تو دیکھ کر ہی معلوم ہوں گے پتہ لگا کہ فی سبیل اللہ اذان و تکبیر کہنا اور نماز کی صف اول میں، خصوصاً امام کے پیچھے کھڑا ہونا بہت بہتر ہے جس کی بزرگی بیان نہیں ہو سکتی۔



۲ یعنی ہر شخص چاہے کہ یہ دونوں کام میں کروں تو ان میں جھگڑا پیدا ہو جس کا فیصلہ قرعہ سے ہو۔ معلوم ہوا کہ نیکوں میں جھگڑنا بھی عبادت ہے اور قرعہ سے جھگڑا چکانا محبوب۔

۳ یعنی ظہر و جمعہ کی نماز اگرچہ دیر میں ہو مگر اس کے لئے جلدی پہنچنا کہ پہلی صفوں میں جگہ ملے بہت بہتر ہے، مدینہ پاک میں نماز ظہر کے لئے لوگ گیارہ بجے سے پہنچ جاتے ہیں خصوصاً جمعہ کے دن۔

۴ یعنی اگر پاؤں میں چلنے کی طاقت نہ ہوتی تو چوتروں کے بل پہنچتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معذور پر اگرچہ مسجد کی حاضری واجب نہیں لیکن اگر پہنچ جائے تو ثواب پائے گا۔ عشاء کو عتمہ فرمانا ممانعت سے پہلے ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ منافقوں پر فجر اور عشاء سے زیادہ کوئی نماز بھاری نہیں۔ اور اگر جانتے کہ ان دونوں میں کیا ثواب ہے تو گھسٹ کر بھی ان میں پہنچتے۔ (مسلم، بخاری)

۱ کیونکہ منافق صرف دکھلاوے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور وقتوں میں تو خیر جیسے تیسے پڑھ لیتے ہیں مگر عشاء کے وقت نیند کا غلبہ، فجر کے وقت نیند کی لذت انہیں مست کر دیتی ہے۔ اخلاص و عشق تمام مشکلوں کو حل کرتے ہیں وہ ان میں ہے نہیں، لہذا یہ دو نمازیں انہیں بہت گراں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان ان دو نمازوں میں سستی کرے وہ منافقوں کے سے کام کرتا ہے۔

روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو نماز عشاء جماعت سے پڑھے تو گویا وہ آدھی رات عبادت میں کھڑا رہا اور جو فجر جماعت میں پڑھے تو گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی۔ (مسلم)

۱ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ عشاء کی باجماعت نماز کا ثواب آدھی رات کی عبادت کے برابر ہے اور فجر کی باجماعت نماز کا ثواب باقی آدھی رات کی عبادت کے برابر، تو جو یہ دونوں نمازیں جماعت سے پڑھے لے اسے ساری رات عبادت کا ثواب۔ دوسرے یہ کہ عشاء کی جماعت کا ثواب آدھی رات کے برابر ہے اور فجر کی جماعت کا ثواب ساری رات عبادت کے برابر کیونکہ یہ جماعت عشاء کی جماعت سے زیادہ بھاری ہے، پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔ جماعت سے مراد تکبیر اولیٰ پانا ہے جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی لوگ تمہاری مغرب کی نماز کے نام پر غلبہ نہ پا جائیں۔ راوی نے فرمایا کہ دیہاتی اسے عشاء کہتے تھے۔

۱ اعشیٰ سے مشتق، بمعنی وقت رات، اسی لئے رات کے کھانے کو عشاء کہا جاتا ہے، یعنی رات کی پہلی نماز یا رات کے کھانے کے وقت کی نماز، چونکہ اس میں دنیوی کام کی طرف نسبت ہے اس لئے اس کو ناپسند فرمایا۔

اور فرمایا کہ دیہاتی لوگ تمہاری نماز عشاء کے نام پر غالب نہ آجائیں کیونکہ وہ اللہ کی کتاب میں عشاء ہے اور دیہاتی اونٹ

کا دودھ دوھنے کی وجہ سے دیر لگاتے ہیں ۲۔ (مسلم)

۱۔ کہ قرآن شریف میں ہے "مِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ"۔ اس سے معلوم ہوا کہ رب کے دیئے ہوئے نام بدلنا بہت برا ہے۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو عیسائیوں کی پیروی میں اپنے کو مجنوں کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمارے دین کا نام "اسلام" رکھا اور ہمارا نام "مسلمین" فرماتا ہے: "هُوَ سَمُّكُمْ الْمُسْلِمِينَ" اور فرماتا ہے: "إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ"۔  
 ۲۔ یعنی وہ لوگ نماز عشاء کو عتمہ اس لئے کہتے ہیں کہ عتمہ کے معنی ہیں رات کی تیز تاریکی، اور نماز نور ہے نور کو تاریکی کہنا برا ہے، نیز وہ لوگ اس وقت اپنی اونٹنیاں دوھتے تھے، تو اس کے معنی ہوئے اونٹ دوھنے کے وقت کی نماز، اس میں بھی عبادت کو عادت کی طرف نسبت ہے لہذا ممنوع۔

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن فرمایا انہوں نے ہمیں بیچ کی نماز یعنی نماز عصر سے روک دیا خدا ان کے گھر اور قبریں آگ سے بھر دے ۲۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ اس کا نام غزوة احزاب ہے۔ چونکہ اس جہاد میں حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لئے اس کے آس پاس خندق کھودی گئی تھی اس لئے اس کا نام غزوة خندق ہوا۔ مورخین کہتے ہیں کہ یہ غزوة ۳ھ میں ہوا، مگر امام بخاری کی تحقیق میں ۴ھ میں، اس خندق کے کھودنے میں پندرہ یا بیس دن صرف ہوئے، اس وقت قریش، عطفان اور یہود غرض کہ ہر قسم کے کفار نے مل کر مسلمانوں پر چڑھائی کی تھی اس لئے اسے احزاب کہا جاتا ہے، یعنی ہر قسم کے کافروں کا حملہ۔ مسلمانوں پر اس وقت بہت تنگی تھی، بڑی محنت سے بھوکے پیاسے رہ کر خندق کھودی حتیٰ کہ بعض دنوں میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے نمازیں قضا ہو گئیں۔  
 ۲۔ یعنی انکے حملے کی وجہ سے ہمیں خندق کھودنا پڑی جس میں مشغولیت کی وجہ سے ہماری نمازیں خصوصاً نماز عصر قضا ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ "صلوة وسطی" جس کی قرآن شریف میں بہت تاکید ہے نماز عصر ہے، اکثر آئمہ کا یہی قول ہے، ہمارے امام اعظم بھی یہی فرماتے ہیں۔ خیال رہے کہ غزوة احد میں حضور کو جسمانی ایذا بہت پہنچی لیکن وہاں کفار کو یہ بددعا نہ دی، یہاں نمازیں قضا ہونے پر یہ بددعا دی۔ معلوم ہوا کہ حضور کو نمازیں جان سے پیاری تھیں، نیز اس بددعا سے اظہار غضب و ملال مقصود ہے حقیقتاً بددعا مقصود نہیں، اسی وجہ سے کفار خندق میں سے بعض لوگ بعد میں ایمان لے آئے، اگر بددعا مقصود ہوتی تو ان میں سے کسی کو ایمان نصیب نہ ہوتا۔ خیال رہے کہ اس غزوة میں ایک بار صرف عصر کی نماز قضا ہوئی تھی اور ایک بار چار نمازیں، لہذا بخاری و ترمذی کی روایتوں میں تعارض نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن مسعود اور سمہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچ کی نماز نماز عصر ہے ۱۔ (ترمذی)

۱۔ کیونکہ یہ نماز دن اور رات کی نمازوں کے درمیان ہے، نیز اس وقت دن اور رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، نیز اس وقت دنیوی کاروبار زیادہ زور پر ہوتے ہیں اس لئے اس کی تاکید زیادہ فرمائی گئی، اکثر صحابہ کا یہی قول ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت میں راوی کہ فجر کی نماز حاضری کا وقت ہے فرمایا اس میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں! (ترمذی)

۱۔ اس کی شرح پہلے گزر چکی۔ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم میں "قرآن الفجر" سے مراد نماز فجر ہے، "مشہود" سے مراد دن رات کے فرشتوں کی حاضری کا وقت، یعنی چونکہ فجر کے وقت دو قسم کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، لہذا اس کی زیادہ پابندی کرو۔ معلوم ہوا کہ جس نماز میں اللہ کے مقبول ہوں وہ نماز زیادہ قبول ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کے مزار کے پاس نماز زیادہ افضل ہے اسی لئے بزرگوں کے آستانوں پر مسجدیں بناتے ہیں، ان کا ماخذ یہ آیت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت زید بن ثابت سے اور عائشہ صدیقہ سے فرماتے ہیں کہ بیچ والی نماز ظہر ہے! مالک نے زید سے اور ترمذی نے ان دونوں سے تعلقاً روایت کی ۲۔

۱۔ کیونکہ وہ دن کے وسط میں ادا ہوتی ہے۔ غالباً ان بزرگوں نے لغوی معنی کے لحاظ سے اسے "صلوٰۃ وسطیٰ" مانا، ان تک گزشتہ حدیث مرفوع نہ پہنچی۔ صحابہ کرام کا "صلوٰۃ وسطیٰ" کے بارے میں بڑا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا کہ وہ فجر ہے، بعض کے نزدیک ظہر، بعض کے خیال میں مغرب یا عشاء، مگر عصر کے قول کو ترجیح ہے۔

۲۔ بغیر اسناد حدیث بیان کرنے کو تعلق کہتے ہیں، جیسے امام ترمذی فرمائیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے یہ فرمایا۔

روایت ہے زید ابن ثابت سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر دوپہری میں پڑھتے تھے! اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پہ کوئی نماز اس سے زیادہ دشوار نہ تھی تب یہ آیت اتری کہ ساری نمازوں پر خصوصاً درمیانی نماز پر پابندی کرو فرمایا اس سے پہلے دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ۲ (احمد و ابوداؤد)

۱۔ یعنی جاڑوں میں اور گرمیوں میں پڑھتے ہوں تو کبھی کبھی بیان جواز کے لئے، کیونکہ گزشتہ احادیث میں گزر چکا کہ حضور سردیوں میں ظہر جلدی پڑھتے تھے اور گرمیوں میں دیر سے۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ "نماز وسطیٰ" ظہر کی نماز ہے یہ بھی ایک قول ہے، غالباً حضرت ثابت یہ اپنے اجتہاد سے فرما رہے ہیں یعنی دن اور رات کی ایک ایک نماز ظہر سے پہلے ہے عشاء و فجر، اور ایک ایک نماز ظہر کے بعد عصر و مغرب۔

روایت ہے حضرت مالک سے انہیں خبر پہنچی کہ حضرت علی ابن ابن طالب اور عبداللہ ابن عباس فرماتے تھے کہ درمیان نماز فجر کی نماز ہے۔ (موطا)	
--	--

ان بزرگوں کے نزدیک وسطی بمعنی افضل ہے جیسے "وَكذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا" یعنی چونکہ یہ نماز بہت وجہوں سے باقی نمازوں سے افضل ہے، لہذا نماز وسطی یہی ہے۔ خیال رہے کہ علی مرتضیٰ خود ہی حضور سے روایت کر چکے ہیں کہ نماز وسطی عصر ہے، یہاں فجر کو وسطی فرمانا دوسرے معنی سے ہے، لہذا آپ کے اس قول پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کہ حضرت شیر خدا نے پہلے یہ فرمایا ہو پھر گزشتہ حدیث مرفوع سن کر اس سے رجوع کر لیا ہو۔

اور ترمذی نے حضرت ابن عباس اور ابن عمر سے تعلقاً روایت کیا۔	
---	--

روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو فجر کی نماز کی طرف گیا وہ ایمان کا جھنڈالے گیا اور جو سویرے ہی بازار کی طرف گیا وہ شیطان کا جھنڈالے گیا۔ (ابن ماجہ)	
--	--

یعنی انسانوں کے دو ٹولے ہیں: "حزب اللہ" اور "حزب الشیطان"۔ ان کی شناخت یہ ہے کہ رحمانی ٹولہ والے دن کی ابتداء نماز اور اللہ کے ذکر سے کرتے ہیں اور شیطانی ٹولہ والے بازار و دنیاوی کاروبار سے۔ خیال رہے کہ دنیاوی کاروبار منع نہیں مگر سویرے اٹھتے ہی نہ خدا کا نام نہ اس کی عبادت بلکہ ان میں لگ جانا یہ شیطانی کام ہے۔

## باب الاذان

### اذان کا باب

الفصل الاول  
پہلی فصل

اذان کے لغوی معنی اعلان و اطلاع عام ہے۔ رب فرماتا ہے: "وَأَذِّنْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ" اور فرماتا ہے: "فَأَذِّنْ مُؤَذِّنًا بَيْنَهُمْ"۔ شریعت میں خاص الفاظ سے نماز کی اطلاع کا نام اذان ہے۔ سب سے پہلی اذان ہے جبریل امین نے معراج کی رات بیت المقدس میں دی جب حضور نے سارے نبیوں کو نماز پڑھائی، مگر مسلمانوں میں ہجرت کے بعد اس وقت سے شروع ہوئی جس کا واقعہ آگے رہا ہے۔ (در مختار) خیال رہے کہ اذان نماز پنجگانہ اور جمعہ کے سوا کسی نماز کے لیے سنت نہیں۔ نماز کے علاوہ ۹ جگہ اذان کہنا مستحب ہے: بچے کے کان میں، آگ لگتے وقت، جنگ میں، جنات کے غلبہ کے وقت، غمزہ اور غصے والے کے کان میں، مسافر جب راستہ بھول جائے، مرگی

والے کے پاس، میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر۔ (در مختار، و شامی) مرقات میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں ایک دن مجھے حضور نے عنین پایا فرمایا علی! اپنے کان میں کسی سے اذان کہلو، اذان نماز اسلامی شعار میں سے ہے اگر کوئی قوم اذان چھوڑے تو ان پر جہاد کیا جاسکتا ہے۔ خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک اذان و تکبیر یکساں ہیں، تکبیر میں صرف "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" زیادہ ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ صحابہ نے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا تو یہود اور عیسائیوں کا ذکر کیا تب حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو بار کہیں اور تکبیر کے ایک ایک بار اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے یہ ایوب سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اقامت کے سوا ۳ (مسلم بخاری)

یعنی بعد ہجرت نماز کی اطلاع کا کوئی قاعدہ نہ تھا، اندازے سے مسلمان مسجد میں جمع ہو جاتے اور جماعت ہو جاتی، جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو صحابہ نے نماز کے اعلان کی تدابیر سوچیں، بعض نے رائے دی کہ نماز کے وقت آگ جلادی جایا کرے اس پر اعتراض ہوا کہ یہ طریقہ یہود کا ہے، بعض نے کہا کہ ناقوس (گھنٹا) بجائے جائے اس پر اعتراض ہوا کہ یہ طریقہ عیسائیوں کا ہے وہ اپنی عبادت کے وقت گھنٹے بجاتے ہیں، اسلامی اعلان ان سے ممتاز چاہیے۔ خیال رہے کہ بعض یہود اپنی عبادت کے اعلان کے لئے سنگھ یا بگل بجاتے تھے، بعض لوگ آگ جلاتے تھے، یہاں ان کی ایک جماعت کا ذکر ہے۔

۲ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو تکبیر کے کلمے ایک ایک بار کہتے ہیں، جیسے شافع اور موجودہ وہابی مگر ان کی یہ دلیل بہت ضعیف ہے کیونکہ یہاں اذان میں ترجیح کا ذکر نہیں حالانکہ یہ حضرات اذان ترجیح کے قائل ہیں، نیز اس حدیث سے لازم آتا ہے کہ تکبیر کے سارے کلمے ایک ایک بار ہوں حالانکہ یہ حضرات "اللہ اکبر" چار بار اور "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" دو بار کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں اذان اور تکبیر سے شرعی اذان مراد نہیں بلکہ لغوی اعلان و اطلاع مراد ہے، یعنی حضور نے اس وقت یہ رائے دی کہ حضرت بلال محلوں میں جا کر بار نماز کا اعلان کریں اور پھر جب نمازی مسجد میں جمع ہو جائیں اور جماعت کھڑی ہونے لگے تو اہل مسجد کو جمع کرنے کے لئے ایک بار کہہ دیں کہ اٹھو جماعت تیار ہے، ورنہ شرعی اذان تو عبد اللہ ابن زید وغیرہم صحابہ نے خواب میں دیکھی انہوں نے بارگاہ نبوی میں پیش کی تب سب سے پہلے فجر کے وقت دی گئی۔ لہذا یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہرگز نہیں بن سکتی۔

۳ یعنی تکبیر کے سارے کلمات ایک بار کہے جائیں مگر "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" دو بار۔ اب بھی یہ حدیث وہابیوں کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہاں "إِلَّا الْقَامَةَ" ایوب روای کا اپنا قول ہے حضور کے الفاظ طیبہ نہیں، نیز "اللہ اکبر" چار بار اب بھی نہیں آیا۔

روایت ہے حضرت ابو محذورہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر بنفس نفیس اذان پیش کی فرمایا کہوا اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھدان لا الہ الا اللہ اشھدان لا الہ الا اللہ، اشھدان محمدا رسول اللہ اشھدان محمدا رسول اللہ، پھر لوٹو تو کہو اشھدان لا الہ

الا لله اشهدان لا اله الا الله اشهدان محمدا رسول  
 لله اشهدان محمدا رسول الله ﷺ، حي على الصلوة حي  
 على الصلوة، حي على الفلاح حي على الفلاح، الله اكبر  
 الله اكبر، لا اله الا الله ﷻ (مسلم)

۱۔ آپ مشہور صحابی ہیں، آپ کا نام سَمُوْرَہ یا اَوْس، یا سلمان، یا سلمے ہے، اپنی کنیت میں مشہور ہوئے۔ ان کے باقی حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

۲۔ اس کا نام ترجیع ہے، یعنی اذان میں شہادتیں پہلے آہستہ دوبار کہنا، پھر بلند آواز سے دوبار کہنا یہ شوافع کے ہاں سنت ہے، حنفیوں کے نزدیک نہیں، دلائل ابھی آتے ہیں۔

۳۔ یہ حدیث وہابیوں کی انتہائی دلیل ہے کہ اذان میں ترجیع ہے۔ امام اعظم فرماتے ہیں عبد اللہ ابن زید کے خواب میں جو فرشتے نے اذان کی تعلیم دی اس میں ترجیع نہ تھی، نیز خود عبد اللہ ابن زید نے جب وہ خواب بارگاہ نبوی میں پیش کی اس میں بھی ترجیع نہ تھی، نیز حضرت بلال جو امام المؤمنین ہیں ان کی اذان میں ترجیع منقول نہیں، نیز عبد اللہ ابن مکتوم جو مسجد نبوی شریف کے نائب مؤذن تھے ان کی اذان میں بھی ترجیع منقول نہیں، نیز حضرت سعد قرظی مسجد قباء کے مؤذن کی اذان میں بھی ترجیع منقول نہیں۔ رہی حدیث ابو محذورہ، ان کی روایت سخت متعارض ہیں، اور ان میں اضطراب ہے، اور مضطرب و متعارض حدیث قابل عمل نہیں۔ چنانچہ طبرانی نے انہیں ابو محذورہ سے جو اذان نقل کی اس میں ترجیع نہیں۔ طحاوی شریف نے ابو محذورہ کی اذان میں دو بار اللہ اکبر کا ذکر کیا اور یہاں ترجیع کا بھی ذکر ہے، نیز صحابہ کرام نے ابو محذورہ کی روایت پر عمل نہ کیا، چنانچہ حضرت علی، حضرت بلال، حضرت ثوبان، حضرت سلمہ ابن اکوع وغیر ہم رضی اللہ عنہم اذان و تکبیر کے کلمات دو دو بار کہتے اور کہلاتے تھے۔ عنایہ شرح ہدایہ نے فرمایا کہ حضرت ابو محذورہ کو زمانہ کفر میں توحید و رسالت سے سخت نفرت تھی، اسلام کے بعد انہیں اذان کا حکم ملا تو یہ شرم کی وجہ سے شہادتین آہستہ کہہ گئے تب حضور نے فرمایا کہ پھر زور سے کہو۔ فتح القدیر نے فرمایا کہ حضرت ابو محذورہ شہادتین میں مد چھوڑ گئے تھے، اس لئے یہ کلمات دوبارہ کہلائے گئے۔ ہماری تفسیر کی بناء پر حضرت ابو محذورہ کی حدیث میں نہ تعارض ہوگا نہ اضطراب کیونکہ ترجیع والی روایات میں خصوصی واقعہ کا ذکر ہے اور دیگر روایات میں عام حالات کا۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان دو دو بار تھی اور تکبیر  
 ایک بار سوا اس کے کہ مؤذن کہتا تھا قد قامت الصلوة  
 قد قامت الصلوة! (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

۱۔ یعنی کلمات اذان دوبار کہے جاتے تھے اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار۔ خیال رہے کہ یہ حدیث اگر صحیح ہو تو یا منسوخ ہے یا اس کی تاویل واجب۔ مخالفین اس سے اپنا مدعا ہرگز ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اذان کی دونوں شہادتوں میں ترجیع کے قائل ہیں جس سے یہ

دونوں کلمے چار چار بار کہے جاتے ہیں۔ اور یہاں آیا کہ اذان کے سارے کلمے دو دو بار کہے جاتے تھے، نیز وہ حضرات اقامت میں اولاً تکبیر چار بار اور آخر میں دو بار کہتے ہیں مگر یہاں آیا کہ اقامت کے سارے کلمے ایک ایک بار ہیں، نیز اگر تکبیر کے کلمات ایک ایک بار ہوتے تو صحابہ کرام حضور کے بعد یہ عمل چھوڑ نہ دیتے۔ بیہقی شریف میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اقامت ایک ایک بار کہہ رہا ہے، آپ ناراض ہوئے اور فرمایا "اجْعَلْهَا مَثْنَى مَثْنَى لَا أُمَّ لَكَ" یعنی تیری ماں مرے دو دو بار کہہ، اب دو ہی صورتیں ہیں: یا اس حدیث کو منسوخ مانو جس کی ناسخ اگلی حدیث ہے یا اس میں یہ تاویل کی جائے کہ یہ دائمی عمل نہ تھا بلکہ کبھی کسی عارضہ کی بناء پر ہوا تھا یا اذان اور اقامت کے لغوی معنی مراد لئے جائیں جیسے پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔

روایت ہے حضرت ابو محذورہ سے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے انیس کلمے سکھائے اور تکبیر سترہ کلمے لے (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی اور ابن ماجہ)

۱۔ حنفیوں کے نزدیک اذان کے پندرہ کلمے ہیں اور اقامت کے سترہ۔ یہ حدیث اقامت کے دو دو بار ہونے پر حنفیوں کی قوی دلیل ہے کیونکہ اگر اس کے کلمات ایک ایک بار ہوتے تو ۱۳ کلمے ہوتے نہ کہ سترہ، لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث ابن عمر کی ناسخ ہے۔ رہے اذان کے ۱۹ کلمے اس کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ حضرت شہادتیں آہستہ پڑھ گئے تھے، اس لئے دوبارہ آواز سے کہلوائے گئے، اس دن ۱۹ کلمے کہے، لہذا یہ واقعہ گزشتہ حدیث ابن عمر کے خلاف نہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے سنت اذان سکھائیے لے فرماتے ہیں کہ حضور انور نے ان کے سر کے اگلے حصہ پر ہاتھ پھیرا ۲ فرمایا کہو اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر بلند آواز سے پھر کہو "اشھدان لا الہ الا اللہ اشھدان لا الہ الا اللہ، اشھدان محمدًا رسول اللہ اشھدان محمدًا رسول اللہ" پست آواز سے پھر شہادت سے اپنی آواز اونچی کرو ۳ "اشھدان لا الہ الا اللہ اشھدان لا الہ الا اللہ، اشھدان محمدًا رسول اللہ اشھدان محمدًا رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح حی علی الفلاح" اگر صبح کی نماز ہو تو یہ بھی کہہ لو "الصلوٰۃ خیر من النوم الصلوٰۃ خیر من النوم" (ابوداؤد)

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ سنت سے مراد شرعی سنت ہے، لہذا یہ امام اعظم کی دلیل ہے کہ اذان سنت ہے، ہاں چونکہ اشعار دین میں سے ہے، اس لئے اس کے چھوڑ دینے والوں پر جہاد کیا جائیگا۔

۲ محبت کی بناء پر ان کا شوق علم دیکھ کر معلوم ہوا کہ حضور کو طالب علم بہت پیارے ہیں۔  
 ۳ اس میں وہ تاویل نہیں ہو سکتی جو ہم عرض کر چکے ہیں کہ اتفاقاً ترجیح ہوئی کیونکہ یہاں تو ترجیح کا قانون بتایا جا رہا ہے مگر پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابو محذورہ کی احادیث مضطرب اور متعارض ہیں اور عمل صحابہ، خواب کی اذان جو فرشتہ نے سکھائی اور حضرت بلال کی اذان کے خلاف ہے، لہذا قابل عمل نہیں۔ (مرقاۃ وغیرہ)  
 ۴ یہ داخلی تشویب ہے، یعنی اعلان کے بعد اعلان سوا فجر کے کسی اور اذان میں کہنا بدعت سیئہ ہے، ہاں اذان واقامت کے درمیان تشویب متاخرین علماء نے مستحب جانی۔ (کتب فقہ و مرقات) اس تشویب کے لئے الفاظ مقرر نہیں، مسلمان جو چاہیں مقرر کر لیں۔ بعض جگہ "الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ" پڑھ دیتے ہیں یہ بھی ٹھیک ہے کہ درود بھی ہے، تشویب بھی۔

روایت ہے حضرت بلال سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی نماز کے علاوہ کسی نماز میں تشویب نہ کرو۔ (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک ابو اسرائیل راوی قوی نہیں ۲۔

۱ یعنی "الصَّلَاةُ حَيٌّ مِنَ التَّوْمِ" کسی اذان میں نہ کہو، حضرت علی مرتضیٰ نے ایک مؤذن کو یہ کہتے سنا تو فرمایا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔  
 ۲ مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ رافضی تھا، صحابہ کرام خصوصاً حضرت عثمان کا بہت دشمن تھا۔ خیال رہے کہ علماء اس داخلی تشویب کو مکروہ جانتے ہیں مگر اس ضعیف حدیث کی وجہ سے نہیں بلکہ دیگر صحیح احادیث کی وجہ سے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہو اور جب تکبیر کہو تو جلدی جلدی کہو اور اپنی اذان و تکبیر کے درمیان اتنا فاصلہ کرو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے اور پینے والا اپنے پینے سے اور قضائے حاجت والا جب حاجت کو جائے ۲ تو فارغ ہو جائے اور صف میں نہ کھڑے ہو حتیٰ کہ مجھ کو دیکھو ۳ یہ ترمذی نے روایت کی اور فرمایا کہ اسے ہم عبدالمنعم کی حدیث سے ہی جانتے ہیں اور یہ مجہول اسناد ہے ۴۔

۱ تمام آئمہ کا اس پر عمل ہے، اذان کے کلمات میں مد، شد کا لحاظ اور کلمات میں فاصلہ کیا جاتا ہے، تکبیر میں جلدی۔ اس فرق کی عقلی حکمت معلوم نہ ہو سکی جو سرکار کا فرمان ہے سرو آنکھوں پر۔ ہو سکتا ہے کہ چونکہ تکبیر میں حاضرین مسجد کو اکٹھا کرنا ہوتا ہے جو پہلے نماز کے لئے تیار ہیں انہیں دیر تک اطلاع دینے کی ضرورت نہیں، اذان میں غافلوں کو خبر دینا ہے، لہذا دیر تک آواز پہنچائی جائے۔  
 ۲ یہ فاصلہ اذان مغرب کے علاوہ ہے، مغرب کی اذان سے فوراً بعد تکبیر شروع کر دی جائے۔ خیال رہے کہ اذان و تکبیر میں یہ فاصلہ اس قدر چاہیے کہ بے وضو آدمی استنجاء اور وضو کر کے چار سنتیں پڑھ سکے۔ ہمارے ہاں پندرہ منٹ کا فاصلہ کرتے ہیں، کہیں آدھے گھنٹے کا بھی۔



۱۔ اس زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ صحابہ کرام صف بنا کر بیٹھ جاتے، حضور اپنے حجرے میں رونق افروز ہوتے، بکتر کھڑے ہو کر تکبیر شروع کرتا جب "حی علی الفلاح" پر پہنچتا تو سرکار حجرے سے باہر تشریف لاتے اور صحابہ کرام کو نظر آتے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ نمازی صف میں "حی علی الفلاح" پر کھڑے ہوں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے، نیز وہ حدیث جو مشکوٰۃ شریف میں بروایت مسلم و بخاری دو تین صفحہ بعد "باب المساجد" سے کچھ پہلے آرہی ہے۔

۲۔ ابن حجر نے فرمایا کہ اسے حاکم نے صحیح کہا۔ شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے بہت شواہد ہیں اس کا آخری جملہ "لا تقوموا" الخ مسلم، بخاری میں بھی ہے، نیز اس پر امت کا عمل بھی، لہذا یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

روایت ہے حضرت زیاد ابن حارث صدائی سے افرماتے ہیں مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں حکم دیا کہ اذان کہو میں نے اذان کہی پھر حضرت بلال نے تکبیر کہنا چاہی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے صدائی بھائی نے اذان کہی ہے جو اذان کہے وہ ہی تکبیر کہے ۲۔  
(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱۔ صدائے یمن کا ایک قبیلہ ہے اسی نسبت سے آپ کو صدائی کہتے ہیں، آپ کا شمار بصرہ والوں میں ہے، آپ نے حضور سے بیعت کی ہے اور ایک آدھ بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان بھی کہی ہے۔  
۲۔ یعنی تکبیر اذان والے کا حق ہے۔ خیال رہے کہ امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ مؤذن کی اجازت سے دوسرا شخص تکبیر کہہ سکتا ہے، نیز اگر پتہ ہو کہ مؤذن دوسرے کی تکبیر پر ناراض نہ ہوگا تب بھی جائز ہے کیونکہ روایات میں ہے کہ بارہا حضرت بلال اذان دیتے اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم تکبیر کہتے، کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا، لہذا یہ حدیث اس موقعہ کے لئے ہے جب مؤذن ناراض ہو، دونوں حدیثیں درست ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ آئے تو جمع ہو کر اوقات نماز کا اندازہ لگا لیتے تھے نمازوں کی اذان کوئی نہ دیتا تھا ایک دن اس بارے میں مشورہ کیا بعض نے کہا کہ عیسائیوں کے ناقوس کی طرح بناو اور بعض بولے کہ یہود کے بگل کی طرح بناو تب حضرت عمر نے فرمایا کسی کو نماز کی منادی کرنے کیوں نہیں بھیج دیتے تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال اٹھو نماز کی منادی کرو ۲۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ محلوں میں جا کر پکار آئے "الصلواتُ جامعَةٌ" مسلمانوں نماز تیار ہے، یہ وہ شرعی اذان نہ تھی جو اب رائج ہے وہ تو حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب پر کہلوائی گئی جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے، لہذا احادیث میں تعارض نہیں، اسی لیے آپ نے عرض کیا "أَوْلَا تُبْعَثُونَ" تم لوگ بھیجتے کیوں نہیں۔

۲۔ مسلمانوں کے محلوں میں جا کر، اس حدیث کی بناء پر بعض مؤرخین نے دھوکا کھایا کہ انہوں نے اذان کو حضرت عمر کی رائے سے سمجھا، درست وہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید ابن عبد ربہ سے ۱۔ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بنانے کا حکم دینا چاہا تاکہ جماعت نماز کے واسطے لوگوں کے لئے بجایا جائے ۲۔ تو مجھے خواب میں ایک شخص دکھائی دیا جو اپنے ہاتھ میں ناقوس اٹھائے ہوئے تھا میں نے کہا رب کے بندے کیا تو ناقوس بیچتا ہے وہ بولا اس کا تم کیا کرو گے میں نے کہا اس سے نماز کے لئے بلایا کریں گے ۳۔ وہ بولا کیا تمہیں اس سے اچھی چیز نہ بتا دوں ۴۔ میں نے کہا ہاں فرماتے ہیں وہ بولا کہو اللہ اکبر آخر تک اور اس طرح تکبیر ۵۔ جب صبح ہوئی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جو کچھ دیکھا تھا حضور سے عرض کیا فرمایا بفضلہ تعالیٰ یہ خواب سچی ہے ۶۔ تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ جو کچھ خواب میں دیکھا ہے انہیں بتاتے جاؤ وہ اذان دیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں ۷۔ میں حضرت بلال کے ساتھ کھڑا ہو گیا میں انہیں بتانے لگا وہ اذان دینے لگے ۸۔ فرماتے ہیں یہ اذان حضرت عمر نے اپنے گھر میں سنی تو چادر کھسیٹتے ہوئے نکلے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قسم جس نے تمہیں حق دے کر بھیجا ہے میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا کہ انہوں نے ۹۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا شکر ہے (ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ) مگر ابن ماجہ نے تکبیر کا ذکر نہ کیا ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے لیکن انہوں نے ناقوس کا واقعہ صراحتاً بیان نہ کیا ۱۰۔

۱۔ آپ انصاری ہیں، خزرجی ہیں، دوسری بیعت عقبہ میں ستر انصاریوں میں آپ بھی تھے، بدر اور تمام غزویوں میں حضور انور کے ساتھ رہے، آپ خود بھی صحابی ہیں اور والدین بھی صحابی، آپ کا لقب صاحب اذان ہے کیونکہ انہی کی خواب پر اسلام میں اذان جاری ہوئی، اہمہ میں آپ نے یہ خواب دیکھا اور ۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی، ۶۳ سال کی عمر شریف ہوئی، مدینہ پاک میں مدفون ہوئے۔

۲۔ یہاں امر سے بمعنی ارادۂ امر ہے، جیسا کہ مرقاۃ میں معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادۂ مبارک ناقوس بجانے کا ہو چکا تھا۔ غالب یہ ہے کہ یہ عارضی ارادہ ہوگا کہ جب تک اس بارے میں وحی نہ آئے تب تک ناقوس سے کام لیا جائے، ورنہ حضور معراج کی رات ملائکہ سے اذان سن چکے تھے جیسا کہ اسی جگہ مرقاۃ میں ہے۔

۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان بیداری میں جس خیال میں رہتا ہے خواب میں بھی وہی کرتا اور کہتا ہے انہیں خواب میں ناقوس دیکھ کر نماز یاد آئی۔ صوفیائے فرماتے ہیں کہ جس خیال میں جیوگے اسی خیال میں مروگے اور محشر میں اٹھوگے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے دوسرے احکام کی طرح حضور پر اذان کی وحی نہ بھیجی بلکہ صحابہ کے خواب کو درمیان میں رکھا، تاکہ لوگوں کو ان حضرات کی عظمت کا پتا لگے اور لوگ جانیں کہ جب ان بزرگوں کی خوابیں ایسی ہیں تو ان کی بیداری کے احکام کیسے پاکیزہ ہوں گے۔ دیکھو اذان جیسا اسلامی شعرا صحابہ کے خواب کا نتیجہ ہے ان کی نیند پر ہم جیسے لاکھوں کی بیداریاں قربان۔

۴۔ جس میں یہود و نصاریٰ سے مشابہت بھی نہ ہو اور نماز کے اعلان کے ساتھ اللہ کا ذکر اور نماز کی ترغیب بھی ہو جائے، بے معنی آواز بھی نہ ہو۔

۵۔ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ اذان میں ترجیح نہیں اور تکبیر کے کلمات ایک ایک نہیں کیونکہ اذان کی اصل یہ خواب ہے، نیز اسی پر صحابہ کا عمل رہا۔ خیال رہے کہ اقامت میں "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کا بڑھانا اور فجر کی اذان میں "الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کی زیادتی حضور کے اجتہادی حکم سے ہوئی۔

۶۔ کیونکہ ہم نے بھی یہ اذان معراج میں فرشتوں کی زبانی سنی تھی۔ اے عبد اللہ رب نے تمہیں خواب میں دکھا کر ہمیں اشارۂ فرمایا کہ اے حبیب! وہی فرشتوں والی اذان کیوں نہیں کہلواتے۔ خیال رہے کہ یہاں ان شاء اللہ برکت کے لئے نہ کہ شک کے لئے، جیسے رب نے فرمایا: "لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللَّهُ"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے خواب خصوصاً جب کہ نبوت کے ذریعہ اس کی تصدیق ہو جائے وحی کے حکم میں ہیں، پھر نبی کی خواب کا کیا پوچھنا، ابراہیم علیہ السلام خواب میں دیکھ کر اپنے فرزند کو ذبح کرنے پر تیار ہو گئے۔ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں: نفس کے خیالات، شیطانی وسوسے، ربانی الہام۔ پہلے دو خواب اضغاث احلام کہلاتے ہیں اور جھوٹے ہوتے ہیں۔ تیسرے خواب روایہ صادقہ۔ خواب کی پوری تحقیق ان شاء اللہ "کتاب الروایا" میں کی جائے گی۔

۷۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اذان میں بلند آواز محبوب ہے، لہذا لاؤڈ اسپیکر پر اذان بہت بہتر۔ دوسرے یہ کہ یہ جائز ہے ایک آدمی اذان بتاتا جائے دوسرا اذان کہتا جائے۔

۸۔ یعنی میں نے وہی اذان حضرت بلال کو بتائی جو فرشتہ سے سنی تھی جس میں ترجیح نہ تھی۔ معلوم ہوا کہ اسلام کی پہلی اذان بغیر ترجیح کے ہوئی اور سیدنا بلال آخر تک یہی اذان دیتے رہے ہیں۔

۹ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم نے حضرت عبداللہ ابن زید کا خواب کشف سے معلوم کیا آپ نے عبداللہ ابن زید کو فرشتے سے گفتگو کرتے خواب میں دیکھا تھا کیونکہ ابھی آپ سے کسی نے حضرت عبداللہ کی خواب بیان نہ کی۔ مرقاۃ نے فرمایا ظاہر یہی ہے کہ جناب عمر نے کشف سے معلوم کیا۔

۱۰ مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ اس رات دس سے زیادہ صحابہ نے قریباً یہی خواب دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خدا کا شکر کیا، ابن قیم نے "کتاب الروح" میں لکھا کہ مسلمانوں کی خوابوں کا اجتماع اجتماع مسلمین کی طرح معتبر ہے اس پر یہی حدیث پیش کی۔

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے ۱ فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز کے لئے نکلا تو آپ جس سوتے ہوئے شخص پر گزرتے تھے اسے نماز کے لئے آواز دیتے یا اپنے پاؤں شریف سے ہلاتے ۲ (ابوداؤد)

۱ آپ کا نام نفع ابن حارث ہے، کنیت ابوبکرہ، قبیلہ بنی ثقیف سے ہیں، مشہور صحابی ہیں۔

۲ یعنی راستہ میں جو سوتے ہوئے لوگ ملتے انہیں آواز سے یا اپنے پاؤں شریف سے نماز کے لئے جگاتے تھے۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اذان کے بعد کسی کو خصوصی طور پر نماز کی اطلاع دینا جائز ہے، گویا یہ خصوصی تشویب ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز کا نام لے کر جگانا درست ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جگا کر نماز کا نام لے پہلے نہ لے غلط ہے۔ تیسرے یہ کہ اپنے چھوٹے کو اپنے پاؤں سے حرکت دے کر جگانا درست ہے، خوش نصیب ہیں وہ جنہیں حضور کی ٹھوکری نصیب ہوئی۔ ع خوابیدہ کو ٹھوکری سے جگاتے جاتے۔ صوفیاء کا تجربہ یہ ہے کہ حضور اپنے خاص غلاموں کو اب بھی ٹھوکری سے جگاتے ہیں جو انہیں محسوس بھی ہوتی ہے، خدا نصیب کرے۔

روایت ہے حضرت مالک سے انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ عمر فاروق کی خدمت میں مؤذن نماز فجر کی اطلاع دینے حاضر ہوئے ۱ انہیں سوتا پایا بولے نماز نیند سے بہتر ہے انہیں عمر فاروق نے حکم دیا یہ لفظ فجر کی اذان میں داخل کر لیں ۲ (موطا)

۱ غالباً یہ واقعہ خلافت فاروقی کے زمانہ کا ہے اور یہ مؤذن حضرت بلال نہیں کوئی اور بزرگ ہیں کیونکہ حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دمشق چلے گئے تھے۔ عہد فاروقی میں وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلطان اسلام قاضی، عالم دین وغیرہم کو مؤذن خصوصی طور پر نماز کی اطلاع دے سکتا ہے عوام کے لیے ممنوع ہے انہیں اذان ہی کافی ہے۔

۲ یعنی یہ کلمہ اذان صبح کا جزو ہے اسے صرف اذان میں ہی استعمال کیا کریں اس کے علاوہ نہیں، دوسرے اوقات میں اور لفظ سے بیدار کریں یا اطلاع دیں، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ کلمہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اذان فجر میں داخل تھا آج داخل کرنے کے کیا معنی، اسکی اور بھی تفسیریں ہیں مگر یہ تفسیر بہتر۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمن بن سعد بن عمار بن سعد مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱ فرماتے ہیں مجھے میرے والد نے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے

روایت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اپنی انگلیاں کانوں میں دے لیں فرمایا یہ عمل تمہاری آواز کو بلند کرنے والا ہے ۲ (ابن ماجہ)

۱۔ یہ سعد قرظی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد قبا کے مؤذن تھے اور حضور کے بعد حضرت بلال کی جگہ آپ مسجد نبوی میں مؤذن ہوئے۔ خیال رہے کہ سعد قرظی صحابی ہیں اور عمر ابن سعد تابعی اور عبدالرحمن ابن سعد کاحال معلوم نہ ہو سکا۔ (اشعہ)

۲۔ یعنی انگلیاں کانوں میں ڈالنے سے آواز بلند نکلتی ہے اور اس اذان میں بلند آواز چاہیے، اس لیے ڈال لیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچے کے کان میں اذان کے وقت انگلیاں کانوں میں لگانا سنت نہیں۔ یوں ہی اقامت (تکبیر) میں، یوں ہی ہر اس جگہ جہاں بلند آواز مطلوب نہ ہو، لیکن اگر لاؤڈ اسپیکر پر اذان کہی جاوے تو انگلیاں لگالے کہ یہاں بلندی آواز مطلوب ہے۔ اذان قبر پر انگلیاں لگائے کہ وہاں بلند آواز مطلوب ہے اس اذان سے شیاطین بھاگتے ہیں۔

### باب فضل الاذان واجابة المؤذن

#### باب اذان اور مؤذن کا جواب دینے کی فضیلت

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ اذان دینے کے فضائل بیشمار ہیں۔ حق یہ ہے کہ اذان سے امامت افضل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اذان نہ دی، جن روایات میں حضور کے اذان دینے کا ذکر ہے وہاں حکم اذان مراد ہے۔ اذان کا جواب عملی بھی ہے اور قولی بھی، عملی جواب تو مسجد میں حاضر ہو جانا ہے، قولی جواب کلمات اذان کا دہرانا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ پہلی اذان سننے پر دنیاوی باتوں سے خاموش ہو جانا اور جو کلمات اذان ادا کرنا واجب ہے۔ ہاں کھانے والا، استنجا کرنے والا، علم دین پڑھانے والا اس حکم سے علیحدہ ہے۔

روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اذان دینے والے لوگ قیامت کے دن لمبی گردنوں والے ہوں گے (مسلم)

۱۔ یعنی گردن فراز اور سر بلند ہوں گے، یا سر اٹھائے رب کی رحمت کے منتظر، یا بلند قامت ہوں گے کہ دور سے پہچان لئے جائیں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے جسم چھوٹے اور صرف گردنیں لمبی ہوں گی کہ یہ بد زیبی ہے۔ بعض مفسرین نے اعناق کو ہمزہ کے زیر سے پڑھا ہے، بمعنی تیز رفتاری و لمبے قدم، یعنی مؤذن جنت کی طرف دوڑتے ہوئے لمبے قدم رکھتے ہوئے جائیں گے، دوسروں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب نماز کی اذان دی جاتی ہے تو شیطان گوزمارتا بھاگتا ہے حتیٰ کہ اذان نہ سنے ۲ پھر جب اذان

ختم ہو جاتی ہے تو آجاتا ہے حتیٰ کہ جب نماز کی تثنویٰ کہی جاتی ہے تو بھاگ جاتا ہے ۳۔ جب تثنویٰ ختم ہو جاتی ہے تو آجاتا ہے تاکہ انسان کے دل میں وسوسے ڈالے کہتا ہے فلاں فلاں چیزیں یاد کر ۴۔ وہ چیزیں جو اسے یاد نہ تھیں یہاں تک کہ آدمی نہیں جانتا کہ کتنی رکعت پڑھیں ۵۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ خواہ نماز میں بلائے کے لیے دی جائے یا کسی اور مقصد کے لئے، جیسے بچے کے کان میں یا بعد دفن قبر پر وغیرہ۔ لِلصَّلَاةِ اس لیے فرمایا تاکہ کوئی اذان کے لغوی معنی نہ سمجھ جائے۔

۲۔ یہاں بھاگنے کے ظاہری معنی ہی مراد ہیں اور اذان میں دفع شیطان کی تاثیر ہے اسی لیے طاعون پھیلنے پر اذان کہلاتے ہیں کہ یہ وباء جنات کے اثر سے ہے۔ بچے کے کان میں اذان دیتے ہیں کہ اس کی پیدائش پر شیطان موجود ہوتا ہے جس کی مار سے بچہ روتا ہے۔ دفن کے بعد قبر کے سرہانے اذان دی جاتی ہے کیونکہ وہ میت کے امتحان اور شیطان کے بہکانے کا وقت ہے، اس کی برکت سے شیطان بھاگے گا، نیز میت کے دل کو سکون ہو گا، نئے گھر میں دل لگ جائے گا، تکیرین کے سوالات کے جوابات یاد آجائیں گے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول میں دیکھو۔ گوز مارنے سے مراد اس کی انتہائی ذلت اور خوف ہے کہ ایسی حالت میں ڈرنے والا گوز مارتا ہوا ہی بھاگا کرتا ہے۔

۳۔ تثنویٰ سے مراد اقامت یعنی تکبیر ہے اس میں بھی اذان کی طرح اثر ہے۔

۴۔ چیزوں سے مراد نماز سے غیر متعلق خیالات ہیں، تجربہ ہے کہ نماز میں وہ باتیں یاد آتی ہیں جو نماز کے باہر یاد نہیں آتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو انسانوں کے دلوں پر تصرف کرنے کی قدرت دی ہے انسانوں کی آزمائش کے لئے، کتنی ہی کوشش کی جائے مگر ان وسوسوں سے کلی نجات نہیں ملتی۔ چاہیے کہ وسوسوں کی پرواہ نہ کرے نماز پڑھتا رہے، مکھیوں کی وجہ سے کھانا نہ چھوڑے۔

۵۔ مسئلہ فقہی یہ ہے کہ اگر پہلی بار یہ واقعہ پیش آئے تو نئے سرے سے نماز پڑھے اور اگر آتا رہتا ہو تو کم رکعتوں کا لحاظ کرے، مثلاً اگر شبہ ہو گیا کہ چار پڑھیں یا تین تو تین مانے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی افضل سے مفضول کی تاثیر بڑھ جاتی ہے۔ دیکھو نماز، تلاوت قرآن اور رکوع اور سجود سے شیطان نہیں بھاگتا۔ بھاگتا ہے تو اذان سے حالانکہ اذان سے نماز افضل ہے، حضور فرماتے ہیں کہ عمر سے شیطان بھاگتا ہے حالانکہ ابو بکر صدیق افضل ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤذن کی انتہائی آواز کو کوئی جن و انس اور دوسری چیزیں نہیں سنتیں مگر قیامت کے دن اس کی گواہی دیں گی! (بخاری)

۱۔ عرض کریں گے کہ مولے یہ مسلمان ہے، نمازی ہے، ہم نے اسے اذان دیتے دیکھا، اور کلمہ شہادت پڑھتے سنا۔ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حیوانات، جمادات کو سمجھ گویائی سننے کی طاقتیں بخشیں ہیں، ان میں سے ہر

ایک کا ثبوت قرآن کریم کی صریح آیات سے ہے۔ مرثاۃ میں اس جگہ ایک حدیث منقول ہے کہ روزانہ شام کے وقت پہلا ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا تجھ پر کوئی اللہ کا ذکر کرنے والا بھی گزرا، جب ان میں سے کوئی کہتا ہے ہاں تو سب خوش ہوتے ہیں۔ چاہیے کہ اذان بلند آواز سے دی جائے تاکہ گواہ زیادہ میسر ہوں غالباً جن میں فرشتے بھی داخل ہیں اور انسان سے عام انسان مراد ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم مؤذن کو سنو تو تم بھی اسی طرح کہو جو وہ کہہ رہا ہے! پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے! پھر اللہ سے میرے لئے وسیلہ مانگو وہ جنت میں ایک جگہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک ہی کے لائق ہے مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں! تو جو میرے لئے وسیلہ مانگے اس پر میری شفاعت لازم ہے! (مسلم)

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلمات اذان سارے دہرائے "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" بھی "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" بھی اور "الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" بھی۔ اگلی حدیث میں آ رہا ہے کہ "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" اور "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" پر لاکھوں پڑھے۔ چاہیے کہ دونوں ہی کہہ لیا کرے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ اذان کے بعد درود شریف پڑھنا سنت ہے، بعض مؤذن اذان سے پہلے ہی درود شریف پڑھ لیتے ہیں اس میں بھی حرج نہیں، ان کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے۔ شامی نے فرمایا کہ اقامت کے وقت درود شریف پڑھنا سنت ہے۔ خیال رہے کہ اذان سے پہلے یا بعد بلند آواز سے درود پڑھنا بھی جائز بلکہ ثواب ہے، بلاوجہ اسے منع نہیں کہہ سکتے۔

۳۔ خیال رہے کہ وسیلہ سبب اور توسل کو کہتے ہیں، چونکہ اس جگہ پہنچنا رب سے قرب خصوصی کا سبب ہے، اس لیے وسیلہ فرمایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ "امید کرتا ہوں" تواضع اور انکساری کے لئے ہے ورنہ وہ جگہ حضور کے لئے نامزد ہو چکی ہے۔ (مرثاۃ و اشعہ) ہمارا حضور کے لیے وسیلہ کی دعا کرنا ایسا ہی ہے جیسے فقیر امیر کے دروازے پر صدا لگاتے وقت اس کی جان و مال کی دعائیں دیتا ہے تاکہ بھیک ملے، ہم بھکاری ہیں، حضور داتا، انہیں دعائیں دینا، مانگنے، کھانے کا ڈھنگ ہے۔

۴۔ یعنی میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کی شفاعت ضرور کروں گا۔ یہاں شفاعت سے خاص شفاعت مراد ہے، ورنہ حضور ہر مؤمن کے شفیع ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بہت قسم کی ہے۔ شفاعت کی پوری بحث اور اس کی قسمیں ہماری کتاب "تفسیر نعیمی" جلد سوم میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر تم میں سے کوئی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر پھر مؤذن کہے

اشھدان لا الہ الا اللہ یہ بھی کہے اشھدان لا الہ الا  
 اللہ پھر مؤذن کہے اشھدان محمد رسول اللہ یہ بھی  
 کہے اشھدان محمد رسول اللہ پھر مؤذن کہے حی علی  
 الصلوٰۃ یہ کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ پھر مؤذن کہے حی  
 علی الفلاح یہ کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ پھر مؤذن  
 کہے اللہ اکبر اللہ اکبر تو یہ بھی کہے اللہ اکبر اللہ  
 اکبر پھر مؤذن کہے لا الہ الا اللہ تو یہ صدق دل سے کہے  
 لا الہ الا اللہ جنت میں جائے گا ۲ (مسلم)

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ مؤذن سے مراد نماز کے لیے اذان دینے والا ہے کیونکہ دوسری اذانوں کا جواب دینا سنت سے ثابت نہیں۔ اَحَدُكُمْ سے مراد ہر وہ مسلمان ہے جو جواب اذان دینے پر قادر ہو، لہذا اس سے نماز پڑھنے والا، استنجا کرنے والا وغیرہ علیحدہ ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ جواب دینے والا "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" بھی کہے اور لا حول بھی پڑھے تاکہ اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے اور گزشتہ پر بھی۔ اس وقت لا حول پڑھنا اس لیے ہے تاکہ شیطان دور رہے اور نماز کی حاضری آسان ہو۔

۲۔ ظاہر یہ ہے کہ مَن قلبہ کا تعلق سارے جواب سے ہے، یعنی اذان کا پورا جواب سچے دل سے دے کیونکہ بغیر اخلاص کوئی عبادت قبول نہیں۔ اگر جنت سے وہی جنت مراد ہے جو قیامت کے بعد ملے گی تو دَخَلَ بمعنى مستقبل ہے اور اگر جنت سے مراد دنیا کی جنت ہے، یعنی عبادت کی توفیق، اچھی زندگی تو دَخَلَ ماضی کے معنی میں ہے، رب فرماتا ہے: "وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ" یعنی اللہ سے ڈرنے والے کے لئے دو جنتیں ہیں: ایک دنیا میں، ایک آخرت میں۔ (مرقاۃ)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اذان سنتے وقت یہ کہا کرے یا اللہ اس عام دعوت اور کامل نماز کے رب محمد مصطفیٰ کو وسیلہ اور بزرگی دے اور انہیں اس مقام محمود پر پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا۔ تو اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگی ۲ (بخاری)

۱۔ خیال رہے کہ جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مقام کا نام "وسیلہ" ہے اور قیامت میں حضور کے مقام کا نام "مقام محمود" ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولہا بنائے جائیں گے، سارے اولین و آخرین، کفار و مؤمنین، انبیاء و مرسلین، بلکہ خود رب العالمین حضور کی ایسی تعریفیں کریں گے جو آج ہمارے خیال و وہم سے وراہ ہیں، وہ مقام نہ معلوم کیسا عظیم الشان ہے جس کا رب نے قرآن شریف میں اعلان فرمایا اور ہم لوگوں کو ہر اذان کے بعد اس کی دعا مانگنے کا حکم دیا گیا، اسی مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم "شفاعت کبریٰ" فرمائیں گے اور یہیں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر "دروازہ شفاعت" کھلے گا۔



۲ یعنی اس دعا کی برکت سے اسے ایمان پر خاتمہ نصیب ہوگا اور وہ میری شفاعت عامہ و خاصہ کا مستحق ہوگا۔ مراقبہ نے فرمایا کہ اذان کے بعد دعا بہت قبول ہوتی ہے، لہذا مصیبت زدہ کو چاہیے کہ اس وقت دعا مانگا کرے اسی لیے مسلمان اس دعا کے ساتھ یہ بھی کہہ دیتے ہیں "وَاذُرُقْنَا شَفَاعَتَهُ" خدایا ہمیں ان کی شفاعت نصیب کر۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر طلوع ہونے پر حملہ کرتے تھے۔ اذان پر کان لگاتے تھے اگر اذان سن لیتے تو باز رہتے ورنہ حملہ کر دیتے۔ ۲ ایک شخص کو کہتے سنا اللہ اکبر اللہ اکبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فطرت پر ہے پھر اس نے کہا اشہدان لا الہ الا اللہ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو آگ سے نکل گیا صحابہ نے اسے دیکھا تو وہ بکریاں چرانے والا تھا ۳ (مسلم)

۱ یعنی جب جہاد میں کفار کے علاقہ پر شاہانہ حملہ کرتے تو صبح کے وقت اذان کا انتظار کرتے کیونکہ یہ وقت عبادت کی قبولیت اور رحمت الہی کے نزول کا ہے اور جہاد بھی عبادت ہے۔

۲ معلوم ہوا کہ اذان مصیبتوں کو دفع کرتی ہے، سرکار اذان کی آواز سے یہ پتہ لگاتے تھے کہ یہ مسلمانوں کی بستی ہے جہاں مسلمان آزادی سے اپنی عبادتیں کر رہے ہیں۔ کفار کا زور نہیں لہذا یہاں جہاد کی ضرورت نہیں کیونکہ جہاد کفر کا زور توڑنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ کافروں کو جبراً مسلمان کرنے کے لیے۔

۳ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چرواہے کے متعلق چند گواہیاں دیں: ایک یہ کہ اس وقت یہ سچا مسلمان ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ تیسرے یہ کہ اس کے سارے گناہوں کی معافی ہوگی۔ معلوم ہوا کہ حضور ہر ایک کے دل کا حال بھی جانتے ہیں اور سب کے انجام سے بھی خبردار ہیں، کیوں نہ ہو کہ لوح محفوظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مؤذن کو سن کر یہ کہہ لیا کرے کہ میں گواہ ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں آبیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یقیناً محمد مصطفیٰ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں اللہ کی ربوبیت محمد مصطفیٰ کی رسالت اور دین اسلام سے راضی ہوں تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے ۱ (مسلم)

۱ ظاہر یہ ہے کہ دعا اذان کے اول پڑھی جائے گی، جب مؤذن کی اذان کی آواز کان میں آئے کیونکہ درمیان میں یہ دعا پڑھنے سے جواب اذان میں خلل واقع ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ بن مغفل سے فرماتے ہیں فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر دو اذانوں کے درمیان  
۱ نماز ہے۔ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے ۲ پھر تیسری  
بار میں فرمایا اس کے لئے جو چاہے ۳ (مسلم، بخاری)

۱ دو اذانوں سے مراد اذان واقامت ہے، جیسے چاند و سورج کو قرین، حضرت صدیق و فاروق کو عمرین، حضرت حسن و حسین کو حسین کہہ دیتے ہیں یا اذان سے مراد اطلاع ہے، اذان تو وقت نماز کی اطلاع کے لیے ہوتی ہے اور اقامت تیار کی جماعت کی اطلاع کے لیے، بہر حال حدیث پر اعتراض نہیں۔

۲ یا تو صلوة بمعنی دعا ہے، یعنی اذان و تکبیر کے درمیان دعا مانگا کرو کہ یہ وقت قبولیت ہے یا بمعنی نماز، یعنی اذان واقامت کے درمیان نفل پڑھا کرو، کہ یہ وقت افضل ہے تو اس میں نماز بھی افضل، نیز اس سے نماز میں سستی نہ ہوگی، انسان جماعت سے اتنے پہلے مسجد میں پہنچے گا کہ وضو کر کے نفل پڑھ کر تکبیر اولیٰ پا سکے۔ خیال رہے کہ احتاف کے نزدیک اس حکم سے مغرب علیحدہ ہے کہ اذان مغرب کے بعد نفل مکروہ ہیں، فرض کے بعد پڑھ سکتے ہیں۔ جیسا حضرت بریدہ اسلمی کی روایت میں ہے کہ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، "خلا صلوة المغرب" سوا نماز مغرب کے۔ (مرقاۃ وغیرہ)

۳ یعنی یہ نماز مؤذن کے ساتھ خاص نہیں جو مسلمان چاہے پڑھے، یا یہ نماز فرض نہیں جس کا چھوڑنا سخت جرم ہے۔ خیال رہے کہ فجر اور ظہر کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں جس کے چھوڑنے کی عادت نہایت بری ہے، عصر اور عشاء کی غیر مؤکدہ، مغرب کی منع ہے۔

الفصل الثانی  
دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ضامن ۱ اور مؤذن امانت  
دار ہے ۲ یا اللہ اماموں کو ہدایت دے اور مؤذنین کو بخش  
دے ۳ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، شافعی) ۴ دوسری روایت میں  
مصائب کے الفاظ ہیں۔

۱ یعنی امام مقتدیوں کی نماز کا ذمہ دار ہے، اور اپنی نماز کے ضمن میں ان کی نمازوں کو لیے ہوئے، اسی لئے امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے، امام کے سہو سے مقتدی پر سجدہ ہے۔ مقیم امام کے پیچھے مسافر مقتدی پوری نماز پڑھے گا۔ امام صرف اپنے لئے دعا نہ مانگے بلکہ جمع کے صیغے سے مانگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض والے کی نماز جائز نہیں کیونکہ فرض نفل سے اعلیٰ ہے اور اعلیٰ کے ضمن میں ادنیٰ آسکتا ہے نہ کہ ادنیٰ کے ضمن میں اعلیٰ۔ یونہی اگر مقتدی کی نماز امام کی نماز سے مختلف ہو تو جائز نہیں کیونکہ کوئی نماز اپنے غیر کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی، لہذا عصر پڑھنے والے کے پیچھے ظہر کی قضا نہیں پڑھی جاسکتی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کی نماز فاسدہ ہونے پر مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوگی۔ غرض کہ یہ حدیث بہت سے مسائل میں امام اعظم کی دلیل ہے۔

۲ کہ لوگوں کی نمازیں اور روزے اس کے پاس گویا امانتیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اذان سے امامت افضل ہے کیوں نہ ہو کہ امام جناب مصطفیٰ کا خلیفہ ہے اور مؤذن حضرت بلال کا نائب، یہی ہمارا مذہب ہے۔

۳۔ اس سے بھی امامت کی اذان پر فضیلت معلوم ہو رہی ہے کیونکہ مغفرت سے ہدایت اعلیٰ ہے، یعنی یا اللہ اماموں کو نماز کے مسائل سیکھنے اور صحیح ادا کرنے کی ہدایت دے کہ ان کی نماز سے بہت سی نمازیں وابستہ ہیں اور مؤذن کبھی وقت میں دھوکا بھی کھا سکتا ہے اسے بخش دے۔

۴۔ اگرچہ امام شافعی امام ہیں اور ترمذی وغیرہ ان کے مقلد مگر چونکہ انکی کتب احادیث امام شافعی کی کتاب سے زیادہ مشہور ہیں، اس لئے ان کا ذکر پہلے کیا۔ دیکھو امام بخاری و امام مسلم امام مالک کے شاگرد ہیں مگر ان کی زیادہ کتابیں مستند ہیں۔ (مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سات برس صرف ثواب کے لئے اذان دے تو اس کے لئے آگ سے خلاصی لکھی جاتی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱۔ یعنی جو بغیر تنخواہ سات سال اذان دے تو رب تعالیٰ اسے جہنم سے آزادی اور جنت میں داخلے کا پروانہ (پاسپورٹ اور وزرہ) لکھ دیتا ہے جو قیامت میں اسے دیا جائے گا، جس سے بے کھٹک وہ دوزخ سے گزر کر جنت میں داخل ہوگا۔ بعض مؤذن یہ طے کر لیتے ہیں کہ ہم تنخواہ مسجد کی صفائی وغیرہ کی لیں گے اذان فی سبیل اللہ دیں گے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ ان شاء اللہ اس کا ضرور فیض پائیں گے۔

روایت ہے حضرت عقبہ بن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارا رب اس بکری چرانے والے سے خوش ہوتا ہے جو پہاڑ کی اونچی چوٹی میں ہو نماز کی اذانیں دے اور نماز پڑھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۳۔ میرے اس بندے کو دیکھو ۴۔ اذان دیتا ہے نماز قائم کرتا ہے مجھ سے ڈرتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کروں گا۔ (ابوداؤد، نسائی)

۱۔ آپ مشہور صحابی ہیں، امیر معاویہ کی طرف سے عقبہ ابن ابی سفیان کی وفات کے بعد مصر کے والی بنے، پھر امیر معاویہ نے معزول کر دیا، ۵۸ھ میں مصر میں وفات پائی۔

۲۔ یعنی دنیا کے جھگڑوں سے دور رہے، اپنی روزی خود کمائے اور نماز اگرچہ اکیلے پڑھے مگر اذان دے کر۔ معلوم ہوا کہ نماز پنجگانہ کے لئے اذان بہر حال دے اگرچہ جنگل میں اکیلے نماز پڑھے۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ اذان کی برکت سے جنات و فرشتے بھی اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اور اسے جماعت کا ثواب ملتا ہے۔ تکبیر میں اختلاف ہے مگر حق یہ ہے کہ تکبیر بھی کہے کیونکہ اذان و تکبیر میں نماز کی اطلاع کے علاوہ اور بہت سے فائدے ہیں۔

۳۔ فرشتوں سے انبیاء و اولیاء کی روحوں سے بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی۔ (مرقاۃ)  
۴۔ معلوم ہوا کہ فرشتوں اور نبیوں، ولیوں کی روحوں میں یہ طاقت ہے کہ ایک جگہ رہ کر سارے عالم کو دیکھ لیں کہ پروردگار ان سے فرماتا ہے اس پہاڑ پر چھپے بندے کو دیکھو، اس سے مسئلہ حاضر ناظر حل ہوا۔

۵۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ کبھی دنیا سے علیحدگی مشغولیت سے بہتر ہے۔ دوسرے یہ کہ کبھی تنہائی کی عبادت علانیہ عبادت سے افضل ہے، کہ علانیہ میں ریاء کا خطرہ ہے اس میں نہیں۔ تیسرے یہ کہ اکیلا آدمی بھی اپنی نماز کے لیے اذان و تکبیر کہے مگر محلے کی مسجد کی اذان اہل محلہ کے لیے کافی ہوتی ہے۔ چوتھے یہ کہ فرشتے و انبیاء و اولیاء ہمارے دلوں کے اخلاص ریاء وغیرہ سے واقف ہیں اور اس کو دیکھتے ہیں، رب نے اُنظُرُوا کے بعد یَخَافُ فرمایا۔ پانچویں یہ کہ اللہ کے مقبول بندے لوگوں کے انجام سے خبردار ہیں، رب نے انہیں مغفرت اور عذابوں کی خبر دے دی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن تین شخص مشک کے ٹیلوں پر ہونگے ایک وہ غلام جو اللہ کا حق اور اپنے مولا کا حق ادا کرتا رہے اور ایک وہ شخص جو کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس سے راضی ہوں اور ایک وہ شخص جو ہر دن رات پانچ نمازوں کی اذان دے (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱۔ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ قیامت میں اولاً سب لوگ کھڑے ہوں گے اسی لیے اسے قیامت کہتے ہیں، پھر مختلف مقامات میں ہوں گے۔ کوئی عرش اعظم کے سایہ میں، کوئی کرسیوں پر، اور یہ تین جماعتیں مشک کے پہاڑوں پر کہ سب لوگ انہیں دیکھیں بھی اور ان کی خوشبوؤں سے فائدہ بھی اٹھائیں، چونکہ دنیا میں بھی لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھائے، اس لئے وہاں بھی لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔ خیال رہے کہ امام سے قوم کی رضا کا مطلب یہ ہے کہ امام کے تقویٰ اخلاق سے مسلمان راضی ہوں، بے دینوں یا فاسدوں کی ناراضی کا اعتبار نہیں۔ نیز سرکاری نوکروں کو بھی دے اور نماز کی بھی پابندی کرے وہ بھی اس غلام میں داخل ہے جو مولیٰ اور رب کے حق ادا کرے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤذن کی اس آواز کی انتہا کے مطابق بخشش کی جاتی ہے۔ اور اس کے لئے ہر خوشک چیز گواہی دے گی اور نماز میں حاضر ہونے والے کے لئے پچیس نمازیں لکھی جاتی ہیں۔ اور دو نمازوں کے درمیانی گناہ مٹائے جاتے ہیں (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ) نسائی نے ہر خشک و تر تک روایت کی اور فرمایا کہ مؤذن کو سب نمازیوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔

۱۔ یعنی جس قدر اس کی آواز زیادہ اسی قدر اس کی مغفرت زیادہ۔ آہستہ اذان کہنے والے کے صرف گناہ کبیرہ کی معافی اور بلند آواز سے کہنے والے کے صغیرہ کبیرہ سب معاف۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں مؤذن کی اذان کی برکت سے وہاں تک کہ گنہگاروں کی معافی ہوتی ہے جہاں تک اس کی آواز پہنچے کہ یہ ان سب کی شفاعت کرے گا۔

۲ یعنی مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب اکیلے اور گھر میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں ۲۵ گنا فرمایا گیا اور دوسری روایت میں ۲۷ گنا، بعض میں ۵۰۰ گنا ہے کیونکہ جیسی مسجد، جیسی جماعت اور جیسا امام ویسا ثواب۔ جن خوش نصیبوں نے مسجد نبوی میں جماعت صحابہ کے ساتھ حضور کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان کا ایک سجدہ دوسروں کی کروڑوں نمازوں سے افضل ہے۔  
۳ یعنی اس کی اذان سے جتنے لوگ مسجد میں آکر یا اپنے گھر میں نماز پڑھتے ہیں ان سب کا مجموعی ثواب مؤذن کو ملتا ہے کیونکہ یہ ان سب کا رہے اور ان سب کو اپنی اپنی نمازوں کا ثواب۔

روایت ہے حضرت عثمان ابن ابوالعاص سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے میری قوم کا امام بنا دیجئے فرمایا تم ان کے امام ہو۔ اور ان میں سے کمزور کو مقتدی جانو۔ اور کوئی ایسا مؤذن مقرر کرو جو اپنی اذان پر اجرت نہ لے۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

۱۔ آپ مشہور صحابی ہیں، ثقفی ہیں، حضور نے آپ کو طائف کا حاکم بنایا اور شروع خلافت فاروقی تک وہیں کے حاکم رہے، پھر عمر فاروق نے وہاں سے معزول کر کے عمان اور بحرین کا گورنر بنایا۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام قائم کرنے اور معزول کرنے کا حق سلطان اسلام کو بھی ہے اور اس کا مقرر کردہ امام قوم کے معزول کرنے سے علیحدہ نہیں ہو سکتا، دیکھو کتب فقہ۔

۳۔ یعنی یہ سمجھ کر نماز پڑھاؤ کہ میرے مقتدی کمزور اور بیمار بھی ہیں، ہلکی نماز پڑھاؤ۔

۴۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مؤذن رکھنے اور معزول کرنے کا حق امام کو ہے۔ دوسرے یہ کہ اذان پر اجرت لینا جائز مگر نہ لینا بہتر اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اجرت کو حرام نہیں کہا بلکہ فرمایا ڈھونڈ کر کوئی اللہ اذان دینے والا رکھو۔ خیال رہے کہ اُس زمانہ میں دینی خدمات پر اجرت لینا اگر ممنوع بھی تھا تو اس وقت کے لحاظ سے تھا ممنوع نہیں، ورنہ سارے دینی کام بند ہو جائیں گے۔ دیکھو سوا عثمان غنی کے باقی تمام خلفاء نے خلافت پر اجرت لی، حالانکہ خلافت امامت کبریٰ ہے، نیز عمر فاروق نے اپنے زمانہ میں غازیوں اور حکام کی تنخواہیں مقرر کیں، حالانکہ جہاد بھی عبادت ہے اور حاکم اسلام بننا بھی۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ کہہ لیا کروں اے اللہ یہ تیری رات کے آنے اور تیرے دن کے جانے کا وقت اور تیرے بلانے والوں کی آوازیں ہیں تو مجھے بخش دے۔ (ابوداؤد، بیہقی، دعوات کبیر)

۱۔ یا اذان کے اڈل آواز سنتے ہی یا اذان کے بعد، دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

۲۔ چونکہ شام کا وقت بھی قبولیت کا وقت ہے اور اذان کا ہونا بھی، اس لئے خصوصیت سے اس وقت کے لیے یہ دعا ارشاد فرمائی گئی۔ بلانے والے سے مراد مؤذنین ہیں، یعنی ان مؤذنین کی ان آوازوں کی برکت سے مجھے بخش دے۔ معلوم ہوا کہ دوسروں کی عبادت کے طفیل دعا مانگنا جائز ہے، لہذا یہ کہہ سکتے ہیں خدایا اپنے حبیب کے سجدوں کے طفیل مجھے بخش دے۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے یا بعض صحابہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت بلال نے تکبیر کہنی شروع کی جب انہوں نے کہا قد قامت الصلوٰۃ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اسے قائم دائم رکھے اور باقی تکبیر میں وہی فرمایا جو حضرت کی عمر کی اذان حدیث میں ذکر ہوا (ابوداؤد)

۱۔ اس سے معلوم ہو کہ اذان کی طرح تکبیر کا بھی جواب دیا جائے اور "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" پر یہ دعامانگے جائے۔ خیال رہے کہ راوی کا یہ کہنا کہ بعض صحابہ نے فرمایا حدیث کو ضعیف نہیں کر دیتا کیونکہ سارے صحابہ عادل ہیں کوئی فاسق نہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان اور تکبیر کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی (ابوداؤد، ترمذی)

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے اذان و تکبیر کے درمیان کا سارا وقت مراد ہے کہ اس میں جب بھی دعامانگے قبول ہوگی مگر بہتر یہ ہے کہ اذان سے متصل دعامانگے تاکہ اگلی حدیث پر عمل ہو جائے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضور ہم اس وقت کیا دعامانگیں؟ فرمایا دین و دنیا کی امن و عافیت مانگو۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دعائیں رد نہیں کی جاتیں یا بہت کم رد کی جاتی ہیں اذان کے وقت کی دعا اور جہاد کے وقت کی دعا جب بعض بعض کو قتل کر رہے ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ بارش کے وقت کی دعا (ابوداؤد، دارمی) مگر دارمی نے بارش کا ذکر نہ کیا۔

۱۔ یعنی مؤذن کے اذان سے فارغ ہوتے ہی نہ کہ دوران اذان میں کہ وہ جواب اذان کا وقت ہے۔  
۲۔ یعنی عین کشت و خون کی حالت میں جب غازی کافروں کو قتل کر رہے ہوں اور کافروں کے ہاتھوں شہید ہو رہے ہوں کہ وہ بہترین عبادت ہے۔ یُلْجِمُ الْحَاكِمَ سے بنا، بمعنی گوشت کاٹنا یعنی قتل کرنا۔  
۳۔ بعض لوگوں نے تحت کی وجہ سے فرمایا بارش کے نیچے کھڑے ہو کر بھیگتے ہوئے دعامانگے مگر صحیح یہی ہے کہ بارش کے وقت کہیں بھی دعامانگے قبول ہوگی، خصوصاً رحمت کی بارش جو انتظار اور دعاؤں کے بعد آئے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن لوگ ہم سے بڑھ جائیں گے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے وہ کہتے ہیں تم بھی کہہ لیا کرو ۲۔ جب فارغ ہو جاؤ تو مانگ لیا

کرو دیئے جاؤ گے ۳ (ابوداؤد)

۱ یعنی قیامت میں ہم ان کے درجے تک نہ پہنچ سکیں گے کیونکہ تمام عبادات میں ہم اور وہ برابر ہیں اور اذان میں وہ ہم سے بڑھے ہوئے۔ معلوم ہوا کہ دینی کاموں میں رشک جائز بلکہ کبھی عبادت ہے۔

۲ اس سے معلوم ہوا کہ اذان کے سارے کلمات مؤذن کے ساتھ کہے حتی کہ "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" اور "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" بھی مگر ان دونوں کے ساتھ لَا حَوْلَ بِهِي پڑھ لے۔ اس کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے۔

۳ یعنی جو دعا چاہو مانگو۔ بہتر یہ ہے کہ اولاً حضور کے لیے وسیلہ کی دعا مانگے، پھر اپنے لئے دعائیں، تاکہ تمام حدیثوں پر عمل ہو جائے، مسلمان عموماً وسیلہ کے بعد اسی دعا میں یہ بھی کہہ لیتے ہیں "وَإِزْفُقْنَا شَفَاعَتَهُ"۔ وہابی اس سے منع کرتے ہیں اور بدعت کہہ کر روکتے ہیں شاید انہیں حضور کی شفاعت کی ضرورت نہ ہوگی۔ وہ اس حدیث سے عبرت پکڑیں کہ یہاں سئل مطلق فرمایا گیا۔ مرقاہ نے اس جگہ بہت سی دعائیں بتائیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شیطان جب نماز کی اذان سنتا ہے تو بھاگ جاتا ہے ۱ حتی کہ مقام روحاء تک پہنچ جاتا ہے ۲ راوی نے فرمایا کہ روحاء مکہ مدینہ سے چھتیس میل ہے ۳ (مسلم)

۱ ظاہر یہ ہے کہ شیطان سے مراد ابلیس ہے جو جنات کا مورث اعلیٰ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد قرین شیطان ہو جو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے یا سارے شیاطین۔

۲ یعنی نمازی سے اتنی دور بھاگ جاتا ہے جتنا مدینہ سے روحاء۔

۳ راوی سے مراد ابوسفیان طلحہ ابن نافع مکی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ روحاء مدینہ منورہ سے مکہ کی جانب ۳۶ میل یعنی ۱۲ کوس ہے، اس سے شیطان کی قوت رفتار معلوم ہوئی کہ وہ پل بھر میں ۳۶ میل جا سکتا ہے کیوں نہ ہو کہ وہ آتشی ہے۔ آگ کی رفتار اگر دیکھنا ہو تو آج بجلی کی رفتار دیکھ لو، جب نارکی یہ رفتار ہے تو اولیاء اللہ اور انبیاء کرام نوری لوگوں کی رفتار کا کیا پوچھنا، قرآن کریم فرما رہا ہے کہ بنی اسرائیل کے ولی آصف برخیا پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے بلیقیس کا تخت شام میں لے آئے، معراج کی رات سارے نبیوں نے بیت المقدس میں حضور کے پیچھے نماز پڑھی، حضور برق رفتار براق پر سوار ہو کر پل بھر میں آسمانوں پر پہنچے، تو یہ انبیاء پہلے پہنچ کر وہاں استقبال کے لیے حاضر تھے۔ اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت علقمہ ابن وقاص سے ۱ فرماتے ہیں میں حضرت معاویہ کے پاس تھا جب ان کے مؤذن نے اذان دی حضرت معاویہ نے بھی وہ ہی کہا جو مؤذن نے کہا حتی کہ جب

اس نے سحی علی الصلوة کہا تو آپ نے فرمایا لا حول ولا  
 قوة الا باللہ پھر جب سحی علی الفلاح کہا تو آپ نے فرمایا  
 لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم ۲ اس کے بعد وہی  
 کہا جو مؤذن نے کہا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کو یہ ہی فرماتے سنا۔ (احمد)

۱۔ آپ لیشی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے، شیخ نے فرمایا کہ تابعی ہیں مگر مرقاة میں ہے کہ صحابی ہیں، جنگ خندق  
 میں حاضر ہوئے، عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں مدینہ پاک میں وفات پائی۔

۲ یعنی "سحی علی الصلوة" اور فلاح پر صرف لا حول شریف پڑھی یہ کلمات نہ دہرائے، بعض علماء کا یہی عمل ہے مگر زیادہ قوی یہ ہے  
 کہ یہ کلمات بھی دہرائے اور لا حول شریف بھی پڑھ لے، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے "سحی علی  
 الصلوة" پر بھی پوری لا حول ہی پڑھی ہوگی مگر راوی نے اختصار کیا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ حضرت بلال اذان دینے  
 کھڑے ہوئے جب خاموش ہوئے تو حضرت محمد مصطفیٰ نے  
 فرمایا جو یقین سے اس طرح کہا کرے جو اس نے کہا جنت  
 میں داخل ہوگا۔  
 (نسائی)

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے اذان کا جواب مراد ہے، یعنی ایمان لا کر یہ کلمات دہرائے تو جنتی ہے۔ اگر کافر مذاق کے طور پر اذان کی نقل کرے  
 تو اس کے کفر میں اور اضافہ ہوگا۔ اس میں اشارہ بتایا گیا کہ جب اذان دہرانے کا یہ ثواب ہے تو اذان دینے پر کیا ثواب ہوگا۔

روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے  
 فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مؤذن کو شہادتین  
 کہتے سنتے تو فرماتے اور میں بھی اور میں بھی! (ابوداؤد)

۱۔ یعنی میں بھی اللہ کی توحید اور اپنی رسالت پر گواہی دیتا ہوں۔ خیال رہے کہ ہم توحید و رسالت کی گواہی سن کر دے رہے ہیں  
 اور حضور دیکھ کر کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کی ذات و صفات اور سارے عالم غیب کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے، نیز حضور صلی  
 اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا علم ہمارے لیے علم حضوری کیونکہ رسالت آپ کا اپنا وصف ہے، نیز حضور کا کلمہ یہ بھی تھا "أَشْهَدُ أَنَّ  
 مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ" اور یہ بھی کہ "أَشْهَدُ أَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ" میں اللہ کا رسول ہوں، کبھی اس طرح کلمہ پڑھتے تھے، کبھی اس طرح۔ اگر  
 ہم کہہ دیں کہ میں رسول اللہ ہوں تو کافر ہو جائیں۔ ایک کلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کلمہ ایمان ہے اور ہمارے لیے



کفر۔ التحیات میں بھی ہم پڑھتے ہیں "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایسے بھی پڑھتے تھے، اور کبھی "السلام علی"۔ (ازمرقاۃ)

روایت ہی حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بارہ سال اذان دے اس کے لئے جنت واجب ہوگی۔ اور ہر دن اس کی اذان کے عوض ساٹھ نیکیاں اور تکبیر کے عوض تیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (ابن ماجہ)	
---	--

۱۔ پہلے سات سال اذان دینے پر آگ سے نجات کا وعدہ فرمایا گیا تھا، یہاں بارہ سال پر جنت کا وعدہ ہے کیونکہ جیسا اذان میں اخلاص ویسا ہی اس پر اجر، حضرت بلال کو ایک اذان پر وہ ثواب ملے گا جو دنیا بھر کے مؤذنوں کو عمر بھر کی اذانوں پر نہ ملے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلے بارہ سال کی اذان پر وعدہ جنت فرمایا گیا ہو، پھر رحمت کو وسیع فرماتے ہوئے سات سال کی اذان پر وعدہ ہو گیا۔ اس صورت میں یہ حدیث پہلی سے منسوخ ہے۔

۲۔ یعنی تکبیر کا ثواب اذان سے آدھا ہے کیونکہ تکبیر صرف مسجد والوں کے لیے ہے اور اذان سارے لوگوں کے لیے، نیز تکبیر میں آسانی ہے، اذان میں مشقت اور ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ ثواب بارہ سال کے مؤذن کے لئے خاص نہیں بلکہ جو بھی اخلاص سے اذان کہے ان شاء اللہ یہ ثواب پائے گا، بلکہ اذان واقامت کا جواب دینے والا بھی ان شاء اللہ اس اجر کا مستحق ہوگا جیسا کہ گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ہم کو مغرب کی اذان کے وقت دعا کا حکم دیا جاتا تھا۔ (بیہقی دعوات کبیر)	
--	--

۱۔ غالباً اس سے وہی دعا مراد ہے جو حضرت ام سلمہ کی روایت میں گزر چکی۔ خیال رہے کہ بعض لوگ اذان کی دعا میں ہاتھ اٹھانے کو منع کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں جب تک کہ ممانعت قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو کسی کو منع کرنے کا کیا حق ہے، ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت سے ثابت ہے، جیسا کہ دعاؤں کے باب میں ان شاء اللہ آئے گا، سوا نماز کی دعاؤں کے کہ وہاں نماز میں مشغولیت کی وجہ سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں کھانے کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانے کو منع فرمایا مگر اسی کی وجہ یہ بتائی کہ شاید بعض لوگ ابھی کھانا کھا رہے ہوں تو انہیں شرمندگی ہوگی کہ سب کھا چکے ہم ابھی تک کھا رہے ہیں، یہ بھی ان کی رائے ہے اور اس کی وجہ یہ ہے نہ کہ ممانعت شرعیہ۔

## باب فیہ فصلان

### باب اس میں دو فصلیں ہیں۔

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ چونکہ اس باب میں اذان کے متعلق مختلف مضامین کی احادیث آئیں گی اس لئے مصنف نے اس باب کا ترجمہ مقرر نہ کیا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بلال رات میں اذان دیتے ہیں تم کھاتے پیتے رہو۔ حتیٰ کہ ابن ام مکتوم اذان دیں فرماتے ہیں کہ ابن ام مکتوم نابینا شخص تھے اذان نہ کہتے حتیٰ کہ ان سے کہا جاتا صبح ہو گئی صبح ہو گئی ۲۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ غالباً ہمیشہ صبح کی دو اذانیں ہوا کرتی تھیں ایک تہجد اور سحری کے لئے، دوسری نماز فجر کے لئے، پہلی اذان سیدنا بلال دیتے تھے اور دوسری اذان سیدنا ابن ام مکتوم۔ اب بھی مدینہ منورہ میں تہجد کی اذان ہوتی ہے چونکہ ان دونوں اذانوں کی آوازوں اور طریقہ ادا میں فرق ہوتا تھا اس لیے لوگوں کو اشتباہ نہ ہوتا تھا۔

۲۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اذان صرف نماز کے لئے خاص نہیں اور مقاصد کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ دیکھو سیدنا بلال کی یہ اذان سحری کو جگانے کے لئے ہوتی تھی۔ دوسرے یہ کہ فجر یا دیگر اذانیں اگر وقت سے پہلے ہو جائیں تو وقت میں کہنی پڑیں گی۔ دیکھو سیدنا بلال کی اذان پر اکتفا نہ کی گئی، امام اعظم کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی کے ہاں اذان فجر وقت سے پہلے بھی جائز ہے، اسی حدیث کی بناء پر مگر یہ دلیل کمزور ہے ورنہ دوبارہ اذان کی کیا ضرورت تھی۔ تیسرے یہ کہ نابینا کو اذان کے لیے مقرر کر سکتے ہیں جب کہ اسے وقت بتانے والا کوئی ہو۔ چوتھے یہ کہ ایک مسجد میں دو یا زیادہ مؤذن ہو سکتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ سحری کو جگانے کے لیے اذان دینا جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے مگر یہ جب ہوگا جب لوگ اس اذان سے شبہ میں نہ پڑ جائیں ورنہ ہرگز نہ دی جائے۔ ہمارے ملک میں اذان صبح صادق کی علامت ہے اگر یہاں سحری کی اذان دی گئی تو کوئی فجر کے شبہ میں سحری نہ کھائے گا یا کوئی دوسری اذان کو پہلی سمجھ کر دن میں کھا کر روزہ خراب کر لے گا اس لیے اب ہرگز اس پر عمل نہ کیا جائے۔ بہت سی چیزیں عہد صحابہ میں درست تھیں، اب ممنوع ہیں۔ دیکھو اُس زمانہ میں جو تا پہن کر مسجد میں آنا اور مع جوتے نماز پڑھنا مروج تھا اب ممنوع ہے۔ پختہ مکان بنانے منع تھے، اب جائز ہے۔ کھیتی باڑی سے لوگوں کو روکا گیا تھا اب ضروری ہے۔ زکوٰۃ کے مصرف آٹھ تھے اب سات ہیں۔ حالات بدل جانے سے ہنگامی احکام بدل جاتے ہیں۔

روایت ہے سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہیں سحری سے نہ بلال کی اذان روکے اور نہ لبی فجر لیکن کنارہ آسمان میں پھیلنے والی فجر ۱۔ (مسلم) اس کے لفظ ترمذی کے ہیں۔

۱۔ صبح دو ہوتی ہیں: صادق اور کاذب۔ صبح کاذب مشرق و مغرب میں بھیڑیے کی دم کی طرح لمبی سفیدی ہے جو ظاہر ہو کر غائب ہو جاتی ہے۔ اس سے کچھ دیر بعد جنوباً شمالاً سفیدی نمودار ہوتی ہے جو بعد میں پھیل جاتی ہے اس کا نام صبح صادق ہے۔ اسی وقت سے دن شروع ہوتا ہے۔ سبحان اللہ! حضور نے ایک لفظ "مستطیل" فرما کر صدمہ مسئلے بیان فرمادئے۔

روایت ہے حضرت مالک بن حویرث سے فرماتے ہیں کہ میں اور میرا چچرا بھائی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئے ۲ آپ نے فرمایا کہ جب تم دونوں سفر کرو تو اذان و تکبیر کہو اور تم میں کا بڑا امامت کرے ۳ (بخاری)

۱۔ آپ کا نام مالک، کنیت ابوسلیمان ہے، قبیلہ بنی لیث سے ہیں، ایک وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، ۲۰ دن حاضری رہی، بصرہ میں قیام کیا، عبدالملک کے زمانہ میں ۴۷ھ میں وہیں وفات پائی۔

۲۔ وداع ہونے کے لیے ۲۰ دن قیام کرنے کے بعد۔ معلوم ہوا کہ مدینہ سے چلتے وقت خدمت اقدس میں حاضر ہونا سنت صحابہ ہے۔ اب بھی حجاج مکہ معظمہ سے چلتے وقت طواف وداع کرتے ہیں اور مدینہ پاک سے رخصت ہوتے وقت سلام وداع عرض کرتے ہیں۔

۳۔ یعنی اذان و تکبیر کوئی بھی کہہ دے مگر امامت بڑا ہی کرے۔ سفر کی قید اس لیے لگائی کہ سفر میں کوئی امام مقرر نہیں ہوتا، مسجدوں میں جو امام مقرر ہوگا وہی امامت کرے گا چھوٹا ہو یا بڑا، جیسا کہ دیگر روایات میں ہے۔ بڑے میں بہت تفصیل ہے۔ علم میں بڑا، قرأت قرآن میں بڑا، تقویٰ اور پرہیزگاری میں بڑا، عمر میں بڑا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان سے امامت افضل ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سفر میں بھی حتی الامکان جماعت سے نماز پڑھنی چاہیے، نیز اگر دو آدمی بھی ہوں تو بھی جماعت کر لیں الگ الگ نہ پڑھیں۔ بعض علماء نے اس حدیث کی بناء پر اذان کو فرض فرمایا مگر صحیح یہی ہے کہ اذان سنت ہے۔ ہاں شعاردین میں سے ہیں کہ اس کے روکنے پر جہاد واجب ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ویسے ہی نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھا۔ جب نماز حاضر ہو تو تم میں سے کوئی اذان دے اور تم میں کا بڑا امامت کرے ۲ (مسلم، بخاری)

۱۔ سبحان اللہ! ایسا ایمان افروز کلمہ ہے یعنی میں اور میرے افعال قرآن کی بوتلی ہوئی تفسیر ہیں۔ رب نے صرف نماز کا حکم دیا، طریقہ ادا نہ بتایا۔ فرمایا جا رہا ہے "اقِمْوا الصَّلَاةَ" کی تفسیر میں ہوں اور میرا عمل۔ سارے قرآن کا یہی حال ہے۔

ع تری سیرت کو ہم قرآن کی تفسیر کہتے ہیں۔

۲ یعنی اذان و نماز دونوں وقت میں ہوں، لہذا کوئی اذان وقت سے پہلے جائز نہیں (حنفی)۔ اکبر کی تفسیر ابھی گزر چکی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوة خیبر سے لوٹے تو رات بھر چلتے رہے جب آپ کو نیند آنے لگی تو آخر رات میں اترے اور بلال سے فرمایا کہ رات میں ہماری حفاظت کرو ۲ حضرت بلال سے جس قدر ہو سکا نماز پڑھتے رہے ۳ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سو گئے پھر جب صبح قریب ہوئی تو حضرت بلال نے مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی سواری سے ٹیک لگائی سواری سے ٹیک لگائے ان کی آنکھ لگ گئی ۴ پھر نہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور نہ بلال نہ کوئی صحابی حتیٰ کہ انہیں دھوپ لگی ۵۔ ان سب سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا گئے اور فرمایا اے بلال ۱۔ تب حضرت بلال بولے کہ میرے نفس کو وہ ہی لے گیا جو آپ کے نفس مبارک کو لے گیا ہے فرمایا ہاں کو صحابہ نے اپنی سواریاں کچھ ہانکیں ۲۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور حضرت بلال کو حکم دیا انہوں نے نماز کی تکبیر کبھی پھر ان سب کو فجر پڑھائی جب نماز پوری کر چکے تو فرمایا کہ جو نماز بھول جائے تو یاد آنے پر پڑھ لے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری یاد پر نماز قائم کرو ۳ (مسلم)

۱۔ مدینہ منورہ کی طرف یہ غزوہ محرم ۷ھ میں ہوا، تقریباً ۱۷ دن مسلمانوں نے خیبر کا محاصرہ کیا، اللہ نے شاندار فتح عطا فرمائی۔ خیبر مدینہ پاک سے ۳۰ منزل ہے۔

۲۔ اس رات کا نام "لیلہ تعریس" ہے اور اس واقعہ کا نام "واقعہ تعریس" ہے۔ تعریس کے معنی ہیں آخر رات میں آرام کے لیے اترا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کو اپنے خدام سے خدمت لینا جائز ہے، نیز بندوں سے اپنی حفاظت کرانا توکل کے خلاف نہیں۔

۳۔ یعنی جتنے نوافل آج رات ان کے مقدر میں لکھے تھے اور جن پر وہ قادر تھے پڑھے۔

۴۔ یعنی انکی نیت سونے کی نہ تھی بلکہ بیٹھ کر طلوع فجر دیکھنے کا ارادہ تھا اسی لیے آپ لیٹے نہیں بلکہ بیٹھے رہے اور منہ بھی مشرق کی طرف رکھا مگر ہونے والی بات کہ بے اختیار سو گئے، لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے سرکاری فرمان کی مخالفت کی۔

۵۔ یعنی دھوپ کی گرمی سے بیدار ہوئے۔ خیال رہے کہ حضور کی آنکھ سوتی تھی دل بیدار رہتا تھا مگر سویرا، اندھیرا، اجیلا دیکھنا آنکھ کا کام ہے نہ دل کا، لہذا یہ واقعہ اس حدیث کے خلاف نہیں۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند غفلت پیدا نہیں کرتی اسی لیے نیند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ آج نماز کی قضا غفلت سے نہ ہوئی بلکہ رب نے اپنے پیارے کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور ادھر سے توجہ ہٹا لی تاکہ امت کو قضا پڑھنے کے احکام معلوم ہو جائیں، لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

۶۔ تم نے یہ کیا کیا ہمیں نماز کے وقت جگایا کیوں نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز قضا ہونے پر گھبرا جانا بھی سنت و عبادت ہے جس پر بڑا ثواب ملتا ہے۔

۷۔ یعنی جس حکمت والے رب نے آپ کو اس وقت جاگنے نہ دیا اسی نے مجھے سلا دیا، اس کلام میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے "اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا"۔ سبحان اللہ! کیا مبارک جواب ہے یعنی ہمارا یہ سوتا رہ جانا شیطانی یا انسانی نہیں بلکہ رحمانی ہے جس میں مصلحت ایمانی و اسلامی ہے۔

۸ یعنی اس جنگل سے چلو نماز آگے پڑھیں گے کیونکہ ابھی سورج طلوع ہو رہا تھا نماز جائز نہ تھی کچھ دور جانے میں قدرے سفر بھی طے ہو جائے گا اور وقت کراہت بھی نکل جائے گا، عرب میں ٹھنڈے وقت سفر کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ آفتاب چمکنے کے بیس منٹ بعد نماز جائز ہوتی ہے۔ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ سورج نکلنے کے وقت نہ فرض نماز جائز نہ نفل۔ امام شافعی کے ہاں اس وقت نجر کی قضاء جائز ہے۔

۹ یعنی بے اختیاری حالت میں نماز قضاء ہو جانے پر گناہ نہیں۔ خیال رہے کہ یہاں نماز کی اذان بھی کہی گئی اور تکبیر بھی سنتیں بھی پڑھی گئیں اور جماعت سے نماز بھی، لہذا اس حدیث سے بہت سے فقہی مسائل حل ہوئے۔

روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نماز کی تکبیر کہی جائے تو نہ کھڑے ہو حتیٰ کہ مجھے نکلنے دیکھ لو! (مسلم، بخاری)

۱ یعنی تکبیر کے وقت صف میں پہلے سے نہ کھڑے ہو جاؤ بلکہ جب مجھے حجرے شریف سے نکلنے دیکھو تب کھڑے ہوتا کہ نماز کے قیام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام تعظیمی بھی ہو جائے، حضور "سَجَّ عَلَی الْفَلَاحِ" پر حجرے سے باہر جلوہ گر ہوتے تھے۔ اب بھی سنت یہی ہے کہ مقتدی صف میں بیٹھ کر تکبیر سے "سَجَّ عَلَی الْفَلَاحِ" پر کھڑے ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کی غیر موجودگی میں تکبیر جائز ہے جب کہ علامات سے معلوم ہو جائے کہ امام تشریف لانے والے ہیں۔ اس کی بحث قریب میں گزر چکی ہے۔

روایت ہے ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب نماز کی تکبیر کہی جائے تو دوڑتے نہ آؤ بلکہ چلتے ہوئے اطمینان کے ساتھ آؤ۔ جو پالو وہ پڑھ لو جو رہ جائے پوری کر لو! (مسلم، بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کیونکہ جب کوئی نماز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ نماز میں ہوتا ہے ۳۔ یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔

۱ یعنی جماعت کے لئے گھبرا کر دوڑتے نہ آؤ کہ اس میں گر جانے چوٹ کھانے کا اندیشہ ہے۔ خیال رہے کہ رب نے جو فرمایا "فَاسْعَوْا

إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ" وہاں سعی سے مراد دوڑنا نہیں بلکہ نماز جمعہ کی تیاری کرنا ہے، لہذا آیت وحدیث میں مخالفت نہیں۔

۲ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جماعت میں شامل ہونے کے لئے سکون سے آنا مستحب ہے، دوڑنا مستحب کے خلاف ہے حرام نہیں، لہذا فاروق اعظم کا ایک دفعہ دوڑ کر رکوع میں شامل ہو جانا ناجائز نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ آخری جزو مل جانے سے جماعت مل جاتی ہے، لہذا جو نماز جمعہ کی التَّحِيَّاتُ میں مل جائے وہ جمعہ پڑھے۔ تیسرے یہ کہ جس رکعت میں مقتدی طے وہ تعداد کے لحاظ سے رکعت اول ہے اور قرأت کے لحاظ سے رکعت آخری۔

۳ یعنی جب سے وہ نماز کے ارادے سے گھر سے چلا اسے نماز کا ثواب مل رہا ہے پھر جلدی کیوں کرتا ہے، کیوں گرتا اور چوٹ کھاتا ہے، اطمینان سے آئے جو پائے اس کو ادا کرے۔ خیال رہے کہ اگر تکبیر اولیٰ یا رکوع پانے کے لئے قدرے تیزی سے آئے مگر نہ اتنی کہ چوٹ لگنے کرنے کا اندیشہ ہو تو مضائقہ نہیں جیسا کہ فاروق اعظم کا عمل پہلے بیان ہوا۔

روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے ۱۔ فرماتے ہیں کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے کے رستے میں ۲۔ نزول فرمایا اور حضرت بلال کو اس لیے مقرر کیا کہ انہیں نماز کے لیے جگا دیں تب حضرت بلال اور سب حضرات سو گئے ۳۔ اور جب جاگے جب کہ ان پر سورج چمک رہا تھا قوم گھبرائی ہوئی جاگی انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سوار ہو جائیں حتیٰ کہ دور اس جنگل سے نکل جائیں اور فرمایا کہ اس جنگل میں شیطان ہے ۴۔ لوگ سوار ہوئے حتیٰ کہ اس جنگل سے نکل گئے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اتریں اور وضو کریں اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ نماز کی تکبیر یا اذان کہیں ۵۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی ۶۔ پھر فارغ ہوئے ان کی گھبراہٹ دیکھی تو فرمایا اے لوگو! اللہ نے ہماری روحیں قبض فرمائی تھیں اگر چاہتا اس کے علاوہ اور وقت انہیں واپس کرتا کہ جب تم میں سے کوئی نماز سے سو جائے یا اسے بھول جائے پھر گھبرا کر اس کی طرف آئے تو اسے ویسے ہی پڑھے جیسے اس کے وقت میں پڑھتا تھا ۷۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کی طرف توجہ فرمائی فرمایا کہ شیطان بلال کے پاس آیا جب وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے انہیں لٹا دیا ۸۔ پھر انہیں تھپکورتا رہا جیسے بچہ تھپکورا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ سو گئے پھر نبی کریم روف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو بلایا تو حضرت بلال نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح خبر دی جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کو خبر دی تھی ۹۔ ابوبکر صدیق بولے میں گواہی دیتا ہوں آپ سچے رسول ہیں ۱۰۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ (مالک)

۱۔ آپ حضرت عمر فاروق کے آزاد کردہ غلام ہیں، تابعی ہیں، بڑے علم و تقویٰ والے ہیں۔

۲۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ تفریس کا یہ دوسرا واقعہ ہے کیونکہ پہلا واقعہ خیبر اور مدینہ منورہ کے درمیان پیش آیا تھا اور یہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان ہوا۔ شیخ نے فرمایا کہ غالباً واقعہ تو وہ ہی ہے مگر یہاں راوی کو دھوکا ہوا کہ مکہ معظمہ کے راستے میں سمجھا۔

۳۔ اگر یہ خیبر والا واقعہ ہے تو حضرت بلال اونٹ کی پیٹھ سے ٹیک لگائے سو گئے اور صحابہ کبار باقاعدہ لیٹ کر ارادہ سوئے۔ اور اگر دوسرا واقعہ ہے تو حضرت بلال بھی لیٹ کر سوئے، مگر سونے کا ارادہ نہ تھا کمرسیدھی کرنے لیٹے کہ آنکھ لگ گئی تھی۔

۴۔ اس کی شرح وہ ہی ہے جو پہلے ہو چکی، یعنی اس جنگل میں ابھی سورج طلوع ہو رہا ہے اور شیطان کے سینگوں کے درمیان ہے، اس وقت نماز مکروہ ہے، کچھ آگے چلو سفر بھی طے ہو جائے گا اور سورج بھی بلند ہو جائے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ یہاں اس جنگل میں چونکہ شیطان ہے جس نے ہمیں سلا دیا لہذا یہاں نماز نہ پڑھو کیونکہ شیطان ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے، نیز شیطان کی وجہ سے نماز نہ پڑھنا قرین قیاس نہیں۔ بت خانوں، شراب خانوں میں نماز اس لیے مکروہ ہے کہ وہ ہر جگہ گناہوں یا شرک و کفر کی ہے۔ استنجخانہ اور حمام میں نماز مکروہ کہ وہ جگہ نجاست کی ہے کہ اس لیے کہ وہاں شیطان ہے۔

۵۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں او بمعنی واؤ ہے یعنی اذان اور تکبیر کہیں اور اگر شک کے لئے ہے تو یہ شک راوی کو ہے، یعنی مجھے خیال نہیں کہ میرے شیخ نے اذان کا ذکر کیا یا تکبیر کا۔

۶۔ معلوم ہوا کہ اگر پوری قوم کی نماز رہ جائے تو قضاء باجماعت کی جائے گی اور اس کے لیے اذان و اقامت بھی ہوگی۔  
۷۔ یعنی اگر چاہتا ہوں تو ہمیں قیامت ہی کے دن اٹھاتا ہے تو اس کی مہربانی ہے کہ آج ہی جگادیا، نیند موت کی چھوٹی بہن ہے، لہذا اس قضاء پر گھبراؤ مت، اس میں رب تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔

۸۔ اکثر حنفیوں کا یہ قول ہے کہ جسری نماز کی قضاء بھی جسر سے کی جائے گی اور خفی نمازوں کی قضا بھی آہستہ قرأت سے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر کی نماز اگر گھر میں قضاء کرے تو قصر ہی کرے گا اور اگر گھر کی نماز سفر میں قضا بھی کرے تو پوری، نیز اگر فجر کی نماز زوال سے پہلے قضاء پڑھے تو سنتیں بھی قضا کرے گا۔

۹۔ سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کی صفائی بیان فرما رہے ہیں کہ انہوں نے ہمارے حکم کی مخالفت نہ کی، جو کچھ ہوا شیطان کی حرکت سے ہوا، بلال بے قصور ہیں۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ صبح کے وقت شیطان لوگوں کو ایسے تھپکورتا ہے جیسے ماں بچے کو سلاتے وقت اس وقت لاجول پڑھ کر اٹھ جانا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ شیطان کبھی مقبول بندوں پر بھی دوسرے یانیند ڈال دیتا ہے، ہاں انہیں گمراہ نہیں کر سکتا۔ لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ

سُلْطٰنٌ"۔ تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے میں بھی لوگوں کے ہر حال سے خبردار رہتے ہیں اور شیطان کی حرکتوں کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آفتاب کے طلوع سے بے توجہ کر دیا مگر جو واقعہ بلال کو پیش آیا وہ ملاحظہ فرماتے رہے جس محبوب کی نیند میں ایسی خبرداری ہے اس کی بیداری کا کیا حال ہوگا، رب فرماتا ہے: "عَزِيزٌ عَلَیْهِ

مَاعَنِتُّمْ" (ان پر تمہاری ہر تکلیف گراں ہے)۔ معلوم ہوا کہ وہ امت کا کھولا اپنے ہر امتی کے ہر حال سے خبردار ہے۔ خیال رہے کہ یہاں بلال کی نیند کا بھی سبب شیطان تھا، مگر نیند کا خالق رب اس لئے ابھی کچھ پہلے اسی حدیث میں اس نیند کو رب کی طرف منسوب فرمایا گیا اور یہاں شیطان کی طرف۔ فقیر کی اس تقریر سے بہت سی آیات اور احادیث سے شبہات اٹھ جائیں گے۔

۱۰۔ کہ میں نماز پڑھ رہا تھا شیطان نے مجھے تھپکورا میں سو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام شیطان کی حرکات محسوس کرتے تھے بلکہ کبھی شیطان کو حرکتیں کرتے دیکھتے بھی تھے اور پکڑ بھی لیتے تھے اور وہ ان کے ہاتھوں چھوٹ نہ سکتا تھا، معافی مانگ کر بھاگتا تھا جیسا کہ اسی مشکوٰۃ شریف میں آگے آئے گا۔

۱۱۔ یعنی آج میں نے آپ کی رسالت آنکھوں سے دیکھ لی، دیکھ کر گواہی دے رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب آپ کی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے۔ جو کوئی علم کا انکار کرتا ہے درپردہ نبوت کا انکاری ہے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤذنون کی گردنوں میں مسلمانوں کی دو چیزیں لٹکی ہوئی ہیں انکے روزے اور نمازیں! (ابن ماجہ)

۱۔ کہ مؤذن مسلمانوں کے نماز، روزے دونوں کے ذمہ دار ہیں کہ اذان سے ہی سحری اور افطار ہے اور اذان سے ہی نمازوں کی اداء۔ اگر اذانیں صحیح وقت پر دیں گے لوگوں کے روزے نماز درست ہوں گے اور سب کا ثواب ان کو ملے گا۔ اور اگر غلط وقت پر دیں گے تو سب کے روزے، نماز برباد ہوں گے اور وبال ان حضرات پر۔ مراقبہ نے یہاں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت میں پہلے انبیاء جائیں گے، پھر بیت اللہ کے مؤذن، یعنی بلال، پھر بیت المقدس کے مؤذن، پھر سارے مؤذن۔

## باب المساجد ومواضع الصلوة

### باب مسجودوں اور نماز کے مقامات کا بیان

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ مسجد کے لغوی معنی ہیں سجدہ گا۔ مگر شریعت میں وہ جگہ مسجد ہے جو نماز کے لیے وقف ہو۔ وہ حدیث شریف جس میں ہے کہ ساری زمین میرے لیے مسجد ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر جگہ نماز جائز ہے۔ پچھلے دینوں میں سوا عبادت خانوں کے اور کہیں نماز نہ ہوتی تھی۔ نماز کے مقامات سے مراد وہ جگہ ہیں جہاں نماز مکروہ یا غیر مکروہ ہے۔ خیال رہے کہ گھر میں بنائی ہوئی مسجد افضل ہے مگر وقف نہیں۔

روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ شریف میں داخل ہوئے۔ تو اس کے گوشوں میں دعا مانگی اور نماز نہ پڑھی۔ حتیٰ کہ وہاں سے تشریف لے آئے جب نکلے تو دو رکعتیں کعبہ کے سامنے پڑھیں۔ اور فرمایا یہ ہے قبلہ (بخاری) اور مسلم نے انہی سے روایت اسامہ بن زید سے روایت کی۔



۱ یعنی فتح مکہ کے دن اوائی کعبہ شریف سے بت نکالے گئے، پھر اسے آب زم زم سے دھویا گیا، پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے گئے۔ خیال رہے کہ کعبہ معظمہ اور مسجد حرام شریف تمام مسجدوں بلکہ عرش الہی سے بڑھ کر ہے۔ (مرقاۃ)

۲ صحیح یہ ہے کہ حضور انور علیہ السلام نے اس دن وہاں نماز پڑھی ہے۔ حضرت ابن عباس کو اس کی خبر نہیں ہوئی کیونکہ اس وقت آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نہ تھے۔ آگے حضرت بلال کی روایت آ رہی ہے کہ آپ نے وہاں نماز پڑھی اور وہ اس وقت تک حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھے ان کی خبر دیکھ کر ہے اور ان کی سنی ہوئی، نیز اس روایت میں نماز کی نفی ہے اور وہاں ثبوت اور تعارض کے وقت ترجیح ثبوت کو ہوتی ہے۔

۳ کیونکہ کعبہ کو منہ کر کے نہ ادھر پیٹھ کر کے اور نہ کروٹ لے کر۔

۴ یعنی تا قیامت کعبہ تمام مسلمانوں کا قبلہ ہو چکا کبھی منسوخ نہ ہوگا۔ اس میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہو رہا ہے کہ کعبہ کا ہر حصہ قبلہ ہے، سارا کعبہ نمازی کے سامنے ہونا ضروری نہیں، کعبہ کے اندر نمازی بعض حصہ کی طرف پیٹھ کرتا ہے اور بعض کی طرف منہ، مگر نماز ہو جاتی ہے۔ خیال رہے کہ کعبہ وہاں کی فضاء کا نام ہے جو زمین سے آسمان تک ہے نہ کہ دیواروں کا نام۔ دیکھو پہاڑ پر یا تہ خانہ کے اندر نماز پڑھنے کی صورت میں کعبہ کی دیوار نمازی کے سامنے نہ ہوگی مگر نماز درست ہوگی، لہذا یہ حدیث خفیوں کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے (رضی اللہ عنہما) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسامہ ابن زید، بلال ابن رباح اور عثمان ابن طلحہ حبشی ۱ کعبہ میں داخل ہوئے اور آپ پر کعبہ بند کر لیا ۲ اس میں کچھ ٹھہرے جب تشریف لائے تو میں نے بلال سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا تو فرمایا ایک ستون اپنے بائیں اور دو ستون اپنے دائیں اور تین ستون اپنے پیچھے رکھے کعبہ اس دن چھ ستونوں پر تھا پھر نماز پڑھی ۳ (مسلم، بخاری)

۱ آپ عبدری قرشی حبشی ہیں، قبیلہ بنی شیبہ سے ہیں، کعبہ شریف کے کلید بردار ہیں، فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کعبہ کی چابیاں دے کر فرمایا "خُذْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً" یعنی یہ چابی لو اب یہ ہمیشہ تمہارے پاس ہی رہے گی، چنانچہ اب تک کعبہ کی چابی انہیں کی اولاد میں ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت رہے گی کہ نہ کبھی ان کی نسل ختم ہوگی اور نہ کوئی ظالم بادشاہ ان سے چھین سکے گا، یزید اور حجاج جیسے ظالموں نے بھی اس چابی کو ہاتھ نہ لگایا ۴۲ھ میں وفات پائی۔

۲ حضرت بلال نے یا عثمان نے اندر سے کئی لگالی تاکہ لوگوں کا ہجوم نہ ہو جائے اس لئے نہیں کہ بغیر کعبہ بند کئے اس میں نماز جائز نہ تھی جیسا کہ شوافع نے سمجھا۔

۳ یعنی دروازہ کعبہ سے داخل ہو کر سامنے دیوار کے قریب پہنچے حتیٰ کہ تین ستون پیٹھ کے پیچھے رہ گئے اور وہ دیوار قریب ہو گئی، پھر نماز پڑھی۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز پڑھی سیدنا بلال آنکھوں دیکھا واقعہ بتا رہے ہیں، یہ واقعہ فتح مکہ کے دن ہی کا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کعبہ میں ہر نماز جائز ہے فرض ہو یا نفل، یہی خفیوں کا مذہب ہے، امام مالک کے

ہاں کعبہ میں نفل جائز ہیں فرض نہیں، امام شافعی کے ہاں اگر دروازہ کعبہ کھلا ہو تو دروازہ کی طرف منہ کر کے نماز جائز نہیں مگر امام اعظم کا قول بہت قوی ہے اور یہ حدیث اس کی پوری تائید کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز پڑھی اور کسی نماز و جگہ کی قید نہ لگائی کہ کعبہ میں فلاں نماز یا فلاں حصہ میں نماز جائز نہیں۔ لطیفہ: مرقاۃ نے فرمایا عثمان ابن طلحہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ و ہجرت سے پہلے میں پیر اور جمعرات کو کعبہ کھولا کرتا تھا۔ ایک روز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میرے لیے آج کعبہ کھول دو میں نے آپ کی بڑی بے ادبی کی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بردباری فرمائی اور فرمایا کہ اے عثمان! عنقریب وہ وقت آ رہا ہے کہ تم یہ چاہی میرے ہاتھ میں دیکھو گے جسے چاہوں دوں۔ میں بولا کہ اگر ایسا ہوا تو قریش ہلاک ہو جائیں گے اور کعبہ ذلیل ہو جائے گا، فرمایا نہیں رب کعبہ کی قسم! کعبہ کو اسی دن عزت ملے گی مگر مجھے یقین ہو گیا کہ ایسا ہو کر رہے گا کیونکہ اس زبان کی بات خالی نہیں جاتی حتیٰ کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ قضاء کے لیے بیت اللہ شریف ذیقعدہ سے تشریف لائے اور میں نے آپ کی سچ دیکھی تو میرے قلب کا حال بدل گیا دل میں ایمان آ گیا، موقعہ ڈھونڈا مگر خدمت میں حاضر نہ ہو سکا حتیٰ کہ آپ مدینہ واپس ہو گئے مگر میرا یہ حال تھا

وہ دکھا کے شکل جو چل دیئے تو دل ان کے ساتھ رواں ہوا

نہ وہ دل ہے اور نہ وہ دل رہا رہی زندگی سو وہ بار ہے

ایک روز دل بہت بے چین ہوا تو اندھیرے منہ مکہ سے بھاگا، راستہ میں خالد ابن ولید اور عمرو ابن عاص سے ملاقات ہوئی ان کا حال بھی میرا ہی سا تھا۔ چنانچہ ہم تینوں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور دست اقدس پر بیعت کر کے مسلمان ہو گئے، پھر فتح مکہ کے دن جو کہ رمضان ۸ھ میں ہوا ہم تینوں حضور انور کے ساتھ ہی مکہ آئے تب مجھ سے حضور علیہ السلام نے چاہی مگائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ چاہی مجھے دے دی جائے، میں ڈر کی وجہ سے چاہی مانگ نہ سکا، مجھے وہ واقعہ یاد تھا اور میں سمجھتا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے مقابلہ میں مجھ غیر کی کیا حیثیت ہے مگر کرم خسروانہ کے قربان، فرمایا: اے عباس! اگر تم اللہ اور رسول پر ایمان لائے ہو تو چاہی مجھے دو، چاہی لے کر فرمایا: عثمان کہاں ہیں؟ میں بولا حضور حاضر، فرمایا لو یہ چاہیاں ہمیشہ تم میں رہے گی اس بنا پر یہ آیت اتری: "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا" پھر زندگی بھر یہ چاہی عثمان کے پاس رہی، وفات کے وقت انہوں نے اپنے بھائی شیبہ ابن عثمان کو عطا کی۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے! (مسلم، بخاری)

یعنی مسجد نبوی کی ایک نماز سوائے کعبۃ اللہ کے باقی تمام جہاں کی مسجدوں کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد صرف وہی نہیں ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھی بلکہ بعد میں جو اس میں زیادتیاں کی گئیں وہ سب حضور علیہ السلام کی مسجد ہی کسلائیں گی اور اس کے ہر حصہ میں نماز پنجگانہ کا یہی درجہ ہوگا اگرچہ اس حصہ میں جو زمانہ نبوی میں مسجد نہ تھا۔ خصوصاً جنت کی بیماری میں نماز افضل ہے، نیز جس قدر روضہ اطہر سے قرب زیادہ ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ کیونکہ حضور علیہ السلام کے قرب ہی کی تو ساری بہار ہے۔ خیال رہے کہ مسجد نبوی کی نماز ثواب میں بیت اللہ شریف کی نماز سے اگرچہ کم ہو مگر درجہ

اور تقرب میں وہاں کی نماز سے بھی زیادہ ہے کیونکہ وہاں کعبہ سے قرب ہے اور یہاں ان سے قرب ہے جنہوں نے کعبہ کو قبلہ بنا دیا۔ اسی لئے فتح مکہ کے بعد بھی مہاجرین و انصار مدینہ ہی میں رہے اور یہیں کی نمازوں کو دل و جان سے قبول کیا۔ مرثیہ نے فرمایا کہ صرف نماز کے لیے زیادتی نہیں ہے بلکہ مدینہ کی ہر عبادت کا یہی حال ہے۔ قاضی عیاض، ملا علی قاری، شامی وغیرہم فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کا اندرونی حصہ جو جسم اطہر سے مس ہے وہ کعبہ معظمہ و عرش اعظم سے بھی افضل ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین مسجدوں کے سوا کسی طرف کجاوے نہ باندھیں جائیں ایک مسجد حرام، ایک مسجد اقصیٰ اور ایک میری یہ مسجد (مسلم، بخاری)

۱ یعنی سوائے ان مسجدوں کے کسی اور مسجد کی طرف اس لیے سفر کر کے جانا کہ وہاں نماز کا ثواب زیادہ ہے ممنوع ہے، جیسے بعض لوگ جمعہ پڑھنے بدایوں سے دہلی جاتے تھے تاکہ وہاں کی جامع مسجد میں ثواب زیادہ ملے یہ غلط ہے، ہر جگہ کی مسجدیں ثواب میں برابر ہیں۔ اس توجیہ پر حدیث بالکل واضح ہے۔ وہابی حضرات نے اسی کے معنی یہ سمجھے کہ سوائے ان تین مسجدوں کے کسی اور مسجد کی طرف سفر ہی حرام ہے۔ لہذا عرس، زیارت قبور وغیرہ کے لئے سفر حرام۔ اگر یہ مطلب ہو تو پھر تجارت، علاج، دوستوں کی ملاقات، علم دین سیکھنے وغیرہ تمام کاموں کے لیے سفر حرام ہوں گے اور ریلوے کا محکمہ معطل ہو کر رہ جائے گا اور یہ حدیث قرآن کے خلاف ہی ہوگی۔ اور دیگر احادیث کے بھی، رب فرماتا ہے: "قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ"۔ مرثیہ نے اسی جگہ اور شامی نے "زیارت قبور" میں فرمایا کہ چونکہ ان تین مساجد کے سوائے تمام مسجدیں برابر ہیں اس لئے اور مسجدوں کی طرف سفر ممنوع ہے اور اولیاء اللہ کی قبریں فیوض و برکات میں مختلف ہیں، لہذا زیارت قبور کے لیے سفر جائز کیا، یہ جملہ انبیاء کرام کی قبور کی طرف سفر بھی منع کریں گے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ۱ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے ۲ اور میرا منبر میرے حوض پر ہے ۳ (مسلم، بخاری)

۱ بعض روایات میں ہے کہ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان۔ بعض روایات میں ہے کہ میرے حجرے اور مصلیٰ کے درمیان مگر سب کے معنی ایک ہی ہیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر حجرہ شریف اور قبر انور ایک ہی جگہ ہے اور مصلیٰ یعنی محراب النبی اور منبر شریف بالکل متصل ہیں۔ جیسا کہ زیارت کرنے والوں کو معلوم ہے۔

۲ یعنی یہ جگہ پہلے جنت کا باغ تھی وہاں سے لائی گئی، اللہ نے خلیل کو جنت کا سنگ اسود عطا فرمایا اور اپنے حبیب کے لیے جنت کا باغ بھیجا، یا یہ جگہ یعنی کل جنت کا باغ ہوگی، یا جو یہاں آگیا تو گویا جنت کے باغ میں داخل ہو گیا کہ آئندہ اس کی برکت سے جنت میں ضرور جائے گا، یا یہ جگہ جنت کے باغ کے مقابل ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر اللہ کے حلقوں کو اور مؤمن کی قبر کو جنت کا باغ فرمایا ہے وہاں بھی بہت توجیہیں ہیں۔

۱۔ یہاں بھی وہی توجیہیں ہیں کہ یہ جگہ پہلے میرے حوض پر تھی، وہاں سے یہاں لائی گئی یا آئندہ کنارہ حوض پر ہوگی یا اب کنارہ حوض پر ہوگی، یا اب کنارہ حوض کے مقابل ہے یا جسے اس کا بوسہ نصیب ہو جائے وہ گویا میرے حوض پر پہنچ گیا۔ خیال رہے کہ منبر سے مراد منبر کی جگہ ہے وہاں منبر کوئی سا بھی ہو، نیز کعبہ کا سنگ اسود اور رکن یمانی اور مدینہ پاک کی یہ جگہ اگرچہ جنت سے آئی ہے لیکن وہاں کا وہ رونق و حسن ختم کر دیا گیا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم  
رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا شریف  
میں ۱۔ پیدل اور سوار تشریف لے جاتے اور اس میں دو  
رکعتیں پڑھتے تھے ۲۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ قبا ایک بستی ہے، مدینہ منورہ سے تین میل دور وہاں کی مسجد کا نام قبا ہے۔ اسی جگہ حضور علیہ السلام نے ہجرت کے دن مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے پہلے قیام فرمایا اور یہی مسجد پہلے بنائی گئی۔ قرآن کریم نے اس مسجد کے بڑے فضائل بیان کئے ہیں۔ فقیر نے بارہا وہاں کی زیارت کی ہے۔

۲۔ بعض روایات میں ہے کہ جو مدینہ پاک سے وضو کر کے مسجد قبا جائے وہاں دو نفل پڑھے تو عمرے کا ثواب پائے۔ اب بھی حجاج وغیرہ ہفتہ کے دن یہ عمل کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی مسجدوں اور ان کے قیام گاہ متبرک ہیں ان کی زیارت ثواب کیونکہ مسجد قبا انصاری کی مسجد ہے اور وہ حضرات مقبولین بارگاہ تھے، وہاں پیشانیاں رگڑنا اور سجدے کرنا قبولیت کا ذریعہ ہے۔ حضور خواجہ اجیر قدس سرہ نے لاہور آکر حضرت ادا صاحب کی پانستی چلہ کیا وہ اسی حدیث سے ماخوذ تھا۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

سید بجویر مخدوم امم مرقہ اویبیر سنجر راحرم

خیال رہے کہ جہاں بزرگوں کے قدم پڑ جائیں وہ جگہ تا قیامت متبرک ہو جاتی ہے۔ اب قبا میں انصاری نہیں لیکن اس کی شرافت وہی ہے۔  
بگفتا من گل ناچیز بودم ولیکن مدتے باگل نشستم

روایت حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے آبادیوں میں رب کو پیاری جگہ  
مسجدیں ہیں اور بدترین جگہ وہاں کے بازار ہیں ۱۔ (مسلم)

۱۔ کیونکہ مسجدوں میں اکثر ذکر اللہ کے لیے حاضری ہوتی ہے اور بازاروں میں اکثر جھوٹ، فریب، غیبت وغیرہ، اگرچہ کبھی مسجدوں میں بھی جوتی چور اور بازاروں میں بھی اولیاء اللہ چلے جاتے ہیں اسی لیے فرمایا گیا کہ تم ان لوگوں میں سے ہونا کہ جن کا جسم بازار میں اور دل مسجد میں ہے، ان میں سے نہ ہو جن کا جسم مسجد میں اور دل بازار میں ہو۔ خیال رہے کہ یہاں شہروں سے مراد عام شہر ہیں۔ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ ان سے علیحدہ ہیں۔ وہاں کے توگلی کوچے بازار وغیرہ سب خدا کو پیارے، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَهَذَا

الْبَلَدِ الْأَمِينِ" اور فرماتا ہے: "لَا أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ"۔ کیوں نہ ہو کہ یہ محبوب کی نگریاں ہیں۔

کھائی قرآن نے خاک گزر کی قسم اس کف پاء کی حرمت پہ لاکھوں سلام

روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کے لیے مسجد بنائے گا اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔  
(مسلم، بخاری)

۱۔ یعنی مسجد بنانے والے کے لئے جنت میں ایسا گھر بنایا جائے گا جو وہاں دوسرے مکانوں سے ایسا افضل ہوگا جیسے مسجد دنیا کے دوسروں کے گھروں سے، ورنہ جنت کے گھروں کو یہاں کی عمارت سے کیا نسبت۔ خیال رہے کہ پوری مسجد بنانا اور تعمیر مسجد میں چندہ دینا دونوں کے لئے یہی بشارت ہے بشرطیکہ ریاء کے لئے نہ ہو اللہ کے لئے ہو، اسی لئے علماء مسجد پر اپنا نام لکھنے کو منع کرتے ہیں کہ اس میں ریاء کا شائبہ ہے، ہاں اگر طلب دعا کے لئے ہو تو حرج نہیں۔ (مرقاۃ) اسی حدیث کی بناء پر صحابہ کرام اور اسلامی بادشاہوں نے اپنی یادگاروں میں مسجدیں چھوڑیں، مسجد بڑی ہو یا چھوٹی، کچی ہو یا پکی ثواب بقدر اخلاص ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص صبح یا شام مسجد کو جائے جب کبھی صبح یا شام جائیگا اللہ اس کے لیے جنت کی مہمانی کا سامان بنا یگا۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ صبح شام سے مراد ہمیشگی ہے، یعنی جو ہمیشہ نماز کے لیے مسجد میں جانے کا عادی ہوگا اسے ہمیشہ جنتی رزق ملے گا۔ نُزُل اس کھانے کو کہتے ہیں جو مہمان کی خاطر پکایا جائے، چونکہ وہ پر تکلف ہوتا ہے اور میزبان کی شان کے لائق، اس لئے جنتی کھانے کو نُزُل فرمایا گیا، ورنہ جنتی لوگ وہاں مہمان نہ ہوں گے مالک ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں نماز کا ثواب پانے والا وہ ہے جس کا راستہ دراز ہو پھر وہ جس کا راستہ دراز ہو اور جو نماز کا انتظار کرے حتیٰ کہ امام کے ساتھ پڑھے اس کا ثواب اس سے زیادہ ہے جو نماز پڑھے پھر سو جائے۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ یعنی جس کا گھر اپنی مسجد سے دور ہو، پھر وہ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھا کرے اسے بقدر قدم ثواب ملے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ محلے کی مسجد چھوڑ کر خواہ مخواہ دور کی مسجد میں پہنچا کرے، ہاں اگر محلے کی مسجد کا امام بد عقیدہ ہے تو اور جگہ جاسکتا ہے۔  
۲۔ خواہ اکیلے نماز پڑھ کر، خواہ دوسرے امام کے پیچھے جماعت سے پڑھ کر کیونکہ جماعت اول کا زیادہ ثواب ہے اور جماعت اول وہی ہے جو امام مسجد کے ساتھ پڑھی جائے، ہاں اگر وہ امام وقت مکروہ میں نماز پڑھتا ہو تو اکیلا ہی پڑھ لے، جیسا کہ گزشتہ احادیث میں گزر چکا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں مسجد کے ارد گرد کچھ مکانات خالی ہوئے تو بنو سلمہ نے چاہا کہ مسجد کے قریب آن بسیں۔ یہ خبر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ان سے فرمایا مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم مسجد کے

قریب آن بسنا چاہتے ہو وہ بولے ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے یہ ارادہ تو کیا ہے فرمایا اے بنو سلمہ اپنے گھروں ہی میں رہو تمہارے نقش قدم لکھے جارہے ہیں اپنے گھروں میں ہی رہو تمہارے نقش قدم لکھے جارہے ہیں (مسلم)

۱۔ یہ انصار کا ایک قبیلہ ہے جن کے گھر مسجد نبوی شریف سے بہت دور تھے۔

۲۔ یعنی ان لوگوں نے یہ کوشش نہ کی کہ اپنے محلے میں الگ مسجد بنالیں، بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز کے لئے اپنے گھر چھوڑ دینا اور محلہ خالی کر دینا گوارا کر لیا۔

۳۔ تمہارے نامہ اعمال میں ثواب کے لیے کیونکہ مسجد کی طرف ہر قدم عبادت ہے یا تمہاری اس مشقت کا تذکرہ حدیث کی کتب میں اور علماء کی تصانیف میں لکھا جائے گا، واعظین اس پر وعظ کریں گے، جو تمہارے واقعے سن کر دور سے مسجد میں آیا کریں گے، ان سب کا ثواب تمہیں ملا کرے گا۔ خیال رہے کہ گھر کا مسجد سے دور ہونا متقی کے لئے باعث ثواب ہے کہ وہ دور سے جماعت کے لئے آئے گا مگر غافلوں کے لئے ثواب سے محرومی کہ وہ دوری کی وجہ سے گھر میں ہی پڑھ لیا کریں گے، لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ منحوس وہ گھر ہے جس میں اذان کی آواز نہ آئے یعنی غافلوں کے لیے دوری گھر نحوست ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات شخص وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا۔ جب اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا عادل بادشاہ ۱۔ وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں جوانی گزارے ۲۔ وہ شخص جس کا دل جب سے کہ وہ مسجد سے نکلے مسجد میں لگا رہے حتیٰ کہ مسجد میں لوٹ آئے ۳۔ وہ دو شخص جو اللہ کے لیے محبت کریں جمع ہوں تو اسی محبت پر اور جدا ہوں تو اسی پر ۴۔ اور وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے تو اس کی آنکھیں بہیں ۵۔ اور وہ شخص جسے خاندانی حسین عورت بلائے وہ کبے میں اللہ سے ڈرتا ہوں ۶۔ اور وہ شخص جو چھپ کر خیرات کرے حتیٰ کہ اس کا بایاں ہاتھ نہ جانے کہ داہنا ہاتھ کیا دے رہا ہے ۷۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ یعنی اپنی رحمت کے سایہ میں یا عرش اعظم کے سایہ میں تاکہ قیامت کی دھوپ سے محفوظ رہیں۔

۲۔ یعنی وہ مؤمن بادشاہ اور حکام جو رعایا میں انصاف کرتے ہیں کیونکہ دنیا ان کے سایہ میں رہتی تھی، لہذا یہ قیامت میں رب تعالیٰ کے سایہ میں رہے گا۔ یہ ان تمام سے افضل ہے اس لئے اس کا ذکر سب سے پہلے ہوا۔ عادل حکام بھی اس بشارت میں داخل ہیں۔

۳ یعنی جوانی میں گناہوں سے بچے اور رب کو یاد رکھے، چونکہ جوانی میں اعضاء قوی اور نفس گناہوں کی طرف مائل ہوتا ہے، اس لئے اس زمانہ کی عبادت بڑھاپے کی عبادت سے افضل ہے۔

در جوانی توبہ کردن سنت پیغمبری است وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار

صوفیاء فرماتے ہیں کہ مؤمن مسجد میں ایسا ہوتا ہے جیسے مچھلی پانی میں۔ اور منافق ایسا جیسے چڑیا پنجرے میں، اسی لیے نماز کے بعد بلاوجہ فوراً مسجد سے بھاگ جانا اچھا نہیں۔ خدا توفیق دے تو مسجد میں پہلے آؤ اور بعد میں جاؤ، اور جب باہر رہو تو کان اذان کی طرف لگے رہیں کہ کب اذان ہو اور مسجد کو جائیں۔

۵ کہ جس کی محبت سے رب راضی ہو اس سے محبت کریں اور۔ جس کی نفرت سے رب راضی ہو اس سے نفرت کریں، بے دین اور بد عمل اولاد سے نفرت، تنقی اجنبی سے محبت عبادت ہے۔

مزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کا آشنا باشد

یونہی گہرے دوست کی بد عقیدگی پر واقف ہو کر اس سے الگ ہو جانا اور جانی دشمن سے تقوے پر خبردار ہو کر اس کا دوست بن جانا بہترین عمل ہے۔

۶ یعنی خوف خدا یا عشق جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں روئے، تنہائی کی قید اس لئے لگائی کہ سب کے سامنے رونے میں ریاء کا اندیشہ ہے۔

۷ یعنی خود ایسی عورت اس سے بد فعلی کی خواہش کرے اور یہ اس نازک موقعہ پر محض خوف خدا سے بچ جائے یہ بہت مشکل ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے اس فعل شریف کی تعریف قرآن میں فرمائی اللہ نصیب کرے۔ خیال رہے کہ ایسے نازک موقعہ پر عورت سے یہ کہہ دینا ریاء نہیں تبلیغ ہے، یعنی میں رب تعالیٰ سے ڈرتا ہوں تو بھی ڈر۔

۸ یہاں صدقہ نقلی مراد ہے صدقہ فرض اور چندے کے موقعہ پر صدقہ نقلی علانیہ دینا مستحب ہے، لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ"۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مرد کی باجماعت نماز اس کے گھریا بازار کی نماز پر پچیس گناہ زیادہ ثواب رکھتی ہے اور یہ اس لیے ہے کہ جب وہ وضو کرے تو اچھی طرح کرے پھر مسجد کی طرف چلے ۲ بجز نماز اور کوئی چیز اسے نہ لے جائے جو قدم بھی ڈالے گا اس پر اس کا ایک درجہ بلند ہوگا اور ایک گناہ معاف ہوگا ۳ پھر جب نماز پڑھے گا تو جب تک اپنی نماز کی جگہ میں رہے گا ملائکہ اسے دعائیں دیتے رہیں گے یا اللہ اسے بخش دے، خدا یا اس پر رحم کرے اور جب تک تم میں کا کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی میں رہتا ہے ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جب مسجد میں گھستا ہے نماز ہی اس کو روکتی ہے ۵

اور فرشتوں کی دعا میں یہ زیادتی ہے الہی اسے بخش دے۔ الہی  
اس کی توبہ قبول فرما جب تک کہ وہاں وہ ایذا نہ دے اور  
وضو نہ توڑے۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ یہاں بازار سے مراد دکان ہے نہ کہ بازار کی مسجد، بعض مسجدوں میں ۲۵ کا ثواب ہے، بعض میں ۲۷ کا، بعض میں ۵۰۰ کا، جیسی مسجد ہو، جیسی جماعت، جیسا امام ویسا ثواب، لہذا احادیث میں تعارض نہیں جو کوئی اپنے گھر میں جماعت کرا لے وہ بھی مسجد کے ثواب سے محروم ہے۔

۲۔ معلوم ہوا کہ گھر سے وضو کر کے مسجد کو جانا ثواب ہے کیونکہ یہ چلنا عبادت ہے اور عبادت با وضو افضل۔ بعض لوگ بیمار پر سی کرنے با وضو جاتے ہیں۔

۳۔ یہ گنہگاروں کے لیے ہے۔ نیک کاروں کے لئے ہر قدم پر دو نیکیاں اور دو درجے بلند کیونکہ جس چیز سے گنہگاروں کے گناہ معاف ہوتے ہیں اس سے بے گناہوں کے درجے بڑھتے ہیں۔

۴۔ غالباً یہاں صلوة سے مراد اخروی رحمت ہے اور رحم سے مراد دنیوی رحمت یا صلوة سے مراد خاص رحمت ہے اور رحم سے مراد عام رحمت، اور بہت سی توجیہیں ہو سکتی ہیں۔

۵۔ یعنی انتظار نماز کے سوا اور کسی وجہ سے مسجد میں نہیں بیٹھتا گویا نماز ہی میں رہتا ہے، اسی لیے اس وقت انگلیوں کی "تشبیک" منع ہے۔  
۶۔ یعنی فرشتوں کی یہ دعائیں اس وقت تک ملیں گی جب تک وہ کسی نمازی کو ستائے نہیں، اور وہاں ریح نہ نکالے۔ خیال رہے کہ غیر معتکف کو مسجد میں ریح نکالنا منع ہے، معتکف چونکہ مسجد ہی میں رہتا ہے اس لئے اسے معافی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں  
آئے تو کہہ دے الہی میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے  
کھول دے اور جب نکلے تو کہہ دے خدایا میں تجھ سے  
تیرا فضل مانگتا ہوں۔ (مسلم)

۱۔ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ مسجد میں قدم رکھتے وقت یہ کہے "بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ" پھر یہ دعا پڑھ لے۔ خیال رہے کہ مسلمان مسجد میں صرف عبادت کے لیے آتا ہے اور اکثر طلب روزی کے لیے مسجد سے نکلتا ہے، لہذا آتے وقت رحمت اور جاتے وقت فضل مانگنا بہتر ہے۔ (مرقاۃ وغیرہ)

روایت ہے ابوقنادہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے  
پہلے دو رکعتیں پڑھ لے۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ یہ نفل "تحیة المسجد" ہیں جو مسجد میں داخلے کے وقت پڑھے جاتے ہیں جب کہ وقت کراہت نہ ہو، لہذا فجر اور مغرب کے سوا باقی نمازوں میں یہ نفل پڑھنا مستحب ہے۔ خیال رہے کہ یہ حکم عام مسجدوں کے لیے ہے، مسجد حرام کے لیے بجائے ان نوافل کے طواف بہتر ہے اور یہ حکم غیر خطیب کے لئے ہے، خطیب جمعہ کے دن مسجد میں آتے ہی خطبہ پڑھے گا۔



روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سفر سے واپس ہوتے تو دن میں چاشت کے وقت ہی تشریف لاتے پھر جب آتے تو مسجد سے ابتدا کرتے وہاں دو رکعتیں پڑھتے پھر وہاں ہی کچھ دیر بیٹھتے ۱ (مسلم، بخاری)

۱۔ اس حدیث سے تین مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ سفر سے گھر کو واپس دن میں آنا چاہیئے مگر یہ اس زمانے کے لیے تھا جب کہ مسافر اپنی آمد کی اطلاع پہلے سے نہیں دے سکتا تھا۔ اب چونکہ تار و خط کے ذریعے اطلاع پہلے دی جاسکتی ہے اس لئے رات میں آنے میں کوئی حرج نہیں، گھر والے اس کے منتظر اور اس کے لئے تیار رہیں گے۔ دوسرے یہ کہ گھر پہنچ کر پہلے مسجد میں آئے اور وہاں نفل قدم پڑھے اگر وقت کراہت نہ ہو، ورنہ وہاں صرف کچھ بیٹھ لے۔ تیسرے یہ کہ گھر میں آنے سے پہلے مسجد میں کچھ بیٹھے اور لوگوں سے وہاں ہی ملاقات کر لے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص کسی کو مسجد میں گئی چیز ڈھونڈتے سنے! تو کہہ دے خدا تجھے وہ چیز واپس نہ دے کہ مسجدیں اس لیے نہیں بنی ہیں ۲ (مسلم)

۱۔ چیخ کر شور مچا کر جس سے نمازیوں کی نمازوں میں خلل واقع ہو کیونکہ خاموشی سے گمشدہ چیز مسجد میں ڈھونڈ لینا ممنوع نہیں جیسا کہ منشاء حدیث سے ظاہر ہے۔

۲۔ یعنی مسجدیں دنیاوی باتیں کرنے، شور مچانے کے لئے نہیں بنیں، یہ تو نماز اور اللہ کے ذکر کے لیے بنی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس شور مچانے والے کو سنا کر کہے تاکہ وہ اس سے باز آجائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں بھیک مانگنا دیگر قسم کی دنیاوی باتیں کرنا منع ہے۔ بلکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مسجد کے بھکاری کو خیرات نہ دو کہ یہ گناہ پر مدد ہے، حضرت علی مرتضیٰ نے جو نماز کی حالت میں سائل کو انگوٹھی خیرات کی وہ سائل غالباً مسجد سے باہر ہوگا یا آپ مسجد کی علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھ رہے ہوں گے۔ خیال رہے کہ نکاح، دینی وعظ، نعت خوانی، قاضی اسلام کے فیصلے یہ سب چیزیں دینی ہیں، لہذا مسجد میں جائز ہیں۔ ان کے متعلق احادیث وارد ہیں، البتہ جماعت کے وقت جب پہلی جماعت ہو رہی ہو یہ کام نہ کئے جاویں تاکہ نماز میں حرج نہ ہو بعد میں کئے جاویں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اس بدبودار درخت سے کچھ کھائے تو ہماری مسجد کے قریب نہ آئے! کیونکہ فرشتے بھی اس سے ایذا پاتے ہیں جس سے انسان ایذا پاتے ہیں ۲ (مسلم، بخاری)

۱۔ یعنی جو کچی پیاز یا کچا لہسن کھائے تو جب تک منہ سے بو آتی ہو تب تک کسی مسجد میں نہ آئے، لہذا حقہ پی کر، کچی مولیٰ یا گندنا کھا کر بھی نہ آئے، نیز جس کے کپڑوں یا منہ سے بدبو ظاہر ہو مسجد میں نہ آئے، گندہ دہن کا حکم بھی یہی ہے۔ خیال رہے کہ تمام دنیا

کی مسجدیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں، لہذا مَسْجِدُنَا یعنی ہماری مسجد فرمانا درست ہے۔ اس سے صرف مسجد نبوی مراد نہیں، جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ بعض روایات میں بجائے مَسْجِدُنَا کے اَلْمَسَاجِدُ ہے۔

۲ یعنی اگر مسجد انسانوں سے خالی بھی ہو تب بھی وہاں بدو لے کر نہ جائے کہ وہاں رحمت کے فرشتے ہر وقت رہتے ہیں اس کی بدبو سے ایذا پائیں گے۔ خیال رہے کہ مسجد کے فرشتے رحمت کے فرشتے ہیں، ان کی طبیعت نازک اور ان کا احترام زیادہ ہے، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ فرشتے تو ہر انسان کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں تو چاہیے کہ کبھی یہ چیزیں نہ کھائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساتھی فرشتوں کی طبیعت اور قسم کی بنائی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے کسی مجمع میں بدبو دار منہ یا کپڑے لے کر نہ جائے تاکہ لوگوں کو ایذا نہ پہنچے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تھوکتا گناہ ہے اس کا کفارہ اسے دفن کر دینا ہے! (مسلم، بخاری)

۱ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے کچے فرش اور وہاں کی چٹائیوں، مصلوں پر ہرگز نہ تھو کے کیونکہ وہاں اسے دفن نہ کر سکے گا۔ یہ ان مسجدوں کے لیے حکم تھا جہاں کے فرش کچے تھے اور وہ بھی سخت ضرورت کے موقع پر جب کہ نماز میں کھڑا آجائے اور باہر جانے کا موقع نہ ہو، بلا وجہ وہاں تھوکتا منع اور اہانت کے لیے وہاں تھوکتا کفر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر میری امت کے اچھے برے اعمال پیش کئے گئے! تو میں نے ان کے اچھے اعمال سے تکلیف دہ چیز کاراستہ سے دور کر دینا پایا اور ان کے برے اعمال میں سے اس تھوک کو پایا جو مسجد میں ہو کہ دفن نہ کیا گیا! (مسلم)

۱ یعنی تاقیامت میرا جو امتی جو اچھا برا عمل کرے گا مجھے سب دکھادیے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر امتی اور اس کے ہر عمل سے خبردار ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں اندھیرے، اجیالے، کھلی، چھپی، موجود و معدوم ہر چیز کو دیکھ لیتی ہے۔ جس کے آنکھ میں مَا زَاغَ کَا سِرْمَہِ ہُو اس کی نگاہ ہمارے خواب و خیال سے زیادہ تیز ہے، ہم خواب و خیال میں ہر چیز کو دیکھ لیتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نگاہ سے ہر چیز کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں اعمال میں دل کے اعمال بھی داخل ہیں لہذا حضور علیہ السلام ہمارے دلوں کی ہر کیفیت سے خبردار ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" جلد اول میں دیکھو۔

۲ مَسَاوِي سُوءٍ کی جمع ہے، بمعنی برائی جیسے مَسَاعِي سَعِي کی جمع، اس کی ہی ہمزہ کے عوض ہے۔ راستہ سے مسلمانوں کا راستہ مراد ہے، یعنی جس راستہ سے مسلمان گزرتے یا گزر سکتے ہوں وہاں سے کائنا، اینٹ، پتھر دور کر دینا ثواب ہے۔ جانوروں، جنات، حربی کفار کا راستہ مراد نہیں۔ ان کافروں کے راستے میں کانٹے، بارود بچھانا، ان کے پل توڑنا، ڈائنامیٹ لگا کر راستے اڑا دینا سب کچھ عبادت ہے کیونکہ جہاد میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے کہ وہ جب تک نماز میں ہے اللہ سے گفتگو کر رہا ہے اور نہ داہنی طرف تھوکے کہ اس طرف فرشتہ ہے اپنی بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوکے کہ پھر اسے دفن کر دے۔

اور ابوسعید کی روایت ہے کہ اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے (مسلم، بخاری)

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ رحمت الہی نمازی پر خصوصیت سے سامنے آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز میں ضرورتاً داہنے بائیں منہ پھیر سکتا ہے کیونکہ اس تھوکنے کے لئے منہ پھیرنے کی اجازت دی گئی۔ تیسرے یہ کہ داہنے ہاتھ کا فرشتہ یعنی نیکیاں لکھنے والا بائیں ہاتھ کے فرشتے سے افضل ہے۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ والا حاکم ہے، بائیں والا محکوم، داہنے والا رحمت کا فرشتہ ہے، بائیں غضب کا۔ چوتھے یہ کہ بڑوں کا ادب بھی بڑا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں جس سے اٹھے نہیں فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر خدا لعنت کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گا بنا لیا (مسلم، بخاری)

یعنی مرض وفات شریف میں، لہذا یہ حدیث محکم ہے منسوخ نہ ہوئی۔

اس طرح کہ ان کی قبروں کی طرف سجدہ کرنے لگے، بلکہ بعض انہی قبروں کو پوجنے لگے، یہ دونوں فعل شرک ہیں یا ان کی قبروں کو مسمار کر کے فرش مسجد میں داخل کر لیا، اور اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے یہ بھی حرام ہے کہ اس میں قبر کی توہین ہے۔ خیال رہے کہ بزرگوں کے آستانوں کے برابر مسجد بنانا اور برکت کے لئے وہاں نمازیں پڑھنا، قرآن شریف اور بہت احادیث سے ثابت ہے، سورۃ کہف میں ہے: "لَنْ نَخَذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا" یعنی مسلمانوں نے کہا کہ ہم اصحاب کہف کے غار پر مسجد بنائیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ انور اور اکثر صحابہ کے مزارات کے پاس مسجدیں ہیں، یہ خود صحابہ یا صالحین نے بنائیں۔ اب مزارات اولیاء اللہ کے پاس عامۃ المسلمین مسجدیں بناتے ہیں، مقبولوں کے قرب میں نماز زیادہ قبول ہوتی ہے۔ مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار ہے حضور انور کے قرب کی وجہ سے۔ رب تعالیٰ نے گنہگاروں اسرائیلیوں سے فرمایا تھا: "ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةً" یعنی بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے گھسو اور وہاں جا کر توبہ کرو، قبور انبیاء کی برکت سے توبہ قبول ہوگی۔ زکریا علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتا ہے: "هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ" وہاں بی بی مریم کے پاس کھڑے ہو کر زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی دعا

مانگی۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے قرب میں توبہ اور دعا بہت قبول ہوتی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ قبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا منع ہے لیکن اگر قبر پر ڈاٹ لگا کر اوپر فرش بنایا جائے تو وہاں بلا کراہت جائز ہے۔ چنانچہ کعبۃ اللہ کے مطاف میں ۷۰ نبیوں کے مزارات ہیں جن پر طواف و نماز ہوتے ہیں، نیز کعبہ کے پر نالے کے نیچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مزار شریف ہے جہاں دن رات نمازیں پڑھی جاتی ہیں وہاں یہی وجہ ہے۔ (مرقاۃ و اشعہ)

روایت ہے حضرت جناب سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خبردار رہو تم سے اگلے لوگ اپنے نبیوں اور نیکوں کی قبروں کو سجدے کا گاہ بنا لیتے تھے خبردار تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں اس سے تمہیں منع کرتا ہوں! (مسلم)

۱۔ شیخ نے لمعات میں فرمایا کہ اگر قبر مٹ بھی گئی ہو مگر مشہور ہو کہ یہاں قبر تھی وہاں بھی نماز نہ پڑھے، لیکن بزرگ کی قبر کے پاس نماز پڑھنا تاکہ اس کی روح سے مدد لے کر نماز کو زیادہ قابل قبول بنائے بہت ہی بہتر ہے۔ (لمعات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنی کچھ نمازیں اپنے گھروں کے لئے مقرر کرو اور گھروں کو قبرستان نہ بناؤ! (مسلم، بخاری)

۱۔ اس طرح کہ فرض مسجد میں پڑھو اور سنت و نفل گھر میں آ کر یا نماز پنجگانہ مسجد میں پڑھو اور نماز تہجد، چاشت وغیرہ گھر میں، تاکہ نماز کا نور گھروں میں رہے اور عورتوں و بچوں کو تمہیں دیکھ کر نماز کا شوق ہو، نیز گھر کی نماز میں ریاء کم ہوتی ہے۔  
۲۔ یعنی قبرستان کی طرح انہیں نماز سے خالی مت رکھو یا گھروں میں مردے دفن نہ کرو۔ خیال رہے کہ گھر میں دفن ہونا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے، پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کو یہ شرف نصیب ہوا۔ دوسروں کو شہر سے باہر قبرستان ہی میں دفن کرنا چاہیئے۔ بعض لوگ اپنی تعمیر شدہ مسجد یا مدرسے میں اپنی قبر کی جگہ رکھتے ہیں اور وہیں دفن کئے جاتے ہیں اور وہ اس حدیث کی زد میں نہیں آتے کیونکہ اس سے وہ جگہ قبرستان نہیں بن جاتی۔ "قبوراً" میں اسی طرف اشارہ ہے نہ ان کی قبر کھود کر لاش نکالنا جائز کہ بعد دفن میت نکالنا جائز نہیں، الا لحق ادمی۔

الفصل الثانی  
دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہ پورب و بچھم کے درمیان قبلہ ہے! (ترمذی)

۱۔ یہ حدیث مدینہ والوں کے لیے ہے کیونکہ وہاں کعبہ جانب جنوب ہے، ہمارے ہاں قبلہ جانب مغرب ہے۔ اس سے اشارہ یہ معلوم ہوا کہ اگر نمازی کا منہ ۴۵ ڈگری سے کم کعبہ سے پھر جائے نماز ہو جائے گی کیونکہ اس حال میں وہ مشرق و مغرب کے مابین رہے گا۔

روایت ہے حضرت طلق ابن علی سے فرماتے ہیں کہ ہم

وفد کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ تو ہم نے آپ کی بیعت کی اور اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور ہم نے آپ کو خبر دی کہ ہماری زمین میں ہمارا گرجا ہے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے وضو کا غسل مانگا تو آپ نے پانی منگایا وضو کیا اور کھلی کی پھر یہ پانی ایک برتن میں بھر دیا اور ہم کو دیا فرمایا جاؤ۔ جب اپنے وطن کو پہنچو تو اپنا گرجا توڑ ڈالو اور اس کی جگہ یہ پانی چھڑک دو۔ اور اُسے مسجد بنا لو ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر دور رہے اور گرمی سخت ہے پانی سوکھ جائے گا۔ فرمایا اسے اور پانی سے بڑھاتے رہو اس سے برکت ہی بڑھے گی۔ (نسائی)

۱ یعنی اپنی قوم کے نمائندے بن کر ان سب کی طرف سے اسلام لانے اور احکام سننے کے لیے۔

۲ یہ بیعت اسلام کہلاتی ہے۔ آج کل عام بیعتیں توبہ ہوتی ہیں۔ بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مقبول کے ذریعہ رب سے کچھ معاہدے کرنا۔ بیعت چار قسم کی ہے۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب "شان حبیب الرحمن" میں دیکھو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنا بڑی نعمت ہے اسی لیے یہ حضرات اس کو فخریہ بیان کرتے ہیں۔

۳ ظاہر یہ ہے کہ یہ پانی حضور علیہ السلام کے اعضاء شریف کا دھوون تھا جس میں خصوصیت سے ایک اور کلی بھی کردی گئی تھی، اور ہو سکتا ہے کہ وضو کا پانی بچا ہو اور اس میں کلی کردی گئی جو برکت کے لیے ان کو دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبرکات کو خزانہ معنی جانتے تھے اس لیے عاجزی سے مانگا کرتے تھے۔

۴ تاکہ اس کی برکت سے گزشتہ کفر کی گندگی جاتی رہے اور آئندہ تمہاری نمازیں زیادہ قبول ہوں، اور تمہاری یہ مسجد اور مسجدوں سے افضل ہو کیونکہ اس میں ہمارا تبرک پہنچا ہے۔

۵ یعنی راستہ میں ہم برکت کے لیے پسینے لگے، تاکہ مسجد کے ساتھ ہمارے دل بھی منور ہوں اور گرمی سے بھی خشک ہوگا۔

۶ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک سے مس ہو جائے تو تبرک بن جاتی ہے، لہذا خاک مدینہ تبرک بھی ہے شفا بھی۔ دوسرے یہ ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل معنوی نجاتوں کو بھی دور کر دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جس مسجد میں مختار کل ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کا تبرک ہو وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے، یعنی مسجدوں میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف رکھے ہیں، ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ چوتھے یہ کہ بزرگوں کے تبرکات اور شہروں میں لے جانا بھیجنا سنت صحابہ ہے۔ بعض لوگ عرسوں کا لنگر دور دور بھیجتے ہیں، اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ مراقبہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امیر مکہ سے آپ زرمز مدینہ منگایا کرتے تھے اب بھی آپ زرمز ملک ملک پہنچتا ہے۔ پانچویں یہ کہ تبرک سے جو چیز مل جائے وہ تبرک بن جاتی ہے۔ اب بھی آپ زرمز میں اور پانی ملا کر پلایا جاتا ہے۔ چھٹے یہ کہ مسلمان کفار کا عبادت خانہ نہیں گرا سکتے ہیں، اگر کفار مسلمان ہو کر خود ہی اپنا عبادت خانہ گرا کر وہاں مسجد بنا لیں تو جائز ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجدیں بنانے اور انہیں پاک و صاف اور معطر رکھنے کا حکم دیا (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

۱۔ اس سے مسجد بیت مراد ہے، یعنی گھر میں کوئی حجرہ یا گوشہ نماز کے لیے رکھا جائے جہاں کوئی دنیوی کام نہ کیا جائے، اس جگہ صفائی ہو اور خوشبو کا لحاظ رکھا جائے۔ ہم نے اپنے بزرگوں کو اس پر عامل پایا، اب اس کا رواج جاتا رہا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے محلے کی مسجد مراد ہے، یعنی جہاں مسلمانوں کے چند گھر ہوں وہاں ایک مسجد بھی بنالیا کریں۔ پنجاب میں کنوؤں پر مسجدیں ہوتی ہیں، اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں خوشبو نہیں سلگانا، عطر ملنا مستحب ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے مسجدوں کی ٹیپ ٹاپ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح مسجدوں کو سنوارو گے (ابوداؤد)

۱۔ اس سے مراد ناجائز آرائشی ہے، جیسے فوٹوؤں اور تصویروں سے سجانا یا فخریہ آرائش مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو۔ بہر حال جائز زینت جو اخلاص کے ساتھ ہو باعث ثواب ہے۔

۲۔ یعنی جیسے عیسائی، یہودی اپنی عبادت گاہوں کو فوٹوؤں اور قد آدم آئینوں سے سجاتے ہیں، قیامت کے قریب مسلمان بھی مسجدوں کو ان سے آراستہ کریں گے، ورنہ مسجد کی زینت سنت صحابہ ہے۔ چنانچہ عمر فاروق نے مسجد نبوی شریف کو مزین کیا، پھر عثمان غنی نے اس کی دیواریں چونے گچ سے خوب نقشیں بنائیں، چھت میں ساگوان لکڑی لگائی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس میں اتنی روشنی کی تھی کہ اس میں عورتیں تین میل تک چرخہ کات لیتی تھیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں شیخی فخر کیا کریں گے (ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

۱۔ یہ حدیث اور حضرت ابن عباس کا گزشتہ فرمان اس ممانعت کی بہترین تفسیر ہے، یعنی ناجائز چیزوں سے مسجد سجانا یا فخر و ریاء کے طریقہ پر مسجد سجانا منع ہے۔ مسلمان شب قدر میں مسجدوں میں چراغاں کرتے اور جھنڈیاں وغیرہ لگاتے ہیں۔ بعض لوگ اس حدیث کی بناء پر اس سے منع کرتے ہیں یہ غلط ہے۔ جب شادی بیاہ میں ہمارے گھر آراستہ ہوتے ہیں تو متبرک تاریخوں میں اللہ کے گھر کیوں آراستہ نہ ہوں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر میری امت کے ثواب پیش کئے گئے حتیٰ کہ وہ کوڑا جسے آدمی مسجد سے نکال دے اور مجھ پر میری امت

کے گناہ پیش کئے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہ دیکھا  
کہ کسی شخص کو قرآن کی سورہ یا آیت دی جائے پھر وہ  
اسے بھلا دے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں جھاڑو دینا، اس کی دیواروں اور چھت کی مرمت کرنا بہترین عمل ہے۔  
۲۔ اس طرح کہ اس کا دور نہ کرے، نمازوں میں نہ پڑھے اس لیے بھول جائے۔ اگر کوئی بڑھاپے کی وجہ سے کوئی آیت یاد نہ رکھ سکے تو  
شاید مجرم نہ ہو۔ خیال رہے کہ گناہ کبیرہ اور گناہ عظیم میں فرق ہے یہ بھول جانا گناہ عظیم ہے گناہ کبیرہ نہیں، لہذا یہ حدیث ان  
احادیث کے خلاف نہیں جن میں فرمایا گیا کہ بڑا گناہ کبیرہ شرک ہے۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن پوری  
روشنی کی خوشخبری دو جو اندھیروں میں مسجدوں کو جاتے ہیں  
(ترمذی، ابوداؤد)

۱۔ یعنی جو لوگ بارشوں، اندھیری راتوں میں مسجد سے نہیں رہ جاتے انہیں رب تعالیٰ پلصراط پر جہاں گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے روشنی دیکھا کہ  
ان کی پیشانی بیڑی کی طرح چمکتی ہوں گی، یہاں کا اندھیرا کام آئے گا۔

اور ابن ماجہ نے اسے سہل ابن سعد و انس سے روایت کیا۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم کسی شخص کو  
مسجد کی خبر گیری کرتے دیکھو، تو اس کے ایمان کی گواہی دے  
دو۔ کیونکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسجدیں وہی لوگ آباد  
کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے  
ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

۱۔ اس طرح کہ ہر نماز کے لیے وہاں حاضر ہو، وہاں کی صفائی کرے، مرمت کا خیال رکھے، جائزینت میں مشغول ہو، وہاں بیٹھ کر دینی  
مسائل بیان کرے، وہاں درس دے یہ سب مسجد کی خبر گیری میں داخل ہیں۔

۲۔ کیونکہ یہ چیزیں ایمان کی علامتیں ہیں۔ خیال رہے کہ یہ گواہی ایسی ہی ہے جیسے کسی کا لباس اور شکل دیکھ کر ہم اسے مؤمن سمجھتے  
اور کہتے ہیں۔ گواہی سے مراد قطعی فیصلہ نہیں۔ لہذا یہ حدیث "باب الایمان بالقدر" کی احادیث کے خلاف نہیں کہ عائشہ صدیقہ نے  
ایک انصاری بچے کو جو فوت ہو گیا تھا، جنت کی چڑیا کہا، حضور علیہ السلام نے اس سے منع کیا، فرمایا تمہیں کیا خبر یہ کہاں جائے گا۔ نیز  
اگر کسی کا کفر ظاہر ہو اور وہ مسجد کی خدمت کرے تو اسے مؤمن نہ کہا جائے گا، جیسے اس زمانہ کے نمازی منافق اور اس زمانہ کے نمازی

اور مسجدوں کے خدمت گارمرزائی، لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔ "أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَلُكُمْ" یا "قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ"۔

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ مسجدیں آباد کرنے کی توفیق عموماً مؤمنوں ہی کو ملتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مسجدیں بنانے اور آباد کرنے کا حق صرف مؤمنوں کو ہے کفار کو نہیں اسی لیے منافقوں کی مسجد ضرار گرا دی گئی تھی۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ یہاں مسجد کی آبادی میں مسجدوں میں چراغاں کرنا، اس کو سجانا سب داخل ہے۔

روایت ہے حضرت عثمان ابن مظعون سے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں خنسی ہو جانے کی اجازت دیجئے! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو خنسی ہو یا خنسی کرے وہ ہم میں سے نہیں ۲ میری امت کا خنسی ہونا روزے میں ۳ عرض کیا کہ ہمیں خانہ بدوش ہونے کی اجازت دیجئے فرمایا میری امت کی خانہ بدوشی اللہ کی راہ میں جہاد ہے ۴ عرض کیا ہمیں ترک دنیا کی اجازت دیجئے فرمایا میری امت کا ترک دنیا نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے ۵ اسے شرح السنہ نے روایت کیا ہے۔

۱ یعنی مجھے اور مجھ جیسے ان مسکینوں کو جن میں نکاح کی قدرت نہیں خنسی ہونے کی اجازت دیں، تاکہ ہم زنا نہ کر سکیں، یہ رب سے انتہائی خوف کی علامت ہے۔ مرقاۃ نے فرمایا ان کا منشاء یہ تھا کہ ہم نکاح کے قابل نہ رہیں کیونکہ نکاح دنیاوی الجھنوں کی جڑ ہے، اللہ اللہ میں زندگی گزریں۔

۲ اس لیے کہ وہ نسل انسانی بند کرتا ہے، انسان کی بقاء سے اسلام کا بقاء ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قاطع باہ دوائیں کھانا اور کھلانا حرام ہیں، نیز عورتوں کے رحم نکال دینا یا انہیں ناقابل اولاد بنادینا بھی حرام ہے جب زنا کے لیے ہو یا نسل بند کرنے کے لیے۔ (ازمرقاۃ) ۳ کیونکہ روزے سے شہوت ٹوٹی ہے۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ نکاح نہ کر سکیں وہ اپنے کو نامرد نہ بنائیں بلکہ روزے رکھا کریں۔

۴ کہ مجاہد بحالت جہاد وطن بھی چھوڑ دیتا ہے اور سامان سفر ساتھ لئے پھرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بلاوجہ ترک وطن کر کے مارا مارا پھرنا منع ہے۔ عارضی طور پر دنیا کی سیروسیاحت، جیسا کہ بعض اولیاء اللہ سے مروی ہے ممنوع نہیں، رب فرماتا ہے: "قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ"۔

۵ تَرْهَبُ رَهْبٌ سے بنا بمعنی خوف "كَانُوا يَتَرَهَّبُونَ"۔ اصطلاح میں خوف خدا میں مخلوق سے بھاگ کر پہاڑ کی چوٹیوں یا گوشوں میں بیٹھ کر عبادت کرنا "تَرْهَبٌ" ہے۔ اسی سے رہبانیت اور راہب بنا، یعنی نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا ترک دنیا ہے کہ اس وقت انسان بال بچوں سے الگ ہو جاتا ہے۔ گزشتہ دینوں میں ترک دنیا بڑی عبادت تھی۔ ہمارے اسلام میں حرام ہے۔ اسلام چاہتا ہے



کہ ایک ہاتھ میں دین لے ایک ہاتھ میں دنیا۔ اللہ کی دی ہوئی طاقتوں کو بیکار کرنا کمال نہیں بلکہ انہیں صحیح مصرف میں خرچ کر دینا کمال ہے۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمن ابن عائش سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا۔ رب نے پوچھا کہ فرشتے مقرب کس چیز میں جھگڑتے ہیں ۲ میں نے عرض کیا مولیٰ تو ہی جانے تب رب نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں پائی ۳ تو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب میں نے جان لیا ۴ اور یہ آیت تلاوت کی ہم یونہی ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے ملک دکھاتے ہیں تاکہ وہ یقین والوں میں سے ہو جائیں ۵ داری نے مرسلماً روایت کیا اور ترمذی کی روایت اسی کی مثل ہے انہی سے۔

۱ یعنی اس وقت میری اپنی صورت بہت اچھی تھی نہ کہ خدا کی جیسے کہا جاتا ہے کہ میں اچھے کپڑوں میں حاکم سے ملا، یعنی ملاقات کے وقت میرے کپڑے اچھے تھے، ورنہ رب تعالیٰ صورت سے پاک ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم میں آنا بشری صورت میں ہے، اور رب سے ملنا نوری صورت میں۔ انسان کا گھر کا لباس اور ہوتا ہے اور کچھری کا اور، یہ غالباً معراج کے واقعہ کا ذکر ہے۔ بعض لوگوں نے خواب کا دیدار بتایا ہے مگر پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ اس لیے دیدار الہی ثابت ہوا۔ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان ہی آنکھوں سے رب کا دیدار کیا۔ رب کا فرمانا: "لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَرُ" دیدار کی نفی نہیں کر رہا بلکہ ادراک اور احاطے کی، اس حدیث کی تائید آیت کریمہ "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى" فرما رہی ہے۔ دیدار الہی کی پور بحث ہماری کتاب "شان حبیب الرحمن" میں دیکھو۔

۲ یعنی وہ کون سے اعمال ہیں جنہیں لے جانے اور بارگاہ الہی میں پیش کرنے میں فرشتے جھگڑتے ہیں وہ کہتا ہے میں لے جاؤں اور یہ کہتا ہے میں۔ اس جملے کی اور بھی تو جہیں ہیں مگر یہ قوی۔

۳ یعنی رب نے اپنی رحمت کے ہاتھ کو میری پشت پر رکھا اور اس کا فیضان میرے سینہ اور دل پر پہنچا۔  
۴ مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ حدیث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علم کی کھلی دلیل ہے، رب نے حضور علیہ السلام کو ساتوں آسمانوں بلکہ اوپر کی تمام چیزوں اور ساتوں زمینوں اور ان کے نیچے کی ذرہ ذرہ اور قطرے قطرے بلکہ چھلی اور نیل جن پر زمین قائم ہے ان سب کا علم کلی عطا فرمایا۔ شیخ نے فرمایا کہ اس سے مراد تمام کلی جزئی علوم کا عطا فرمانا ہے۔ خیال رہے کہ اللہ نے اپنے حبیب کو گذشتہ موجودہ اور تاقیامت ہونے والی ہر چیز کا علم دیا کیونکہ زمین پر لوگوں کے اعمال اور آسمان پر ان اعمال کے لئے فرشتوں کے یہ

جھگڑے تاقیامت ہوتے رہیں گے جنہیں حضور علیہ السلام آج آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس حدیث کی تائید قرآن کی بہت سی آیات کر رہی ہیں، جن آیات میں علم کی نفی ہے وہاں علم ذاتی مراد ہے۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول میں دیکھو۔  
۵ یعنی جیسے اللہ نے اپنے خلیل کو ملکوت دکھائے ایسے ہی مجھے۔ معلوم ہوا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف مسئلہ ہی نہیں بتائے گئے تھے۔ مسئلے تو مولویوں کو بھی بتادیئے جاتے ہیں بلکہ ساری خدائی دکھائی گئی تھی، ورنہ حضور علیہ السلام اس آیت سے دلیل نہ پکڑتے۔

اور ابن عباس و معاذ ابن جبل سے اس میں یہ زیادتی بھی ہے رب نے فرمایا اے محمد کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز میں جھگڑتے ہیں! میں نے عرض کیا ہاں کفارات ہیں ۲ اور کفارے نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنا اور جماعتوں کی طرف پیدل چلنا اور ناگواری کی حالت میں پورا وضو کرنا ہیں ۳ اور جو یہ کرے گا بھلائی سے جنے گا بھلائی سے مرے گا ۴ اور اپنی خطاؤں سے ایسا ہو جائے گا جیسے اسے آج ماں نے جنا ۵ اور فرمایا اے محمد جب تم نماز پڑھ چکو تو کہا کرو ۶ الہی میں تجھ سے اچھے کام کرنا برائیاں چھوڑنا اور مسکینوں کی محبت مانگتا ہوں ۷ جب تو اپنے بندوں کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو مجھے اپنی طرف بغیر فتنے میں مبتلا ہوئے بلا لے ۸ فرمایا اور درجات سلام کو پھیلانا کھانا کھلانا اور رات میں جب لوگ سوتے ہوں نماز پڑھنا ہیں ۹ اور اس حدیث کے الفاظ جیسے کہ مصابیح میں ہیں میں نے عبدالرحمن کی روایت سے نہ پائے مگر شرح سنہ میں۔

۱ مقرب فرشتوں سے اعمال پیش کرنے والے فرشتے مراد ہیں یعنی مدبرات امر فرشتے۔

۲ یعنی ہاں اب تیری عطا اور تیرے کرم سے سب کچھ جانتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ رب نے بتایا نہ تھا بلکہ سب کچھ دکھایا تھا۔  
۳ یعنی ان تین نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سناہ صغیرہ مٹا دیتا ہے۔ ان کی شرحیں گزر چکیں۔

۴ اس کی تائید اس آیت سے ہے: "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْتَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّكَ حَيٰوةً طَيِّبَةً" (الایہ)۔ سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں رزق حلال، قناعت، رضاء بالقضاء، عبادت میں لذت اور اطاعتوں کی توفیق نصیب ہونا اچھی زندگی ہے۔ اور ایمان پر خاتمہ، مرتے وقت توبہ، فرشتوں کا جان نکالتے وقت جنت کی خوشخبری دینا بلکہ وہاں کے پھول لاکر سنگھانا، بعد وفات مسلمانوں کا اچھائی سے اسے یاد کرنا یہ بھلائی کی موت ہے۔ اللہ ہم سب کو نصیب کرے۔ یہ رب کا وعدہ ہے جو حضور علیہ السلام کی معرفت ہمیں ملا، ٹل نہیں سکتا۔

۵ اس کے سارے گناہ صغیرہ معاف ہو جائیں گے۔ گناہ کبیرہ اور حقوق مراد نہیں، اسی لئے "حَطِیْبَتِهِ" فرمایا۔

۶ یعنی ہر نماز سے فارغ ہونے کے بعد نہ کہ نماز کے اندر یہ دعاء مانگ لیا کرو، جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا "اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَی النَّبِیِّتِ فَاحْلُصُوا لَهُ الدُّعَاءَ" جب تم نماز جنازہ پڑھ چکو تو میت کے لیے خلوص دل سے دعا کرو، دونوں عبادتیں یکساں ہیں۔  
۷ اگرچہ مسکینوں کی محبت بھی اچھے کام میں داخل تھی مگر ان سب سے افضل کہ یہ ایمان کا ذریعہ ہے، اس لیے اس کا علیحدہ ذکر کیا۔ مسکینوں سے مراد انبیاء، اولیاء اور نیک مسلمان ہیں کہ یہ سب حضرات دل کے مسکین اور متواضع ہیں۔ فقیر و مسکین میں بڑا فرق ہے۔

۸ کیونکہ اس وقت زندگی سے موت افضل ہے۔ خیال رہے کہ دنیوی مصائب سے گھبرا کر دعائے موت کرنا منع ہے مگر ایمانی آفتوں پر دعائے موت جائز ہے، لہذا یہ حدیث تمنائے موت کی ممانعت کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

۹ یعنی گزشتہ تین اعمال معافی گناہ کا ذریعہ تھے اور یہ اعمال ترقی درجات کا وسیلہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز اور بھوکوں کا پیٹ بھرنا، ہر ایک کو سلام کرنا بہترین اعمال ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن سب کی ذمہ داری اللہ پر ہے۔ ایک وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے وہ خدا کی ذمہ داری میں ہے حتیٰ کہ اسے موت آجائے تو جنت میں داخل فرمادے یا اجر و نعمت کا مال لے کر واپس کرے۔ ۲ اور ایک وہ شخص جو مسجد کی طرف چلے وہ اللہ کی ذمہ داری میں ہے اور ایک وہ شخص جو اپنے گھر میں سلام سے جائے وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہے۔ (ابوداؤد)

۱ یعنی ان کا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے یا یہ لوگ اللہ کی ضمان اور امان میں ایسے ہیں جیسے سرکاری ملازم ڈیوٹی پر حکومت کی امان میں، کہ اس کی بے عزتی کرنا حکومت کا مقابلہ ہے۔ ایسے ہی ان لوگوں سے جھگڑنا رب کا مقابلہ ہے۔

۲ یعنی اگر مارا گیا تو شہید اور اگر زندہ لونا تو اگر ہار کر آیا تو صرف ثواب اور اگر جیت کر آیا تو ثواب و نعمت دونوں لایا۔  
۳ معلوم ہوا کہ گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا بڑا بہتر کام ہے۔ اس سے گھر میں اتفاق، رزق کی برکت اور نیک اعمال کی توفیق نصیب ہوتی ہے، حتیٰ کہ اگر خالی گھر میں جائے تو یوں کہدے "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" اس کے معنی یہ بھی کہئے گئے ہیں کہ تیسرا وہ شخص جو سلامتی سے اپنے گھر میں رہے بلاوجہ لوگوں میں نہ پھرے، جیسا کہ دوسری حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرض نماز کے لئے اپنے گھر سے وضو کر کے نکلے تو اس کا ثواب احرام باندھنے والے حاجی کی طرح ہے۔ اور جو چاشت کی نماز کے لئے نکلے کہ یہ نماز ہی اسے نکالے

تو اس کا ثواب عمرہ والے کی طرح ہے ۲ اور نماز کے بعد دوسری نماز جس کے درمیان کوئی بیہودہ بات نہ ہو اس کی علیین میں تحریر ہے ۳ (احمد، ابوداؤد)

۱۔ کیونکہ حاجی کعبہ میں جاتا ہے اور یہ مسجد میں، یہ دونوں اللہ کا گھر ہیں۔ حاجی حج کا احرام باندھتا ہے اور یہ نماز کی نیت سے گھر سے نکلتا ہے۔ اور جیسے کہ حج خاص تاریخوں میں ہوتا ہے مگر حاجی گھر سے نکلنے سے لوٹنے تک ہر وقت اہر پاتا ہے، ایسے ہی نماز کی جماعت اگرچہ خاص وقت میں ہوگی مگر نمازی کے نکلنے سے لوٹنے تک اللہ کی رحمت میں ہی رہتا ہے۔

۲۔ خیال رہے کہ نماز چاشت اور دیگر نوافل اگرچہ گھر میں افضل ہیں لیکن اگر گھر کے مشاغل بچوں کے شور کی وجہ سے مسجد میں پڑھے تو بھی بہتر، یہاں یہی مراد ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز چاشت مسجد میں ہی افضل ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

۳۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ فرض کے بعد متصل نفل و سنتیں پڑھے، درمیان میں دنیوی کام نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ پنجگانہ فرائض کے درمیان بھی یہ سمجھ کر گناہ سے بچے کہ میں ظاہر و باطن پاک رہ کر رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو اس کا نفل "علیین" میں لکھا جائیگا۔ علیین ساتویں آسمان کے اوپر ہے جہاں ابرار کے نیک اعمال لکھے جاتے ہیں، چونکہ یہ اونچی جگہ واقعہ ہوا ہے اس لیے علیین کہلاتا ہے۔

روایت ہی حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم جنت کے باغوں سے گزروں تو کچھ چر لیا کرو۔ عرض کیا گیا کہ حضور جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا مسجدیں عرض کیا گیا چرنا کیا ہے یا رسول اللہ؟ فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہنا ۲ (ترمذی)

۱۔ یعنی اگر تم مسجدوں میں نماز کے لئے نہ بھی جاؤ بلکہ ویسے ہی وہاں سے گزر جاؤ تب بھی کچھ پڑھ لیا کرو کیونکہ باغ میں جا کر بغیر کچھ کھائے واپس آنا محرومی ہے، خصوصاً جب کہ باغ کا مالک سخی ہو۔

۲۔ جنت میں جسمانی غذائیں ہوں گی اور نہ مٹنے والے میوے جن پر کوئی روک ٹوک نہیں ایسے ہی مساجد میں اللہ کے ذکر کی روحانی غذائیں ہیں جن کے لیے فنا نہیں اسی لیے سیدنا علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ اگر رب مجھے جنت اور مسجد میں جانے کا اختیار دے تو میں جنت کی بجائے مسجد کو اختیار کروں۔ علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص اس وقت مسجد میں جائے جب نفل مکروہ ہوتے ہیں تو یہ کلمات پڑھ لے ان شاء اللہ تہیۃ المسجد کا ثواب پائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ معراج کی رات ابراہیم علیہ السلام نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ اپنی امت سے میرا سلام کہنا اور فرمانا کہ جنت کی بہت سی زمین خالی پڑی ہے اس میں بوٹے لگا کر آؤ، وہاں کے بوٹے یہ کلمات ہیں "سُبْحَانَ اللَّهِ" الخ۔ (مرقاۃ)

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مسجد میں جس چیز کے لیے آئے گا

وہ اس کا حصہ ہوگا۔ (ابوداؤد)

۱۔ یعنی مسجد میں جس نیت سے جاؤ گے وہی پاؤ گے، جوتی چرانے جاؤ گے جوتے ہی کھاؤ گے۔ اگر وہاں بھیک مانگنے گئے تو ہمیشہ بھیک ہی مانگو گے اور اگر نماز اور اللہ کے ذکر کے لیے گئے تو اب ملے گا۔ فقیر کہتا ہے کہ جو مسجد نبوی شریف میں اس لیے جائے کہ مجھے حضور علیہ السلام مل جائیں تو ان شاء اللہ حضور مل جائیں گے، بلکہ ان مساجد میں بھی صرف اللہ رسول کو راضی کرنے کی نیت کرو، ان شاء اللہ پاؤ گے۔

روایت ہے حضرت فاطمہ بنت حسین سے ۱۔ وہ اپنی دادی حضرت فاطمہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے راوی ۲ فرماتی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو محمد مصطفیٰ پر درود و سلام بھیجتے ۳ اور فرماتے الہی میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب نکلتے تو جناب مصطفیٰ پر درود و سلام بھیجتے اور فرماتے یارب میرے گناہ بخش دے میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے ۴ (ترمذی احمد، ابن ماجہ) ان دونوں کی روایت میں یہ بھی ہے کہ فرماتی ہیں جب مسجد میں جاتے اور پونہی جب نکلتے تو بجائے صلوٰۃ و سلام کے یہ کہتے بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ ۵ ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد متصل نہیں فاطمہ بنت حسین نے فاطمہ کبریٰ کو نہ پایا ۱۔

۱۔ آپ کا لقب فاطمہ صغریٰ ہے، امام حسین کی صاحبزادی اور امام زین العابدین کی بہن ہیں، حسین ابن حسن ابن علی کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات کے بعد عبداللہ ابن عمرو ابن عثمان ابن عفان کے نکاح میں آئیں۔ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، یعنی صحابہ کرام کی صحبت یافتہ۔

۲۔ آپ کا لقب فاطمہ الکبریٰ ہے، حضور علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں، خدمتہ الکبریٰ سے ہیں، ماہ رمضان ۲ھ میں سیدنا علی مرتضیٰ کے نکاح میں آئیں، اور ذی الحجہ میں رخصتی ہوئی، دو بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں، حسن، حسین، زینب، ام کلثوم، رقیہ، حضور علیہ السلام کی وفات کے چھ ماہ بعد وفات پائی، ۲۸ سال عمر ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دیا، حضرت عباس یا ابو بکر صدیق نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہ سے بڑھ کر سچا نہ دیکھا۔

۳۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مسجد میں جاتے وقت درود شریف پڑھنا سنت ہے۔ شفا شریف میں ہے کہ خالی گھر اور مسجد میں جاتے وقت یہ پڑھے "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ"۔ دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اپنے پر درود سلام پڑھتے تھے کبھی "صَلَّى اللَّهُ عَلَيَّ مُحَمَّدًا وَسَلَّم" اور کبھی "صَلَّى اللَّهُ عَلَيَّ وَسَلَّم" فرماتے۔

۴۔ ان دو جملوں کی تفسیر اسی باب میں پہلے گزر چکی۔ حضور علیہ السلام کا گناہوں کی بخشش مانگنا یا تو ہمیں سکھانے کے لیے ہے یا گناہوں سے اپنی امت کے وہ گناہ مراد ہیں جن کا بخشوانا ان کے ذمہ کرم پر ہے، جیسے مقدمہ کا وکیل کہتا ہے میرا مقدمہ۔ اس کی نفیس ولذیذ تحقیق ہماری "تفسیر نعیمی"، خورد سورۃ فتح "لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ" کے ماتحت دیکھو۔

۵۔ سنت ہے کہ یہ الفاظ اب بھی کہے جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہر جگہ ہے، ورنہ غائب کو سلام کیسا؟ ہر نمازی التحیات میں پڑھتا ہے "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ"۔

۶۔ کیونکہ حضرت فاطمہ کبرے کی وفات کے وقت آپ کے والد امام حسین کی عمر اٹھ سال تھی، لہذا کسی راوی کا نام چھوٹ گیا، جس نے حضرت فاطمہ زہرا سے سنا ہو۔ مراقاة میں ہے وہ راوی خود آپ کے والد امام حسین ہیں، چنانچہ ابن مردویہ نے اس کی اسنادیوں بیان کی "فاطمة بنت الحسين عن حسين عن فاطمة الكبرى"۔

<p>روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے ۲ اور وہاں خرید و فروخت سے منع فرمایا ۳ اور اس سے منع کیا کہ لوگ جمعہ کے دن مسجد میں نماز سے پہلے حلقے بنا کر بیٹھیں ۴ (ابو داؤد، ترمذی)</p>	
---	--

۱۔ آپ کے دادا کا نام عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہے، وہ صحابی ہیں۔ اس کا ذکر پہلے تفصیل سے ہو چکا۔

۲۔ اشعار سے مراد برے یا عشقیہ اشعار ہیں، حمد الہی، نعت مصطفوی، مناقب اولیاء، پند و نصیحت، کفار کی برائیوں کے اشعار پڑھنا جائز بلکہ سنت صحابہ ہے، لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں حضرت حسان کے لئے منبر بچھواتے جس پر آپ کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور کافروں کی بجو کے اشعار پڑھتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں دیتے۔ نیز حضرت حسان اور کعب ابن زبیر مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نعت خوانی کیا کرتے تھے۔ اس کی بحث انشاء اللہ "باب الشعراء" میں آئے گی۔

۳۔ کیونکہ یہ دنیوی کاروبار ہے جو مسجدوں میں ممنوع ہے۔ آج کل مسجد حرام شریف میں غلاف کعبہ اور کتب رکھ کر بیچی جاتی ہیں یہ بھی منع ہے، ہاں معتکف بحالت اعتکاف مسجد میں بیوپار کی باتیں کر سکتا ہے وہاں مال نہیں لاسکتا۔

۴۔ اس وقت وہاں صف بنا کر بیٹھنا چاہیے، ہاں نماز کے بعد و عظ وغیرہ سننے کے لیے حلقے بنا کر بیٹھنا جائز ہے کیونکہ اب نماز کا انتظار نہیں ہے۔

<p>روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم اسے دیکھو جو مسجد میں خرید و فروخت کر رہا ہے تو کہہ دو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے ۱ اور جب تم وہاں کسی کو گئی ہوئی چیز ڈھونڈتے دیکھو تو کہہ دو خدا کرے تیری چیز نہ ملے ۲ (ترمذی و دارمی)</p>	
--	--

۱۔ معلوم ہوا کہ گناہ پر بددعا دینا جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اسے سنا کر بددعا دے تاکہ تبلیغ بھی ہو جائے۔ خرید و فروخت سے مراد صرف خرید و فروخت کی باتیں بھی ہیں اور وہاں مال حاضر کر کے بیچنا بھی۔  
۲۔ اس کی شرح گزر چکی کہ ڈھونڈنے سے مراد شور مچا کر تلاش کرنا ہے۔

روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قصاص لینے اور وہاں اشعار پڑھنے اور وہاں حدیں قائم کرنے سے منع فرمایا ۲۔ (ابوداؤد)	
--	--

۱۔ کیونکہ اس میں خون وغیرہ سے مسجد خراب ہوگی۔  
۲۔ غالباً حدوں سے مراد حقوق اللہ کی سزائیں ہیں، جیسے چوری اور زنا کی سزا، قصاص حق عبد کی سزا تھی۔ خیال رہے کہ مسجد میں قاضی مقدمات سن سکتا ہے مگر سزا مسجد کے باہر دی جائے۔

جامع الاصول میں حکیم سے اور مصابیح میں جابر سے۔	
---	--

روایت ہے حضرت معاویہ ابن قرہ سے کہ وہ اپنے والد سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو درختوں یعنی پیاز و لہسن سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو یہ کھائے ہماری مسجد کے قریب نہ آئے ۲۔ اور فرمایا اگر تمہیں ضروری کھانا ہو تو انہیں پکا کر مار دیا کرو ۳۔ (ابوداؤد)	
--	--

۱۔ آپ کا نام معاویہ ابن قرہ ابن ایاس ابن بلال ہے، قبیلہ مزینہ سے ہیں، بصرے کے رہنے والے مشہور تابعی ہیں، جنگ جمل کے دن پیدا ہوئے، ستر صحابہ سے ملاقات ہے، ۱۱ھ میں وفات پائی۔ (لمعات)  
۲۔ یہ جملہ پہلے جملے کی تفسیر ہے، یعنی پیاز و لہسن کھانا حرام نہیں بلکہ کھا کر بدبودار منہ لئے مسجد میں آنا حرام ہے۔ خواہ وہاں نمازی ہوں یا نہ ہوں کیونکہ فرشتے ہر وقت رہتے ہیں۔  
۳۔ تاکہ ان کی بوجاتی رہے کیونکہ بدبو ہی ممانعت کی وجہ ہے۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ حکم ہر مسجد کا ہے، بلکہ ہر دینی مجلس میں اس کا خیال رکھا جائے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ساری زمین مسجد ہے سوائے قبرستان اور حمام کے ۱۔ (ابوداؤد، ترمذی، دارمی)	
--	--

۱۔ یعنی اسلام میں ہر جگہ نماز جائز ہے۔ قبرستان میں نماز منع ہے جب کہ قبر نمازی کے سامنے ہو، لہذا قبرستان کی مسجدوں میں نماز جائز ہے، نیز حمام میں نہانے کی جگہ جہاں میل کچیل گندگیاں رہتی ہیں نماز منع ہے۔ اگر اس کے کسی پاک گوشہ میں نماز پڑھی جائے تو حرج نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہ نماز پڑھنے سے منع کیا: کوڑی، مذبح، قبرستان، بیچ راستہ میں، ۲ اور حمام اور اونٹ بندھنے کی جگہ ۳ اور کعبہ شریف کی چھت پر ۴ (ترمذی، ابن ماجہ)

۱۔ کوڑی اور مذبح میں گندگیاں پھیلی ہوتی ہیں، اس لئے وہاں نماز ہوگی ہی نہیں، قبرستان کا ذکر ابھی ہو چکا۔  
۲۔ یعنی جہاں لوگوں کی عام گزر ہو وہاں نماز نہ پڑھے کہ اس سے نمازی کو یک سوئی نہ ہوگی اور گزرنے والے کا راستہ بند ہو جائے گا۔ مسجد میں بھی در کے سامنے یا دروازہ کے قریب نہ پڑھے کہ اس سے آنے جانے والوں کو تکلیف ہوگی، ستون کی آڑ لے کر یا گوشہ میں نماز پڑھنی چاہیے۔

۳۔ خواہ وہاں اس وقت اونٹ بندھا ہو یا نہ کیونکہ اونٹ کے چرواہے اونٹ کی آڑ میں پیشاب کیا کرتے ہیں۔ اگر اونٹ بندھا ہو تو اس کے پیشاب کرنے اور چھینٹیں پڑنے کا سخت خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے خصوصیت سے اونٹ کا ذکر فرمایا، ورنہ ہر نجس زمین پر نماز پڑھنا منع ہے۔

۴۔ کیوں کہ وہاں بلا ضرورت چڑھنا ہی منع ہے کہ اس میں کعبۃ اللہ کی توہین ہے۔ اس نماز میں توہین شامل ہے، لہذا نماز مکروہ، یہی حکم ہر مسجد کا ہے کہ اگر اس پر بالائی منزل نہ ہو تو بلا ضرورت چھت پر چڑھنا منع اور وہاں نماز مکروہ۔ اس ممانعت کی وجہ یہ نہیں کہ یہ جگہ کعبہ نہیں وہاں کی آسمان تک فضائے کعبہ ہے، لہذا یہ حدیث خفیوں کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بکریوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھو اور اونٹ بندھنے کی جگہ نماز نہ پڑھو! (ترمذی)

۱۔ کیونکہ بکریوں کی جگہ اکثر ناپاک نہیں ہوتی کہ وہاں بکریوں والے پیشاب نہیں کرتے، نیز دوران نماز چھٹیں آنے کا اندیشہ کم ہوتا ہے کیونکہ بکری نیچی ہے، نیز پیشاب کرتے وقت اور بھی جھک جاتی ہے اور بکری کے کھل جانے کی صورت میں نمازی کے کچلے جانے کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا، یہ وجوہ اونٹ کے طویلہ میں نہیں، لہذا وہاں نماز نہ پڑھی جائے۔ خیال رہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بکری کے طویلہ میں مصلے بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہو، اونٹ کے طویلہ میں کسی طرح نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اونٹ کی پیدائش شیطان سے ہے لہذا اس کے پاس نماز منع ہے مگر یہ غلط کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اونٹ پر نفل پڑھے ہیں۔ اونٹ مبارک جانور ہے نبیوں کی سواری ہے، اس کا گوشت کھایا اور دودھ پیاجاتا ہے، سواری اور سامان ڈھونے میں کام آتا ہے۔ اس کے ہر عضو میں بے شمار فائدے ہیں، کھال کے برتن اور بال کے قیمتی قالین بنتے ہیں، نہایت معمولی غذا کھا کر بہترین خدمات پیش کرتا ہے۔ اسی لیے خدائے قدوس نے اسے نشان قدرت بتایا کہ فرمایا: "إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ"۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر ۱ اور قبروں پر مسجدیں بنانے



والوں اور چراغ جلانے والوں پر ۲ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

۱۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ اس کا نسخ "زیارة قبور" کے باب میں آرہا ہے کہ سرکار نے فرمایا میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا "أَلَا فَزُرُوهُنَّ" اب زیارتیں کیا کرو کیونکہ اس سے اپنی موت یاد آتی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ عورت کو زیارت کرنے کے لئے قبروں پر جانا منع کہ یہ وہاں پہنچ کر یا سجدے کریں گی، یا روئیں گی، بیٹھیں گی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک بار اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر گزریں تو زیارت بھی کر لی، یہ قبر پر جانا نہ تھا بلکہ قبر کا راستہ میں آ جانا تھا۔ خیال رہے کہ یہاں عام قبریں مراد ہیں، ورنہ حضور کے روضہ اطہر پر ہر حاجی مرد و عورت پر حاضری واجب ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ" اس کی تحقیق ان شاء اللہ "باب زیارة القبور" میں آئے گی۔

۲۔ قبر پر اس طرح مسجد بنانا کہ تعویذ فرش مسجد میں آجائے کہ لوگ اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھیں یا اس طرح کہ قبر نمازی کے سامنے رہے حرام ہے، کہ پہلی صورت میں قبر مؤمن کی تو ہیں ہے۔ اور دوسری صورت میں قبر کی طرف سجدہ۔ نیز قبر کے تعویذ پر چراغ جلانا سخت منع ہے کہ اس میں آگ ہے، قبر مؤمن کو آگ سے بچایا جائے، نیز فضول خرچی ہے بلا ضرورت تیل پھونکنا اور اگر چراغ جلانے والے کی یہ نیت ہے کہ اس سے قبر میں روشنی ہوگی تو بد عقیدگی ہے کیونکہ قبر میں روشنی تو مدینہ والے سچے سورج کی شعاعوں سے ہے، اللہ نصیب کرے۔ لیکن بزرگوں کی قبر کے پاس مسجد بنانا سنت انبیاء علیہم السلام، سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے اور قرآن سے ثابت، جیسا پہلے عرض کیا گیا۔ اور بزرگوں کے مزار کے پاس چراغ جلانا تاکہ زیارت کرنے والوں کو آسانی ہو اور اس کی روشنی میں قرآن خوانی ہو جائز بلکہ ثواب ہے۔ آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور پر ایسی عالی شان روشنی ہوتی ہے کہ سبحان اللہ! دیکھ کر ایمان روشن ہو جاتا ہے۔ ان ہی وجوہ سے اس سید الفضلاء نے "علیہا" فرمایا، یعنی عین قبر پر مسجد و چراغ منع، اس کے قریب جائز۔ "باب الدفن" میں آئے گا کہ حضور نے ایک میت کو رات میں دفن کیا تو وہاں چراغ جلایا گیا۔ معلوم ہوا کہ ضرورہً جائز ہے۔ اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں کہ ایک یہودی عالم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سی جگہ بہتر ہے حضور خاموش رہے اور فرمایا میں جبریل کے آنے تک خاموش رہوں گا چنانچہ خاموش رہے اور حضرت جبریل حاضر ہوئے حضور نے ان سے پوچھا وہ بولے کہ جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے بڑا عالم نہیں ہے لیکن میں اپنے رب سے پوچھوں گا ۴۔ پھر جبریل کہنے لگے اے محمد مصطفیٰ میں آج اللہ سے اتنا قریب ہوا کہ اس سے پہلے کبھی قریب نہ ہوا تھا ۵۔ حضور نے فرمایا کہ کتنا قریب ہوا اے جبریل! عرض کیا کہ میرے اور رب کے درمیان صرف ستر ہزار نور کے پردے رہ گئے رب نے فرمایا ۶ کہ بدترین

جگہ بازار ہے اور بہترین جگہ مسجدیں اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابن عمر سے روایت کیا۔

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ خاموشی بے علمی کی وجہ سے نہیں جیسا کہ اگلی عبارت سے معلوم ہو رہا ہے، بلکہ آج اپنی محبوبیت دکھانا ہے اور اس بہانے سے حضرت جبریل کو معراج کرانا ہے۔

۲۔ یہ عبارت بتا رہی ہے کہ اس خاموشی میں کوئی راز تھا، ورنہ یہ مسئلہ اجتہاد سے بھی فرمایا جاسکتا تھا۔  
۳۔ یعنی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ رب نے فرمایا جبریل! آج جاؤ کچھ پاؤ گے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ رب نے یہ مسئلہ بتا کر نہ بھیجا اور جبریل امین نے اپنی بے علمی کا اقرار نہیں کیا، بلکہ عرض کیا کہ اس بارے میں میرا علم آپ سے زیادہ نہیں، زیادتی علم کی نفی کی، یعنی اگرچہ یہ آپ کو بھی معلوم ہے مجھے بھی لیکن ابھی بتانے کی اجازت نہیں اس میں کچھ راز ہے۔  
۴۔ اپنے مقام پر جا کر نہ کہ یہاں بیٹھے ہوئے۔

۵۔ یہ اس ساری حدیث کا منشا ہے، یعنی ابھی یہ مجلس گرم ہی تھی کہ جبریل جا کر لوٹ بھی آئے اور یہ پیغام لائے۔ خیال رہے کہ ہمیشہ حضرت جبریل علیہ السلام رب کے بھیجے ہوئے حضور کے پاس آیا کرتے تھے، آج محبوب کے بھیجے ہوئے رب کے پاس گئے اور پیارے کا قاصد بھی پیارا ہوتا ہے اس لیے رب نے انہیں سدرہ سے کہیں آگے بلا لیا، معراج میں آگے نہ بڑھے کہ وہاں حبیب و محبوب کے تخلیہ کا وقت تھا، خدام کو علیحدہ رہنا چاہیے تھا۔ یہاں مرقاۃ نے بڑا پُر لطف مضمون بیان کیا ہے۔ یہ سارا قصہ جبریل کی اس عزت انفرائی کے لئے تھا۔

۶۔ یعنی اس سے پہلے لاکھوں پردے ہوا کرتے تھے لیکن آج ایک لاکھ سے بھی کم رہ گئے۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ پردے مخلوق کے لحاظ سے نہ خالق کے لحاظ سے، یعنی مخلوق حجاب میں ہے نہ کہ خالق، جیسے نابینا سے آفتاب چھپا ہے مگر حجاب اس کی آنکھ پر ہے نہ کہ سورج پر۔ خیال رہے کہ ہم لوگ ظلماتی حجابوں میں ہیں اور ملائکہ نورانی حجابوں میں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو میری اس مسجد میں آئے مگر نہ آئے سوائے بھلائی سیکھنے یا سکھانے تو وہ غازی فی سبیل اللہ کے درجے میں ہے۔ اور جو اس کے سوا کسی کام کے لئے آئے وہ اس شخص کی طرح ہے جو دوسرے کا مال تکے (ابن ماجہ) اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱۔ یعنی مسجد نبوی شریف میں علم دین سیکھنا سکھانا دوسری جگہ سیکھنے سکھانے سے افضل ہے، جیسے یہاں کی ایک نماز پچاس ہزار کے برابر، ویسے ہی یہاں کا ایک سبق پڑھنا پڑھانا پچاس ہزار اسباق کے برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کی برکت سے اسی لیے بعض

علماء مسجد نبوی شریف میں وعظ کہنے اور درس دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں علم دین کے مدرسے جائز ہیں، امام بخاری نے حرم شریف میں بخاری لکھی۔

۲ یعنی جیسے وہ تکلنے والا خیر سے محروم ہے، ایسے ہی یہ خیر سے محروم۔ خیال رہے کہ یہاں خیر سے مراد کوئی دنیوی کام ہے، یعنی جو مسجد نبوی شریف میں فقط عمارت یا رونق دیکھنے کے لیے جائے کسی عبادت کی نیت نہ کرے وہ بڑا بد نصیب ہے۔ اس غیر سے مراد حضور کا دیدار نہیں کہ یہ تو وہاں کی حاضری کا اصل مقصود ہے۔ خیال رہے کہ حاجی حضور کی زیارت کی نیت سے مدینہ منورہ جائے اسی پر وعدہ شفاعت ہے کہ فرمایا "مَنْ زَارَ قَبْرِيَّ وَجَبَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي"۔ جو بد نصیب صرف وہ مسجد دیکھنے جائیں وہ اس شفاعت سے محروم ہیں، لہذا یہ حدیث ان کی دلیل نہیں ہمارے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت حسن سے مرسلًا فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان کی دنیاوی باتیں مسجدوں میں ہوں گی تم ان میں نہ بیٹھنا۔ ایسوں کی اللہ کو ضرورت نہیں ۲ بیہقی شعب الایمان۔

۱ علماء فرماتے ہیں کہ مسجد میں دنیوی جائز باتیں بھی ٹیکیاں برباد کر دیتی ہیں۔ دنیا کی قید سے معلوم ہوا کہ وہاں دینی باتیں جائز ہیں۔  
۲ یعنی اللہ ان پر کرم نہ کرے گا، ورنہ رب کو کسی بندے کی ضرورت نہیں، وہ ضرورتوں سے پاک ہے۔

روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے ۱ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں سو رہا تھا کسی نے مجھے کنکری ماری میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروق تھے ۲ فرمایا جاؤ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ میں ان دونوں کو لے کر آیا فرمایا تم لوگ کون ہو یا کہاں سے آئے ہو وہ بولے ہم طائف والے ہیں فرمایا اگر تم مدینہ والوں میں سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا ۳ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آوازیں اونچی کرتے ہو ۴ (بخاری)

۱ آپ بہت نوعمر صحابی ہیں، اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کی عمر سات سال تھی۔

۲ حضرت سائب کا مسجد نبوی میں سونا یا اس لیے تھا کہ آپ مسافر تھے یا نیت اعتکاف کر لیتے تھے یا آپ جائز سمجھتے تھے۔ بعض علماء مسجد میں سونے کو مکروہ کہتے ہیں، بعض بلا کراہت جائز، حضرت فاروق اعظم نے انہیں آواز دے کر نہ جگایا مسجد پاک کا احترام کرتے ہوئے۔  
۳ مسجد نبوی میں بلند آواز سے باتیں کرنے پر کیونکہ مدینہ والے یہاں کے آداب سے واقف ہیں تم لوگ پردیسی ہو مسائل سے پورے واقف نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاکم گناہ صغیرہ پر بھی تعزیراً سزا دے سکتا ہے، جہاں علم کی روشنی کم پہنچتی ہو یا بالکل نہ پہنچی ہو

وہاں کے لوگوں کو بے علمی پر معذور رکھا جاسکتا ہے، ورنہ بے علمی عذر نہیں۔ خیال رہے کہ طائف حجاز کا مشہور شہر ہے، مکہ معظمہ سے تین منزل دور سیدنا عبداللہ ابن عباس کا مزار پر نوار وہیں ہے۔ فقیر نے زیارت کی ہے۔  
۲۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ مسجد نبوی کی حرمت دوسری مسجدوں سے زیادہ ہے کہ حضور اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، وہاں حضور کا دربار ہے، اس کا ادب چاہیے۔ وہ حضرات دنیوی باتیں اونچی آواز سے کر رہے تھے، ورنہ مسجد میں درس و تدریس، ذکر اللہ، نعت شریف وغیرہ بلند آواز سے کر سکتے ہیں، جب کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔

روایت ہے حضرت مالک سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے مسجد کے گوشے میں چبوترہ بنایا تھا جسے بطیحاء کہا جاتا تھا ۱ اور فرمایا جو باتیں کرنا یا شعر پڑھنا یا شور کرنا چاہے وہ اس چبوترے کی طرف چلا جائے ۲ (موطا)

۱۔ کیونکہ اس کا فرش بجری کا تھا۔ بطیحاء بمعنی کنکریلی زمین۔ یہ جگہ مسجد کے خارجی حصہ میں تھی نہ کہ داخلی حصہ میں، ورنہ اس کے آداب بھی مسجد جیسے ہوتے۔

۲۔ شعر سے مراد دنیوی اشعار ہیں۔ شور سے مراد بھی دنیوی باتیں اونچی آواز سے کرنا ہیں، ورنہ نعت شریف ذکر بالجمہر مسجد میں جائز ہے۔ مسلم شریف میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ہر نماز فرض کے بعد خوب اونچی آواز سے ذکر اللہ کرتے تھے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی جانب ریٹھ دیکھی ۱ آپ کو ناگوار گزرا حتیٰ کہ ناگواری چہرہ انور میں دیکھی گئی پھر اٹھے اسے اپنے ہاتھ سے کھرچ دیا ۲ فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اپنے رب سے باتیں کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے ۳ لہذا کوئی قبلہ کی طرف ہرگز نہ تھو کے لیکن بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے ۴ پھر اپنی چادر کا کونہ پکڑا اس میں تھوکا پھر اسے مل ڈالا فرمایا یا ایسے کرے ۵ (بخاری)

۱۔ یعنی قبلہ کی دیوار میں۔ اس سے محراب مراد نہیں کیونکہ اس زمانہ میں مسجدوں میں محرابیں نہ تھیں، محراب حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی بدعت ہے جبکہ ولید ابن عبدالملک کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے۔ جہاں اب محراب النبی بنی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ تھی۔

۲۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مسجد میں گندگی ڈالنا نبی کریم کی ناراضی کا باعث ہے۔ دوسرے یہ کہ مسجد کو اپنے ہاتھ سے صاف کرنا حضور کی سنت ہے اسی لیے علماء مشائخ بلکہ اسلامی بادشاہ کبھی اپنے ہاتھ سے بھی مسجد صاف کرتے تھے۔  
۳۔ یعنی اس کی رحمت خاص سامنے ہوتی ہے، نیز کعبہ بھی سامنے ہے۔ بعض لوگ نماز کے علاوہ بھی کعبہ کی طرف تھوکنے کو منع کرتے تھے۔

۴۔ یہ بھی وہاں جہاں مسجد کا فرش کچا یا بگری ہو جس سے تھوک کو دبایا جاسکے، پکے فرش میں قطعاً منع کہ اس میں مسجد کی گندگی ہے، ایسے موقع کے لیے اگلی ہدایت آرہی ہے۔

۵۔ یہ عمل مسجد کے پکے فرشوں اور قیمتی مصلوں پر بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چادر اوڑھے رہنا حضور کی سنت ہے اور نماز میں اتنا تھوڑا عمل ضرورہ جائز ہے۔

روایت ہے حضرت سائب ابن خلاد سے وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک ہیں۔ فرمایا ایک شخص نے قوم کی امامت کی، قبلہ کی طرف تھوک دیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فراغت پر اس کی قوم سے فرمایا کہ آئیندہ یہ تمہیں نماز نہ پڑھائے۔ اس کے بعد اس نے نماز پڑھانی چاہی لوگوں نے روک دیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے آگاہ کیا، اس نے یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا فرمایا ہاں۔ مجھے خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تو نے اللہ رسول کو ستایا۔ (ابوداؤد)

۱۔ چونکہ ان کی صحابیت میں اختلاف ہے، اور یہ کچھ غیر مشہور بھی ہیں، اس لیے مصنف نے یہ تشریح کر دی۔ آپ کی کنیت ابو سہل ہے، مدنی ہیں، زمانہ فاروقی میں یمن کے حاکم رہے۔

۲۔ کیونکہ یہ کعبہ کا بے ادب ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خطاب بھی نہ کیا کہ وہ خطاب کے لائق ہی نہ رہا۔ جب کہ کعبہ کا بے ادب امامت کے لائق نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے ادب اور آپ کی شان میں بکواس کرنے والا امامت کے لائق کیسے ہو سکتا ہے۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بلا تحقیق ہر فاسق و بے ادب کو امام بنا لیتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ امام صحابی تھے، مگر اتفاقاً ان سے یہ خطا ہو گئی پھر توبہ کر لی کیونکہ کوئی صحابی فاسق نہیں، جب اتفاقاً خطا پر امامت سے معزول کر دیا گیا تو جان بوجھ کر بے ادبی کرنے والا ضرور معزول کر دیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ہر نیک و فاسق کے پیچھے نماز پڑھ لو اس موقعہ کے لیے ہے جب وہ امام بن گیا ہو اور ہم اسے معزول کرنے پر قادر نہ ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قوم و سلطان امام کو امامت سے علیحدہ کر سکتے ہیں۔

۳۔ کیونکہ تیرا یہ کام میری ایذا کا سبب ہے اور میری ایذا رب کی ایذا کا باعث۔ اس کا یہی مطلب ہے کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دینے کے واسطے یہ کام نہ کیا تھا، ورنہ یہ عمل کفر اور ارتداد ہوتا اور اسے دوبارہ مسلمان کیا جاتا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس شخص نے توبہ کر لی ہوگی اور دوبارہ امام بنا دیا گیا ہوگا۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں تشریف لانے میں تاخیر کی قریب تھا کہ ہم سورج دیکھ لیں۔

آپ تیزی سے تشریف لائے نماز کی تکبیر کہی گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور نماز میں اختصار کیا۔ جب سلام پھیرا تو آواز سے فرمایا اپنی جگہ بیٹھے رہو جیسے ہو، پھر ہماری طرف توجہ فرمائی پھر فرمایا میں تمہیں بتاتا ہوں کہ آج صبح مجھے تم سے کس چیز نے روکا۔ میں رات میں اٹھا وضو کیا جس قدر مقدر میں تھا نماز پڑھی نماز ہی میں مجھے اونگھ آگئی حتیٰ کہ نیند غالب ہو گئی۔ اچانک میں اپنے رب تعالیٰ کے پاس اچھی صورت میں تھا۔ فرمایا اے محمد! میں نے عرض کیا مولا میں حاضر ہوں فرمایا مقرب فرشتے کس میں جھگڑتے ہیں میں نے کہا مجھے نہیں خبر ہے یہ تین بار فرمایا فرماتے ہیں میں نے رب کو دیکھا کہ اس نے اپنا دست رحمت میرے کندھوں کے بیچ رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی۔ ۸۔ تو مجھے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور میں نے پہچان لی۔ ۹۔ پھر فرمایا اے محمد میں نے فرمایا یارب حاضر ہوں فرمایا مقرب فرشتے کس میں جھگڑتے ہیں! میں نے کہا کفاروں میں فرمایا وہ کفارے کیا ہیں میں نے عرض کیا جماعتوں کی طرف پیدل جانا، نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھنا، ناگوار حالتوں میں پورا وضو کرنا۔ ۱۰۔ فرمایا پھر کاہے میں جھگڑتے ہیں میں نے عرض کیا درجوں میں فرمایا وہ کیا چیز ہیں میں نے کہا کھانا کھلانا، نرمی سے گفتگو کرنا اور جب لوگ سوتے ہوں تو نماز پڑھنا۔ ۱۱۔ فرمایا کچھ مانگ لو فرماتے ہیں میں نے عرض کیا الہی میں تجھ سے نیکیاں کرنا برائیاں چھوڑنا اور مسکینوں سے محبت مانگنا ہوں اور یہ کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر اور جب تو کسی قوم میں فتنہ بھیجنا چاہے تو مجھے بغیر فتنے میں مبتلا کئے وفات دیدے اور میں تجھ سے تیری محبت اور جو تجھ سے محبت کریں ان کی محبت اور اس عمل کی محبت جو مجھے تیری محبت سے قریب کر دے مانگتا ہوں۔ ۱۲۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب برحق ہے یہ دعائیں یاد کرلو

پھر سکھاؤ ۱۴ (احمد و ترمذی) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے میں نے محمد ابن اسماعیل سے پوچھا فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے نماز کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جگاتے تھے نہ حضور کے بغیر نماز پڑھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ان کے ساتھ کی قضاء ان کے بغیر ادا سے افضل ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور کا سونا رب کی طرف سے ہے اور آپ کی خواب وحی اور نماز کے وقت بیدار نہ ہونے میں رب کی لاکھوں حکمتیں ہیں، آپ کی نیند تمام عالم کی بیداریوں سے کروڑوں گنا افضل ہے۔  
۲۔ یعنی وقت کی تنگی کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا۔ معلوم ہوا کہ ایسے موقع پر نماز کے لیے بھاگ کر آنا جائز ہے۔ رکوع پانے کے لیے بھاگنا منع لہذا یہ حدیث ممانعت کے خلاف نہیں، نیز تنگ وقت میں فجر میں بھی قرأت مختصر کرنی چاہیے۔

۳۔ سبحان اللہ! صحابہ کا خیال بالکل درست نکلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غفلت نماز سے نہیں روکتی بلکہ رب کی طرف توجہ۔  
۴۔ اور ہم نماز تہجد ختم کر کے سو گئے، یہ مطلب نہیں کہ نماز میں سو گئے۔

۵۔ اس کی شرح پہلے گزر گئی۔ خیال رہے کہ یا یہ وہی واقعہ ہے جو پہلے مذکور ہوا یا وہ معراج کا واقعہ تھا اور یہ خواب کا۔  
۶۔ خیال رہے کہ رب نے قرآن شریف میں حضور کو نام لے کر کہیں نہ پکارا ہر جگہ القاب ہی سے پکارا تاکہ قرآن پڑھنے والے اس طرح پکارنے کی جرأت نہ کریں۔ یہ راز و نیاز کا موقع تھا رب نے اظہار کرم کے لیے نام سے پکارا۔  
۷۔ کیونکہ اب تک تو نے مجھے اس کا علم نہیں دیا۔ اس کی شرح ابھی پہلی فصل میں گزر چکی۔

۸۔ ہاتھ اور پوروں کے وہ معنی ہیں جو رب کی شان کے لائق ہیں، یعنی رحمت، قدرت توجہ کا ہاتھ کہا جاتا ہے فلاں کام میں حکومت کا ہاتھ ہے یعنی اس کا کرم و توجہ ہے۔ ٹھنڈک پانے کا مطلب یہ ہے کہ رحمت کا اثر دل پر پہنچا۔

۹۔ اس کی شرح گزر چکی، یعنی علوی اور سفلی عالم غیب و شہادت کا ہر ذرہ مجھ پر فقط منکشف ہی نہ ہوا بلکہ میں نے ہر ایک کو الگ الگ پہچان لیا۔ علم اور معرفت میں بڑا فرق ہے، مجمع پر نظر ڈال کر جان لینا کہ یہاں دو لاکھ آدمی بیٹھے ہیں یہ علم ہے اور ان میں سے ہر ایک کے سارے حالات معلوم کر لینا معرفت۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور کا یہ علم کبھی نہیں بلکہ لدنی ہے۔ تیسرے یہ کہ آپ کا علم و ہدایت قرآن پر موقوف نہیں، آپ نزول قرآن سے پہلے ہی عالم و عامل تھے۔ چوتھے یہ کہ تجلی اور ہے بیان کچھ اور۔ یہاں حضور کو ہر چیز دکھائی گئی اور قرآن میں بتائی گئی اسی لئے یہاں تجلی ارشاد ہوا اور وہاں فرمایا گیا "تَبَيَّنَّا لَكُلِّ شَيْءٍ"۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب ساری چیزیں سرکار کو آج دکھادی گئیں تو نزول قرآن سے کیا فائدہ۔

۱۰۔ پہلی بار یہ سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم یعنی آمادہ کرنے پر تھا اور اب یہ سوال سکھا کر امتحان لینے کے لیے، تاکہ معلوم ہو کہ محبوب سیکھ کر بھول نہ گئے، وہ سکھانے والا کامل اور یہ سیکھنے والا بھی کامل۔ خیال رہے کہ بڑے شاگرد کو استاد ہی پڑھایا کرتے ہیں۔  
۱۱۔ ان سب کی شرحیں ابھی گزر چکیں۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ مسجد کو پیدل چلنا بہتر، یوں تو وضو ہمیشہ ہی پورا کرنا چاہیے مگر سردیوں میں خصوصاً جب کہ پانی بھی ٹھنڈا ہو صحیح وضو کرنا بہت ثواب ہے۔

۱۲ اس کی شرح بھی گزر گئی۔ بعض بزرگوں کے آستانوں پر جو لنگر ہوتے ہیں جہاں سے ہمیشہ لوگوں کو کھانا ملتا ہے، اس کی اصل یہ حدیث ہے۔ مسلمانوں سے نرم کلام اور کفار و منافقین سے سخت کلام ثواب ہے، رب فرماتا ہے: "وَاعْلَظْ عَلَيْهِمْ"۔ لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۱۳ ان تمام کی شرحیں ابھی گزر گئیں، اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ دیتا رب ہی ہے مگر وہ چاہتا ہے کہ بندہ مجھ سے مانگے تو دوں، یہ مانگنا ہماری بندگی کی نشانی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ سَلِّمْ کَچھ محبوب کچھ مانگو۔ دوسرے یہ کہ ہم تو گناہ ہی کریں گے رب کی توفیق ہو تو نیکی کر سکتے ہیں، پتھر خود نیچے گرے گا کوئی پھینکے تو اوپر جائے گا۔ خیال رہے کہ یہ سب دعائیں ہمیں سکھانے کے لیے ہیں ورنہ حضور کو یہ ساری نعمتیں پہلے ہی سے حاصل ہیں، نیز جو اللہ سے محبت کرنا چاہے وہ اس کے پیاروں سے محبت کرے۔

۱۴ یعنی خود بھی سیکھو اوروں کو بھی سکھاؤ کیونکہ یہ سب خواہیں تمہاری خاطر ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ کہتے میں عظمت والے اللہ کی پناہ لیتا ہوں اس کی ذات کریم اور اس کے پرانے غلبے کے ذریعے مردود شیطان سے۔ فرمایا جب مؤمن یہ کہہ لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ مجھ سے سارا دن محفوظ رہے گا۔ (ابوداؤد)

۱۔ معلوم ہوا کہ خدا کی صفات کو وسیلہ دعا بنانا جائز ہے اور ہر شخص شیطان سے رب کی پناہ مانگے کوئی اپنے کو محفوظ نہ سمجھے۔ آدم علیہ السلام معصوم تھے اور جنت خطہ محفوظ مگر پھر بھی وہاں اس کا داؤ چل گیا تو ہم کس شمار میں ہیں، کہ نہ خود محفوظ ہیں نہ ہمارے گھر اس سے محفوظ۔

۲۔ معلوم ہوا کہ شیطان دعاؤں کو بھی جانتا ہے ان کے اثرات کو بھی۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ شیطان ہر نیک و بد عمل سے خبردار ہے اسی لئے ہر نیکی سے روکتا ہے ہر گناہ کرتا ہے، بلکہ ہر ایک کے ارادے سے مطلع ہے اسی لیے ہر ایک کو بہکاتا ہے۔ جب اس فساد کے علم کا یہ حال ہے تو مصلح عالم کے علم کا کیا حال ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شیطان کے ہر حال اور اس کے ہر کلام سے مطلع ہیں۔

روایت ہے حضرت عطا ابن یسار سے۔ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الہی میری قبر کو بت نہ بنانا جو پوجی جائے۔ اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہوا جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ (مالک ارسالاً)

۱۔ آپ مشہور تابعی ہیں، حضرت ام المؤمنین میمونہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، ۸۴ سال عمر پائی، ۹۴ھ میں وفات پائی۔

۲۔ سبحان اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ ہر سال لاکھوں جاہل و عالم زیارت کے لیے جاتے ہیں مگر نہ کوئی قبر انور کو سجدہ کرتا ہے نہ کوئی اس کی طرف نماز پڑھے یہ اس دعا کا اثر ہے۔ خیال رہے کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام



وعزیز علیہ السلام کے ایک دو معجزے سن کر انہیں خدایا خدا کا بیٹا کہہ دیا، اور ان کی عبادت کرنے لگے مگر مسلمان ہزار ہا معجزات سن کر بلکہ آنکھوں سے دیکھ کر نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہتے ہیں نہ خدا کا بیٹا، جاہل مسلمانوں کا بھی عقیدہ یہ ہے "عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ" یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا ہی کی برکت ہے۔

لطیفہ: بعض لوگ اس حدیث کے ماتحت یہ بیان کرتے ہیں کہ قبروں کی تعظیم کرنا، سال کے سال وہاں جانا، جمع کر کے زیارتیں کرنا، وہاں چراغاں کرنا سب شرک ہے کیونکہ اس میں قبر پرستی ہے کہ قبر کو بت بنالیا گیا مگر یہ بالکل غلط ہے کیونکہ یہ سارے کام ۱۳ سو برس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر ہو رہے ہیں، ہر سال زائرین کی بھیڑ ہوتی ہے، ہاتھ باندھ کر سر جھکا کر سلام پڑھا جاتا ہے، رات کو ایمان افروز روشنی ہوتی ہے، سارے علماء، صلحاء، اولیاء یہ کام کرتے ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ روضہ انور پر سلام کرنے اس طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے، اگر ان میں سے کوئی کام شرک ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر ہرگز نہ ہوتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہو چکی ہے۔ ان نادانوں کی اس تفسیر سے لازم آئے گا کہ حضور کی یہ دعا رب نے بالکل رد کر دی، لہذا یہ حدیث جواز عرس کے متعلق اہل سنت کی قوی دلیل ہے، حدیث سمجھنے کے لیے علم و عقل و عشق کی ضرورت ہے۔

۱۔ اس طرح کہ ان قبروں کی عبادت کرنے لگے یا ان کی طرف نمازیں پڑھنے لگے، پہلا کام شرک ہے دوسرا حرام۔ خیال رہے کہ اگر اتفاقاً مسجد میں قبر ہو تو نمازی اور قبر کے درمیان پوری آڑ چاہیے، جیسے مسجد نبوی شریف میں روضہ اطہر ہے جس کے چاروں طرف نمازیں ہوتی ہیں مگر قبر انور کی چو طرف دیواروں کی آڑیں ہیں۔ اس کی پوری تحقیق پہلے ہو چکی۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باغوں میں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے ۱۔ بعض راویوں نے فرمایا یعنی باستان ۲ (احمد، ترمذی) ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف حسن ابن ابی جعفر کی حدیث سے ہی جانتے ہیں، انہیں یحییٰ ابن سعید وغیرہ نے ضعیف کہا ۳۔

۱۔ یعنی نفل نماز دیواروں کے پیچھے یا باغوں میں بہتر جانتے تھے تاکہ باغوں میں رہنے والے بے تکلف نوافل بلکہ ضرورۃً فرائض پڑھ سکیں ورنہ فرائض مسجد میں افضل ہیں۔

۲۔ یعنی حدیثوں میں جو حیطان آیا یہ حائطہ کی جمع ہے حائطہ دیوار کو بھی کہتے ہیں اور باغ کو بھی کیونکہ وہ دیوار سے گھرا ہوتا ہے، یہاں باغ کے معنی ہیں۔

۳۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ حسن مقبول الدعاء اور بڑے عابد تھے لیکن عبادت میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے حفظ حدیث میں کوتاہی پیدا ہو گئی تھی۔

روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کی نماز اپنے گھر میں ایک نماز ہے اور قبیلے کی مسجد میں پچیس نمازیں اور جس

مسجد میں جمعہ پڑھا جاتا ہے اس میں ایک نماز پانچ سو نمازیں  
اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز پچاس ہزار نمازیں اور میری مسجد  
میں ایک نماز پچاس ہزار نمازیں اور مسجد حرام میں ایک نماز  
ایک لاکھ نمازیں ہیں۔ (ابن ماجہ)

۱۔ مرقاۃ نے فرمایا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گھر کی ایک نماز کا ثواب ایک نماز کے برابر ہے، اور محلہ کی مسجد میں ایک نماز کا ثواب گھر کی پچیس نمازوں کے برابر اور جامع مسجد کی ایک نماز محلہ کی مسجد کی پانچ سو نمازوں کے برابر، اور مسجد بیت المقدس جو اسلام کا پہلا قبلہ تھی وہاں کی ایک نماز جامع مسجد کی پچاس ہزار نمازوں کے برابر، اور مسجد نبوی شریف کی ایک نماز بیت المقدس کی پچاس ہزار نمازوں کے برابر اور بیت اللہ شریف کی ایک نماز مسجد نبوی کی ایک لاکھ نمازوں کے برابر۔ مگر خیال رہے کہ یہ ثوابوں کا بڑا فرق ہے، رہی مقبولیت اور قرب الہی اس کا یہ حال ہے کہ مسجد نبوی کی ایک نماز بیت اللہ شریف کی پچاس ہزار نمازوں کے برابر اسی لیے مہاجرین و انصار مسجد نبوی کی نماز کو دل و جان سے پسند کرتے تھے۔ شعر

مہاجر چھوڑ کر کعبہ بسے آکر مدینہ میں مدینہ ایسی بہتی ہے مدینہ ایسی بہتی ہے

معلوم ہوا حضور کے قریب عبادت کا ثواب بڑھ جاتا ہے، اس لیے مسجد نبوی میں صف کا بایاں حصہ دانہ سے افضل ہے کیونکہ وہ روضہ پاک سے قریب ہے۔ خیال رہے کہ تاقیامت نمازوں کا یہ حال ہے مگر حضور کے پیچھے نمازوں کا ثواب اور مقبولیت ہمارے اندازے سے باہر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ زمین میں پہلے کون سی مسجد بنائی گئی فرمایا مسجد حرام! فرماتے ہیں میں نے کہا پھر کون سی فرمایا پھر مسجد اقصیٰ! میں نے کہا ان کے درمیان کتنا فاصلہ تھا فرمایا چالیس سال! اب ساری زمین تمہارے لئے مسجد ہے جہاں نماز کا وقت آجائے وہاں پڑھ لو۔ (مسلم، بخاری)

۱۔ کیونکہ آدم نے بحکم خداوندی حضرت جبرئیل کے عرض کرنے پر زمین پر آتے ہی یہ مسجد بنائی۔

۲۔ اقصیٰ کے معنی ہیں بہت دور چونکہ بیت المقدس کی مسجد کعبہ معظمہ اور مدینہ طیبہ سے بہت دور ہے اس لیے اقصیٰ کہلاتی ہے۔

۳۔ خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد نہ رکھی بلکہ پہلی بنیادوں پر عمارتیں بنائیں۔ ان دو پیغمبروں کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ فاصلہ ہے۔ اس حدیث میں یا تو ان دونوں مسجدوں کی بنیادوں کا ذکر ہے کہ آدم علیہ السلام نے تو بہ قبول ہوتے ہی کعبۃ اللہ کی بنیاد ڈالی، پھر چالیس سال کے بعد جب آپ کی اولاد بہت ہو گئی اور پھیل گئی تو ان میں سے کسی نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی۔ بعض روایات میں ہے کہ خود آدم علیہ السلام نے ہی کعبہ کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی بنیاد رکھی یا کوئی خاص تعمیر مراد ہے، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کعبہ کے چالیس سال بعد یعقوب علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی۔ یہاں مرقاۃ نے بناء کعبہ پر مفصل گفتگو کی ہے۔ بہر حال اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ کعبہ

بنائے ابراہیمی ہے اور بیت المقدس بنائے سلیمانی، ان دونوں بزرگوں میں ہزار برس سے زیادہ فاصلہ ہے تو ان تعمیروں میں چالیس سال کا فاصلہ کیسے ہوا جیسا کہ منکرین حدیث کو غوط لگا۔

یعنی اسلام میں ہر جگہ نماز جائز ہے۔ مذبح، مقبرہ وغیرہ میں نماز ممنوع ہونا ایک عارضہ کی وجہ سے ہے۔

## باب الستر

### ستر ڈھانپنے کا باب

الفصل الاول  
پہلی فصل

۱۔ بدن کا وہ حصہ جس کا ڈھانپنا نماز میں فرض ہے ستر کہلاتا ہے۔ مرد کے لیے ناف سے گھٹنے تک ستر ہے اور عورت کے لیے سر سے پاؤں تک سوا چہرے، کلائیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک قدم کے، اگر ستر کے کسی عضو کا چہارم حصہ نماز میں تین تسبیح کی بقدر کھلا رہے تو نماز مطلقاً نہ ہوگی۔ مصنف اس باب میں لباس مستحب اور لباس مکروہ کا ذکر بھی کریں گے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن ابی سلمہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام سلمہ کے گھر میں ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا اپنے کندھوں پر اس کے کنارے ڈالے ہوئے تھے ۲۔ (بخاری و مسلم)
--

۱۔ آپ قریشی ہیں، مخذومی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے ہیں، ام سلمہ کے فرزند، ۲۔ مقام حبشہ میں پیدا ہوئے۔ حضور کی وفات کے وقت ۹ برس کے تھے، عبدالملک ابن مروان کے زمانہ حکومت میں ۸۳ھ میں وفات پائی۔

۲۔ اس طرح کہ ایک کپڑا سر سے پاؤں تک اوڑھے تھے اور کپڑے کا داہنا کوننا بائیں کندھے پر اور بائیں داہنے پر ڈالے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز بلا کراہت جائز ہے بشرطیکہ کندھے وغیرہ کھلے نہ ہوں، اگرچہ مستحب یہ ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے۔ ٹوپی یا عمامہ، قمیض، تہبند یا پاجامہ۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو ۱۔ (مسلم، بخاری)
---

۱۔ کہ ننگے پیٹ، ننگی پیٹھ، ننگے کندھے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ بعض لوگ صرف تہبند یا پاجامہ سے نماز پڑھتے ہیں یہ مکروہ ہے۔ بلکہ امام احمد کے نزدیک نماز مکروہ تحریمی واجب الاداعادہ ہوگی۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی
--

اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کے کنارے ادھر ادھر ڈالے! (بخاری)

۱ یعنی داہنا کنارہ بائیں کندھے پر اور بائیں دائیں پر، اگر کنارے چھوٹے رہے تو نماز قطعاً نہ ہوگی کہ ستر کھلا رہے گا اور اگر ہاتھ سے کپڑے رہا تو نماز مکروہ ہوگی کہ اس صورت میں ہاتھ باندھ نہ سکے گا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیل بوٹوں والی چادر میں نماز پڑھی! اس کے بیل بوٹے ایک نظر دیکھے جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میری یہ چادر ابو جہم کے پاس لے جاؤ اور ابو جہم سے انجانہ چادر لے آؤ! اس چادر نے مجھے ابھی نماز سے باز رکھا۔ (مسلم، بخاری، بخاری کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا میں اس کے بیل بوٹوں کو نماز میں دیکھتا تھا مجھے خوف ہے کہ میری نماز خراب کر دے!)

۱ عربی میں خمیصہ بیل بوٹے والی چادر ہی کو کہتے ہیں، لیکن علیحدہ اعلام کا ذکر کرنا تجرید کی بناء پر ہے۔ یہ اوننی سیاہ چادر تھی جو ابو جہم نے ہدیۂ خدمت اقدس میں پیش کی تھی اس کو اوڑھ کر سرکار نماز پڑھ رہے تھے۔

۲ النجانیہ شام کی ایک بستی کا نام ہے جہاں سادہ کپڑے تیار ہوتے ہیں اسی کی طرف اس کی نسبت ہے، جیسے ہمارے ہاں بھاگل، بوریا، ڈھاکہ کی ململ یا لالپور کا لٹھا مشہور ہے۔ چونکہ چادر کا واپس کرنا ابو جہم کو ناگوار گزرتا۔ ان کی دلداری کے لیے اس کے عوض دوسری چادر طلب فرمائی۔ اور ابو جہم قرشی ہیں، عدوی ہیں، مشہور صحابی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا احترام فرماتے تھے کیونکہ یہ بزرگان قریش میں سے تھے۔

۳ اس طرح کہ نماز میں ہمارا دھیان اس کے بیل بوٹوں کی طرف ہو جائے اور کامل خشوع خضوع نہ رہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ لباس کا اثر دل پر ہوتا ہے خصوصاً صاف اور روشن دل جلدی اثر لیتے ہیں، جیسے سفید کپڑے پر سیاہ دھبہ معمولی بھی دور سے چمکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محراب مسجد سادہ ہونا بہتر ہے تاکہ نمازی کا دھیان نہ بٹے۔ بعض صوفیاء نقش و نگار والے مصلے کی بجائے سادہ چٹائی پر نماز بہتر سمجھتے ہیں، ان کا ماخذ یہی حدیث ہے۔ خیال رہے کہ یہ سب اپنی امت کی تعلیم کے لئے ہے قلب پاک مصطفیٰ کی واردات مختلف ہیں، کبھی کپڑے کے بیل بوٹے سے خضوع خشوع کم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور کبھی میدان جہاد میں تلواروں کے سایہ میں نماز پڑھتے ہیں اور خشوع میں کوئی فرق نہیں آتا کبھی بشریت کا ظہور ہے اور کبھی نورانیت کی جلوہ گری۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کا پردہ تھا جس سے گھر کا ایک گوشہ ڈھانک رکھا تھا ان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا یہ پردہ ہم سے ہٹالو کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں میرے سامنے آجاتی ہیں! (بخاری)

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ غیر جاندار چیزوں کی صورتیں ہوں گی، اور اگر جاندار کے فوٹو بھی ہوں تب بھی شوقیہ یا احترام کے طور پر نہ تھے تاکہ اس پر کراہت کا حکم ہو۔ خیال رہے کہ دیواروں پر غلاف ڈالنا جائز ہے اگرچہ بہتر نہیں، لہذا یہ حدیث ممانعت کی روایت کے خلاف نہیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ممانعت سے پہلے کا ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ الماری یا طاق پر حفاظت اشیاء کے لیے ڈالا گیا ہو، جیسے اب بھی ضرورۃً کیا جاتا ہے کہ بجائے کواڑ، ٹاٹ یا پردہ ڈال دیتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشمیں قبائلیہ پیش کی گئی آپ نے وہ پہنی پھر اس میں نماز پڑھی پھر فارغ ہوئے تو سختی سے اتار دی اس کو ناپسند کرتے ہوئے پھر فرمایا کہ یہ پرہیز گاروں کو زیبا نہیں ہے (مسلم، بخاری)

۱۔ فروج وہ اچکن کہلاتی ہے جس کا چاک پیچھے سے کھلا ہو۔ یہ قبائلیہ "دومة الجندل" کے بادشاہ اکیدریا سکندریہ کے بادشاہ نے ہدیہً پیش کی تھی، آپ کا پہن لینا انہیں راضی کرنے کے لیے تھا۔ بعض نے فرمایا کہ واقعہ ظہور نبوت سے پہلے کا تھا۔ حضور اس وقت بھی نمازیں پڑھتے تھے مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ ریشم حرمت سے پہلے کا ہے، ورنہ حرمت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کبھی نہ پہنا۔ خیال رہے کہ مرد کو کپڑے کا خاص ریشم پہننا منع ہے، دریائی یاسن کو منسوع ریشم حلال۔

۲۔ سبحان اللہ! یہ ہے حضور کی فطرت سلیمہ کہ ابھی ریشم حرام نہیں ہوا مگر طبیعت پاک میں نفرت پہلے ہی سے ہے۔

الفصل الثانی  
دوسری فصل

روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں شکاری آدمی ہوں تو کیا ایک قمیض میں نماز پڑھ سکتا ہوں فرمایا ہاں بٹن لگا دینا اگرچہ کانٹے ہی سے ہوں (ابوداؤد) نسائی نے اسی کی مثل روایت کی۔

۱۔ آپ اسلمی ہیں، مدنی ہیں، کنیت ابو مسلم ہے، آپ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے بیعت رضوان کے موقع پر دوبارہ بیعت کی۔ مشہور بہادر ہیں، بیدل لڑنے والوں میں بیٹھال تھے، ۸۰ سال عمر پائی، ۴۷ھ میں مدینہ پاک میں وفات ہوئی۔  
۲۔ اور شکار میں بھاگ دوڑ بہت کرنا پڑتی ہے تہبند بھاگنے میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔  
۳۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ لمبی قمیض میں بغیر تہبند پانجامہ نماز جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ قمیض کے بٹن لگے رکھنا سنت مستحبہ ہے، اور اگر گریبان میں سے ستر نظر آئے تو واجب ہے۔ تیسرے یہ کہ نماز میں اپنے سے بھی ستر چھپانا فرض ہے، اس سے بہت مسائل فنیہ مستنبط ہو سکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا جاؤ وضو کرو وہ گیا وضو کیا پھر آیا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اسے وضو کرنے کا کیوں حکم دیا فرمایا کہ وہ تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا اللہ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو تہبند لٹکائے ہوئے ہو۔ (ابوداؤد)

۱ یعنی فیشن اور تکبر کے طریقہ پر اس کا تہبند ٹخنوں سے نیچے تھا جیسا کہ آج کل چوہدریوں کا پہناوا ہے یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اگر فیشن سے نہ ہو تو مضائقہ نہیں، جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق سے منقول ہے کہ آپ کے پیٹ پر تہبند رکنا نہ تھا ڈھلک جاتا تھا جس سے ٹخنوں کے نیچے ہو جاتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا فرمایا تم فیشن والے متکبرین میں سے نہیں ہو، لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۲ تہبند لٹکانے سے وضو واجب نہیں ہوتا یہاں وضو کا حکم دینا یا اس لئے تھا کہ اس کی وجہ سے اس شخص کو یہ واقعہ یاد رہے اور آئندہ کبھی نیچا تہبند نہ پہنے کیونکہ قدرے سزا دے دینے سے بات یاد رہتی ہے یا اس لیے کہ ان کے دل میں فیشن اور تکبر تھا، ظاہری طہارت کے ذریعہ باطنی طہارت نصیب ہو، ہاتھ پاؤں دھلنے سے دل غرور و تکبر سے دھل جائے۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں پاک کپڑوں میں رہنا، پاک بستر پر سونا ہمیشہ با وضو رہنا دل کی صفائی کا ذریعہ ہے۔ ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بالغہ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد و ترمذی)

۱ خِمَارٌ حَمْرَةٌ سے بنا یعنی ڈھلکانا، اسی لئے شراب کو خمر کہتے ہیں، کہ وہ عقل کو ڈھک لیتی ہے، عمامہ کو بھی خمار کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں سر ڈھکنے والا کپڑا مراد ہے، دوپٹہ، چادر یا بڑا رومال۔ اس سے معلوم ہوا کہ بالغہ عورت کا ستر سر ہے جس کا ڈھلکانا نماز میں فرض ہے۔ لہذا ایسے باریک دوپٹے میں نماز جس سے سر نظر آئے نہ ہوگی۔ یہ حکم آزاد عورت کے لیے ہے، لونڈی کا ستر نہیں۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا عورت قمیض اور دوپٹے میں نماز پڑھ سکتی ہے بغیر تہبند کے فرمایا اگر کرتہ اتنا لمبا ہو کہ اس کے پاؤں کی پشت کو ڈھانپ لے۔ (ابوداؤد) اور ایک جماعت نے اسے ام سلمہ پر موقوف کیا۔

۱ عورت کے پاؤں کی پشت ستر نہیں، اور نہ اس کا چھپانا نماز میں فرض ہے۔ قدم کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ یہاں گرنے والا کپڑا پوری پنڈلی کو ڈھانپ لیگا۔

۲ یعنی اسے حضرت ام سلمہ کا اپنا قول قرار دیا نہ کہ حضور کا فرمان شریف، لیکن اس قسم کی حدیث موقوف مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے کیونکہ یہ احکام عقل سے نہیں کہے جاتے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کپڑا لٹکانے اور مرد کے منہ ڈھکنے سے منع کیا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

۱۔ کپڑا سر یا کندھے پر ڈالنا اور اس کے دونوں کنارے یونہی لٹکتے چھوڑ دینا سدل کہتے ہیں۔ اچکن یا کوٹ بغیر بٹن لگائے پہننا بھی سدل میں داخل ہے۔ سدل نماز میں مکروہ ہے اگر نیچے کپڑا نہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے ورنہ تنزیہی کیونکہ اس میں کپڑا سنبھالنے میں دل لگا رہتا ہے نماز میں یک سوئی حاصل نہیں ہوتی۔

۲۔ ہاتھ سے یا کپڑے سے کیونکہ اگر نماز میں منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھا ہو تو قرأت صحیح نہ ہو سکے گی۔ بعض نے فرمایا کہ عمامہ کا شملہ منہ پر لپیٹنا منع ہے کہ یہ یہود کا فعل ہے، ہاں جس کے منہ سے بو آرہی ہو یا بدبودار ڈکاریں، اسے جائز ہے۔

روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے ۱۔ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی مخالفت کرو وہ نہ جو توں میں نماز پڑھتے ہیں نہ موزوں میں ۲۔ (ابوداؤد)

۱۔ آپ انصاری ہیں، حضرت حسان کے بھتیجے، کنیت ابو یعلیٰ ہے، شام میں مقیم رہے، ۷۵ سال عمر ہوئی، ۵۸ھ میں بیت المقدس میں وفات پائی۔

۲۔ یعنی یہود جو تے یا موزے میں نماز جائز نہیں سمجھتے تم جائز سمجھو۔ خیال رہے کہ موزوں میں نماز ادا کرنا سنت ہے، لیکن جو تے اگر پاک ہوں اور اتنے نرم کہ سجدہ میں حرج واقع نہ ہو کہ پاؤں کی انگلیاں بخوبی مڑ کر قبلہ رو ہو سکیں تو ان میں نماز جائز ہے۔ ہمارے ملک کی جو تیاں نماز کے قابل نہیں، نیز اب لوگ صحابہ کرام جیسے با ادب نہیں اگر انہیں جو توں میں نماز کی اجازت دی جائے تو مصلے اور مسجدیں گندگی سے بھر دیں گے، اس لئے اب جو تے اتار کر ہی مسجدوں میں آنا اور نماز پڑھنا چاہیے۔ (ازمرقاۃ وشامی) اس سے معلوم ہوا کہ بے دینوں کی مخالفت کے لیے جائز کام ضرور کرنا چاہئیں جیسے اس زمانے میں میلاد شریف اور گیارہویں شریف۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ چونکہ اب یہود ہمارے علاقے میں رہے نہیں، اس لیے اب جو تے پہنے ہوئے نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ خیال رہے کہ مسجد یا نماز کے ادب کے لیے جو تے اتارنا قرآن شریف سے ثابت ہے، رب فرماتا ہے: "فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى" اے موسیٰ! تم عزت والے جنگل میں ہو جو تے اتار دو۔ بعض با ادب مرید اپنے شیخ کے شہر میں جو تے نہیں پہنتے۔ امام مالک زمین مدینہ میں کبھی گھوڑے یا کبھی اور سواری پر سوار نہ ہوئے، ان کے آداب کا ماخذ یہ آیت ہے اور یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

روایت ہے ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ نے جو تے اتار دیئے اور اپنے بائیں طرف رکھ لئے ۱۔ جب قوم نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جو تے اتار دیئے ۲۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی تو فرمایا کہ تمہیں جو تے اتار ڈالنے پر کس نے آمادہ کیا عرض کیا کہ ہم نے آپ کو جو تے اتارتے دیکھا ہم نے بھی اپنے جو تے اتار دیئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبریل میرے پاس آئے مجھے بتایا کہ ان میں گندگی ہے ۳۔ جب تم

میں سے کوئی مسجد میں آیا کرے تو دیکھ لیا کرے اگر جو توں  
میں گندگی دیکھے تو انہیں پونچھ دے اور ان میں نماز پڑھ  
لے (ابوداؤد، دارمی)

۱۔ یہ سب کچھ تھوڑی سی حرکت سے ہو اور نہ عمل کثیر نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

۲ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضور کی پیروی بہر حال کی جائے وجہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ دیکھو صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعلین اتارتے دیکھا تو بغیر وجہ کی تحقیق کئے جوتے اتار دیئے اور سرکار نے اس اتباع پر اعتراض نہ فرمایا۔ دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نماز میں بجائے سجدہ گاہ کے اپنے ایمان گاہ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتے تھے ورنہ انہیں آپ کے اس فعل شریف کی خبر کیسے ہوتی، جیسے مسجد حرم شریف کا نمازی نماز میں کعبہ کو دیکھے ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے نماز پڑھنے والا نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے۔

۳ تھوک، رینٹ وغیرہ گھن کی چیز نہ کہ پلیدی اور نجاست، ورنہ نماز کا لوٹانا واجب ہوتا کیونکہ اگر گندے کپڑے، گندے جوتے میں نماز شروع کر دی جائے پھر پتہ لگے تو نماز دوبارہ پڑھنی پڑتی ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا یہ چیزیں پاک ہیں ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں مضائقہ نہیں رب نے جبریل امین کو بھیجا کہ پیارے تمہاری شان کے یہ بھی خلاف ہے تمہارے لباس پاک بھی چاہئیں، سترے بھی، لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حضور نے نماز لوٹائی کیوں نہیں اور نہ یہ اعتراض کہ حضور کو اپنے نعلین کی بھی خبر نہیں اوروں کی کیا خبر ہوگی، جو شہنشاہ زمین پر کھڑے ہو کر اندرون زمین کا عذاب دیکھ لے اور عذاب قبر کی وجہ جان لے اور جو یہ فرمائے کہ نماز صحیح پڑھا کرو، مجھ پر تمہارے رکوع، سجدے، دل کا خشوع خضوع پوشیدہ نہیں، اس پر اپنے نعلین کا حال کیسے چھپے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ اپنے حبیب کی ہر ادا کی نگرانی فرماتا ہے کیوں نہ ہو خود فرماتا ہے "فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا" اے محبوب! تم ہماری نظروں میں رہتے ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام عین نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیں دیکھتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرتے تھے۔

۴ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ سرکار اور صحابہ کرام نرم چپل پہناتے تھے جس میں سجدہ بے تکلف ہو جاتا تھا اور یہود کی مخالفت بھی۔ ہمارے جوتوں میں نماز جائز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جوتا پونچھنے سے پاک ہو جاتا ہے جب کہ دلدار نجاست لگی ہو، پیشاب وغیرہ سے بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے  
تو اپنے جوتے نہ اپنی دائیں طرف رکھے نہ بائیں طرف ورنہ  
دوسرے کے دائیں طرف ہو جائیں گے مگر یہ کہ اس کے  
بائیں طرف کوئی نہ ہو انہیں دونوں پاؤں کے بیچ میں رکھے  
اور ایک روایت میں ہے کہ یا ان میں ہی نماز پڑھ لے  
(ابوداؤد) ابن ماجہ نے اس کے معنی روایت کئے۔



۱۔ چونکہ داہنی طرف رحمت کا فرشتہ ہے جو ہماری نیکیاں لکھتا ہے اور نماز میں وہ اپنا کام کر رہا ہے لہذا اس کا ادب کرتے ہوئے نہ ادھر تھوکے نہ جوتے رکھے، ہاں اگر داہنی جانب دور جوتے رکھے ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

۲۔ اگر پاک اور نرم ہوں۔ خیال رہے کہ جوتے میں نماز اور جوتے پر نماز پڑھنے میں فرق ہے، اگر تلے گندگی ہو اور اسے اتار کر اس کے اوپر کھڑے ہو کر نماز پڑھ لے تو جائز ہے کہ اب جوتا لباس نہیں بلکہ نماز کی جگہ ہے جس کے اوپر نجاست نہ ہونا کافی ہے جیسے لکڑی کا موٹا تختہ جس کی چلی سطح ناپاک ہو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو چٹائی پر نماز پڑھتے دیکھا کہ اسی پر سجدہ کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا۔ (مسلم)

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر زمین اور نمازی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو نماز درست ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ چٹائی اور جو چیز زمین سے اُگی ہو اس پر نماز افضل ہے کیونکہ اس میں اظہار عجز ہے اور امام مالک کی مخالفت سے بچنا کہ ان کے ہاں جنس زمین کے سوا کسی چیز پر سجدہ مکروہ ہے۔

۲۔ یا بیان جواز کے لئے یا اس وقت دوسرا کپڑا تھا نہیں، ورنہ سنت یہ ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے، کرتا، پانجامہ۔ عمامہ لپٹنے کی صورت یہ ہے کہ چادر کا داہنا کنارہ بائیں کندھے پر ہو اور بائیں دائیں پر۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ننگے پاؤں اور نعلین پہنے نماز پڑھتے دیکھا۔ (ابوداؤد)

۱۔ یعنی کبھی ایسے، یہ دونوں کام ایک ہی نماز میں نہ ہوتے تھے۔

روایت ہے حضرت محمد ابن منکدر سے فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے صرف تہبند (چادر) میں نماز پڑھی جسے گدی کی طرف باندھا تھا۔ حالانکہ انکے کپڑے کھونٹی پر رکھے تھے کسی نے ان سے عرض کیا کہ کیا آپ ایک ہی چادر میں نماز پڑھتے ہیں۔ تو فرمایا میں نے اس لئے کیا تاکہ مجھے تم جیسے بیوقوف دیکھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سے کس کے پاس دو کپڑے تھے۔ (بخاری)

- ۱۔ یعنی سر سے پاؤں تک ایک چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ سر و کندھا وغیرہ کچھ کھلا نہ تھا۔ لہذا آج کل کے فیشن پرست اس حدیث سے ننگے سر یا ننگے کندھے نماز پر دلیل نہیں پکڑ سکتے۔
- ۲۔ یہ سوال تعجب کے لیے ہے۔ اس تعجب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنا چھوٹ چکا تھا، تمام صحابہ تین یا دو کپڑوں میں نماز پڑھنے کے عادی تھے۔
- ۳۔ بے وقوف اس لیے کہا کہ انہوں نے صحابی پر اعتراض کرنے میں جلدی کی۔ اگر بزرگوں کا کوئی کام نامناسب معلوم ہو تو انتظار کرنا چاہیے کہ شاید وہ خود ہی اس کی وجہ بتادیں۔ یہی ادب مشائخ اور علمائے حقانی کی بارگاہوں کا بھی ہے۔ (اشعۃ المعات)
- ۴۔ یعنی اگر صرف ایک کپڑے میں نماز جائز نہ ہوتی تو اس غریبی کے زمانہ میں ہم سے کسی کی نماز نہ ہوتی، یعنی میرا یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے نہ کہ سستی کے لیے۔

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں ایک کپڑے میں نماز سنت ہے۔ ہم یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے تھے اور ہم پر عیب نہ لگایا جاتا تھا تب حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ یہ جب ہی تھا جب کپڑوں میں کمی تھی لیکن جب اللہ نے گنجائش بخشی تو دو کپڑوں میں نماز بہتر ہے۔ (احمد)

۱۔ یہاں سنت سے مراد لغوی معنی ہیں، یعنی طریقہ کار یا یہ مطلب ہے کہ اس کا جواز سنت سے ثابت ہے، لہذا آپ کے اس فرمان اور سیدنا ابن مسعود کے فرمان میں تعارض نہیں۔

۲۔ یعنی بجائے ایک کے دو کپڑوں میں نماز بہتر ہے۔ بعض احادیث میں ہے کہ عمامہ کی نماز بغیر عمامہ کی نماز سے ستر درجہ افضل ہے، لہذا تین کپڑوں میں نماز بہت بہتر کیونکہ اس حدیث میں قمیض و پانجامہ کا ذکر آیا اس میں عمامہ کا دونوں پر عمل ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و اصحابہ وسلم

(احمد یار خان، خطیب جامع مسجد نوشہ گجرات، پاکستان)